خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
aanchalpk.com aanchalnovel.com
WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ

بانی مدیرہ	زیب النساء
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	قیصر آرا
نائب مدیرہ	سعیدہ نثار
مدیر خصوصی	طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاونین	جویریہ احمد
	روبین احمد

جلد	39
شمارہ	07
اکتوبر	2017

ماہنامہ آنچل کراچی

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

f /Naeyufaq Aanchal &
Hijab official group

f /women.magazine

اس شمارے میں

ابتدائیہ

سرگوشیاں — مدیرہ — 14
حمد — ثوبیہ ناز — 15
نعت — پرنم الٰہی — 15
درجواب آں — مدیرہ — 16

دانش کدہ

الکوثر — مشتاق احمد قریشی — 21

ہمارا آنچل

فصیحہ الاسلام/شمع شکیل — ملیحہ احمد — 25
روبینہ کوثر/عائشہ اشرف

سلسلہ وار ناول

تیری زلف کے سر ہونے تک — اقرا صغیر احمد — 65
شب ہجر کی پہلی بارش — نازیہ کنول نازی — 157

مکمل ناول

ذرا مسکرا میرے گمشدہ — فاخرہ گل — 29
ابھی پھولوں میں خوشبو ہے — یاسمین نشاط — 105
جنون سے عشق تک — سمیرا شریف طور — 197

ناولٹ

بخت کا ستارہ — نظیر فاطمہ — 87
اماں بی — سمیرا سرفراز — 175
خواب زادی — صباء ایشل — 231

افسانے

بند ہونٹوں کی بات — راشدہ رفعت — 57
قصہ رائٹر بننے کا — عمارہ خان — 147
پشیمانی — خدیجہ جلال — 215
اسیر محبت — ندا حسنین — 223

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔74400

سرورق: ردا ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

ہومیو کارنر	طلعت نظامی	245	یادگار لمحے	جویریہ سالک	268
بیاضِ دل	میمونہ رومان	247	آئینہ	شہلا عامر	272
ڈش مقابلہ	طلعت آغاز	249	ہم سے پوچھیے	شمائلہ کاشف	282
بیوٹی گائیڈ	روبین احمد	253	آپ کی صحت	ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا	285
نیرنگ خیال	ایمان وقار	255	کام کی باتیں	حنا احمد	289
دوست کا پیغام آئے	ہما احمد	261	کترنیں	قارئین	000

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دسترخوان پر گری ہوئی چیز اٹھا کر کھاتا ہے اس کی اولاد حسین وجمیل پیدا ہوتی ہے اور اس سے محتاجی دور کردی جاتی ہے۔''

(مدارج النبوۃ)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اکتوبر ۲۰۱۷ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

سب سے پہلے عیدالاضحیٰ کی دلی مبارک باد قبول کیجیے یقیناً آپ سب بہنوں نے قربانی کے گوشت کے خوب مزے مزے کے پکوان پکائے ہوں گے دوسروں کو بھی خوب کھلائیں ہوں گے اور اپنی قربانیوں میں سے غریب غرباء کا حصہ بھی نکالا ہوگا ایک بار پھر دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

اس بار خصوصاً تمام نئی لکھنے والی بہنوں سے مخاطب ہوں کہ آپ تمام بہنوں کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ ہمارے پاس نئے اور پرانے لکھنے والوں کی کس قدر تحریریں آتی ہیں اتنی زیادہ کہ ہم سب آنے والی تحریروں کو ہر ماہ شامل اشاعت نہیں کرسکتے بہنوں کی بے چینی، بے کلی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی آنچل کی ایک سہیلی حجاب کا اجرا کیا گیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ کہانیاں شائع کی جاسکیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی بہت زیادہ میٹر انتظار کی قطار میں ہے۔ نئی لکھنے والی بہنوں سے گزارش ہے کہ ذرا صبر وتحمل سے انتظار کریں۔ آپ کا ماہنامہ ہر ماہ ایک ہی بار آتا ہے آپ ہر دوسرے دن فون کرکے جو معلومات اور شکوے شکایت کے دفتر کھول دیتی ہیں اس سے آپ کا نمبر پہلے تو آ نہیں سکتا اپنے وقت پر آئے گا وہ بھی اگر کہانی قابل اشاعت ہوئی ورنہ ناقابل اشاعت کہانیوں کو ضائع کردیا جاتا ہے۔

ایک بات اور خصوصی توجہ طلب ہے کچھ نئی اور کچھ پرانی لکھنے والی بہنیں کسی پرانے رسالے سے کوئی کہانی نقل کرکے اپنے نام سے بھیج دیتی ہیں ایسی تمام لکھنے والی بہنوں کو شاید یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کی چوری پکڑی جائے گی تو کتنی بدنامی ہوگی اور ادارہ انہیں بلیک لسٹ بھی کردے گا پھر آئندہ ان کی کوئی اصل طبع زاد کہانی بھی شائع نہیں ہوسکے گی اس لیے تمام نئی لکھنے والی بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ اس بارے میں احتیاط برتیں ضروری نہیں کہ ہر کوئی جو رسالہ پڑھے وہ کوئی نہ کوئی کہانی ضرور لکھے ہاں یہ ضرور ہے کہ لکھتے لکھتے لکھنا آ ہی جاتا ہے لیکن اس کے لیے صبر و برداشت اور تحمل ضروری ہے کوئی بھی ادارہ اچھی تحریر کو ضائع نہیں کرتا کبھی نہ کبھی شائع کرہی دیتا ہے بس نمبر آنے کی دیر ہوتی ہے امید ہے کہ بہنوں نے میری بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا، تمام لکھاری بہنیں نوٹ فرمالیں کہ حجاب کا نومبر کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا آنچل وحجاب کی تمام قاری بہنیں اپنی نگارشات جلد از جلد ارسال کردیں تاکہ سالگرہ نمبر میں آپ سب کو شامل کیا جاسکے۔ آئندہ ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

اس ماہ کے ستارے

راشدہ رفعت، نظیر فاطمہ، یاسمین نشاط، عمارہ خان، سمیرا سرفراز، خدیجہ جلال، ندا حسنین، صباء ایشل۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو

قیصر آرا

حمد

ہے سب تعریف ہی تیری زمیں تیری فلک تیرا
تُو مالک سب جہانوں کا ہے ہر ذرہ یہاں تیرا
تری رحمت کا پرتو ہے جسے انسان کہتے ہیں
رحیمی صفت تیری ہے تجھے رحمٰن کہتے ہیں
تُو مالک ہے قیامت کا قیامت کا
تُو مالک روزِ محشر کا تُو مالک ہے عدالت کا
تُوسن لے تجھ سے کہتے ہیں عبادت تیری کرتے ہیں
مدد مانگیں گے بس تجھ سے یہ منت تیری کرتے ہیں
جنہیں انعام میں تُو نے چلایا سیدھے رستے پر
چلا ہم کو بھی اے مولا انہی بندوں کے رستے پر
غضب جن پر ہوا تیرا بچالے ان کے رستے سے
بچا گمراہ رستے سے بچالے بھٹکے رستے سے

محترمہ ثوبیہ ناز

نعت

یوں نام زمانے میں کر جائیں تو اچھا ہو
ہم عشق محمدؐ میں مرجائیں تو اچھا ہو
تربت جو محمدؐ کے عاشق کی ہو سب اس پر
دو پھول عقیدت کے دھر جائیں تو اچھا ہو
عشقِ شۂ والا میں عشاق کے روزانہ
لاکوں پہ نذرانہ سرجائیں تو اچھا ہو
صیاد کتر دے جب پر بلبل طیبہ کے
اڑ اڑ کے سوئے طیبہ پر جائیں تو اچھا ہو
سرکارؐ انہیں اپنے سینے سے لگاتے ہیں
کعبے سے محمدؐ کے گھر جائیں تو اچھا ہو
جب پیش خدا جائیں سرکارؐ سرِ محشر
ہمراہ نبیؐ ہم بھی گر جائیں تو اچھا ہو
بن مانگے ملے پُرنم یوں دستِ سخاوت سے
دامن کو مرے آقا بھر جائیں تو اچھا ہو

حضرت پُرنم الٰہ آبادی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

در جواب آں

مدیرہ

رفاقت جاوید...... راولپنڈی

عزیزی رفاقت! شاد و آباد رہو، آپ کی علالت کے متعلق علم ہوا بے ساختہ دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور زندگی کے ہر موڑ پر خوشی و کامیابی نصیب کرے' آمین۔ بے شک صحت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور جب انسان بیمار ہوکر ڈاکٹروں کے سامنے بے بسی اور لاچاری محسوس کرتا ہے تو یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ سمیت ہر بیمار کو صحت وتندرستی عطا فرمائے اور ہر قسم کی محتاجی سے بچائے' آمین۔

مصباح علی سید...... سرگودھا

ڈیئر مصباح! جگ جگ جیو، آپ کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کا سن کر بہت دکھ ہوا اللہ سبحان وتعالیٰ ہر کسی کو ناگہانی آفات' آلام ومصائب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے اور آپ کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے' آمین۔ قارئین سے بھی آپ کے لیے دعائے صحت کے ملتمس ہیں۔

دلکش مریم...... چنیوٹ

پیاری دلکش! جیتی رہو، آپ کے والد کی رحلت کے متعلق جان کر بے حد صدمہ ہوا بے شک باپ کے مشفق سائے سے محروم ہوکر زمانے کے سرد وگرم سہنا کوئی آسان بات نہیں اور جب یہ سہارا چھوٹتا ہے تو ہر طرف سے بے امانی کا تصور بھی دل کو بے چین کردیتا ہے ان مشکل گھڑیوں میں اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ سمیت دیگر اہل خانہ کو صبر واستقامت عطا فرمائے اور آپ کے والد محترم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے' آمین۔

نسرین اختر...... لاہور

پیاری نسرین! جیتی رہو، آپ سے نصف ملاقات جہاں اچھی لگی وہیں آپ کے والد کی رحلت کی خبر سن کر دل اداس ہوگیا باپ کے رشتے سے محرومی یقیناً ایک گہرا اور بڑا صدمہ ہے ایسے الفاظ کا چناؤ ناممکن لگ رہا ہے جو آپ کے غم میں ڈھارس بن سکیں سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ ان کڑے لمحات میں صبر کا دامن تھامے رکھیں ان شاءاللہ آپ کا دامن وہ اجر سے بھر دے گا اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے والد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں آپ کی تحریر جلد شامل کرلیں گے۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

ڈیئر گل کی مانند گل مہکتی رہو' آپ کے کہنے پر اب کونے میں نہیں بلکہ در جواب آں میں جگہ عنایت کردی ہے نظر انداز کرنے والی بات نہیں ہے اگر بروقت ڈاک نہیں ملتی تو ایسا ہوتا ہے کہ آئندہ ماہ لگادی جاتی ہے بہر حال آپ کے شکوے کو دوست کا پیغام سلسلے تک پہنچادیا گیا ہے جلد ہما احمد آپ کا گلہ دور کردیں گی اس سلسلے میں اس قدر کثرت سے پیغامات موصول ہوتے ہیں کہ آپ بہنیں اسی شکوے کے ساتھ حاضر ہوتی ہیں۔

زرقا بھٹی...... چناب نگر

عزیزی زرقا! سدا مسکراؤ، آپ کی ارسال کردہ تحریر کھوئے رشتوں کا ملن پڑھ ڈالی بے جا طوالت کا شکار لگی اور آپ اس ناول کو آپ سنبھال نہیں پائیں بچھڑنے اور پھر ملنے کی یہ داستان دونوں صورتوں میں یکسانیت لیے ہوئے تھی اسی لیے نوآموز رائٹرز کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ابتدا میں افسانہ لکھیں تاکہ ڈائیلاگ اور منظر نگاری پر کمال حاصل ہوسکے۔ طویل کہانی کو سنبھالنا اور شروع سے لے کر آخر تک تسلسل برقرار رکھنا دشوار مرحلہ ہے اس لیے ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ابھی مزید محنت کریں اور اگر لکھنے کی طرف آئیں تو پہلے افسانہ ہی لکھیں امید ہے کہ مایوسی کی جگہ محنت کو اپنا شعار بنائیں گی۔

زعیمہ روشن...... آزاد کشمیر

ڈیئر زعیمہ! جیتی رہو، خط کا جواب حاضر ہے اس لیے سابقہ خفگی کو بھول جائیں آپ کی طرح ہر بار بہت سی بہنیں توجہ

کی متقاضی ہوتی ہیں ایسے میں سب کو شامل کرنا سب کو خوش رکھنا دشوار نظر آتا ہے آپ کو دیگر سلسلوں میں تو شامل کیا جاتا ہے اس بار یہاں بھی کمی پوری کردی ہے۔ بہنا ہمیں آپ کی مشکلات کا اندازہ ہے اسی لیے کہیں نہ کہیں آپ کو موقع ضرور دیتے ہیں آپ کے آرٹیکل کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

وزیہ ظفر...... تلہ گنگ

پیاری وزیہ! سدا شاد رہو، آپ کی ارسال کردہ تحریر ایک تھی نمل پڑھ ڈالی موضوع اور انداز دونوں میں ہی دلچسپی اور انفرادیت مفقود تھی جبکہ آپ تو پہلے بھی لکھ چکی ہیں پھر یہ تشنگی کیونکر ہے ان کمزوریوں پر سمجھوتہ کرنے پر ہم آمادہ نہیں کیونکہ ہمیں اندازہ ہے آپ مزید بہتر لکھتی ہیں اور لکھ سکتی ہیں بس موضوع کے چناؤ میں انفرادیت کو پیش نظر رکھیں، کہانی میں دلچسپی ہوگی تو قارئین کی توجہ بھی فوراً اپنی جانب مبذول کرلے گی کوشش جاری رکھیں۔

عائشہ پرویز...... کراچی

ڈیئر عائش! سدا سہاگن رہو، یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ پیا دیس سدھار گئی ہیں بے شک والدین کا گھر سونا ہوگیا ہوگا لیکن اس فرض کی ادائیگی بھی ضروری ہے کسی کے گھر کی رونق تو کسی کے گھر کا سونا پن بے شک بیٹیوں کے دم سے ہی ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو اپنے ہم سفر کے سنگ زندگی کے اس نئے رنگ روپ میں آپ کو بہت سی خوشیاں ملیں، آمین۔ کالمز اور دیگر سلسلوں کے ذریعے آنچل میں شرکت کرسکتی ہیں۔

نگہت غفار...... کراچی

بہن نگہت! سدا خوش رہو، کافی عرصے بعد تحریر کے ساتھ نامہ موصول ہوا پرچے کی تکمیل کا کام جاری تھا تحریر پڑھی نہ جاسکی انتظار کے لیے معذرت جلد پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کریں گے باقی تحریریں محفوظ ہیں کوشش ہے کہ جلد حجاب میں شامل کرلیں، سب کو شکایت ہے آپ بھی ان میں شامل ہیں یہ نہیں کہ لکھتی اچھا نہیں، جو قارئین چاہتے ہیں وہ ہمیں شائع کرنا پڑتا ہے باقی دیر سویر ہوجاتی ہے امید ہے ناراضگی جلد حجاب یا آنچل میں اپنا نام دیکھ کر خوشی میں بدل جائے گی۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

آنسہ شبیر...... گجرات

پیاری آنسہ! آباد رہو، مختصر ملاقات رنجیدہ کرگئی بھائی بہنوں کے لیے مان ہوتے ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ سب بہنوں کے بھائیوں کو سلامت رکھے آمین۔ آپ کے بھائی کی رحلت کا پتا چلا کس طرح وہ اپنی بیماری سے لڑتے ہوئے زندگی کی بازی ہار گئے انسان یہیں آکر بے بس ہوجاتا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے جس کی جو عمر لکھی ہے اس نے وہی پوری کرنی ہوتی ہے ہر حال میں یہ دل بہلاوے کی باتیں ہیں لیکن دل کو تسلی کہاں، اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے بھائی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہوئی اس لیے نگارشات آئندہ ماہ شامل اشاعت ہوں گی۔

ملالہ اسلم...... حاصل پور

ڈیئر ملالہ! جگ جگ جیو، آپ کا نامہ موصول ہوا مختصر ملاقات طبیعت اداس کرگئی ہر لڑکی کی زندگی میں ایسے لمحات ضرور آتے ہیں جب وہ والدین کا گھر چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالتی ہے مشکل مرحلہ ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں اپنے والد کی طبیعت دیکھتے ہوئے آپ نے اس رشتے کے لیے ہامی بھری بے شک تکلیف کی گھڑی تھی اچھے وقت کی امید رکھیں اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا کریں ان شاء اللہ والد جلد صحت یاب ہوجائیں گے باقی آپ کی نگارشات سنبھال کر رکھ لی ہیں باری آنے پر جلد شامل کرلیں گے امید ہے مایوسی کے بادل چھٹ گئے ہوں گے۔

انعم زہرہ...... ملتان

ڈیئر انعم! سدا خوش رہو، آپ کے خط سے اندازہ ہوا کہ آپ زندگی کی مصروفیات میں مگن ہوتی جارہی ہیں اور یہی بات خوش آئند ہے بے شک اچھا اور برا وقت گزرنے کے لیے ہوتا ہے اور یہ ہم انسانوں کی فطرت ہے کہ غموں اور مشکلوں کو سینے سے لگائے کڑھتے رہتے ہیں اور آنے والے خوشگوار پلوں کو اپنی سوگواریت میں بھول جاتے ہیں یا نظر انداز کردیتے ہیں آپ کے خاندان میں سب محبت کرنے والے

اور خلوص کا دم بھرنے والے ہیں ضرور آپ کے لیے کچھ بہت اچھا اللہ سبحان و تعالیٰ نے مختص کر رکھا ہوگا بس صحیح وقت اور حالات پر ان شاء اللہ سب آپ کے سامنے آجائے گا کیونکہ ہمارے رب کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا آخر میں رہی لکھنے کی بات تو اسے آپ جانے دیں جب آپ اتنی محبت اور چاہت سے خط لکھ سکتی ہیں تو ہم اس الجھن کو خود ہی سلجھا لیتے ہیں کیونکہ خط پڑھنا اور جواب دینا ہمارا کام ہے، ہاں لکھنا آپ کا کام ضرور ہے سمجھ گئی ہوں گی۔

مدیحہ کنول سرور...... چشتیاں

پیاری مدیحہ! جیتی رہو، آپ نے جس مسئلے کی نشاندہی کی ہے وہ درست ہے نیرنگ خیال میں ذاتی کاوش ہی لگتی ہے لیکن اس کے باوجود بعض بہنیں یہ غلطی کرتی ہیں امید ہے آئندہ اس بات کا خیال رکھا جائے گا آپ کی نگارشات و کہانیاں جلد لگا دیں گے۔

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ مانسہرہ

ڈیئر سمیہ! آباد رہو، بھئی ناراضگی کیسی اور کیونکر؟ دیگر سلسلوں میں نام نہیں لیکن یہاں تو جگمگا رہا ہے ناں اور اپنی ڈاک خانے جانے تک کی اس اسٹوری کو بطور افسانہ قلم بند کریں یا پھر تمام حالات یادگار لمحے کے لیے لکھ بھیجیں تاکہ ہمارے قارئین بھی محظوظ ہوں، شاہ زندگی کا تذکرہ اس لیے نہ تھا کہ ہمارے پاس کسی مستند ذرائع سے یہ خبر نہیں پہنچی تھی اسی لیے صرف دوستوں کے جذبات کا خیال کرتے ان کے پیغامات ہی شائع کیے گئے۔

سمعیہ رانی...... ملتان

گڑیا سمعیہ! سدا خوش رہو، آپ سے نصف ملاقات بہتر لگی لکھنے کی صلاحیت کا اندازہ تو مختصر سے خط سے ہوگیا ہے لیکن اپنی رائے سے آگاہ ہم آپ کی تحریر پڑھ کر ہی کر سکتے ہیں اس لیے بجائے صفحات کو نذر آتش کرنے کے آپ ہمیں ارسال کردیں لیکن طوالت سے بچتے ہوئے مختصر موضوع کو قلم بند کریں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے معاملات میں آسانی فرمائے آمین۔

نبیلہ ناز...... راولپنڈی

پیاری نبیلہ! شاد رہو، آپ کی تحریر اصلی کنگن موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی محنت کی مزید ضرورت ہے اس لیے مایوس ہونے کے بجائے نامور مصنفین کو اپنے مطالعے کا حصہ بنائیں تاکہ الفاظ کے چناؤ کے ساتھ تحریر پر گرفت کا بخوبی اندازہ ہوسکے۔ اپنا مشاہدہ بھی وسیع کریں امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

لبنیٰ شکیلہ...... اوکھ چناں، سیالکوٹ

ڈیئر لبنیٰ! شاد رہو، گاؤں میں رہنے والے لوگوں کے مسائل و مشکلات کا بخوبی اندازہ ہے کہ آپ کو خط پوسٹ کرانے کے مشکل مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اگر بروقت ڈاک مل جاتی ہے تو لگ جاتی ہے ورنہ آئندہ ماہ کے لیے رکھ لی جاتی ہے آپ اس قدر مایوسی کا شکار کیونکر ہیں آپ کے خط کا جواب حاضر ہے دیگر سلسلوں میں بھی آپ کو شریک کرلیا جائے گا۔

سائرہ شاہین...... تلونڈ بھٹیاں

ڈیئر سائرہ! سدا مسکراؤ، بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید آنچل میں شرکت کے لیے اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں مستقل سلسلوں میں ہر ماہ شامل ہوکر آپ آنچل کی محفل میں شرکت کرسکتی ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کے تمام امتحانات میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

بشریٰ کنول سرمد...... سیالکوٹ، ڈسکہ

ڈیئر بشریٰ! مسکراتی رہو، شکوے و شکایات سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا۔ نظموں، غزلوں کے حوالے سے یہی کہنا چاہوں گی کہ آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں ارسال کردی جاتی ہے وہیں سے اصلاح ہوکر منتخب شاعری پرچے کی زینت بنتی ہے، بہرحال آپ کے کہنے پر آپ کی نظمیں غزلیں جلد لگانے کی کوشش کریں گے ایک بات یاد رکھیں اگر معیاری ہوئیں تو جلد یا بدیر لگ ہی جائیں گی۔

نیلم شہزادی...... کوٹ مومن

ڈیئر شہزادی نیلم! سدا آباد رہو، سلطنت آنچل میں جب بھی قدم رکھتی ہیں ہمیشہ خفا خفا اور مایوس نظر آتی ہیں بے شک انتظار سے گزرنا مشکل اور کڑا مرحلہ ہوتا ہے لیکن ہم چاہ کر بھی

سب بہنوں کے لیے جگہ نہیں نکل پاتے صفحات کی مخصوص تعداد اور منتخب شدہ مواد کی کثیر تعداد ایسے میں توازن رکھنا بے حد مشکل ہوجاتا ہے آپ کا ناول "چندن خوشبو، تم اور میں" منتخب ہوگیا ہے جلد جگہ بنا کر صفحات کی زینت بنا دیں گے امید ہے شہزادی صاحبہ کے ناگوار موڈ میں کچھ تو تبدیلی آئی ہوگی۔

عائش کشملے...... ظاہر پیر، رحیم یار خان

ڈیئر عائش! سدا مسکراتی رہو، محبتوں اور چاہتوں کی خوشبو میں بسا آپ کا نامہ موصول ہوا آپ کے خلوص اور گرانقدر جذبات کے مشکور ہیں نظم کی صورت میں آپ کا حال دل بخوبی ظاہر ہورہا تھا بھائیوں کی شادی کے لیے ڈھیروں مبارک باد آنچل کی پسندیدگی اور تعریفی کلمات کے لیے شکریہ۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

عزیزی حمیرا! شاد و آباد رہو، بے شک آپ کا کہنا بجا ہے ماں لی لی ہر ہر موڑ پر ایک نئے امتحان سے دوچار کرتی ہے اور یہ زخم اتنی جلدی بھرنے والا بھی نہیں صبر بھی آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ہی آئے گا جب آپ نے ہر دم ان کا ساتھ نبھایا ہے تو یہ ساتھ یادیں بن کر ہمیشہ آپ کے ذہن و دل میں محفوظ رہے گا واقعی ماں جیسی ممتا بھری ہستی کا کوئی نعم البدل نہیں۔ یہ کمی اور خالی پن تو زندگی بھر محسوس ہوتا ہے کہ دعا کرنے والے دو ہاتھ اب ہمارے لیے نہیں ہیں لیکن ماں کی دعائیں ہمیشہ آپ کے سنگ رہیں گی آپ کی تحریر جلد شامل کرلیں گے اعزاز یہ تو سب کے لیے ہی مخصوص ہے جو آپ کو دیا جاتا ہے۔

ثوبیہ شہزادی...... راولپنڈی

ڈیئر ثوبیہ! جیتی رہو، مفصل خط پڑھ کر آپ کی باتیں درست لگیں کیونکہ آج کل یہی دستورِ دنیا اور زمانے کا چلن ہے لیکن اس قدر مایوسی اچھی بات نہیں اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ میں بھی بہت سی صلاحیتیں رکھی ہیں اور ان کا اعتراف آپ نے خود بھی کیا ہے کہ بہت سے ہنر آپ کے ہاتھ میں موجود ہیں تو پھر احساس کمتری کا شکار ہونے کے بجائے اپنے ہنر کو آزمائیں اور یہی آپ کی پہچان کا سبب بھی بنے گا آنچل میں بھی لکھتی رہیں شاعری بھی جلد شائع ہوجائے گی متعلقہ شعبے میں بھیج دی گئی ہے وہاں سے اصلاح کے بعد جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔ تمام باتوں کو نظر انداز کرتے اپنی صلاحیتوں کو ادراک کرتے خود اپنے آپ کو منوایئے اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے آمین۔

حنا کامران...... ملتان

پیاری حنا! اپنے نام کی طرح مہکو، آپ کی تحریر آغاز تمنا پھر بھی تو حرام ہے، جانے دل تیرا اسیر کیوں، نصیب آئینہ چیخ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے مایوس ہونے کی بجائے مطالعہ اور مشاہدہ وسیع کریں اور کوشش جاری رکھیں۔

ماریہ کنول...... چک ورکاں

ڈیئر ماریہ! سدا خوش رہو، نام نہ لکھ کر آپ نے امتحان میں ڈال دیا بہرحال ہم نے کسی حد تک درست لکھنے کی کوشش کی ہے اب کہاں تک کامیاب رہے آپ بتائیں پیا دیس جانے کی اتنی خوشی کہ آپ اپنا اور شہر کا نام لکھنا بھول گئیں بہرحال مبارک باد قبول کیجیے تحریر جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔

شمع شیریں شازب...... شیخوپورہ

ڈیئر شمع! جیتی رہو، آپ کا ناول "وہ سویرا کبھی تو آئے گا" منتخب ہوگیا ہے لیکن چونکہ ابھی آپ نوآموز لکھاری ہیں لہٰذا بعض جگہ کانٹ چھانٹ اور اصلاح کی ضرورت ہے۔ اصلاح کے عمل سے گزرنے کے بعد آپ کی تحریر حجاب کی زینت بن جائے گی ابتدا میں افسانہ نگاری پر دھیان دیں تاکہ کہانی کو سنبھال سکیں۔

صبا احمد خان...... کراچی

ڈیئر صبا! سدا سہاگن رہو آپ کا ناول "محبت تیری خاطر" موصول ہوگیا ہے اور منتخب ہونے والی کہانیوں میں شامل ہے جلد لگانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ افسانے بھی گاہے بگاہے شامل کرتے رہیں گے۔

شگفتہ یاسمین...... نامعلوم

عزیزی شگفتہ! سدا مسکراؤ، آپ کا ارسال کردہ ناول پڑھ ڈالا موضوع میں دلچسپی و دلکشی کا عنصر مفقود ہے۔ روایتی موضوع لڑکی کو بیچ دینا اور پھر طوائف کے ہاں زندگی کے دن گزارنا کہیں بھی انفرادیت کا پہلو نظر نہیں آیا اب کسی اور موضوع پر لکھیں

کیونکہ اس سے پہلے لکھا جانے والا آپ کا ناول کافی بہتر اور انفرادیت سے بھرپور تھا آرٹیکل منتخب ہوگئے ہیں جلد لگ جائیں گے۔

نائلہ نیشان بٹ...... نارووال

ڈیئر نائلہ! سدا شاد رہو آپ کی تحریر "بدلا جو دل کا موسم" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ انداز تحریر میں مزید بہتری پیدا ہو سکتی ہے [illegible] مطالعہ اولین شرط ہے آپ کی یہ تحریر [illegible] بن جائے گی [illegible]

حمیرا قریشی ...... حیدر آباد

[illegible] ملاقات میں اس [illegible] میں سے [illegible] میں اپنی شرکت اور [illegible] رہنا چاہیے امید ہے یہ نصف ملاقات بہت سی نئی ملاقاتوں کے باب کھول دے گی۔

سحرش فاطمہ...... کراچی

ڈیئر سحرش! سدا جیتی رہو آپ کا ناول "میرا ڈھول ماہیا" منتخب شدہ کہانیوں میں سرفہرست ہے جلد لگانے کی کوشش کریں گے اس لیے اب خفگی اور ناراضگی دور کرلیں ناول کو پڑھنے میں ٹائم تو لگتا ہے ناں اور اتنا ٹائم تو آپ کو دینا ہی پڑے گا۔

قابل اشاعت:۔

شکر خدایا ہے، اف یہ انداز ہمارے، قربانی، رائٹر بننے سے پہلے، میرا یقین تو ہے، قربانی، پیاری انوکھی جیٹھانی، ہم آزاد ہیں، صلہ رحمی اور عید، کھا دمن بھاتا پہنو جگ بھاتا، قیمتی بکرا، تضاد، اب کے برس عید، چائے ہے تو زندگی ہے نادلز کی دنیا، میرا پاکستان، خواب پچھلی شب کا، لکھاری کی کہانی، اسیر محبت، اعلان جنت، اسلامی تہذیب، بدلا جو دل کا موسم، پھر حوصلہ ٹوٹا، محبت تیری خاطر، عورت اور انصاف، مفہوم آزادی، بارگراں، وہ ایک پل، چلو کچھ دیر ہنستے ہیں، بند ہونٹوں کی بات، کھلے جب سوچ کے در۔

ناقابل اشاعت:۔

تیرے قرب کی حسرت، اونچی حویلی، تمہارے سنگ، شازیہ، مکافات عمل، امید منزل، پھوار، آج کی پکائیے، جذبہ جنوں، بس یادیں رہ جاتی ہیں، پتھر کا شہر پتھر کے لوگ، پاکیزگی تیرے میرے رشتے میں، اچھوت زادی، لوٹ آؤ، تو تھوڑی دیر ہو رک جا، تلاش، عورت اور جنت، دیر سے مہربان ہونے تک، نادان تھے ہم، دوستی، لڑکیاں بے وفا نہیں ہوتیں، آنچ، عشق تیرا میرا مقدر، ایثار کا جذبہ، رمضان مبارک، ایک تھی نمل، سمجھوتہ، سرپرائز، ڈھول، میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا، مکافات عمل، وہ مجھے تنہا کرگئی، جنونیت، نصیب آ کھینچ، آسمانوں پر لکھا فیصلہ، زندگی کیا ہے، بکرے والی اور ہم۔

♥

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

دانش کدہ

الکوثر

مشتاق احمد قریشی

اس آیت مبارکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب سے وعدہ فرمارہا ہے۔ ''عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر خوش خبری دی جارہی ہے اور یہ واضح کیا جارہا ہے کہ اے محبوب تم فکر مند نہ ہو۔ دینے میں اگر چہ کچھ دیر لگے گی لیکن وہ وقت دور نہیں جب تم پر تمہارے رب کی عطاو بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ جو اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی اس طرح پورا ہوا کہ سارے عرب سے لے کر جنوب کے سواحل تک اور شمال میں سلطنت روم اور سلطنت فارس کی عراقی سرحدوں تک اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک کا علاقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگیں آ گیا تھا' عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون ایک ضابطۂ حیات کی تابع ہوگئی تھی۔ جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی اور کلمہ حق لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی گونج سے پورا خطہ گونج اٹھا جب کہ تمام مشرکین اور اہل کتاب اپنے جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لیے آخر دم تک پوری ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ اس کلمہ طیبہ سے لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت الٰہی میں نہیں جھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے اور عقائد' اخلاق اور اعمال میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ جاہلیت میں پوری طرح ڈوبی ہوئی ایک قوم صرف ۲۳ برس میں اتنی بدل جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تحریک اس طاقت سے اٹھی کہ عرب تو عرب' ایشیا' افریقہ اور یورپ کے بڑے حصے پر چھا گئی اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے۔ یہ کچھ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں دیا اور آخرت میں جو کچھ عطا فرمائے گا اس کی عظمت کا کوئی کسی بھی طرح سے تصور نہیں کرسکتا۔ نعمت کا لفظ عام ہے۔ جس سے مراد وہ نعمتیں بھی ہیں جو اس سورہ مبارکہ الضحیٰ کے نزول کے وقت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی تھیں اور وہ نعمتیں بھی جو بعد میں اللہ نے اپنے وعدوں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیں جن کا اظہار اس سورہ مبارکہ میں کیا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے پورا کیا اور پھر اللہ نے اپنے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جو نعمتیں آپ کو عطا کی گئیں ہیں ان کا ذکر کرو' اظہار کرو' ان نعمتوں کے اظہار کی زبانی صورت تو یہ ہے کہ اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اقرار کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی حاصل ہیں وہ سب اللہ کا فضل واحسان ہے ورنہ کوئی چیز بھی میرے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں۔ نعمتِ نبوت کا اظہار اس طریقے سے ہوا کہ دعوت وتبلیغ کا حق ادا کیا گیا۔ نعمتِ قرآن حکیم کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں میں اس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات لوگوں کے ذہن نشین کی جائیں۔ نعمتِ ہدایت کا اظہار اس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو سیدھا راستہ بتایا جائے اور اس کی ساری تلخیوں' ترشیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ یتیمی میں دستگیری کا جو احسان اللہ تعالیٰ نے کیا اس کا تقاضہ ہے کہ یتیموں کے ساتھ احسان کا سلوک کیا جائے۔ نادار سے مالدار بنانے کا جو احسان اللہ تعالیٰ نے کیا اس کا اظہار اس صورت ہوسکتا ہے کہ محتاج ونادار افراد کی مدد کی جائے۔ غرض یہ کہ ایک بڑی جامع ہدایت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات بیان کرنے کے بعد اس مختصر سے فقرے میں اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جوان تمام عطیات کے لیے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں سرفراز فرمایا ہے یعنی کمال نفس اوّلین وآخرین کے علوم اسلام کا غلبہ دین کی سربلندی ان فتوحات کے باعث جو عہد رسالت مآب میں ہوئیں۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوئیں یا ان کے بعد دوسرے مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں ہوئیں اور اسلام دنیا کے مشرق ومغرب میں پھیلتا چلا گیا۔ یہ وعدہ ان عنایات اور عزت افزائی میں شامل ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کے لیے آخرت کے لیے محفوظ رکھی ہیں جن کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا اے محمد آپ راضی ہوگئے؟ میں عرض کروں گا ہاں میرے پروردگار میں راضی ہوگیا۔

علامہ آلوسیؒ نے حضرت امام باقرؒ کی ایک روایت نقل کی ہے۔ حرب بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے امام مذکور سے پوچھا کہ جس شفاعت کا ذکر اہل عراق کرتے ہیں کیا یہ حق ہے آپ نے فرمایا بخدا حق ہے مجھ سے محمد بن حنیفہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی امام باقر نے کہا ہم اہل بیت کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت کو سمجھتے اور کہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انعامات عالیہ عطا فرمائے ان میں سب سے بڑا عطیہ یا انعام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ نبوت چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں بنا کر مبعوث کیا گیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص عطا تھی۔ انبیاء کرام کے سلسلے کی آخری کڑی جس سے یہ سلسلہ مکمل ہوا اور پایہ تکمیل کو پہنچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں قرآن کریم میں نہایت صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں ہیں بلکہ جماعت انبیاء کے ایک فرد ہیں اور اس سلسلے نبوت کی ایک کڑی جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آپ کی بعثت تک جاری رہی جس میں ہر قوم ہر زمانے کے انبیاء ورسل شامل ہیں۔ ان ہی پیغمبروں اور ڈرانے والوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں جیسا کہ سورہ آل عمران میں کہا جارہا ہے۔

ترجمہ۔ محمد کچھ نہیں ہیں مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۴۴)

اس طرح قرآن حکیم اپنے لانے والے کی صحیح حیثیت واضح کرنے کے بعد ان کاموں کی تفصیل بیان کررہا ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کو بھیجا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بحیثیت مجموعی دو شعبوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک تعلیمی شعبہ دوسرا عملی شعبہ۔

تعلیمی شعبے میں سب سے پہلے تلاوت آیات تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت جیسا کہ سورہ آل عمران میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ۔ درحقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا رسول اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ورنہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۶۴)

ترجمہ۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے اسلام کے طریقے کو پسند کیا۔ (سورۃ المائدہ۔۳)

ان آیات میں قرآن کریم کے بھیجنے والے نے اس کے لانے والے (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) سے صرف اتنی ہی خدمت نہیں لی کہ وہ اس کی آیات کی تلاوت کرکے نفوس کا تزکیہ کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے بلکہ اس نے (اللہ

تبارک وتعالیٰ) اپنے نیک بندے کے ذریعے اُس کام کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچادیا بلکہ جو آیات نوع انسانی تک بھیجنی تھیں وہ بھی اس کے واسطے سے بھیج دیں۔ جن خرابیوں سے انسانی زندگی کو پاک کرنا مقصود تھا وہ بھی اس کے ہاتھوں سے کراکے دکھادیا۔ جن خوبیوں کی نشوونما جس شان کے ساتھ معاشرے میں ہونا چاہیے تھی اس کا بہترین نمونہ اس کی رہنمائی میں پیش کردیا اور کتاب و حکمت کی ایسی تعلیم اس کے ذریعے سے دلوادی کہ آنے والے تمام زمانوں میں مقصودِ کتاب کے مطابق انسانی زندگی کی تشکیل و تعمیر کی جاسکے یہ نعمتِ الٰہی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ایسے ہی کچھ اور نعمت الٰہی کا ذکر سورۃ الاحزاب میں اس طرح کیا گیا ہے۔

ترجمہ۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور ایک روشن گر آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۃ الاحزاب۔ ۴۵۔ ۴۶)

ترجمہ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرو اور خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنو۔ (النساء۔ ۱۰۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیاست، عدالت، اصلاحِ اخلاق وتمدن اور قیام تہذیب صالح کے تمام پہلوؤں پر کام لیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی یہ عطا ایسی ہے جو تمام اسلامی معاشرے اور نظام حیات پر حاوی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یعنی دین حق کی تبلیغ کسی ایک قوم یا ملک یا دَور کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ تو تمام نوع انسانی کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے عام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خصوصیت اور رب کائنات کی عطا جس کی قرآن حکیم ہمیں تعلیم دے رہا ہے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ورسالت ختم کردیا گیا اور اس کے بعد دنیا میں پھر کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت وحاجت باقی ہی نہیں رہے گی جیسا کہ سورہ الاحزاب میں فرمایا گیا ہے۔

ترجمہ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔ (سورۃ الاحزاب۔ ۴۰)

اس آیتِ مبارکہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ایک عالم گیر اور ابدی نبوت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے ہی دین کی تکمیل ہوئی ہے۔ چونکہ قرآنِ حکیم کے احکام کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے یہ کسی ایک قوم قبیلے کے لیے نہیں تمام عالم انسانی کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام کائنات کے لیے ہے اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے وہ عظیم کام پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا ہے جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور جس کے لیے ہر دور میں انبیاء اکرام کی ضرورت رہی اور انبیائے کرام آتے رہے تاکہ دین کا تسلسل برقرار وقائم رہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختمِ نبوت ہونا تھی اس لیے کہ دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی توسط سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے بھی بہترین انعام اور اس کی عطا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث سے واضح فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک نہایت خوب صورت مکان بنایا اور تمام عمارت بنا کر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ اب جو لوگوں نے اس کے گرد چکر لگایا تو انہیں وہ خالی جگہ کھٹکنے لگی اور وہ کہنے لگے کہ اگر یہ آخری اینٹ بھی رکھ دی جاتی تو مکان بالکل مکمل ہوجاتا۔ سو وہ آخری اینٹ جس کی جگہ نبوت کے محل میں باقی رہ گئی تھی وہ میں ہی ہوں۔ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مثال سے ختمِ نبوت کی وجہ صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ جب دین

کامل ہو چکا۔ آیاتِ الٰہی پوری وضاحت وحکمت کے ساتھ بیان کی جا چکیں۔ اوامر ونواہی' عقائد وعبادات' تمدن ومعاشرت' حکومت وسیاست غرض انسانی زندگی کے ہر ہر شعبے سے متعلق پورے پورے احکامِ الٰہی بیان کر دیئے گئے اور دنیا کے سامنے اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ اس طرح پیش کر دیا گیا کہ ہر قسم کی تحریف وتلبیس سے وہ پاک ہے اور ہر عہد میں اس سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لیے مزید کسی نبوت کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک اور عنایت اور انعام آپ کی پوری امّت کے لیے آپ کا رحمت بنانا بھی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں واضح کہا گیا ہے۔

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔ (سورۃ الانبیاء۔۱۰۷)

اس آیتِ مبارکہ میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ایک عظیم عطا کا ذکر کیا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے جو یہ عطا کی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امّت کی فلاح وبہتری کے لیے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذاتِ مبارکہ سے کہیں زیادہ بلکہ ساری فکر وغم اپنی امت کے لیے ہی رہتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی آخر الزماں کی دل جوئی اور دلداری کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے گا اس نے گویا اس رحمت کے سائے کو قبول کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظیم کا شکر ادا کیا۔ نتیجتاً وہ دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے بہرہ مند ہوگا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت چونکہ پورے جہان کے لیے ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بھی تمام جہان کے لیے ہیں ان تعلیمات کو دین ودنیا کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے امت پوری طرح سے تباہی وبربادی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے پہلے کی امتیں' قومیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دی جاتی تھیں لیکن امّتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اجابت' دعوتِ حق کے اعتبار سے پوری نوعِ انسانی پر مشتمل ہے اس پر اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا۔ ایک حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کے لیے بددعا نہ کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح مسلم) ایسے ہی غصے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مسلمان کو لعنت یا سب وشتم کرنے کو بھی قیامت والے دن رحمت کا باعث قرار دینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا حصہ ہے۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد) ایک اور حدیث شریف میں یوں بیان فرمایا۔ ''میں رحمتِ مجسم بن کر آیا ہوں جو اللہ کی طرف سے اہلِ جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے۔'' (صحیح جامع الصغیر) ایسے ہی ایک اور عطاء وعنایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام جہانوں کی رہنمائی اور ہدایت کی کتاب کا نزول ہے۔ جس کے لیے خود قرآن کریم یوں فرما رہا ہے۔

(جاری ہے)

ہمارا آنچل

ملیحہ احمد

فصیحة الاسلام

ستارے مشعلیں لے کر مجھ کو ڈھونڈنے نکلیں
میں رستہ بھول جاؤں جنگلوں میں شام ہوجائے
اپنے تعارف کے لیے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے ہٹ کے چلتے ہیں جو راستہ عام ہوجائے

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف' آنچل رائٹرز اور آنچل قارئین کیسے ہیں آپ سب؟ آپ سب سوچ رہے ہوں گے کہ میں یہاں کدھر سے آ گئی' او ہو چلو میں بتادیتی ہوں کیوں اپنا تعارف کروارہی ہوں' اس دفعہ میں میٹرک کے پیپرز سے فارغ ہوکر منصورہ لاہور گئی تو وہاں میری سب سے دوستی ہوگئی۔ دوستی اور وہ بھی اتنی ساری لڑکیوں کے ساتھ کیسے ہوا یہ کہ ایک دن جناب سراج الحق صاحب ہم سے خطاب کرنے کے لیے تشریف لائے' تو کمپیئرنگ کے فرائض میں نے سر انجام دیئے۔ اس وقت سب لڑکیاں آ کر مجھے مبارک باد دینے لگیں کہ بہت اچھی کمپیئرنگ کی' وہاں ہر شب داری میں کوئی نہ کوئی مقابلہ ضرور ہوتا' اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے حسن قرأت مقابلہ میں پہلی پوزیشن لی' بس پھر کیا تھا مجھے ایک منٹ لڑکیوں سے فرصت نہ ملتی پھر لڑکیاں مجھے کہنے لگیں کہ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ آپ ایک اچھی مقررہ کے ساتھ اچھی شاعرہ اور رائٹر بھی ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آنچل میں ضرور کچھ لکھوں گی کیونکہ میں بچوں کے رسالوں میں اسٹوریز لکھتی تھی سب نے کہا پہلے ہمارا آنچل میں اپنا پورا تعارف لکھنا چاہیے اور وہ آج یہ حاضر ہے' ارے یہ کیا آپ تو غصہ کرنے لگے کہ میں نے کیا شروع کردیا۔ میرا نام فصیحة الاسلام ہے' آزاد کشمیر کے ایک علاقہ دھیر کوٹ میں رہتی ہوں۔ 17 مئی 2001ء کی طلوع ہوتی صبح پانچ بجے روشنی کے ساتھ میں اس دنیا میں تشریف لائی' میری پھوپو حسینہ مشکور نے میرا نام رکھا خاندان میں سب کی بے حد لاڈلی ہوں' ہم تین بہنیں ایک بھائی ہے۔ میں اپنے پاپا کی سب سے زیادہ لاڈلی ہوں' پری میڈیکل کی طالبہ ہوں' قلمی نام فلک ہے جو مجھے بے حد پسند ہے' دوستی بہت جلدی کرلیتی ہوں۔ پسندیدہ دینی کتاب قرآن مجید ہے' پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پسندیدہ شاعر ڈاکٹر علامہ اقبال' پسندیدہ ہیرو قائداعظم ہیں۔ ایک بزم "نیکی کے ہم لوگ سپاہی" کی صدر کشمیر ہوں' یہ ایک ایسی بزم ہے جو نوجوان طالبات کی صلاحیتیں نکھارتی ہے ہر طرح کے پروگرامز کرواتی ہے اور طالبات میں پڑھائی کا شعور بیدار کرتی ہے اگر کشمیر میں سے کوئی اس بزم میں آنا چاہے تو موسٹ ویلکم اور پاکستان میں اس کی صدر ڈاکٹر ارفع رحمان اور ڈاکٹر طاہرہ قمر ہیں۔ مزے کی بات اس بزم کا کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بارش بے حد پسند ہے کھانے میں بریانی' پہننے میں فراک' گاؤن اسکارف' پھولوں میں گلاب پسند ہے۔ رنگ اور بریسلیٹ پسند ہیں' کھیلوں میں صرف کرکٹ پسند ہے' کرکٹر شاہد فریدی اور محمد عامر پسندیدہ ہیں۔ میری بیسٹ فرینڈ سعدیہ امتیاز' ماہرہ نذر' عینہ صابی' مریم نذیر اور یسریٰ ہیں۔ شاعری سے بے حد لگاؤ ہے خود بھی اچھی شاعری کرلیتی ہوں' مجھ میں خوبی ہے یا نہیں ہے لیکن منافق نہیں ہوں میرا دل شیشہ جیسا ہے' پسندیدہ رائٹر سمیرا شریف' فاخرہ گل' اقرا صغیر' ڈاکٹر شگفتہ نقوی اور قانتہ رابعہ ہیں۔ رنگوں میں سفید اور پنک پسند ہیں' مطالعہ کرنا میری عادت ہے آنچل کا بہت بے چینی سے ہر ماہ انتظار ہوتا ہے اگر کوئی کشمیر آنا چاہے تو میزبانی کے لیے ہم حاضر ہیں' دنوں میں ہفتہ کی شام اچھی لگتی ہے کیونکہ دوسرے دن کالج کی چھٹی ہوتی۔ میری تمام فرینڈز جو آنچل پڑھتی ہیں ان سب کو خصوصی سلام اور مہوش شاہد' زوبیہ چوہدری' قدسیہ بتول' طیبہ حمید' قدسیہ سراج الحق' عائشہ ظہور اور لاہور والی' ملتان والی' چکوال والی اتنے نام ہی نہیں آتے (ہاہاہا) آپ سب کو میں بہت مس کرتی ہوں' دیکھا آپ سب نے میں نے کتنا جلدی اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنا تعارف آنچل میں بھیج دیا' اللہ حافظ۔

شمع شکیل

سب سے پہلے آنچل کی تمام شہزادیوں کو السلام علیکم! کیسی ہیں؟ کافی عرصے سے میں سوچ رہی تھی کہ آپ سب کو اپنی ذات سے متعارف کرواؤں مگر اسٹڈیز میں مصروف تھی تو جناب جیسے ہی پڑھائی میں بریک آیا تو سوچا کہ کیوں نہ آنچل میں انٹری دوں۔ تو جناب آتے ہیں اپنے تعارف کی طرف مابدولت کو شمع کہتے ہیں میں بائیس نومبر کو اس فانی دنیا میں جلوہ افروز ہوئی۔ میرا تعلق پنجابی فیملی سے ہے' میں انٹر کی اسٹوڈنٹ

ہوں ہم چار بہنیں ہیں اور ایک بھائی میرا نمبر سب سے آخری ہے۔ بھائی اور بہنیں شادی شدہ ہیں اور میں (آہم) منگنی شدہ۔ میوزک سننا سخت ناپسند کتابوں سے پیار ہے۔ کتابیں پڑھنے کی اس حد تک شوقین ہوں کہ میں نے چنگیز خان اور دجال کی ہسٹری تک کو نہیں چھوڑا (ہاہاہا) گھومنے پھرنے کا بالکل شوق نہیں ہاں البتہ اپنے "اُن" کے گھر بھاگی بھاگی جاتی ہوں (حیران مت ہوں یار میرے ماموں جان کا گھر بھی تو ہے)۔ اب تھوڑا اپنی نیچر کی طرف آتی ہوں میں مذہب کی کسی حد تک پابند ہوں سر ہمیشہ ڈھانپ کر رکھتی ہوں لباس میں قمیص شلوار پسند ہے۔ پسندیدہ شخصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور مجھے خواب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف بھی حاصل ہے۔ میں دوستیں بہت کم بناتی ہوں دوستوں میں اقراء مہوش اور عارفہ میری جان ہیں ان سب کا میرے مزاج کا بارے میں کہنا ہے کہ میں بہت معصوم ہوں اور کسی سے ناراض نہیں ہوتی (واہ یار خوش کر دیتا ہے) جہاں تک خوبیوں اور خامیوں کی بات ہے تو میں بہت اسٹریٹ فارورڈ ہوں غصے کی تیز مگر دل کی بہت اچھی ہوں (یہ میری ذاتی رائے ہے) میں فطرتاً شرمیلی ہوں۔ پسندیدہ رائٹرز میں اقراء صغیر احمد عفت سحر طاہر اور ام مریم ہیں۔ پسندیدہ ناولز میں "بہاروں کے سنگ سنگ محبت دل پر دستک" اور "یہ چاہتیں یہ شدتیں" ہیں۔ ٹھہریئے کہیں آپ میری عادات و اطوار کے ڈھائی صفحات پڑھ کر بور تو نہیں ہو گئے؟ کوئی بات نہیں یار میں مزید لکھنے سے گریز ہی کروں گی سب کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ آخر میں ایک درخواست ہے کہ پلیز بتایئے گا ضرور کہ مجھ سے مل کر آپ سب کو کیسا لگا اللہ حافظ۔

روبینہ کوثر

السلام علیکم! آنچل سے وابستہ تمام لوگوں کو محبت بھرا اسلام۔ کیوں اتنی حیران و پریشان ہو رہی ہو جی یہ میں ہی ہوں آپ کی لاڈلی فرینڈ روبینہ میں کہروڑ پکا کے چھوٹے سے شہر میں پیدا ہوئی۔ اب بستی ملوک میں رہتی ہوں میرے نک نام بہت زیادہ ہیں میرے ابو مجھے بگو (یعنی) گوری کہتے ہیں۔ دوسرے لوگوں سے جب ملتی ہوں تو پوچھتے ہیں پٹھان ہو میری فیملی اور میری فرینڈز مجھے روبی کہتے ہیں اسکول میں میری فرینڈز مغرور اور نک چڑی کہتی تھیں۔ اب مجھے ملانی کا خطاب دیا جاتا ہے۔ ڈیٹ آف برتھ مجھے نہیں پتا لیکن میری مما کہتی ہیں تیز دھوپ اور گرمیوں میں پیدا ہوئی ہم چھ بہن بھائی ہیں مجھے چھوٹے بھائی سے بہت زیادہ پیار ہے اور بھائی ندیم بہت زیادہ کیئرنگ اور نائس ہے۔ بھائی ندیم کو میں بہت زیادہ تنگ کرتی ہوں لیکن بھائی نے کبھی غصہ نہیں کیا۔ تینوں بھائیوں کو میں آئی لو یو کہتی ہوں چھوٹی سسٹر ثمینہ پلیز غصہ کم کیا کرو اور رویا بھی نہ کرو کائنات میری بھانجی ہے جس کو میں نے ماں بن کے پالا۔ اب وہ مجھ سے بہت دور ہو گئی ہے تو اب بات کرتی ہوں اپنے بارے میں اللہ عزوجل کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے مسلمان گھرانے میں پیدا کیا اور اللہ عزوجل کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ میں پاک ملک پاکستان میں رہتی ہوں تعلیم بہت کم ہے لیکن ٹیچنگ کرتی ہوں۔ ڈاکٹر بننے کا خواب تھا جو پورا نہ ہو سکا۔ میری زندگی میں بہت مشکل مسائل آ گئے تھے۔

اس زندگی سے کیا شکوہ کروں اب
میں نے تقدیر سے سمجھوتہ کرلیا ہے اب

حساس دل ہوں کسی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی وہ اس لیے کہ مجھے میری آنکھوں میں آنسو پسند نہیں۔ غصہ بہت آتا ہے جس کو ختم کرنے کے لیے رونا شروع کر دیتی ہوں۔ میری دوست صرف آنچل اور تنہائی ہے نعت اور قوالی سننا اچھا لگتا ہے پانچ نعتیں لکھ چکی ہوں میوزک بہت کم سنتی ہوں جب اداس ہوتی ہوں تو غزل اور شعر لکھنا شروع کر دیتی ہوں۔

نا پوچھوں میرے اس دل کا حال اور میری جاناں
تیرے دور جانے کے بعد اس دل نے بہت درد سہے
اب تُو نہیں تو یہ دنیا عجیب نظروں سے دیکھتی ہے
جیسے کہہ رہی ہو تُو نے کیا کھویا کیا پایا

اس کی چاہت میں جھیل سیف الملوک دیکھنے کا خواب ہے شاید یہ بھی پورا نہ ہو سکے۔ اب بات ہو جائے کچن کی اگر پیار سے کوئی کہے تو سارا کام کر لیتی ہوں غصہ میں صرف مما کی اور بھائی ندیم کی بات مان لیتی ہوں۔ کھانے میں میٹھا بالکل پسند نہیں مما کی ڈانٹ سے تھوڑا بہت کھا لیتی ہوں۔ نمکین ڈش میں سب شوق سے کھا لیتی ہوں مجھ میں خامیاں بہت ہیں ایک بتا دیتی ہوں اعتبار بہت جلد کر لیتی ہوں اس طرح دھوکہ بھی کئی بار کھایا۔ چوڑیاں پہننا بہت اچھا لگتا ہے میک اپ بالکل پسند نہیں ڈریس جیسا بھی ہو پہن لیتی ہوں۔ فراک پہن کر تو میں بالکل پٹھانی لگتی ہوں سب سے پیاری ہستیاں جو مجھے دل و جان سے پسند ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ

حضرت عائشہؓ ہیں کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں اگر میں اس زمانے میں پیدا ہوتی تو اتنی پیاری اور عظیم ہستیوں کو دیکھ سکتی۔

اس دل میں کیا ہے یہ تو انسان کچھ نہیں جانتا
جانتا وہ ہی ہے جس نے میری تقدیر لکھی

اللہ عزوجل سے ہر وقت یہی دعا ہے مرنے سے پہلے ایک بار خانہ کعبہ کی زیارت کرادے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب کردے۔ رائٹرز میں سمیرا شریف اچھی لگتی ہیں اور فاخرہ گل، عائشہ نور پسند ہیں۔ بارش میں بھیگ کر اچھا محسوس کرتی ہوں، سردیوں کا موسم جنون کی حد تک پسند ہے۔ گلاب کے پھولوں کی خوشبو بہت دیر تک سونگھ کر محسوس کرنا اور گیلی مٹی سے کھیلنا اچھا لگتا ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں کو دیکھنا اور ان پر چڑھنے کا بہت شوق ہے اپنے بارے میں بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں پھر کبھی موقع ملا تو ضرور بتاؤں گی۔ آخر میں سب سے یہی کہوں گی سب مسلمان پانچ وقت کی نماز ادا کرکے اپنے گناہوں سے توبہ کرلو کب اور کس وقت یہ سانس تھم جائے یہ کوئی نہیں جانتا اپنے رب کو راضی کرلو ایک دوسرے کے ساتھ خوشیاں بانٹو والدین کی عزت کرو۔

مجھے اس کے آنسو اس سے جدا نہیں ہونے دیتے
اور یہ زمانہ مجھے اس کا ہونے نہیں دیتا

میرا تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے گا اللہ حافظ۔

عائشہ اشرف

آنچل کی تمام قارئین کو پھولوں سا مہکتا پرندوں سے چہکتا بادلوں کی طرح گرجتا، بارشوں کی طرح برستا، سورج کی طرح چمکتا اور چاند کی طرح پرنور سلام قبول ہو۔ آپ لوگوں کی محفل میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں اس امید کے ساتھ کہ مجھے آپ کے درمیان تھوڑی سی جگہ مل جائے گی تو جی مابدولت کو عائشہ کہتے ہیں تو کچھ لوگ پیار سے عاشی بھی کہتے ہیں۔ ہماری تشریف آوری اس دنیا میں 18 مارچ 1994ء کو ہوئی۔ ہماری آمد پر ہوائیں گیت گانے لگیں، پریاں رقص کرنے لگیں۔ پھول مسکرانے لگے اور ہر طرف دھماکے ہونے لگے، جو آج تک جاری ہیں۔ اوہ آپ لوگ غلط سمجھے میرا بم دھماکوں سے کوئی تعلق نہیں، میں تو خوشیوں والے دھماکوں کی بات کررہی ہوں جو مجھے پاکر میرے گھر والوں کو ملی۔ میرے گاؤں کا نام گنگا پور ہے جو بہت پیارا ہے اسٹار پر بالکل بھی یقین نہیں رکھتی اور نہ ہی کبھی جاننے کی کوششیں کی کہ میرا اسٹار کون سا ہے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور میں سب سے بڑی ہوں، ایف اے دو سال پہلے کیا گے پڑھنے کی اجازت نہیں ملی۔ مجھ سے چھوٹی آئینہ جو میٹرک میں ہے پھر ارسلان جو تھوڑا سا ایب نارمل ہے اس سے چھوٹا انس جو تیسری کلاس میں ہے اور سب سے چھوٹی مناہل جو پانچ سال کی ہے۔ میرا اپنے بہن بھائیوں پر کوئی رعب نہیں بس نام کی بڑی ہوں۔ نصاب کی بکس میں سب سے بُری کتاب انگلش کی لگتی ہے اتنی جلدی تو مجھ پر بے ہوشی کی دوائی اثر نہیں کرتی جتنی جلدی انگلش کی کتاب اسے دیکھ کر ایسی میٹھی نیند آتی ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ آنچل سے میری وابستگی اس وقت سے ہے جب میں میٹرک میں تھی اپنی دوست سے لے کر پڑھا اور اب تک پڑھ رہی ہوں۔ میرا پسندیدہ مشغلہ ڈائجسٹ، مختلف بکس پڑھنا اور دیواریں پھلانگنا اور دوسروں کے کان کھانا ہے عمر وعیار، ٹارزن ہرکولیس، عمران سیریز، بچوں کا باغ، بچوں کی دنیا، جگنوان کی تو کیا بات ہے یہ سب میں پانچویں کلاس سے پڑھ رہی ہوں اور اب میرے پاس ان سب کی اتنی تعداد ہے کہ ایک چھوٹی سی لائبریری بن سکتی ہے (ہائے دیوانے کا خواب) اور امی کو میری ان سب چیزوں سے کافی الرجی ہے ایک بار میں اکیڈمی سے گھر آئی تو امی میرے ڈائجسٹ اور کہانیوں کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھیں اس سے پہلے کہ وہ ان میں سے کسی پر حملہ کرتیں اور کسی کا ناحق قتل ہوتا میں نے موقع واردات پر پہنچ کر اپنی جان پر کھیل کر ان کی جان بچائی اور سلطان راہی کی طرح بھڑک مار کر کہا خبردار امی ان کو ہاتھ نہیں لگانا یہ آپ کی بیٹی کی عمر بھر کی کمائی ہے ان کے بغیر آپ کی بیٹی کچھ بھی نہیں۔ بدلے میں امی نے گھوریوں سے نوازا اور دو تین جھانپڑ میری کمر پر رسید کیے پر میں نے اپنے پیاروں پر آنچ نہیں آنے دی اس وقت سے روز میں صبح سویرے اٹھ کر ان کو دیکھتی ہوں اور سرمہ کا ٹیکہ لگاتی ہوں کہ اللہ ان کو نظر بد سے بچائے اور امی کو میرا ان کے ناز نخرے اٹھانا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ میری مظلومیت کی داستان ارے ارے آپ تو رونے لگ گئیں اب میری امی اتنی بھی ظالم نہیں بس میں ان کو کچھ زیادہ ہی تنگ کرتی ہوں، میری پسندیدہ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، عفت سحر طاہر، اقرا صغیر احمد اور عمیرہ احمد شامل ہیں۔ پیر کامل ناول کی تو کیا بات ہے، عمیرہ جی میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں آپ کی تعریف کروں۔ جی اب آتے ہیں میری خامیوں اور خوبیوں کی طرف تو جی مابدولت حساس، فرینڈلی، خوش اخلاق، خوش مزاج اور

معصوم ہیں بقول میری فرینڈ ندا کے عاشی تمہارے چہرے پر بہت معصومیت ہے ویسے اتنی ہو نہیں۔ غلط بات برداشت نہیں ہوتی' اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ نظر آنے والے لوگ بہت بُرے لگتے ہیں۔ آج کے دور میں کوئی بھی کسی کے ساتھ مخلص نہیں' دو غلے جھوٹے اور انا پرست لوگ بُرے لگتے ہیں۔ گلہ شکوہ کرنے کی عادت نہیں ایک دو بار کسی سے کیا تو منہ کی کھانی پڑی۔ زیادہ دکھ بھی تو اپنے ہی دیتے ہیں ویسے بھی جن لوگوں کو بن کہے احساس نہیں ہوتا ان کو کہنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا' ہر وقت ہنستی رہتی ہوں اور بولتی بہت زیادہ ہوں بقول میرے ابو کے عاشی کی ہوتے ہوئے ٹی وی کی ضرورت نہیں ٹی وی کی کمی عاشی جو پوری کردیتی ہے اس لیے ہمارے گھر ٹی وی نہیں ہے امی اکثر میری حرکتوں سے نالاں رہتی ہیں امی کہتی ہیں کہ اگر کوئی ڈھیٹوں کا ایوارڈ ہوتا تو اس کی حق دار عاشی نے ہونا تھا۔ شرارتی بہت ہوں ہر وقت کچھ نہ کچھ دماغ میں چلتا رہتا ہے۔ دوسروں پر پانی پھینکنا اور سائیکل کی ہوا نکالنا میرا فیورٹ مشغلہ ہے اب بھی جب گلی میں کوئی سائیکل کھڑا دیکھ لوں تو ہاتھوں میں کھجلی ہونا شروع ہوجاتی ہے اور محلے والے آج تک ہوا نکالنے والے چور کو پکڑنے میں ناکام ہیں (ہوشیار جو ہوئی) سفید اور کالا رنگ فیورٹ ہے' شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ جیولری زیادہ پسند نہیں' چوڑیاں اور واچ بہت اچھی لگتی ہے' سیٹی بجانے کی بہت عادت ہے کافی بار ڈانٹ کھا چکی ہوں پر کوئی اثر نہیں۔ بہار کا موسم اچھا لگتا ہے' پھولوں کی دیوانی ہوں پہلی تاریخ اور آخری تاریخوں کا چاند دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ کھانے میں دال چاول' بھنڈی' توری' اروی' آئس کریم' گول گپے' برف کا گولا' زردہ' متنجن اور بچوں سے ٹافیاں چھین کر کھانا بہت پسند ہے۔ کارٹون بہت اچھے لگتے ہیں' ٹام اینڈ جیری کی تو کیا بات ہے۔ کھیلوں میں بیڈمنٹن بہت پسند ہے' کرکٹ زہر سے بھی زیادہ بری لگتی ہے جب بھی میرے کزنز کرکٹ دیکھنے بیٹھتے ہیں تو میں بھی ساتھ ہوتی ہوں وہ ٹی وی کی طرف دیکھتے ہیں تو میں ان کے چہروں کی طرف ٹی وی بار بار بند کرکے بھاگتی ہوں تو ان کی شکلیں دیکھنے والی ہوتی ہیں۔ میری کزن اور بیسٹ فرینڈ عاصمہ ہے' صباء' سدرہ' ثناء' اقراء اور دیگر کزنوں میں نبیل' عدنان' ذیشان' سلیمان ان سے خوب بنتی ہے۔ خالدہ' فاطمہ' عربیلا' ندا' صائمہ بشیر' فائزہ' عائشہ سلیم اور شکیلہ میری بہت اچھی دوست ہیں۔ صائمہ جی سی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے صائمہ میں تمہیں بہت یاد کرتی ہیں' تنہائی پسند نہیں ہوں آنکھوں میں آنسو بہت جلدی آجاتے ہیں۔ کہانی یا فلم میں کوئی ٹریجک سین آجائے تو آنسو بن بلائے مہمان کی طرح چلے آتے ہیں اور پھر جو ریکارڈ لگتا ہے اللہ کی پناہ۔ غصہ جلدی نہیں آتا اگر آجائے تو سب کچھ تہس نہس کرنے کو دل کرتا ہے' مغرور لوگ اچھے نہیں لگتے حسین چہروں کی بجائے خوب صورت اخلاق سے متاثر ہوتی ہوں۔ لوگوں کی بے حسی دیکھ کر دل بہت کڑھتا ہے' تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے لیکن آج کل کے لوگ تعلیم سے شعور کی بجائے غرور حاصل کررہے ہیں۔ تعلیم کا بنیادی مقصد لوگ بھول رہے ہیں ہاتھوں میں ڈگریاں لے کر خود کو بہت توپ چیز سمجھتے ہیں۔ آج کل کے لوگ پڑھے لکھے جاہل ہیں' بزرگوں کا کوئی احترام نہیں کرتا میں آج کل سگھڑ بننے کی ناکام کوشش کررہی ہوں۔ روٹی ہر طرح کا نقشہ بنتا ہے' پر گول نہیں' بھئی گول روٹی تو ہر کوئی پکالیتا ہے مشکل تو نقشے بنانا ہے جو ماہدولت بناتی ہیں' کوئی میرا مقابلہ کرسکتا ہے کیا بقول انس کے جس دن آپی عاشی روٹی پکاتی ہے اس دن بھوک ہی نہیں لگتی۔ میں سب سے زیادہ پیار اپنے نانا ابو سے کرتی ہوں جو 25 جون کو وفات پاگئے اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ سلائی بہت اچھی کرلیتی ہوں اور آج کل ترجمہ و تفسیر پڑھنے کا سوچ رہی ہوں لگتا ہے آپ لوگ بور ہورہے ہیں اس سے پہلے کہ آپ دھکے دے کر نکالیں میں خود ہی چلی جاتی ہوں' اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے' آمین۔ مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتائیے گا اب اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

فاخرہ گل

وہ ہوا تھی، شام ہی سے راستے خالی ہوگئے
وہ گھٹا برسی کہ سارا شہر جل تھل ہوگیا
میں اکیلا اور سفر کی شام سے رنگوں میں ڈھلی
پھر یہ منظر نظروں سے بھی اوجھل ہوگیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

امی کی آنکھ سے آنسو بہتے دیکھ کر حنین پر امید ہوجاتی ہے کہ اس کی ماں جلد صحت یاب ہوجائے گی اسی لیے وہ ڈاکٹر کو تمام بات بتا کر ان کی رائے جانتی ہے ڈاکٹر بھی ان کی حالت میں قدرے بہتری کا کہہ کر اسے مطمئن کردیتا ہے جس پر وہ یہ بات سکندر صاحب کو بتاتی ہے دوسری طرف سکندر صاحب کا رویہ وہی سرد اور بیگانگی سے بھرپور دیکھ کر اسے بے حد رنج ہوتی ہے۔ غزنی اس سے فون پر بات کرتے اپنے خلوص اور بھرپور تعاون کا یقین دلاتا ہے لیکن موجودہ حالات کی بناء پر حنین پس و پیش کا شکار رہتی ہے ایسے میں غزنی فوراً ہسپتال پہنچ کر اس کے تمام خدشات کو مٹا کر اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا ہے لیکن اس کے پاس اجیہ کی چین دیکھ کر حنین پھر سے الجھ جاتی ہے۔ اربش نامساعد حالات کا شکار ہوکر رہ جاتا ہے اسے سمجھ نہیں آتی کہ زندگی کی گاڑی کو کس طرح رواں دواں رکھنا چاہیے اپنے طور پر وہ محنت مزدوری کر کے اجیہ کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھتا ہے لیکن اجیہ اس کی مشکلات کا ذمہ دار خود کو تصور کرتی ہے غرض زندگی کے ابتدائی سفر میں ہی مشکلات ان کی راہ میں حائل ہوجاتی ہیں ایسے میں اپنے دوست حسن کے مشورہ پر عمل کرتے وہ اپنے باہر جانے کی بات کرتا ہے جبکہ اس کا یہ فیصلہ اجیہ کے لیے بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن جلد اس وقت کے گزرنے کی بات کرتے وہ اجیہ کو منانے کی سعی کرتا ہے۔ اربش کی والدہ لیڈی پولیس کے ہمراہ اجیہ کے باپ سے ملنے اور کیس واپس لینے کی بات کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہیں بوا کے ہمراہ وہ وہاں پہنچتی ہیں اور اجیہ کے باپ کے روپ میں سکندر صاحب کو اپنے سامنے دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہیں۔ سکندر صاحب انہیں دیکھ کر ماضی کی محبت کو بھلا نہیں پاتے اور ایسے میں تمام حالات کو نظر انداز کرتے انہیں نکاح کی پیشکش کرتے ہیں۔ سکندر صاحب کی یہ آفر انہیں سخت ناگوار گزرتی ہے لیکن اربش انہیں اس عجیب امتحان میں ڈالنے کا سبب بنتا ہے ایک طرف اولاد کی محبت اور اسے پولیس کے چکروں سے بچانے کے لیے انہیں یہ راستہ بے حد کٹھن لگتا ہے تو دوسری طرف سکندر صاحب کا دھمکی آمیز رویہ انہیں بہت کچھ سمجھا دیتا ہے اس پریشانی کے عالم میں انہیں اپنی بہن کے متعلق پوچھنے کا بھی خیال نہیں آتا۔ اجیہ اپنے گھریلو حالات کو لے کر انتہائی پریشان ہوتی ہے ایسے میں اپنی گرتی صحت کو دیکھتے وہ ڈاکٹر سے رجوع کرتی ہے جہاں لیڈی ڈاکٹر اسے ماں بننے کی نوید سناتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁.....❁.....❁

جہاں تجھ کو بٹھا کر پوجتے ہیں پوجنے والے
وہ مندر اور ہوتے ہیں، شوالے اور ہوتے ہیں
جنہیں مرحومی تاثیر ہی اصلی تمنا ہے
وہ آہیں اور ہوتی ہیں، وہ نالے اور ہوتے ہیں
جنہیں حاصل ہے تیرا قرب، خوش قسمت سہی لیکن
تیری حسرت لیے مر جانے والے اور ہوتے ہیں

شرمین نے جو کچھ جس انداز میں سوچا تھا، ایسا کچھ بھی ہو نہیں پایا تھا، کال سینٹر سے اجیہ کی مقبولیت کے باعث اسے

نکلوانا چاہا' نکلوا بھی دیا لیکن پھر وہاں پر اپنی حکمرانی کا خواب پورا نہ کرسکی۔ حادثاتی طور پر اربش اور اس کی فیملی سے ملاقات ہوتے ہی یہ سوچ لیا کہ بس اب وہ اپنی چاپلوسی اور خوشامد سے ممی کو قابو کر ہی لے گی اور یقیناً ایسا ہوا بھی لیکن یہ ایک بڑا اوٗ تھا' منزل اتنی آسانی سے اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گی اس بات کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن یہی تو زندگی ہے' بعض اوقات جن خدشات کو ہم الفاظ کا روپ دینے سے بھی ڈرتے ہیں' وہ مکمل ایک حقیقت کے طور پر ہمارے سامنے یوں رونما ہوجاتے ہیں کہ حیرت اور بے چارگی کے ملے جلے تاثرات کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑتے۔

یہی تو شرمین کے ساتھ بھی ہوا تھا اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں چڑچڑاہٹ آگئی تھی' وہ بات بے بات الجھنے لگی تھی' بھابی کے ساتھ ویسے بھی اس کی کم ہی بنتی تھی جب تک اربش کے ساتھ رشتہ جڑ جانے کی امید رہی۔ اس کے دل اور گھر کا موسم خوشگوار ہی رہا۔ دونوں آپس میں بیٹھ کر باتیں بھی کرتیں' مستقبل کی منصوبہ بندیاں بھی کرتیں اور یہ سوچ سوچ کر خوش ہوا کرتیں کہ جب ان کے تمام رشتہ داروں کو پتا چلے گا کہ شرمین کی شادی اتنے بڑے گھرانے میں ہورہی ہے تو وہ کیسے جل مریں گے۔ یہ تصور ہی ان کے لیے اطمینان بخش تھا کہ سب کے منہ اس کا محل نما گھر دیکھ کر کھلے کے کھلے رہ جائیں گے۔ وہ اپنے آپ کو ملامت کرتی کہ آج تک وہ بھائی بھابی سے اس بات پر کیوں خار کھاتی رہی کہ ان دونوں نے کبھی اس کا گھر بسانے کا نہ سوچا۔ اب اپنی سوچ پر خود ہی اپنے آپ کو ڈپٹ دیتی اور سوچتی کہ اچھا ہی ہوا کہ اگر ان دونوں نے کبھی اس کی شادی کی فکر نہیں کی ورنہ کہیں اپنے جیسے متوسط طبقے میں بیاہ دیتے جبکہ اب اس کی شادی اربش جیسے امیر کبیر انسان سے ہوگی' جس کی ماں کو وہ پہلے ہی جیت چکی ہے اس لیے ساس کے جھگڑوں کا بھی کوئی چانس نہیں تھا۔ یہ سب کچھ کتنا مثالی تھا جو اس نے سوچ رکھا تھا لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

سارے خواب ایک ہی جھٹکے میں ٹوٹ گئے تھے اور ایسے ٹوٹے تھے کہ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں لیکن اس کے باوجود وہ وہی شرمین تھی ان خوابوں کی کرچیاں اس نے اپنی آنکھوں میں چبھنے نہیں دی تھیں لیکن زبان پر چبھنے سے روک بھی نہیں پائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آئے لیکن زبان پہلے سے زیادہ تلخ ہوگئی تھی۔ اس کے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں زبان میں پیوست ہوکر دوسروں کو زخم دینے لگی تھیں۔ بھابی چونکہ ہاؤس وائف تھیں اور ان کا زیادہ وقت گھر میں ہی گزرتا' اس لیے شرمین کا نشانہ بھی اکثر اوقات وہی بنتیں اور وہ خود بھی کہاں بات سننے یا خاموش رہنے والی تھیں۔ شرمین ایک سناتی تو وہ دو بدو دس سنا کر دل ہلکا کرتیں اور یوں جتنا وقت دونوں گھر پر رہتیں اور بھائی کام سے نہ جاتے اکثر ہی یہ شور شرابا جاری رہتا۔ ویسے بھی دوسروں کی زندگیاں بے سکون کرنے والے خود بھی کبھی سکون میں نہیں رہ پاتے اور بے سکونی کا یہی الاپ شرمین کی زندگی میں بھی بج رہا تھا۔

اسے گھر کے در و دیوار کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے چاہتی تھی کہ جتنا زیادہ وقت باہر گزار سکے گزار لے اور یہی وجہ تھی کہ اس نے ٹریول ایجنسی میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا شروع کردیا تھا۔ غزنی آج کل دیر سے آفس آرہا تھا آنے کے بعد بھی اسے مختلف کلائنٹس کے کاغذات مکمل کرنے کی ہدایات دیتا' سمجھاتا اور کچھ وقت گزارنے کے بعد پھر چلا جاتا۔ ایک زمانہ تھا جب اس کی اور غزنی کی یونیورسٹی میں بہت دوستی ہوا کرتی تھی' قریب تھا کہ وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوجاتی کہ ایک روز یونہی باتوں باتوں میں غزنی نے اسے بتایا کہ وہ اپنی کزن سے محبت کرتا ہے اور یوں شرمین آہستہ آہستہ اس سے فاصلے پر ہوتی گئی۔

دراصل والدین کے دنیا سے جانے کے بعد بھائی نے اسے وہ جذباتی سہارا نہیں دیا تھا جس کی اسے ضرورت تھی اور ان کے جانے سے جو خلاء اس کی زندگی میں در آیا تھا اسے بھی پُر کرنے پر بھی بھائی کی طرف سے کوئی دھیان ہی نہ دیا گیا۔ وہ اپنے بیوی بچوں میں ہی یوں گم رہتے کہ اس کا انہیں خیال ہی نہ آتا۔ ایسے میں وہ ہر اس شخص سے سہارے کی امید رکھنے لگی جو اس کے ذرا بھی قریب ہوتا۔ ہنس کر بات کرتا یا دو قدم ساتھ چلتا' وہ یہ بات نہیں سمجھ سکی تھی کہ سہاروں کی امید ہی تو انسان کو بے سہارا کردیتی ہے اور اس کے ساتھ بھی یہی ہوتا' وہ جس کے قریب ہونے کی کوشش یا خواہش کرتی وہ اس سے دور

ہوجاتا جس کی وجہ سے وہ پہلے سے زیادہ تلخ ہوتی چلی جاتی۔ آج وہ ابھی آفس آئی ہی تھی کہ چند ہی لمحوں بعد غزنی بھی آ گیا۔ وہ آفس کھول کر خود چند قدم کے فاصلے پر بنی ٹی کیبن سے سگریٹ لینے چلا گیا تھا۔ آیا تو سگریٹ کے ساتھ ساتھ چائے کے دو کپ بھی تھے۔ اندر آ کر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے شرمین کی میز پر ہی ٹرے رکھی اور کرسی کھسکا کر خود بھی وہیں بیٹھ گیا۔

"ارے واہ بھئی، آج تو بڑا خوشگوار موڈ لگتا ہے۔" شرمین نے ایک کپ اس کے سامنے رکھ کر دوسرا خود اٹھایا۔

"بس تم جیسی حسین لڑکی صبح ہی صبح دیکھنے کو مل جائے تو کس کم بخت کا موڈ خراب رہ سکتا ہے۔" مسکراتے ہوئے اس نے چائے کا گھونٹ لیا تو شرمین نے اس کی بات پر منہ بناتے ہوئے دیکھا۔

"اب تو سدھر جاؤ، بیوی کے سامنے بھی ایسی بات کی ناں تو وہ ہنگامہ کھڑا کر دے گی تمہارے لیے پھر منہ چھپاتے پھرو گے۔"

"بھئی اس معاملے میں میرا فارمولا بہت ہی سیدھا سادا سا ہے اور وہ یہ کہ بیوی اپنی جگہ دوستیاں اپنی جگہ اور ویسے بھی ہم دونوں تو پرانے دوست ہیں، کچھ بے تکلفی بھی ہے اس لیے جو مرضی آئے کہہ دیتا ہوں۔"

"ہمم...... نام کیا ہے اس کا اور کیسی ہے؟" دوسرا گھونٹ لینے سے پہلے اس نے سوال کیا۔

"حنین نام ہے جناب اس کا اور اس سے میری دوستی بچپن سے ہے۔ بہت اچھی ہے بھئی محبت کرنے والی بھی ہے لیکن......" رک کر اس نے چائے ختم کی۔

"لیکن کیا......؟"

"لیکن یار...... وہ میری بیوی ہے محبوبہ نہیں بن پائی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو غزنی؟"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں یار، وہ بہت اچھی ہے میرے رنگ میں رنگ جانے والی، مجھے چاہنے والی، میری محبت میں خود کو بدل ڈالنے والی۔ میں اس کی محبت کو بہت سراہتا ہوں اور اپنی طرف سے پوری ایمان داری کے ساتھ سو فیصد کوشش بھی کروں گا کہ اسے وہ مقام دوں جو کسی بھی من پسند بیوی کو ملتا ہے لیکن......"

"لیکن کیا......؟"

"لیکن یہ کہ میں اسے اب تک اجیہ کی جگہ نہیں دے پا رہا اور مجھے لگتا ہے جیسے شاید وہ جگہ ہمیشہ خالی ہی رہے گی۔" اجیہ کے نام پر شرمین کو اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا، غزنی کے لہجے میں ایک دم ہی تھکاوٹ اتر آئی تھی۔ وہ شکست خوردہ لگا اور اجیہ کی یہ اہمیت اس کے ساتھ اب شرمین کا کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود بھی اسے سلگا گئی تھی۔

"کچھ شرم کرو غزنی، اب بھی اجیہ کے لیے اس طرح سوچتے ہو جبکہ تم جانتے بھی ہو کہ وہ اپنی مرضی اور پسند کی شادی کر چکی ہے اور صرف وہی نہیں بلکہ تم بھی اب کسی اور کو اپنے نام سے منسوب کر چکے ہو تو کیا تمہیں یہ سب زیب دیتا ہے؟"

"جانتا ہوں کہ یہ غلط ہے لیکن جب تک اس سے بڑھ کر کچھ غلط نہیں کر لوں گا ناں تب تک اس غلط کا تاثر زائل نہیں ہونے والا۔" وہ مسکرایا۔

شرمین اس کے انداز پر چونکی، غزنی کی مسکراہٹ گہری تھی، کچھ سوچتی، کچھ حاصل کرتی کچھ خود غرضی سے بھرپور مسکراہٹ...... اس کے لیے غزنی کے مسکرانے کا یہ انداز ذرا اجنبی سا تھا، اسی لیے کچھ بولنے کے بجائے سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"کیا ہوا بھئی...... کیا سوچنے لگیں؟"

"نہیں...... بس یونہی مجھے ذرا عجیب سا لگا تمہارا انداز۔" اس نے دونوں خالی کپ واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے اپنی کیفیت بیان کی تو وہ ہنس دیا۔

"ارے بھئی ان باتوں کو چھوڑو اور وہ فائل نکالو جس میں کمپنی کی طرف سے بھیجے جانے والے ویزوں کی تفصیل ہے سب کی روانگی ہے آج، معلوم ہے ناں؟"

"ہاں لیکن ایک کی کلیئرنس نہیں ہوئی ناں، ڈاکیومنٹس بھی مکمل نہیں ہیں جس کی وجہ سے فلائٹ بک نہیں کروائی گئی۔" شرمین نے ٹرے ایک طرف رکھ کر پیچھے لگے شیلف پر سے فائل اٹھا کر کھولی اور دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کے سامنے

onlinemagazinepk.com/recipes

aanchal.com.pk

رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

ماہنامہ

نئے افق کراچی

تازہ شمارہ شائع

ہوگیا ہے

اکتوبر 2017 کے شمارے کی ایک جھلک

ایکس ون : ناول Mark Arundel نے لکھا اس میں ایک ریٹائر فوجی کو ایک شخص کی جان بچانے کی ذمہ داری دی جاتی ہے جبکہ کئی دشمن اسے مارنے پر تلے ہوتے ہیں ہر ہر چیپٹر میں ایک نیا انکشاف ہوتا ہے دلچسپی اور سنسنی خیز واقعات سے پر ناول۔

مرشد : بہت سے ایسے زندہ وجودوں میں سے ایک جو بازار حسن کے کوٹھوں اور گلیوں میں جھڑکیاں اور گالیاں کھائے ہوئے وقت کی ٹھوکروں میں پروان چڑھتے ہیں۔ ہاں البتہ قدرت نے حالات و واقعات کا جو کھیل رچایا تھا اس کی بدولت اس کے وجود کی ترکیب میں ان لطیف جذبوں کا آہنگ یکجا ہو پایا تھا جو جذباتی حالت کی معراج ہوا کرتے ہیں۔

خلوص... دیانت... ادب... ایثار... خدمت... شکر گزاری... کیفیت و احساس کی صورت وجود رکھنے والے محبت کی یہ بنیادی اجزا دودھ اور خون کے ذریعے اس کے جسم و جان کا حصہ بنے تھے۔ بدمعاش کی دنیا نے اسے مرشد مانا اور پھر... وہ کسی کا مرید ہوگیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

ایک ایک کر کے تمام دستاویزات رکھنے لگی۔

''باقی سب تو ٹھیک ہے اوکے ہیں۔ سب کی فلائٹ آج کے لیے بک ہے لیکن یہ جو حسن صاحب نے درخواست پینڈنگ میں ڈالی تھی تو تم ان سے فون پر پوچھتی تو سہی اگر بات نہ ہو پائی تھی تو مجھے بتاتیں میں فون کر لیتا یا ان کا ایڈریس لکھا ہے میں ان کے گھر چلا جاتا۔'' وہ اس کی بے پروائی پر غصے میں آ گیا تھا۔

''ہاں وہ دراصل...... شاید غلطی میری ہے مجھے لگا جیسے میں سب کے ڈاکومنٹس مکمل کر چکی ہوں یہ تو ابھی دیکھا کہ ایک ریفرنس ہے صرف۔'' اسے سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔

''کمال ہے یار شرمین...... تمہاری اس غلطی سے میری ریپوٹیشن کتنی خراب ہوگی اس بات کا معلوم بھی ہے تمہیں؟ میں نے بڑی محنت سے اس کمپنی سے ورک ویزے لیے اور یہاں لوگوں کو فروخت کیے۔ ان کے کاغذات مکمل کروا کر فلائٹ تک بک کروائی تاکہ اگلی مرتبہ بھی اس کمپنی کی پہلی ترجیح میری ہی ٹریول ایجنسی ہو لیکن تم نے تو سارا کام خراب کر دیا۔'' وہ سخت غصے میں تھا اور برداشت کرنے کی کوشش کے باوجود اس کی آواز بہت بلند ہو گئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان ویزوں کی وجہ سے وہ کتنا پُرجوش تھا۔

''اس طرح کا کام تو میں خود بھی بھاگ دوڑ کر کے کر ہی لیتا تھا تمہیں اپائنٹ کرنے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ سارا کام بغیر کسی غلطی کے اور انتہائی منظم طریقے سے ہو جایا کرے لیکن پھر بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر پٹخی۔

''آئی ایم سوری غزنی' میری غلطی ہے یہ لیکن میں کوشش کروں گی کہ آئندہ ایسا کوئی غیر ذمہ داری والا کام نہ کروں۔'' اس نے منہ بسورتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کی اور معافی مانگی۔

''نمبر نکال کر دو مجھے حسن صاحب کا' ابھی بات کرتا ہوں۔''

''اوکے۔'' شرمین اسی لمحے بڑی تیزی سے ان کاغذات میں نمبر دیکھنے لگی جس پر حوالے کے طور پر حسن نے اپنا نام پتا لکھوایا تھا۔

''ویسے پیمنٹ وغیرہ تو سب ہو چکی ہے حسن صاحب کی طرف سے۔'' شرمین نے رقم کی ادائیگی والی رسید دیکھ کر بتایا۔

''وہ تو ٹھیک ہے شرمین لیکن اگر ہماری ریپوٹیشن بہتر رہے تو اسے بہت سے پیسے مل سکتے ہیں جبکہ ہماری ذرا سی بے پروائی سے ہم دوسروں کی نظر میں غیر ذمہ دار ظاہر ہوئے تو آئندہ کے لیے مزید محنت کرنی پڑے گی۔'' اسی دوران نمبر مل گیا' غزنی نے اپنے موبائل سے ہی حسن کو فون ملایا تھا۔

''میں دراصل شہر سے باہر ہوں لیکن اب تک تو اسے ضرور آ جانا چاہیے تھا' سارے کاغذات مکمل کرانے اور بلکہ فلائٹ بھی شاید آج کی ہی ہے؟'' غزنی کی طرف سے مکمل صورت حال سے آگاہ ہونے کے بعد حسن پریشان ہو گیا تھا۔

''جی ہاں آج ہی کی فلائٹ ہے اور باقی سب سے تو میں روانگی کنفرم کر چکا ہوں لیکن آپ نے اب تک ہمیں لٹکایا ہوا ہے اسی وجہ سے ہم نے کسی کو بھی نہیں کہا اور نہ اب تک تو ہم کسی اور کی تیاری کروا لیتے۔'' غزنی نے سارا ملبہ اس پر ڈال دیا تھا۔

''ارے نہیں نہیں' میری کل رات ہی اس سے بات ہوئی ہے اور وہ آج ضرور آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔''

''اگر آپ کو سب کچھ کنفرم ہے تو ہم آپ کی گارنٹی پر ان کی فلائٹ بک کروا دیں؟''

''جی ہاں' بالکل کروا دیں' سو فیصد کروا دیں کیونکہ اس کے تمام کاغذات میں آپ کو دینے کے بجائے خود مکمل کروا چکا ہوں' جو وہ اپنے ساتھ ہی لیتا آئے گا۔''

''ضرور...... یہ تو بہت اچھا ہو گیا آپ ان کا نام وغیرہ بتا دیں تاکہ فلائٹ بک ہو جائے اور اللہ کرے کہ ڈاکومنٹس میں کوئی غلطی نہ ہو۔''

''اربش...... اربش نام ہے اس کا' باقی اس کا پاسپورٹ میں آپ کو واٹس اپ پر بھیجتا ہوں۔''

''اربش......'' غزنی نے نام دہرایا تو سامنے بیٹھی فائلوں کو ترتیب دیتی شرمین بھی چونک گئی۔ غزنی نے دانستہ اس کے والد کا نام اور گھر کا پوچھا اور فون بند کر دیا۔

''یہ تو اربش ہے وہی اربش جس نے اجیہ سے شادی کی ہے۔'' شرمین حیرت اور جوش کے ملے جلے جذبات میں تھی

جبکہ غزنی کا شاطر دماغ اس حقیقت کو جاننے کے بعد کہ یہ وہی اربش ہے کچھ اور منصوبہ بنا رہا تھا۔

❀......❀......❀

بعض اوقات زندگی اتنے مشکل دوراہے پر لا کھڑی کرتی ہے کہ بندہ گنگ رہ جاتا ہے دو میں سے کوئی ایک رستہ چننا ہو تو یہ فیصلہ انتہائی مشکل اور پیچیدہ لگنے لگتا ہے یہی حال اس وقت ممی کا تھا۔ انہیں لگتا کہ ان کے آگے کنواں اور پیچھے کھائی ہے ایسے میں انہیں کیا کرنا چاہیے اور کس کا انتخاب کرنا چاہیے یہ سوچ رہ رہ کر ان کا دماغ مفلوج کر رہی تھی۔ اربش جو ان کی زندگی کا واحد اثاثہ تھا اسے بچائیں یا خود کو؟ اور اربش کا بھی تو کہیں پتا نہیں چل رہا تھا کہ آخر وہ اس وقت ہے کہاں وہ اپنے تئیں اس کے تمام دوستوں سے معلوم کر چکی تھیں لیکن چونکہ وہ یہ بات ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں کہ اربش گھر سے ناراض ہو کر گیا ہے یا یہ کہ اربش کو انہوں نے گھر سے نکال دیا ہے اس لیے دوستوں کے گھر فون کیا بھی تو ان ڈائریکٹ طریقے سے ہی اربش کا پوچھا۔ ایک تو ویسے ہی اربش کے بغیر ان کا دل پریشان تھا اس پر سکندر صاحب کی عائد کی گئی شرط نے مزید ان کا اعصاب سُن کر دیئے تھے اور جب سے ان کے گھر سے آئی تھیں بس چپ چاپ خلاء کو گھورتی کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں بوا ان کے کمرے میں آئیں تو ان کی یہ حالت دیکھ کر جیسے دل کٹ کر رہ گیا۔

''آخر ہوا کیا ہے وہاں...... انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا جس پر تم یوں ساکت ہو گئی ہو؟ اب تو گھر پر وہ لیڈی پولیس اہلکار بھی موجود نہیں ہیں اب تو مجھے کچھ بتاؤ ورنہ خود میرے دل کو کچھ ہو جائے گا۔'' بوا کی بات پر ممی نے خاموش اکتائی ہوئی نظروں سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا تو وہ ان کے قریب آ بیٹھیں بڑے پیار سے ان کا کندھا سہلایا اور ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

''کیا مجھے بھی نہیں بتاؤ گی اپنی بوا کو بھی نہیں؟''

کچھ ایسا ہوتا ہے ناں کہ مختصر الفاظ میں ہی اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ بندے کا دل موم ہو جاتا ہے یہی اس مرتبہ بوا کے الفاظ سے ہوا تھا۔ انہوں نے اتنے پیار اور خلوص سے یہ چند الفاظ ادا کیے تھے کہ ممی کو رونا آ گیا اور پھر انہوں نے خود پر بالکل بھی کنٹرول نہیں کیا رونا آیا تو پھر خوب کھل کے رو بھی لیا اور فوراً ان کے گلے لگ بھی گئیں۔ اب دونوں ہی رو رہی تھیں کہ اربش اگر ممی کا بیٹا تھا تو بوا نے بھی ماں بن کر اسے پالا تھا لہٰذا دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن فرق بس اتنا تھا کہ ممی آواز کے ساتھ رو رہی تھیں جبکہ بوا خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ وہ خود رونے کے ساتھ ساتھ ممی کو تسلی بھی دے رہی تھیں اور انہوں نے ممی کو رونے سے روکا نہیں تھا انہیں جی بھر کر رونے کا موقع دیا تا کہ ان کے اندر موجود غبار باہر نکل جائے اور شاید وہ پہلے کی نسبت ذرا ہلکی پھلکی ہو کر خود کو ریلیکس محسوس کریں۔

''چلو شاباش اب بتاؤ آخر ہوا کیا تھا' کیا کہا انہوں نے؟'' وہ کچھ دیر بعد خاموش ہوئیں تو بوا کے سوال پر گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''بوا آپ کو پتا ہے اجیہ کون ہے؟'' بوا نے ناسمجھی سے نفی میں گردن ہلائی۔

''بھانجی ہے میری' سگی بھانجی...... اور اس کا باپ سکندر وہی شخص ہے جس کی وجہ سے ابا نے میرا نکاح راتوں رات کر کے مجھے خاموشی سے رخصت کر دیا تھا۔'' ممی کے اس انکشاف پر بوا کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

یہ زندگی نے کہاں کا سرا کہاں لا کر اور کہاں کس کے ساتھ جوڑ دیا تھا' حیرت کے مارے وہ جیسے گم صم رہ گئی تھیں۔ ان کے ذہن میں فوراً نکاح والے روز اجیہ کی امی کا چہرہ گھوما تھا اور اب اس انکشاف کے بعد اجیہ کا چہرہ سوچا تو محسوس ہوا کہ واقعی اس کے نقوش میں ممی کی شباہت تھی ورنہ اس سے پہلے تو بوا کو بھی محسوس نہ ہوا تھا۔

''کیا یہ بات خوشی کی نہیں کہ شاید اب یہ تمام معاملات آسانی سے حل ہو جائیں گے؟'' بوا نے اپنی دانست میں سادہ سی بات کی کیونکہ ابھی تک وہ اندرونی کہانی سے ناواقف تھیں۔

''سکندر کو نہیں جانتیں آپ بوا...... اسی لیے یہ بات اتنے آرام سے کہہ دی ورنہ یہ شخص آپ کی سوچ سے بھی بڑھ کر گھٹیا ہے۔''

''اس نے تم سے کچھ کہا ہے کیا؟''

''میں اس کے پاس یہ ہی درخواست لے کر گئی تھی ناں کہ اربش کے خلاف کیا گیا کیس واپس لے لے؟''

''ہاں بالکل پھر کیا کہتا ہے وہ؟''

''کیس واپس لینے پر تو آمادہ ہوگیا ہے بوا لیکن......'' ممی نے خاموش رہ کر سانس لیا۔

''لیکن......؟''

''اس کے گھٹیا پن کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اس نے اربش کا کیس واپس لینے پر آمادگی اس صورت میں ظاہر کی ہے کہ میں اس سے شادی کرلوں؟''

''آئے ہائے......'' بوا کو ممی کی بات سے جیسے ایک دم کرنٹ لگا تھا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''جو اس نے کہا وہی کہہ رہی ہوں بوا۔''

''اس انسان کی یہ جرأت کیسے ہوئی؟ ارے اسے پل بھر کے لیے بھی شرم نہ آئی اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے سالی کو اتنی گری ہوئی پیش کش کرتے ہوئے' کیا تمہاری بہن پاس نہیں تھی اس وقت؟'' بوا کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہوگیا تھا ان کا بس چلتا تو ابھی اسے کھری کری سنا آتیں۔

''اجیہ کے گھر سے بھاگنے کے بعد وہ بے چاری اسپتال میں پڑی ہے' میں تو یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ وہ کون سے اسپتال میں ہے کہ جاکر اسے دیکھ ہی آؤں۔'' ایک بار پھر ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''اسپتال میں ہے؟'' بوا کا دل اس لیے بھی زیادہ پریشان ہوا کہ وہ ان سے مل چکی تھیں اور جس طرح انہوں نے بوا سے بات کی تھی تو انہیں ان کی طبیعت و اخلاق کا اندازہ ہوگیا تھا' جانتی تھیں کہ وہ یقیناً ایک اچھی خاتون ہیں۔

''کاش مجھے پتا چل جائے کہ وہ کون سے اسپتال میں ہے تو میں کم از کم اپنی بہن کو دیکھ ہی لوں۔'' پھر سے بہتے آنسوؤں کو انہوں نے ہتھیلی سے رگڑا اور گہرا سانس لے کر مزید آنسو روکنے کی کوشش کی۔

''صرف ایک میری وجہ سے اس شخص نے ساری عمر میری بہن کو تکلیفوں میں رکھا ہوگا اور بوا آخر کب تک برداشت کرتیں وہ بھی آخر کو ان کے اعصاب ہار گئے ہوں گے اور پھر جیسا باپ تھا ویسی ہی بیٹی بھی نکلی بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئی اور ماں کو موت کے منہ میں دھکیل کر خود میرے بیٹے کے ساتھ عیاشیاں کررہی ہے۔ اسے جب اپنی ماں کی تکلیف اور پریشانیوں کا احساس نہ ہوا تو بھلا وہ اور کس کے لیے کیا احساس کرے گی؟'' اجیہ کی بات کرتے ہوئے ان کے لہجے میں پھر سے تلخی گھل گئی تھی۔

''بالکل اپنے باپ پر گئی ہے یہ لڑکی' اب دیکھ لیں آپ کہ بیوی اسپتال میں پڑی ہے اور یہ آدمی صرف اپنی عیاشیوں کی خاطر مجھے نکاح کی پیش کش کررہا ہے اور نہ کرنے کی صورت میں اربش کو سنگین نتائج کا سامنا کرنے کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔ کتنا ذلیل گھٹیا اور بے غیرت آدمی ہے یہ۔'' ممی نے غصے میں آکر سکندر صاحب کو بددعائیں دینا شروع کردی تھیں' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان کا منہ نوچ لیں۔

''ارے اس نے سمجھ کیا رکھا ہے خود کو کہ جو چاہے گا سو کرلے گا اور......اور میں کیا لاوارث پڑی ہوں یہاں کیا کہ جو وہ چاہے گا منوالے گا مجھ سے؟'' بوا نے انہیں اپنے سینے سے لگا کر خاموش کروانا چاہا اور سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر انہیں پانی پلایا۔

''جوش کے بجائے ہوش سے کام لو' آرام سے سوچو کہ ہمیں اب کرنا کیا ہے کیونکہ دوسری طرف اربش ہے۔''

''بوا......کیا کسی طرح ہم یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ باجی کون سے اسپتال میں ہیں؟ میں انہیں صرف ایک بار دیکھنا چاہتی ہوں ان سے باتیں کرنا چاہتی ہوں اور ہوسکتا ہے کہ اجیہ کا ان سے کوئی رابطہ ہو اور وہیں سے ہمیں اربش کے بارے میں بھی کوئی پتا چل سکے۔''

''معلوم کریں بھی تو کس سے؟ ہمارا تو ان کی فیملی یا ان کے ملنے والوں میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی رابطہ ہی نہیں۔'' بوا نے بہت سوچا لیکن ایسا کوئی شخص ذہن میں نہیں آیا جس کے ذریعے کوئی خبر مل سکے۔

''میں سکندر کے ہاتھوں کبھی بھی بلیک میل نہیں ہوں گی بوا...... یہ میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے لیکن جب تک اربش نہیں مان جاتا یا اس کا کوئی سراغ نہیں مل جاتا تب تک

میں اسے صاف انکار بھی نہیں کروں گی مبادا وہ اربش کو کوئی نقصان ہی نہ پہنچائے بس ایک بار اربش مجھے مل جائے تو کسی بھی طریقے اجیہ کو تو میں خود اس کے باپ کے حوالے کرآؤں گی کہ رکھے اپنی بیٹی کو لگام ڈال کر۔‘‘

بوا اس حق میں نہیں تھیں لیکن اس وقت وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھیں بوا ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے انہیں ذہنی طور پر مضبوط کرنے کی کوشش میں تھیں کہ اسی دوران ان کے فون پر بیل ہوئی‘ ساتھ ہی شرمین کا نام ابھرا۔

’’کیا حال ہے ممی‘ کیسی ہیں آپ؟‘‘ اس کی آواز میں تازگی تھی اور وہ بڑا چہکتے ہوئے ممی سے مخاطب تھی۔

’’بڑی خوش لگ رہی ہو تم...... خیر تو ہے ناں؟‘‘ اپنی پریشانی میں انہیں شرمین کی خوشی سے کھنکتی آواز بالکل برداشت نہیں ہو رہی تھی یہی وجہ تھی کہ اس کے سوال پر جواب دینے کے بجائے طنزیہ سوال کر ڈالا۔

’’خیر ہی خیر ہے ممی بلکہ جب آپ کو اپنی خوشی کی وجہ بتاؤں گی ناں تو آپ بھی خوش ہو جائیں گی۔‘‘ وہ اسی طرح پھر چہکی۔

’’میری خوشی تو صرف اور صرف اربش سے وابستہ ہے شرمین...... اس کے بغیر زندگی میں کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت ہے نہ وقعت۔‘‘

’’اور اگر میں کہوں کہ میں نے اربش کا پتا چلا لیا ہے تو پھر؟‘‘

’’کیا......! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟‘‘ خوشی سے ان کی آواز کانپ گئی تھی‘ اسی دوران گیٹ پر بیل ہوئی تو بوا اٹھ کر گیٹ کھولنے چلی گئیں۔

’’سچ کہہ رہی ہوں بالکل سو فیصد سچ‘ اربش کو میں نے بہت ہی مشکل سے لیکن ڈھونڈ نکالا ہے۔‘‘ اس نے جان بوجھ کر کریڈٹ لینے کی کوشش کی جبکہ حقیقتاً اس میں اس کا تو رتی برابر بھی کمال نہیں تھا۔

’’کہاں ہے وہ......! تمہیں کیسے ملا‘ کیسے ڈھونڈا تم نے؟‘‘

’’یہیں ہے کراچی میں‘ آپ بالکل بھی فکر نہ کریں مکمل تفصیل میں آپ کو آج گھر آ کر بتاؤں گی۔ ابھی آفس میں ہوں زیادہ بات نہیں کر سکتی‘ یہ تو خبر ہی اتنی بڑی تھی کہ مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوا اس لیے فوراً فون کر دیا تاکہ آپ کی بھی کچھ پریشانی کم ہو۔‘‘

’’شرمین...... میں کیا کہوں میرے پاس تو الفاظ ہی نہیں ہیں‘ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آج تم نے مجھے خرید لیا ہے یقین کرو تم نے اتنا بڑا احسان اربش کو ڈھونڈنے کی صورت میں مجھ پر کیا ہے کہ میں تمام عمر بھی اس کا بدلہ اتارنا چاہوں تو ممکن نہیں ہوگا۔‘‘

’’ارے...... رے آپ ایسی بیگانوں جیسی باتیں کر کے مجھے غیر ہونے کا احساس دلا رہی ہیں ورنہ میں نے تو آپ کو صرف زبان سے ممی نہیں کہا بلکہ دل سے سمجھا بھی ہے۔ آپ کے گھر کو اپنا گھر اور آپ سب کو اپنا سمجھتی ہوں اسی لیے ورنہ کسی اور کے لیے مجھے کیا ضرورت تھی اتنا وقت خراب کر کے اسے ڈھونڈنے کی۔‘‘ شرمین نے چکنی چپڑی باتیں کر کے تو ویسے ہی انہیں اپنا اسیر کر لیا تھا‘ اب اربش کو ڈھونڈ لینے کا بتا کر تو انہیں مکمل اپنے اختیار میں ہی کر لیا تھا۔

’’کاش اب بھی میں کسی طور اتنی اچھی لڑکی کو اپنی بہو بنا سکوں۔‘‘ ممی نے دل ہی دل میں سوچا اتنے میں بوا کمرے میں داخل ہوئیں اور کچھ بے زار سی لگیں‘ ممی نے ان سے اشارے سے پوچھا تو بولیں۔

’’باہر سکندر صاحب آئے ہیں میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔‘‘ ممی کے بھی چہرے کے زاویے سکندر صاحب کے نام سے بگڑ گئے تھے۔

’’اوکے ممی‘ ابھی مجھے کام کرنا ہے میں آفس سے واپسی پر گھر آؤں گی تو ساری تفصیل آپ کو بتاؤں گی۔‘‘

’’ٹھیک ہے‘ ضرور آنا میں انتظار کروں گی اور جب تک تم آؤ گی نہیں میرا ایک ایک منٹ گھنٹے کے برابر گزرے گا‘ جانتی ہو ناں؟‘‘

’’جانتی ہوں‘ سب جانتی ہوں لیکن اب آپ فکر نہ کریں‘ مجھے امید ہے کہ اب سارے معاملات بہتر ہو جائیں گے۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے ایک نئی امید کے ساتھ فون بند کیا۔

''بوا...... اربش کا پتا مل گیا ہے شرمین کو۔'' می نے جوشیلے انداز میں کہا' اربش کا پتا معلوم ہوجانے کی خوشی اس قدر تھی کہ سکندر صاحب کی آمد کی بدمزگی اس میں کہیں دب کر رہ گئی تھی۔

''اللہ تیرا شکر ہے تُو نے ہم مسکینوں کی سن لی ورنہ ہم دونوں عورتیں کہاں کہاں نہ بھٹکتیں۔'' بوا نے دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کیا پھر چونکیں۔

''یہ جو سکندر بیٹھا ہے ناں باہر' ابھی اسے بھنک بھی مت پڑنے دینا کہ اربش کہاں ہے بلکہ اسے یہی کہنا کہ وہ ہنی مون پر ہی ہے۔ ایک بار اربش سے مل کر اسے ساری بات بتائیں گے اس بے شرم آدمی کی آفر سمیت پھر مل کر اس کے بارے میں کوئی ایسا فیصلہ کریں گے جس سے نہ اربش پر آنچ آئے نہ تم پر۔''

''ہمم...... بات ٹھیک ہے آپ کی' میں ابھی تو جا کر دیکھوں کہ آخر گھر آنے کا اس کا مقصد کیا ہے۔'' اربش کا پتا چل جانے کی خبر نے می اور بوا میں ایک نئی انرجی بھر دی تھی' وہ اپنے آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط تصور کررہی تھیں اب انہیں اس بات کا احساس ہورہا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہیں' لہٰذا می کی شخصیت کا اعتماد وہی پہلے جیسا تھا۔

❀......❀......❀

مجھے رنگ دے نہ سرور دے میرے دل میں خود کو اتار دے
میرے لفظ سارے مہک اٹھیں' مجھے ایسی کوئی بہار دے
مجھے دھوپ میں تو قریب کر' مجھے اپنا سایہ نصیب کر
میری نکہتوں کو عروج دے مجھے پھول جیسا وقار دے
مری بکھری حالت زار ہے نہ تُو چین ہے نہ قرار ہے
مجھے لمس اپنا نواز کے' میرے جسم و جاں کو نکھار دے
تری راہ کتنی طویل ہے میری زیست کتنی قلیل ہے
مرا وقت تیرا اسیر ہے' مجھے لمحہ لمحہ سنوار دے
مرے دل کی دنیا اداس ہے نہ تُو ہوش ہے نہ حواس ہے
مرے دل میں آ کے ٹھہر کبھی مرے ساتھ عمر گزار دے
مری نیند مونس خواب کر میرے رتجگوں کا حساب کر
مرے نام فعل گلاب کر کبھی ایسا بھی مجھے پیار دے
شب غم اندھیری ہے اس قدر کروں کیسے صبح کا میں سفر
مرے چاند آ میری طرف مجھے روشنی کا حصار دے

اجیہ اس وقت ڈاکٹر کے سامنے موجود بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی' دائیں بازو پر لگی ڈرپ سے قطرہ قطرہ توانائی اس کے جسم میں اترتے ہوئے اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ اب اسے زندگی کے ہر قدم پر پہلے سے زیادہ توانائی' حوصلہ اور ہمت درکار ہوگا۔ ڈاکٹر نے جب اسے یہ خبر دی کہ وہ ماں بننے والی ہے تو اسے ایک لمحے کے لیے تو ایسا لگا تھا کہ جیسے اس کے پاؤں زمین سے اوپر ہوگئے ہیں وہ اپنے آپ کو بہت منفرد سمجھنے لگی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ فوراً سے اربش کو یہ خوش خبری سنائے لیکن موبائل پاس نہ ہونے اور اس کا نمبر یاد نہ ہونے کی وجہ سے صبر کرکے رہ گئی۔ ایسے وقت میں جب وہ اربش کے بیرون ملک جانے کے ارادے سے پریشان تھی' اربش کے عرش سے فرش پر آجانے کی وجہ بننے پر دل ہی دل میں کڑھتی رہتی تھی۔ میکے کی طرف سے کوئی بھی خیر خبر اور رابطہ نہ ہونے پر دکھی ہوئی تھی تو ایسے میں اللہ نے اتنی بڑی خوشی کی خبر دے کر اسے نہال کردیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک ایک فرد کو پکڑ کر بتائے کہ اللہ نے اسے اتنا بڑا مرتبہ دینے کے لیے چُن لیا ہے۔ اسے امی کی یاد شدت سے آرہی تھی' دل چاہتا کہ انہیں بتائے کہ دیکھیں قدرت مجھے کس عظیم منصب پر فائز کرنے والی ہے۔ حنین کو بتائے کہ تم خالہ بننے والی ہو اور یہ جان کر حنین کتنی خوش ہوگی اس بات کا تصور ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آیا تھا۔

اسی کمرے میں اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی اور اسی کمرے میں ڈاکٹر کے پاس مختلف خواتین دوائی لینے آ جارہی تھیں۔ اپنے اپنے مسائل میں گھری وہ متوسط طبقے کی خواتین اسے ایک نظر دیکھتیں اور آگے بڑھ جاتیں جبکہ اس کا دل چاہتا کہ ان میں سے کوئی ایک تو رُک کر اس کی خیریت پوچھے' اس سے پوچھے کہ اسے کیا ہوا ہے' یہ ڈرپ کیوں لگی ہے؟ اور تب وہ تھوڑا سا شرماتے ہوئے بتائے کہ نئے آنے والے بے بی کی وجہ سے کمزوری ہوگئی ہے اس لیے ڈاکٹر صاحبہ نے ڈرپ لگائی ہے۔ لیکن اتنا وقت بھلا کس کے پاس ہوتا ہے' ہر چہرے پر

اپنی ہی الگ کہانی اور اس کہانی میں موجود پریشانی لکھی تھی۔

اجیہ کو اتنی ساری خواتین کی موجودگی میں اپنا آپ بہت تنہا بہت اکیلا محسوس ہورہا تھا۔ اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے پاس اربش کے علاوہ ایسا کوئی بھی فرد نہیں ہے جس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی شیئر کرپاتی اور اب بھی اس کی ڈرپ ختم ہونے اور گھر جانے تک اتنی بڑی خبر پر اس نے خود ہی خوش ہونا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اربش سے ممی کا فون نمبر لے کر انہیں بھی یہ خوش خبری سنائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اربش کے پاپا بننے کی خوشی میں وہ اپنی تمام تر ناراضگی بھول کر انہیں معاف کردیں' اپنالیں اور ہوسکتا ہے کہ آنے والا نیا مہمان ان کے درمیان نئے سرے سے محبت پیدا کرنے کے لیے آنے والا ہو۔

وہ جب تک وہاں لیٹی رہی یہی کچھ سوچتی رہی' اربش کا کیا ردعمل ہوگا' وہ کتنا خوش ہوگا' یہ خبر سنتے ہی پہلا جملہ وہ کیا کہے گا؟ سوچوں کا ایک خوب صورت سلسلہ تھا جو چلتا ہی جارہا تھا۔ وہ لیٹے لیٹے تھک گئی تھی' ڈاکٹر سے آنکھ بچا کر نرس کو ڈرپ کی رفتار تیز کرنے کا اشارہ بھی کیا لیکن اس نے انکار کردیا کہ یہ ڈرپ اسی طرح آہستہ آہستہ ہی لگے گی لہٰذا اب اس کے پاس انتظار کرنے کے سوا اور کوئی بھی چارہ نہ تھا۔

❀......❀......❀

وقت ہی نہیں ملتا
اس سے بات کرنے کو
عادتیں بدلنے کو
زندگی پہیلی ہے' درد کی سہیلی ہے
ہر نئی مسافت پر
لوگ ملتے جاتے ہیں
پھول کھلتے جاتے ہیں
بھید کھلتے جاتے ہیں
زندگی کے خاکے میں
زرد بخت لوگوں کو
رنگ سرخ ملتا ہے
ہم اداس لوگوں سے بھیڑ بھاڑ میں اکثر
چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں
اپنا جی لگانے کو
سنگ سنگ چلتے ہیں
خود میں رنگ بھرتے ہیں
قہقہے لگاتے ہیں' وحشتیں بدلنے کو
دن گزار دیتے ہیں عادتیں بدلنے کو
رات جاگتے رہنا
اک دیا بنانے میں
خواب کی یہ فطرت ہے
یہ عجیب ہوتے ہیں
سر پٹختے رہتے ہیں' آنکھ سے نکلنے کو
وقت ہی نہیں ملتا' اس سے بات کرنے کو

اربش کو اس بات کا بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ سب کچھ یوں اتنا اچانک ہوجائے گا' ابھی اسے گھر سے نکلے شاید ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہی گزرا تھا جب حسن نے اسے فون کیا۔

''یار کیا ہوا' بات کی تھی بھابی سے؟''

''ہاں میں نے اسے اس بات پر راضی کرلیا ہے کہ مجھے تقریباً سال بھر کے لیے تو باہر جانا ہی ہوگا اور مجھے خوشی ہے کہ وہ میری بات سمجھ گئی۔'' اربش نے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایک طرف ٹھہر کر اسے بتایا۔

''چلو شکر ہے یہ بھی ٹھیک ہوگیا' تو بھائی میں نے بتایا تھا ناں کہ اگر بھابی اوکے کرتی ہیں تو اس ٹریول ایجنسی پر جانا ہے۔''

''آج شام کو اجیہ کے ساتھ ہی جاؤں گا اس کی بھی تھوڑی بہت آؤٹنگ ہوجائے گی ورنہ سارا وقت گھر میں رہ رہ کر بور ہوجاتی ہے وہ۔''

''وہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے اربش لیکن یار آئی ایم سوری' میں بتا نہیں سکا تھا کہ فلائٹ تو آج کی ہی ہے۔'' حسن اپنی غلطی پر شرمندہ تھا جو اس کا لہجہ بتا رہا تھا۔

''آج کی...... لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟'' اربش نے انتہائی حیرت سے کہا' جس پر حسن نے اسے کمپنی کی ویزوں والی مکمل بات سمجھائی جو غزنی نے اسے بتائی تھی۔

"غلطی میری ہے کہ میں جلدی میں تھا اور تمہیں مکمل بات بتا نہیں سکا۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے یار......! لیکن یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے ایک ہی دن میں میرے سارے ڈاکیومنٹس کیسے بنائے ہوں گے انہوں نے کیا ایسا ممکن ہے؟" اربش کی مطلوبہ بس گزر بھی گئی تھی لیکن اب اس کا بس میں سوار ہو کر جانے کا ارادہ بدل گیا تھا لہٰذا وہیں کھڑا بات کرتا رہا۔

"شاید بھول رہے ہو کہ میں نے تمہارے ڈاکیومنٹس خود تیار کروائے ہیں سارے جو کل ہی مکمل ہوئے تھے بتایا تو تھا تمہیں۔"

"اوہ ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن......" اربش کو یاد آیا کہ واقعی حسن کئی روز سے اس کے ڈاکیومنٹس مکمل کروا رہا تھا۔

"لیکن کیا یار اتنے زبردست مواقع زندگی میں بار بار نہیں ملتے۔"

"تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن میں اجیہ کو چھوڑ کر......میرا مطلب ہے کہ میں اسے کیسے بتاؤں کہ میں ابھی چند گھنٹوں بعد اس سے ایک سال کے لیے دور جا رہا ہوں۔" اجیہ کو چھوڑ کے جانے اور اس سے دور رہنے کے خیال سے اربش کو اپنا آپ کمزور پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"کرنا تو پڑے گا ہی یار اور پھر تم بھی تو کون سا اپنی خوشی سے جا رہے ہو یا عیش وعشرت کی زندگی گزارنے جا رہے ہو۔ تم بھی تو یار وہاں محنت مزدوری کر کے چار پیسے اکٹھے کرنے اسی لیے جا رہے ہو ناں کہ اجیہ کا معیار زندگی بلند کر سکو۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" یہ سب تو وہ بھی جانتا تھا لیکن اجیہ کو ان حالات میں اکیلا چھوڑ کر جانا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"اب ایسا کرو ٹریول ایجنسی جا کر انہیں اپنی چار پاسپورٹ سائز تصویریں دے آؤ اگر باہر سے بنوانا چاہو تو ورنہ ان کے پاس بھی انتظام ہے وہ خود بنا لیں گے اور اس کے بعد گھر آ کر بھابی کو اللہ حافظ بھی کہہ لو اور دو جوڑے کپڑوں کے اور ضرورت کی کچھ چیزیں بھی پیک کر کے ٹریول ایجنسی کے بتائے ہوئے مقام پر جا پہنچو۔"

"ہمم......ٹھیک ہے۔"

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل کراچی ماہنامہ حجاب کراچی

(ایک ساتھ منگوانے پر)

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

7000 روپے

مڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے

6000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی......0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔

فون نمبر: 2/35620771-922+

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

circulationngp@gmail.com

"تم پریشان نہ ہوناں یار...... میں ہوں' بھابی کا خیال رکھوں گا اور اگر ان کی مرضی ہوئی تو اپنے گھر لے آؤں گا انہیں' میری والدہ بھی خوش ہوجائیں گی اور انہیں بھی کمپنی مل جائے گی۔" حسن کی اس بات سے اربش کو اپنی ممی کا خیال آیا تھا اس نے سوچا کہ پورے ایک برس کے لیے باہر جانے سے پہلے ایک بار ممی سے الوداعی ملاقات کرلینی چاہیے اگر ان کا رویہ اب تک کچھ نرم ہوگیا تو حسن کی والدہ سے بہتر ہے کہ اجیہ اپنے گھر میں ممی کے ساتھ رہے لیکن یہ سب ممی کے رویے کے بدلاؤ پر ہی منحصر تھا۔ اس سے پہلے اس نے اپنی اچانک تیاری پر اجیہ کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیے اسے فون ملایا لیکن بارہا بیل جانے کے باوجود بھی فون ریسیو نہ ہوا یہ بات اربش کے لیے اچنبھے کی تھی کیونکہ وہ جب بھی فون کرتا اجیہ اکثر تو آدھی بیل پر ہی ہیلو کہہ دیا کرتی تھی اور کوئی کام تو تھا نہیں بس گھر کے روزمرہ کے کاموں سے فارغ ہوتے ہی یا وہ اسے فون کرلیتی یا اس کا فون سن لیتی۔

وہ گھر کے باہر بھی اجیہ کے آس پاس ہی ہوتا تھا لیکن آج اربش کے کئی مرتبہ فون کرنے کے بعد بھی جب اجیہ نے کوئی جواب نہ دیا تو پریشانی فطری تھی اور ایسا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا کہ جنہیں فون کرکے وہ اجیہ کی خیریت معلوم کرتا' لہٰذا بہتری اور خیر کی امید لیے وہ سب سے پہلے حسن کی بتائی گئی ٹریول ایجنسی پر پہنچا۔

یہ کوئی بہت بڑا آفس نہیں تھا بلکہ دو کمروں پر مشتمل تھا' جس میں داخل ہوتے ہی سامنے آنے والا کمرہ خالی تھا' میز پر کچھ فائلیں کھلی ہوئی تھیں جن پر رکھے پین سے احساس ہوتا تھا کہ کوئی وہاں سے کام کرتے کرتے اٹھ کر گیا ہے۔ میز ہی کے ایک طرف رکھے شولڈر بیگ سے کام کرنے والے کا خاتون ہونا ثابت ہوا' جو ظاہر کرتا تھا کہ وہ یہیں کہیں موجود ہیں بس کسی کام کی وجہ سے اپنی کرسی پر نہیں۔ وہاں رکے بغیر وہ بڑے اعتماد سے دوسرا دروازہ بجا کر اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم! آئی ایم اربش۔" اندر داخل ہوکر سامنے بیٹھے غزنی کی طرف مصافحہ کے انداز میں ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے ساتھ ہی اپنا تعارف بھی کروایا تو غزنی اٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام! اربش صاحب آئی ایم غزنی......" بغور اربش کا جائزہ لیتے ہوئے غزنی نے الفاظ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"گویا یہ ہے اربش جس کی خاطر اجیہ نے مجھے ٹھکرایا تھا اور نہ صرف مجھے بلکہ میرے سب گھر والوں کو بھی دنیا کی نظروں میں تماشہ بنادیا تھا ہونہہ...... اب اجیہ دیکھے گی کہ میں کس طرح اسے پوری دنیا کے سامنے تماشہ بناؤں گا۔" غزنی نے دل ہی دل میں خود کلامی کی اور اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"مجھے حسن نے بھیجا ہے' بات کی ہوگی اس نے آپ سے ڈاکیومینٹیشن کے بعد؟"

"جی جی بتایا تھا انہوں نے بلکہ ابھی آپ کے آنے سے تین چار منٹ پہلے بھی میں نے ان کو دوبارہ فون کیا تھا تاکہ آپ کی آمد کنفرم کرسکوں۔" غزنی نے اس کی شخصیت کا جائزہ لیا۔ اونچا لمبا قد' صاف رنگت' بولنے کا خوب صورت انداز اور پُرکشش نقوش' وہ واقعی ایک بہترین شخصیت کا مالک تھا۔

"ویسے اگر میں پوچھ سکوں تو ایسا کیا مسئلہ تھا کہ آپ کو یوں آخری منٹوں میں سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ باقی لوگ تو اس وقت اپنے گھر والوں سے الوداعی ملاقاتیں کررہے ہوں گے اور آپ کا اس وقت جانا کنفرم ہورہا ہے۔"

"بس کچھ ذاتی وجوہات تھیں' جنہیں میں شیئر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ آئی ایم سوری۔" بغیر کسی تکلیف یا لحاظ کے اربش نے سیدھی اور صاف بات کی۔

"ارے نہیں نہیں اٹس اوکے بلکہ میں خود بھی کسی کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنا بہتر خیال نہیں کرتا اس لیے بات اگر کوئی ذاتی ہے تو بے شک نہ بھی بتائیے۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا تو آپ کی پاسپورٹ سائز تصاویر ابھی لگنا باقی ہیں اگر آپ اپنے ساتھ لائے ہیں تو ٹھیک ورنہ میرے پاس بھی تصویر بنانے کی سہولت موجود ہے۔"

"نہیں نہیں' فوٹوز تو میں لایا ہی ہوں۔" اپنی جیب سے اس نے چار تصاویر نکال کر اس کی طرف بڑھائیں۔

''یہ لیں۔''

''گریٹ' اچھا پاکستان میں آپ کا کوئی ایڈریس ہو تو وہ لکھوادیں یا پھر اپنی مسز' بھائی یا والد کا نمبر دینا چاہیں تو وہ نوٹ کروادیں تاکہ کسی پرابلم میں کام آسکے۔''

''جی ضرور' آپ میری مسز کا نمبر لکھ لیجیے۔'' اربش نے اسے اجیہ کا نمبر لکھوایا اور یہی تو وہ چاہتا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ اگر وہ نمبر دے گا تو صرف اجیہ کا' عین اس وقت اربش کو بھی یاد نہ رہا تھا کہ حسن کا نمبر ان کے پاس ہی موجود ہونے کی یاددہانی کردا دیتا اور اس کو یہ بات یاد نہ آنا غزنی کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی تھی۔

''اچھا اب ایسا ہے کہ آپ کو تقریباً چار گھنٹوں کے بعد یہاں موجود ہونا ہے' یہاں سے میں خود ہی آپ کو ائیر پورٹ لے کر جاؤں گا لیکن خیال رہے کہ چار گھنٹے سے لیٹ نہ ہوں۔''

''اوکے' ایسا ہی ہوگا۔'' اربش اس کے آفس سے نکلا تو ساتھ والے کمرے میں موجود کرسی اب تک خالی ہی تھی' وہ توجہ دیئے بغیر باہر نکل گیا کہ اس کے پاس وقت کم تھا اور کرنے کے کام زیادہ۔ وہ پردے کے پیچھے سے آدھی نظر آتی شرمین کو دیکھ نہیں سکا تھا اور دیکھتا بھی کیسے غزنی کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے فوراً اجیہ کو کال ملالی تھی لیکن اس مرتبہ پھر کئی بیل جانے کے باوجود بھی اس کا فون ریسیو نہیں ہوا تھا جس پر اربش کو حیرت اور پریشانی تو تھی لیکن اب اس کا رخ ممی کی طرف تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ جانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر انہیں منانے کی کوشش کرے' ان سے معافی مانگے' منتیں کرکے معاف کردینے پر زور ڈالے اور ہوسکتا ہے کہ اجیہ کی غیر موجودگی میں ان کا دل پسیج ہوجائے۔ اولاد کے لیے ماں کی محبت کی کتنی ہی روایات اس کے سامنے موجود تھیں اور اسے یقین تھا کہ آج وہ جائے گا تو ان کو منا کر ہی لوٹے گا اور یقیناً وہ مان جائیں گی پھر باقی معاملات ایک سال بعد جب وہ لوٹے گا تب دیکھے جائیں گے لہٰذا بڑی ہی امید کے ساتھ بس میں بیٹھا اور ایک بار پھر اجیہ کو فون ملانے لگا۔

❁......❁......❁

حنین اب تک غزنی کے ساتھ باہر گزارے گئے وقت کے فسوں میں تھی۔ وہ خود کو اس دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہی تھی جسے غزنی جیسا شوہر ملا تھا۔ اب تک ایسا لگتا جیسے یہ سب کچھ ایک خواب ہے اور خواب بھی اتنا حسین کہ وہ کبھی آنکھیں کھولنے پر راضی نہ ہوتی۔ اسپتال واپس آکر اس نے ایک ایک بات امی کو بتائی تھی اسے یقین تھا کہ وہ سن رہی ہیں اور اس طرح کی خوشیوں بھری مثبت باتیں یقیناً ان پر اچھا اثر ڈال سکتی ہیں ویسے بھی وہ ان سے بے تکلف تھی' ساری باتیں آرام سے ان کے ساتھ شیئر کرسکتی تھی لہٰذا کرتی گئی۔ ایسے ہی جیسے کسی سہیلی کے ساتھ کی جاتی ہیں جواب میں ان کی وہی پُرسکون خاموشی تھی اور بس...... ڈاکٹر اپنے روٹین کے راؤنڈ پر آیا تو چیک اپ کے بعد بولا۔

''بیٹا...... کیا آپ ان کے ساتھ اکیلی ہیں یا آپ کے والد صاحب بھی موجود ہیں؟''

''ابھی تو میں اکیلی ہی ہوں شاید وہ بھی تھوڑی دیر میں آجائیں اگر آپ ان کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہیں تو مجھے بتادیجیے پلیز۔''

''ارے نہیں نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے' آپ کی والدہ کی ہمت اور حوصلے کو داد دینا پڑے گی کہ جس طرح ان کی قوت مدافعت انہیں بیماری کے خلاف اب تک کھڑا کیے ہوئے ہے یہ بے مثال ہے۔'' بات کرتے کرتے وہ اشارے سے حنین کو اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر ان کے کمرے سے باہر نکل گئے تو حنین بھی ان کی تقلید میں ان کے پیچھے آ گئی۔

''ڈاکٹر صاحب خیر تو ہے ناں؟ آپ نے یوں مجھے باہر بلایا۔'' وہ واقعی پریشان ہوگئی تھی۔

''بیٹا میں نے کہا ناں کہ کوئی خطرے والی بات نہیں ہے بس دراصل آپ کو باہر یہ کہنے کے لیے بلایا ہے کہ آپ کے والد نے درخواست کی تھی کہ چونکہ اسپتال میں رہنے سے ہونے والا اضافی خرچ ان کی برداشت سے باہر ہے تو کچھ ایسی کوشش کی جائے کہ مریض گھر شفٹ ہوجائے اور وہاں ان کی دوا وغیرہ چلتی رہے۔''

''نہیں ڈاکٹر صاحب' یہ کیسے ہوسکتا ہے بھلا جو احتیاط

اور کیئر اسپتال میں ممکن ہے وہ تو گھر پر کسی بھی طور نہیں ہوسکتی اور ویسے بھی میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ہمیں روپے پیسے کی کمی کا ہرگز بھی سامنا نہیں ہے انہوں نے پتا نہیں کیوں ایسا کہا۔“

”جذباتی نہ ہوں بیٹا‘ گھر کی معاشی حالت والد سے بہتر بھلا کون سمجھ سکتا ہے‘ یہ جو باپ کا رشتہ ہوتا ہے ناں یہ ہوتا ہی ایسا ہے کہ تمام مشکلیں اور پریشانیاں اپنے اندر جذب کرکے اولاد کے سامنے جو آئینہ رکھتا ہے اس میں ہر منظر واضح اور خوش رنگ ہی نظر آتا ہے۔“ اب وہ انہیں بھلا کیسے سمجھاتی کہ سکندر صاحب دوسرے لوگوں کے والدین کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ ایک لالچی‘ سخت گیر اور شکی باپ ہیں اور وہ اس دن سے دبے دبے الفاظ میں پیسے خرچ ہونے پر باتیں کررہے ہیں جس دن امی کو اسپتال لایا گیا تھا۔

”تو میں نے دوسرے ڈاکٹرز اور اسٹاف سے مشورہ کرنے کے بعد سوچا ہے کہ آپ کی والدہ کو گھر شفٹ کردیا جائے تاکہ آپ کے لیے معاشی مسائل پیدا نہ ہوسکیں۔“

”لیکن ڈاکٹر صاحب‘ ہم ابھی ڈسچارج نہیں ہونا چاہتے کم از کم اس وقت تک تو بالکل بھی نہیں جب تک کہ امی اپنی آنکھیں نہ کھول دیں۔“

”بیٹا آپ جذباتی ہورہی ہیں شاید۔“

”نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے بلکہ میں آپ کو حقیقت بتارہی ہوں‘ آپ پلیز مجھے کچھ وقت دیں تاکہ میں اپنے والد کے آنے کا انتظار کیے بغیر ان سے فون پر ہی بات کرلوں پلیز......“

”ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور‘ ہمیں ڈسچارج کرنے کی کوئی جلدی نہیں ہے آپ آرام سے ان سے بات کرلیں پھر جو بھی فیصلہ ہو اس سے مجھے آگاہ کردیجیے گا۔“

”جی بالکل‘ تھینک یو سومچ ڈاکٹر صاحب ویسے میری امی ٹھیک تو ہوجائیں گی ناں؟“

”ہاں ہاں کیوں نہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ وہ ٹھیک ہی ہیں‘ فالج کا جو اٹیک ان پر ہوا تھا اس سے یہ بآسانی نکل آئی ہیں۔ کچھ اثرات تو ہیں لیکن میں پُرامید ہوں کہ جس دن انہوں نے آنکھیں کھول لیں اس دن اپنے جسمانی اعضاء پر بھی مکمل اختیار حاصل کرلیں گی۔“

”ان شاء اللہ...... اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔“

ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ باہر ہی ٹہلتے ہوئے سکندر صاحب کا نمبر ملانے لگی‘ وہ نہیں چاہتی تھی کہ امی کے سامنے بات کرے‘ اور وہ یہ سب سن کر اس کی طرح ہرٹ فیل کریں لیکن مسلسل بیل جانے کے بعد بھی ان کی طرف سے کال ریسیو کرنے کے بجائے رابطہ منقطع کیا جاتا رہا تو اس نے غصے میں آکر غزنی کو فون پر ساری صورت حال بتائی۔

”غزنی مجھے سخت افسوس ہورہا ہے کہ بابا جانی امی پر پیسوں کو ترجیح دے رہے ہیں حالانکہ پیسے کمانے کے لیے تو عمر پڑی ہے بعد میں بھی کمائے جاسکتے ہیں لیکن امی پر جو مشکل وقت آیا ہے اس میں اگر ہماری طرف سے کوئی اونچ نیچ ہوگئی پھر تو وہ وقت عمر بھر واپس نہیں آئے گا۔“

”تم کیوں پریشان ہوتی ہو یار‘ میرا سب کچھ اب تمہارا ہی تو ہے‘ دل و جان سے لے کر روپے پیسوں تک اور جب تک تم نہیں کہو گی اور ڈاکٹرز خود سے انہیں ڈسچارج نہیں کریں گے۔ ہم کسی صورت بھی انہیں گھر نہیں لائیں گے‘ بولو خوش؟“ اور وہ خوش کیسے نہ ہوتی کہ غزنی تو اس کی سوچ سے بھی بڑھ کر اچھا اور خیال رکھنے والا ثابت ہورہا تھا۔

”کیا واقعی تم اتنے اچھے ہو غزنی یا مجھے محبت میں اتنے اچھے لگ رہے ہو؟“ بڑی سادگی سے جو اس کے منہ میں آیا اس نے پوچھ لیا تھا اس پر غزنی کا بے ساختہ قہقہہ ابھرا تو وہ بھی مسکرادی۔

”ابھی تو تم نے میری اچھائی دیکھی ہی نہیں‘ تمہارے لیے تو میں اس پوری دنیا سے بھی اچھا اور بہترین رہوں گا۔“

”اچھا جناب؟“ حنین نے شرارت سے کہا۔

”جی ہاں جناب......“ غزنی نے بھی اس کے ہی انداز میں جواب دیا۔

”اتنا اچھا ثابت ہوں گا کہ تمہاری دوستیں تم سے جیلس ہوا کریں گی اور دعا کیا کریں گی کہ کاش ہمیں بھی غزنی جیسا شوہر ملے۔“ وہ اترایا۔

”اور ان کی یہ دعا پوری ہوگی ہی نہیں کیونکہ غزنی تو بس ون

اینڈ اونلی ہے اور صرف میرا ہے ہے ناں؟''

''ہاں بات تو تمہاری ٹھیک ہی ہے لیکن دل توڑنا بھی تو غلط ہے ناں' اس لیے اگر انہیں میرا جیسا کوئی نہ ملا تو مجبوراً مجھے ہی ان کا دل بہلانا پڑے گا آخر کو تمہاری سہیلیاں میری سہیلیاں......''

''غزنی پلیز' میں تمہیں اب پہلے کی طرح ڈانٹنا نہیں چاہتی اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ خود ہی سدھر جاؤ۔'' حنین نے محبت بھرے انداز میں اسے تنبیہہ کی تو وہ پھر سے ہنسنے لگا۔

''ظالم بیوی نہ ہو تو......''

''جب شوہر بیوی اور بیوی کی سہیلیوں کے لیے بھی اس قدر اچھا ہو تو پھر ظالم بننا ہی پڑتا ہے جناب۔''

''ہمم......اچھا تو پھر اب ایسا ہے کہ میں اپنا کام کرلوں تم سے کچھ دیر بعد بات ہوگی' تم ٹینشن نہ لینا کسی بات کی' تمہاری کوئی بھی ٹینشن اب مجھ سے گزر کر تم تک نہیں جانی چاہیے' سمجھیں؟''

''سمجھ گئی۔'' وہ مسکرائی۔

''اور سنو' تم آرام سے اپنا کام کرو' بے شک تھوڑی دیر بعد فون کرنا۔''

''جی بہتر ملکہ عالیہ' خادم کے لیے کوئی اور حکم ہدایت بھی ہے یا اب میں فون بند کرسکتا ہوں۔'' اور تب حنین نے ہنستے ہوئے فون بند کردیا' اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کن الفاظ میں اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے غزنی کو اس کے نصیب میں لکھ دیا۔

❀......❀......❀

ممی ڈرائنگ روم میں آئیں تو سکندر صاحب مسکراتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور ان کے بیٹھنے تک کھڑے ہی رہے۔

''جی فرمائیے' کیسے آنا ہوا آپ کا؟'' ممی کا لہجہ خشک تھا۔

''بس تمہاری یاد ستائی تو چلا آیا۔'' وہ سامنے والے صوفے کے بجائے ان کے قریبی صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسکرائے۔

''یہ کیا بات کی آپ نے سکندر صاحب...... پلیز میں آپ کو بارہا کہہ چکی ہوں کہ اپنی حد میں رہیے۔ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر آپ کو مجھ سے اس طرح کی گفتگو کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے اور پھر کسی رشتے یا حالات کا نہ سہی اپنی عمر کا ہی خیال کریں کیا اس عمر میں آپ کو اس طرح کے چونچلے زیب دیتے ہیں؟''

''خیر تو ہے کل اور آج کے رویے میں بہت زیادہ تبدیلی نظر آرہی ہے۔'' انہوں نے ممی کے رویے کا مشاہدہ کرتے ہوئے بغور دیکھ کر کہا۔ ''یہ اثر اپنے گھر میں بیٹھ کر بات کرنے کا ہے یا اربش واپس آگیا ہے؟''

''اربش ابھی واپس نہیں آیا سکندر صاحب لیکن اس کے باوجود آپ کو اپنی عمر کے لحاظ سے رویہ اپنانا چاہیے۔''

''چھوڑو باقی سب اِدھر اُدھر کی باتیں' تم یہ بتاؤ کہ میری کل والی تجویز کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟''

''کسی بھی تجویز پر حتمی رائے لینے کے لیے چوبیس گھنٹے سے بھی کم وقت دینا تو مکمل ناانصافی ہے کہ نہیں؟'' ممی کی طرف سے ذرا سی نرمی دکھانے کی ہی دیر تھی کہ وہ تو خوشی سے نہال دکھائی دیئے۔

''ارے ہاں ہاں' کیوں نہیں تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو مجھے تمہارے فیصلے کا انتظار رہے گا اور مجھے پوری امید بھی ہے کہ تمہارا فیصلہ ہاں میں ہی ہوگا۔'' ممی نے ان کی کسی بھی بات کے جواب میں خاموشی کو ہی بہتر خیال کیا تھا' انہیں بس شرمین کے آنے کا انتظار تھا تاکہ انہیں اربش کے متعلق خبر ملے اور کل ہی وہ سکندر صاحب کو ایسا سخت جواب دیں کہ وہ آئندہ معاشرے میں اپنی عزت بچاتے پھریں۔

''اور یقین کرو کہ میں نے تو ساری پلاننگ بھی کرلی ہے' پہلے میں نے سوچا تھا کہ اجیہ کی ماں کو اسپتال سے ڈسچارج کرواکے گھر لے آؤں کہ خوامخواہ اس پر اتنا پیسہ لگ رہا ہے لیکن اب میرا خیال ہے کہ اس کی میرے گھر میں کوئی گنجائش نہیں بنتی' وہ اسپتال ہی میں پڑی رہے تو بہتر ہے میں وہیں اس کو تین حرف بھیج دوں گا۔'' ممی نے تڑپ کر دیکھا۔

''اب تم سے نکاح کے بعد تو ظاہر ہے ناں کہ اس گھر میں صرف میں اور تم ہی رہا کریں گے۔ اجیہ بھی رخصت ہوئی اور حنین کا بھی نکاح کرچکا ہوں میرے اور تمہارے

درمیان وہاں کوئی بھی نہیں ہوگا اور میں قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہیں کسی بھی قسم کا دکھ و تکلیف دوں تو تمہیں پورا اختیار ہے جو چور کی سزا وہ میری سزا...... تمہیں اتنی خوشیاں دوں گا کہ تمہاری زندگی میں کوئی بھی کمی باقی نہیں رہے گی یہ میرا وعدہ ہے تم سے اور......"

ممی انتہائی ناخوشگوار موڈ میں وہاں بیٹھنے پر مجبور تھیں اور وہ تھے کہ بولے ہی چلے جارہے تھے اور اس سے پہلے کہ خود ممی انہیں ٹوکتیں ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی آہٹ سے دونوں چونک گئے تھے۔ اربش جو کہ ممی سے معافی مانگنے اور انہیں منانے کے خیال سے آیا تھا' سکندر صاحب کی باتوں نے اسے دروازے پر ہی رکنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتا سکندر صاحب کی آواز سے ٹھٹک ہی گیا کیونکہ جانتا تھا کہ اسکول کے تمام معاملات ممی اسکول میں ہی نمٹاتی ہیں اور کسی کا بھی گھر آنا پسند نہیں کرتیں۔ جوانی میں بیوہ ہوکر اگر انہوں نے اتنی عمر اکیلے کاٹی تھی تو یہی اصول اپنائے رکھا تھا کہ مرد کوئی بھی ہو گھر میں اس کا کام نہیں ہے جس نے ملنا ہے وہ ان کے اسکول میں آکر ملے اور بات کرے کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ مارنے والے کے ہاتھ تو پکڑے جاسکتے ہیں لیکن بولنے والے کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی۔ یہی وجہ تھی کہ آج تک انہوں نے کسی کو ایسا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ کوئی ان کے متعلق کسی بھی قسم کی بات کرتا تمام لوگوں میں ان کی بڑی عزت تھی لیکن اب جو اربش نے دیکھا تو ان کی پشت ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف تھی اور سائیڈ پوز میں نظر آنے والے سکندر صاحب جس طرح کی باتیں کررہے تھے ان باتوں پر اربش کا خون کھول اٹھا' دل تو چاہا کہ اندر جاکر ان کا سر ہی پھاڑ ڈالے لیکن پھر یہی سوچ کر قدم رک گئے کہ اگر وہ گھر کے اندر بیٹھا اس طرح کی باتیں کررہا ہے اور ممی سن رہی ہیں تو یقیناً وہ ممی کی رضا مندی سے ہی وہاں بیٹھا ہے اور اگر اس کی ان تمام بے ہودہ باتوں کے جواب میں بھی ممی خاموش بیٹھی ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ممی بھی ان تمام باتوں پر رضا مند ہیں۔ ممی کی طرف سے اس کا دل اس قدر برا ہوا کہ پھر وہیں سے پلٹنے کا ارادہ کرلیا ویسے بھی اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا اور یہ سب دیکھنے کے بعد تو اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ اس گھر یا اس شہر میں بھی رکے اگر بیرون ملک جانے کا ارادہ نہ بھی ہوتا تو یقیناً وہ اجیہ کو لے کر شہر ہی چھوڑ جاتا۔

تھکے ٹوٹے بدن کے ساتھ گھر پہنچا تو وہاں اجیہ موجود نہیں تھی البتہ اس کا فون بیڈ پر ہی رکھا تھا' اربش نے فوراً اس کا فون اٹھا کر دیکھا تمام کی تمام مس کالز اربش کی تھیں جو وہ آج صبح سے کرتا رہا تھا۔ اسی دوران غزنی کا فون آیا جو اسے دیر نہ کرنے اور جلد پہنچنے کی یاد دہانی کروا رہا تھا۔

"دراصل وقت تو ابھی بہت تھا لیکن ملد یش اس وقت اجیہ کے ساتھ وقت گزار رہا ہوگا۔" یہی سوچ غزنی کو تکلیف دے رہی تھی جس کی وجہ سے اس نے فون پر اربش کو وقت ضائع نہ کرنے اور جلدی پہنچنے کا کہا۔

اربش کو کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے اور کہاں سے اجیہ کو ڈھونڈ کر لائے آج سے پہلے تو کبھی بھی ایسا نہیں ہوا وہ کہیں باہر اکیلی گئی ہو پھر آج کہاں چلی گئی؟ اور اگر جانا پڑ بھی گیا تو فون بھی ساتھ کیوں نہ لے کر گئی۔ ادھر ممی کی طرف سے پریشان ہوکر آئے اربش نے سوچا تھا اجیہ کے پاس جائے گا اسے دیکھے گا تو کچھ سکون ملے گا لیکن یہاں تو خود اجیہ بھی گھر پر نہیں تھی اور پھر وقت کی لٹکتی تلوار۔ اس نے جھنجھلا کر اجیہ کا موبائل فرش پردے مارا تھا۔

اب اتنے کم وقت میں وہ اجیہ کے ساتھ کیسے رابطہ کرے اور اسے اپنے جانے کے بارے میں کیسے بتائے اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا آخرکار تھوڑی دیر کے لیے سکون سے بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھا اور یہی فیصلہ کیا کہ مزید انتظار کیے بغیر اسے اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں لے کر نکل جانا چاہیے اور اجیہ سے پھر وہ حسن کے ذریعے رابطہ کرلے گا کیونکہ اجیہ کو تو وہ سمجھا لے گا لیکن اگر آج وقت پر ٹریول ایجنسی نہ پہنچ سکا تو حسن کے ادا کیے گئے سب پیسے ضائع ہوجائیں گے۔

یہی سوچ ذہن میں آتے ہی وہ اٹھا اور چند ضروری چیزیں ایک چھوٹے سے بیگ میں ڈال کر گھر میں موجود سب چیزوں کو الوداعی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اجیہ کے استعمال میں رہنے

والی تمام چیزیں دیکھ کر اس کا دل بوجھل ہونے لگا تھا لیکن بہرحال جو فیصلہ ہوچکا تھا وہ تو نبھانا ہی تھا۔ پہلے سوچا کہ پڑوس میں اپنے جانے کا پیغام دے جائے تاکہ اجیہ کو بتایا جاسکے لیکن پھر اپنے خیال کو خود ہی رد کردیا کہ اس طرح تو انہیں اجیہ کے اکیلے رہنے کا پتا چل جائے گا اور شاید یہ مناسب نہ ہوتا۔

اجیہ کا کہیں بھی آنا جانا نہیں تھا اور آج گئی تو ابھی تک آئی ہی نہیں تھی' یہ بات بھی اربش کے لیے پریشان کن تھی کہ غزنی کا فون آگیا وہ اربش کی گلی کے باہر اپنی موٹر سائیکل پر اس کا انتظار کررہا تھا کہ یہاں سے گزرتے ہوئے اربش کا خیال آیا تو سوچا کہ ساتھ لیتا جائے۔ اربش نے موبائل پر وقت دیکھا غزنی کے دیئے گئے ٹائم کے مطابق تو ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا پھر اتنی جلدی؟ وہ بے حد جھنجھلایا ہوا تھا اور پھر ممی کو جس طرح آرام سے سر جھکائے اپنے گھر میں بیٹھا دیکھ کر آیا تھا اس نے اس کے اعصاب سن کردیئے تھے لہٰذا فیصلہ یہی کیا کہ مزید انتظار کیے بنا چلے جانا ہی بہتر ہے کہ اتنی دیر میں غزنی کا پھر فون آگیا۔

''میرا خیال ہے کہ اب چلنا چاہیے ہمیں اپنی تیاری مکمل کرکے بورڈنگ وغیرہ کروالینا ہی بہتر ہے۔''

''ہاں بس میں گھر سے نکل رہا تھا کچھ دیر میں آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔'' اور یوں وہ بوجھل قدموں اور ماؤف ذہن کے ساتھ بہتر مستقبل کی تلاش میں اپنا حال داؤ پر لگا کر غزنی کی طرف چل نکلا۔

❁......❁......❁

آخر اللہ اللہ کرکے اجیہ کی ڈرپ ختم ہوئی تو وہ اٹھ بیٹھی اور ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق دس پندرہ منٹ وہیں اسپتال میں گزارنے کے بعد آخر گھر کے لیے نکلی تو اس کی خوشی دیدنی تھی' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر گھر پہنچ جائے۔ اسے اس وقت کا بے صبری سے انتظار تھا جب وہ اربش کو یہ خبر سنائے گی اور اربش کے چہرے پر خوشی ہی خوشی ہوگی۔

''ہوسکتا ہے یہ خبر سن کر وہ اپنا بیرون ملک جانے کا ارادہ بدل دے۔'' بس کی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا۔

''ظاہر ہے وہ سوچے گا تو سہی کہ آخر اس حالت میں' میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی اگر کبھی مجھے ایمرجنسی میں اسپتال آنا پڑا تو کس کے ساتھ آؤں گی۔ ایسا کوئی ہے بھی تو نہیں جسے مدد کے لیے کہا جائے اور پھر میری محلے میں بھی تو کسی سے سلام دعا نہیں ہے ناں ورنہ ایسی سچوئشن میں تو بڑی بوڑھیاں بہت ہی کارآمد مشورے دیتی ہیں یوں نہ اٹھو' یوں نہ بیٹھو' یہ کھاؤ' وہ نہ کھاؤ...... کتنے ہی چھوٹے چھوٹے کام ہوتے ہیں جو آنے والے بے بی کے فائدے میں ہوتے ہیں یہ سب باتیں تو کوئی خاتون ہی بتاسکتی ہیں بھلا مجھے ان سب چیزوں کی کیا سمجھ۔ آج تک نہ تو ہمارے گھر میں کوئی بچہ تھا نہ میں نے کبھی کسی کو دیکھا۔'' باہر کے بھاگتے دوڑتے مناظر میں گم مسکراتے ہوئے اس کی خود کلامی دل ہی دل میں جاری تھی۔

''چلو خیر ہے اربش کی ممی کو تو یہ خوش خبری دوں گی ہی لیکن سوچتی ہوں کہ اربش کی اجازت سے اپنی امی کو بھی فون کردوں۔ اُف...... وہ کس قدر خوش ہوں گی یہ بات سن کر کہ وہ نانو بننے والی ہیں اور حنین تو اچھلتی پھرے گی سارے گھر میں۔ مجھے ملنے کے لیے کہے گی' کاش کسی طریقے سے ایک بار امی اور حنین سے ملاقات ممکن ہوجائے۔ اربش ویسے بھی بہت اچھا ہے بالکل بھی منع نہیں کرے گا' بس یااللہ پلیز کسی طریقے سے اس کی ممی راضی ہوجائیں۔ اپنی امی سے تو میں فون پر بھی بات کرلیا کروں گی' کبھی کبھار کہیں بابا سے چھپ کر ملنے کا بھی پروگرام بن جائے گا لیکن مجھ سے اربش کی آنکھوں کی اداسی نہیں دیکھی جاتی۔ یااللہ اس نے میری محبت میں اپنی ماں کو چھوڑا ہے تو میں تجھ سے سوال کرتی ہوں تُو میری دعا پوری کر اور اربش کی ممی کے دل سے اس کی ناراضگی مٹادے' ان کے دل میں ایک بار پھر اربش کے لیے محبت جگادے۔'' کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے مسکراتے لب سنجیدہ ہوگئے تھے اور آنکھیں باہر دوڑتے پھرتے مناظر سے ہٹ کر آسمان پر جاٹکی تھیں اسے امید تھی کہ اس کی دعائیں سنی جائیں گی اور زندگی ایک بار پھر بہترین ہوجائے گی۔

انہی سوچوں میں اس کا سفر ختم ہوا اور وہ گھر میں داخل ہوئی لیکن گھر کے اندر قدم رکھتے ہی اسے احساس ہوا کہ شاید سب

کچھ ویسا نہیں ہے جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی اور واقعی ایسا ہی تھا۔ کمرے کا جو دروازہ وہ کھلا چھوڑ کر گئی تھی اب بند تھا' حیران ہوتے ہوئے دروازہ کھولا تو دل دھک سے رہ گیا۔

الماری کی مختلف چیزیں بیڈ پر پڑی تھیں' یوں بھی ابھی ان دونوں کی ضرورت کی چیزیں نہایت محدود تھیں جو بغیر پٹ کی الماری میں اجیہ نے بڑے سلیقے سے رکھی تھیں لیکن اب ایسا کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ فوری طور پر تو اجیہ یہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہوئی کہ آخر یہ سب ہوا کیا ہے پھر خیال آیا کہ یقیناً یہ چوری کی واردات ہے۔ ایک ایک چیز کو حیرت سے دیکھتی اٹھاتی اور پھر رکھ دیتی۔ وہ سہم گئی تھی اور پھر جو بات اس نے نوٹ کی وہ یہ کہ ان سب میں صرف اربش کی ہی استعمال کی چیزیں غائب تھیں باقی سب کچھ وہیں تھا اور کسی نے ان سے لینا بھی کیا تھا ان کے پاس صرف کپڑوں اور چند برتنوں کے علاوہ گھر میں تھا ہی کیا کہ کوئی چوری کرتا اور پھر دیوار کے ساتھ نیچے فرش پر پڑا اس کا فون جسے اب استعمال کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اجیہ نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا جس کی اسکرین کرچی کرچی ہوچکی تھی۔

''اگر کوئی چوری کی نیت سے آیا بھی تھا تو میرا فون ہی چرا لے جاتا اسے بھی یہاں توڑ کر پھینکنے کی منطق میری سمجھ میں کیوں نہیں آرہی؟'' اس نے زیرلب خود سے سوال کیا اور مسلسل سوچتی ہی رہی لیکن کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ لگا تو اربش کا انتظار کرنے لگی کہ وہ یہ سب دیکھ کر ہی شاید کوئی نتیجہ اخذ کرسکے لیکن وہ بیڈ پر بیٹھی کافی دیر تک انتظار کرتی رہی مگر اربش نے نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ ایسا تو آج تک نہیں ہوا تھا کہ اربش اسے بتائے بغیر گھر سے دور رہا ہو اور یہی نہیں وہ تو اپنے مقررہ وقت پر روز گھر پر موجود ہوتا' جانتا تھا کہ تاخیر ہوجانے پر اجیہ پریشان ہوگی اور سارا دن اس کے انتظار میں بیٹھی اجیہ پر اس کے انتظار کے یہ لمحات کتنے کٹھن ہوں گے اسی لیے اس نے تو آج تک ایسا موقع آنے ہی نہیں دیا تھا لیکن آج...... آج تو ایسا وقت آگیا تھا اور طرح طرح کی خدشات اجیہ کے ذہن میں آکر اسے مزید پریشان کررہے تھے۔

کہاں کی خوش خبری' کیسی خوش خبری؟ اسے تو یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ وہ آج کس قدر خوش تھی۔ وہ بھول چکی تھی کہ اب وہ اکیلی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ایک ننھی سی جان بھی پنپ رہی ہے آخرکار وہ انتظار کرکر کے تھک گئی تو رونے لگی۔

اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہی نہیں تھا جس کے ذریعے وہ اربش کی خیریت معلوم کرپاتی' اس سے بات کرسکتی نہ اس کے پاس فون تھا اور نہ ہی اب کسی کا نمبر۔ آہستہ آہستہ کرکے رات سر پر آتی جارہی تھی صحن میں موجود بڑے سے روشندان سے نظر آتا صاف شفاف سفید اور آسمانی رنگ کا آسمان اب سرمئی ہوچلا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر اب صحن میں اسی جگہ آبیٹھی تھی جہاں اربش اور وہ دونوں مل کر لائٹ جانے کے بعد بیٹھا کرتے تھے۔

ڈرپ لگوانے کے بعد سے اب تک وہ بھوکی تھی نہ دل چاہا کہ کچھ کھائے اور نہ ہی کچھ پکایا' بس اس وقت سے اربش کی خیریت سے واپسی کے لیے دعائیں مانگتے ہوئے اس کی زبان سوکھ رہی تھی' وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اگر ابھی کوئی اچانک اس کے گھر کا دروازہ بجادے تو وہ کیا کرے گی ابھی اس کے سوچنے کی ہی دیر تھی کہ دروازہ بڑی بےدردی سے یوں بجایا گیا کہ وہ اپنی ہی جگہ پر اچھل کر رہ گئی۔

''اجیہ...... ڈرومت...... میں ہوں شرمین۔'' آخرکار دروازے کی جھری کے ساتھ منہ لگا کر شرمین نے کہا تو اجیہ چونک گئی۔

''شرمین اور یہاں...... اسے کیسے پتا چلا کہ میں یہاں رہتی ہوں؟''

''دروازہ کھولو اجیہ پلیز' میں تم سے کچھ اہم بات کرنے آئی ہوں۔'' ایک بار پھر دروازہ بجاتے بجاتے رک کر اس نے دروازہ کی جھری سے اجیہ کو صحن کے فرش پر اینٹ پر بیٹھے دیکھا تھا۔

اجیہ شرمین سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی اس سے ملنا اور اسے دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس وقت حالات اور تھے اور وقت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اٹھ کر دروازہ کھولے اور کم از کم اس کی بات تو سنے کہ آخرکار وہ کہنا کیا چاہتی ہے۔

''اجیہ دروازہ کھولو' باہر گزرتے لوگ مجھے عجیب نظروں

سے دیکھ رہے ہیں جبکہ میں تمہیں اربش کے متعلق کچھ بتانے آئی ہوں کہ جو کچھ تم اس کے بارے میں سوچ رہی ہو ویسا نہیں ہے اور اگر تم نے اب بھی دروازہ نہ کھولا تو میں واپس چلی جاؤں گی۔'' اربش کے ذکر پر اجیہ لپک کر دروازے کی طرف بڑھی' کوئی اربش کے بارے میں خبر لائے اور وہ دروازہ نہ کھولے یہ بھلا کیسے ممکن تھا۔ دوپہر سے ذہن میں پلتے خدشات اور وسوسوں سے خلاصی کا وقت شاید آن پہنچا تھا۔

❀......❀......❀

حنین جب سے امی کے پاس اسپتال میں تھی غزنی اور اس کے اماں ابا نے اپنی بے پناہ محبت سے اس کا حقیقتاً دل جیت لیا تھا۔ اماں گھر کے کام کاج نمٹا لیتیں تو غزنی یا اس کے ابا کا انتظار کیے بغیر ہی رکشہ لیتیں اور اس کے پاس آ جاتیں۔ کبھی کبھار کھانا بھی ساتھ لے آتیں اور وہیں پر حنین کے ساتھ مل کر کھا لیتیں' حنین اور اجیہ کے ساتھ تو ویسے بھی ان کی محبت تھی لیکن اب جو حنین کے ساتھ ان کا نیا رشتہ جڑا تھا اس کی وجہ سے اس پر بے حد پیار آتا تھا اور اس کا بس نہ چلتا کہ وہ کس طرح ان سے بڑھ کر محبت اور خلوص سے ان کے پیار کا بدلہ دے۔ ایسی ساس تو اس نے کبھی خواب میں بھی کسی کی نہیں دیکھی تھی۔ غرض یہ کہ وہ آج کل خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہی تھی' آج اماں دوپہر کو کسی وجہ سے اسپتال نہیں آ سکی تھیں تو اب ٹفن میں گرما گرم بھنڈیوں کا سالن' پودینے کی چٹنی اور سلاد کے ساتھ تیار کر کے اور ساتھ ہی روٹیاں پکا کر اسپتال لے آئیں۔ حنین حسب معمول تسبیح لیے امی کی دائیں سائیڈ پر بیٹھی تھی' انہیں دیکھا تو خوشی سے کھل گئی۔

''اماں پلیز یہ تکلف نہ کیا کریں' آپ اتنی محنت سے کھانا پکا کر یہاں لاتی ہیں۔ مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے۔'' غزنی کی تقلید میں وہ بھی انہیں اماں ہی کہا کرتی تھی' اس کی بات سن کر وہ مسکرا دیں۔

''یہ سب میں تم لوگوں کی محبت میں کرتی ہوں بیٹا' ورنہ میرا کسی پر کوئی کسی قسم کا احسان تھوڑی ہے اور نہ ہی کوئی مجھے زبردستی یہ سب کرنے کو کہتا ہے بس اللہ تمہاری ماں کو صحت دے اور اسے دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا کرے ہم سب بھی خوشی خوشی گھر کو سدھاریں۔''

''امی تو پتا نہیں کب اپنے پیروں پر چلیں گی لیکن ہم گھر چلے جائیں گے بس ایک دو روز میں۔''

''کیا مطلب میں سمجھی نہیں تمہاری بات؟'' اور پھر ان کے استفسار پر انہوں نے سکندر صاحب کی ڈاکٹر صاحب سے کی گئی گھر جانے کی درخواست اور ان کا پیغام سب بتا دیا جس پر اماں کو بھی غصہ آ گیا۔

''کہنا تو نہیں چاہیے لیکن کوئی انہیں سمجھائے کہ بھئی یہ جو ایک ایک پیسہ جمع کر رہے ہو تو یہ سب یہیں پر رہ جائے گا دنیا میں' ساتھ تو اپنا اخلاق اور اعمال لے کر جاؤ گے ناں اور بھلا جن لوگوں نے ہمارا سب کچھ ہمارے جانے کے بعد استعمال کرنا ہے تو کیا بہتر نہیں کہ اپنی زندگی میں خود اپنے ہاتھوں سے خوشی سے انہیں وہ سب استعمال کرنے کو دیا جائے۔'' اماں کو بہت کم اس نے غصے میں دیکھا تھا لیکن آج گو کہ وہ دونوں دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھیں لیکن پھر بھی غصہ ان کے چہرے سے عیاں تھا اور انہیں سکندر صاحب کی بات نہایت ہی نامناسب لگی تھی۔

''اگر ان کے پاس خدانخواستہ پیسوں کی کمی ہے تو ہم ابھی زندہ ہیں جب تک مکمل علاج نہیں ہوتا یا ڈاکٹرز خود انہیں گھر لے کر جانے کا نہیں کہتے تب تک ہم انہیں کسی قیمت پر بھی گھر لے کر نہیں جائیں گے۔'' انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا اور اس سے پہلے کہ حنین ان کا شکریہ ادا کرتی سکندر صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

اماں نے رسمی سلام دعا کی اور خاموش ہو گئیں انہیں سکندر صاحب کی اس درجہ خود غرضی پر بہت دکھ ہوا تھا۔

''بابا جانی......ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ آپ نے امی کو گھر شفٹ کرنے کی درخواست کی تھی۔'' حنین نے انہیں معمول سے زیادہ ہشاش بشاش اور خوش دیکھا تو بات شروع کی۔ اماں ابھی تک لاتعلق بنی ہوئی تھیں۔

''ہاں......وہ......دراصل بات تو میں نے کی تھی لیکن اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اب اس کی گھر میں ضرورت نہیں ہے یہ اسپتال میں ہی رہے تو زیادہ بہتر

ہے۔" ان کے انداز میں ایسی بے حسی تھی کہ حنین تڑپ کر رہ گئی لیکن کچھ بھی ردعمل دینے کے بجائے خاموش رہی تو وہ خود وضاحت کرنے لگے۔

"بھئی جس طرح کی دیکھ بھال اسپتال میں ہوسکتی ہے وہ میں سمجھتا ہوں گھر میں تو کسی بھی طریقے سے ممکن نہیں' کیوں بھابی؟" سکندر صاحب کے مخاطب کرنے پر اماں نے ان کی طرف دیکھا ورنہ اس سے پہلے وہ خود کو مصروف ظاہر کررہی تھیں۔

"جی ہاں کیوں نہیں' ابھی تو جب تک ڈاکٹرز خود ڈسچارج نہ کریں' ہمیں ان کو گھر لے جانے پر اصرار کرنا ہی نہیں چاہیے۔"

"بات تو آپ کی درست ہے لیکن میں نے اگر ایسی بات کی تھی تو یقیناً کسی وجہ سے ہی کی تھی ناں۔"

"ایسی کون سی وجہ تھی بھائی صاحب؟"

"بھئی دراصل بات یہ ہے کہ اسپتال میں کئی اچھے برے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے' ایسے میں میری غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی کہ میری جوان بیٹی ان سب لوگوں کے بیچ موجود رہے۔"

"بات تو آپ کی یہ بھی درست ہے لیکن اول تو یہ الگ کمرہ ہے وارڈ نہیں اور پھر آج تک بھی حنین کو ہم نے تو کمرے سے باہر دیکھا نہیں' جب بھی آؤ یہ بے چاری تو اپنی ماں کے ساتھ لگی دعا تسبیح میں مصروف رہتی ہے' اس لیے آپ کو ایسا کوئی بھی وہم یا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"آپ نہیں سمجھیں گی یہ بات' اس لیے کہ آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے اگر ہوتی تو قطعاً میرا خیال یوں مسترد نہ کرتیں۔" ابا کے لہجے میں ایک دم ہی پہلے کی نسبت سختی در آئی تھی' حنین بھی وہیں موجود تھی اور اس نے سکندر صاحب کے لہجے کے بدلتے ہوئے ردھم کو بڑی جلدی محسوس کرلیا تھا۔

"ہماری بیٹی نہیں ہے تو کیا لیکن میں بھی تو کسی کی بیٹی ہوں' سب سمجھتی ہوں یہ باتیں۔ آپ خوامخواہ اس معاملے میں اتنا حساس ہورہے ہیں۔" اماں نے کوشش کرکے اپنی آواز کو مدھم ہی رکھا تھا' ان کا لہجہ بھی نرم اور سمجھانے والا ہے۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کرسکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی......0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

کمرہ نمبر: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔
فون نمبر: +922-35620771/2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
circulationngp@gmail.com

"حساس اس لیے ہو رہا ہوں کہ میں نہیں چاہتا کہ اجیہ جیسا کوئی اور واقعہ اس گھر میں جنم لے۔" بات کرتے ہوئے انہوں نے آواز دھیمی رکھتے ہوئے حنین سے نظریں چرائیں۔

"بابا جانی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" حنین نے ان کی پست آواز سن لی تھی اور اسے ان کی بات سے بہت صدمہ ہوا تھا۔

"میری جان...... یہ بات میں نے صرف اس لیے کہی ہے کہ زمانہ بہت خراب ہے ورنہ تم پر تو مجھے پورا بھروسہ ہے۔"

"آپ جانتے بھی ہیں کہ آپ اپنی رضامندی سے حنین کا نکاح غزنی سے کر چکے ہیں اس کے باوجود اپنی بیٹی کے لیے اس طرح کی بات کرتے ہوئے آپ نے ایک پل بھی نہ سوچا۔" اماں تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے بولیں۔

"سوچا ہے بلکہ بہت سوچا ہے اور اسی لیے میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ حنین کی رخصتی کروا کر لے جائیں۔" اس مرتبہ پھر بات کرتے ہوئے وہ حنین اور اماں میں سے کسی ایک سے بھی نظریں نہیں ملا پائے تھے وجہ صرف یہ تھی کہ اب ان پر نئی شادی کرنے کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔ انہیں اپنی برسوں پرانی محبت کا حصول ممکن نظر آ رہا تھا۔

انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے جس محبت کی خاطر وہ ساری عمر دنیا سے منہ موڑے رہے اب وہ خود اپنی رضا اور خوشی سے ان کی ہونے والی ہے تو ایسے میں وہ گھر میں کسی بھی تیسرے فرد کی موجودگی بھلا برداشت کیسے کرتے اور یہی وجہ تھی کہ اسپتال میں ان کی بیماری پر اٹھنے والے اخراجات سے تنگ آ کر انہوں نے ڈاکٹر سے جو درخواست کی تھی وہ بھی اس وجہ سے واپس لے لی کہ اب انہیں کسی بھی تیسرے کا وجود اس گھر میں گوارا ہی نہیں تھا۔ وہ ان کی بیمار بیوی ہوتی یا بیٹی لہٰذا انہیں تو اسپتال میں رکھنے کا ہی ارادہ کیا جبکہ حنین کو بھی رخصت کروا کر لے جانے کی درخواست کر دی جس پر اماں سمیت حنین بھی چونک گئی تھی۔

"بابا جانی..... کیا میں آپ کو بوجھ لگنے لگی ہوں اب؟" وہ اپنی عادت کے عین مطابق اسی وقت بلک بلک کر کے رونے لگی وہ اس کے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"بوجھ کی بات نہیں ہے بیٹا میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں کسی بھی طریقے سے جلد از جلد اور ویسے بھی نکاح تو تمہارا ہو ہی چکا ہے ناں تو پھر بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔" انہوں نے بڑے پیار سے اسے سمجھانا چاہا تھا جبکہ اماں ان کے اس رویے اور انداز پر خاموش تو تھیں لیکن انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ یقیناً وہ کچھ چھپانا چاہ رہے ہیں۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے بھائی صاحب بلکہ ہم تینوں تو بہت خوش ہوں گے کہ حنین روشنی اور خوشی کی ایک لہر بن کر ہمارے گھر آئے میں آج ہی غزنی اور اس کے ابا سے بات کر لیتی ہوں۔"

"لیکن میں امی کو یہاں اکیلے نہیں چھوڑ سکتی میرے علاوہ ان کے پاس کون رہے گا یہاں وہ تو سارا سارا دن اکیلی ہی رہنے پر مجبور ہوں گی ناں تو کیا ہم اپنی زندگی کی مصروفیت میں انہیں تنہا چھوڑ دیں گے؟"

"ارے تو اسے اکیلے کیا مسئلہ ہوگا بھلا یہاں پر نرسز ہیں ڈاکٹر ہیں وہ سب کا اس خیال رکھیں گے اور ویسے بھی اس کا خیال رکھنا ان پر فرض ہے ان کی ذمہ داری ہے آخر کو ہم انہیں پیسے دے رہے ہیں وہ کوئی ہم پر احسان نہیں کریں گے اگر اسے دوائی دے جائیں گے تو۔"

"دوائی تو دے دیں گے وہ بابا جانی لیکن دعا تو نہیں دیں گے۔" حنین کے احساس دلانے پر بھی انہیں کوئی اثر نہیں ہوا تھا بلکہ وہ اپنی بات پر اسی طرح قائم رہے۔

"تم فکر مت کرو حنین...... رخصتی کے بعد بھی تم جب تک چاہو گی یہاں اپنی ماں کے پاس رہ سکو گی۔ ہم میں سے تمہیں کوئی بھی منع نہیں کرے گا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پیسہ جتنا بھی ہو لیکن وہ محبت کا بدل نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں بالکل دیکھا بھابی نے ٹھیک کہا ہے کہ تم پریشان مت ہو جیسے اب اتنے دنوں سے اس کی پائنتی پکڑ کر بیٹھی ہوئی ہو رخصتی کے بعد بھی اسی طرح بیٹھی رہنا۔ بس فرق اتنا ہی ہوگا کہ میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔" وہ بس کسی بھی طریقے

اولادنرینہ، تھیلسیمیا، اٹھرا، کا کامیاب علاج

تندرست بیٹا محمد یسع

شہادت نمبر 1 ہمارے ہاں ایک بیٹی حیات اور ایک بیٹی مردہ پیدا ہوئی۔تین مرتبہ حمل بسبب گردتھ خرابی ڈی این سیکرانا پڑے۔ڈاکٹری علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ہم بہت پریشان تھے نرینہ اولاد کی شدید خواہش تھی۔میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے۔دعا کرائی اور علاج حاصل کیا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور مورخہ 19 اکتوبر 2015 کو تندرست بیٹا (محمد یسع) پیدا ہوا تھا۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

فیضیاب شاہد نواز کھوکھر، ملک روشن میڈیکل سٹورز نزد اسلامی ہسپتال چنیوٹ سٹی فون نمبر 0345-7894375

شہادت نمبر 2 ہمارے ہاں بیٹیاں تندرست اور بیٹے بیمار پیدا ہوتے تھے۔اول بیٹا دماغی معذور ہے۔تیسرے اور پانچویں نمبر والے بیٹے ڈاکٹری علاج کے باوجود میجر اپریشن سے بیمار پیدا ہو کر دونوں فوت ہوگئے۔اہلیہ کے تین مرتبہ میجر اپریشن ہو جانے کی وجہ سے ہم بہت پریشان تھے۔اور تندرست بیٹے کی بھی شدید خواہش تھی۔میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے۔دعا کرائی اور علاج حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا۔دوران علاج ہم نے اپنی تسلی کیلئے الٹراساؤنڈ کی رپورٹ بھی حاصل کی جس میں ہمیں ڈاکٹروں نے تندرست بیٹے کی خوشخبری دی اور مورخہ 9 مئی 2017 کو تندرست بیٹا (محمد طہٰ) پیدا ہوا۔قبل ازیں میرے برادر محمد ندیم صاحب بھی جن کے ہاں چار بیٹیاں تھیں اور بیٹا نہیں تھا۔انہوں نے بھی کوٹ ادو حاضر ہو کر دعا کرائی اور علاج حاصل کیا تھا۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور مورخہ 28 جولائی 2015ء کو تندرست بیٹا (محمد احمد) پیدا ہوا تھا۔یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

فیضیاب عبدالکریم ولد محمد ابراہیم قوم اعوان مکان نمبر 1927 ڈھوک مستقیم راولپنڈی فون نمبر 0312-3966777

یہ طریقہ علاج ان کیلئے ہے جن کے ہاں مسلسل بیٹیاں پیدا ہوں اور بیٹے نہ ہوں یا بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا بچے گردتھ خرابی کی وجہ سے پیٹ میں خراب ہو جاتے ہوں یا تھیلسیمیا کا عارضہ لاحق ہو۔

نوٹ: اولاد نرینہ کیلئے شدید خواہش مند حضرات جن کے بچے میجر اپریشن سے پیدا ہوتے ہوں اور چانسز کم باقی ہوں تو انہیں علاج درجہ اول حاصل کرنا ضروری ہے۔اور جن کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا گردتھ خرابی کا عارضہ لاحق ہو تو انہیں امید ہونے پر بروقت علاج حاصل کرنا ضروری ہے۔

حصول علاج کیلئے ایڈریس

نزد مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ رابطہ نمبر: 0331-6002834

ہمارا مقصد صرف قرآن وسنت کی روشنی میں کامیاب طریقہ علاج سے فیضیاب لوگوں کی شہادتوں وتاثرات سے اولاد نرینہ کے خواہش مند حضرات کو آگاہ کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اولاد نرینہ جیسی نعمت سے مستفید ہوسکیں۔ضرورت مند انٹرنیٹ پر دی گئی تفصیلات سے بھی استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

جسکا ایڈریس یہ ہے: **www.facebook.com/male progeny through the means of Quran and sunnah**

تحریر: طارق اسماعیل بھٹہ پریس رپورٹر کوٹ ادو

سے جان چھڑوانا چاہ رہے تھے اور یہ ان کی باتوں سے صاف ظاہر تھا لہٰذا اماں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ایک دو دن میں ہی حنین کو رخصت کروا کر گھر لے جائیں گی۔

⚜......⚜......⚜

اربش باقی مسافروں اور غزنی کے ساتھ اپنی فلائٹ کے انتظار میں اس وقت ایئر پورٹ پر بیٹھا تھا اور اجیہ سے ملنے سے لے کر آج اسے آخری مرتبہ دیکھنے تک کا ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا اور اس سب پر حاوی ممی کا خیال جس نے اس کا دل ہی توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ یہ بات سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ اس شخص کی فضول باتوں کے جواب میں یوں خاموش کیوں بیٹھی تھیں؟ آج سے پہلے تک جب گھر میں مرد حضرات کا آنا جانا پسند نہیں کیا جاتا تھا تو پھر اب ایسا کیا بدل گیا تھا اور پھر مرد بھی وہ جو اس طرح کی بے سروپا گفتگو کرے اور یقینی طور پر اس تمام گفتگو میں ممی کی بھی رضا مندی ہوگی اسی لیے تو وہ بیٹھ کر سنتی رہی تھیں اور وہ شخص......

اچانک اربش کے ذہن میں جھماکا ہوا کہ وہ تو اجیہ کے ابا تھے اسے یاد تھا کہ جب ایک بار وہ اجیہ کی کتابیں دینے کے بہانے ان کے گھر گیا تھا تو انہوں نے ہی دروازہ کھولا تھا اور اس سے کتابیں وصول کی تھیں۔ اس مرتبہ اپنے گھر میں وہ سائیڈ پوز ہی دیکھ سکا تھا لیکن پھر بھی اسے لگ رہا تھا کہ یہ سکندر صاحب ہی ہوں گے پھر اپنا خیال خود ہی جھٹکتا کہ ان کی بیٹی ان کی مرضی کے خلاف اس گھر میں بیاہی گئی ہے ایسے میں بھلا وہ کیونکر اسی گھر میں اپنی ہی سمدھن سے اس طرح کی پیار محبت والی باتیں کر سکتے ہیں۔

لیکن جو کچھ بھی تھا آج کا دن اس کی زندگی کا مشکل ترین دن تھا جب ماں کی طرف سے بدگمانی تھی تو بیوی کی طرف سے پریشانی' وہ چاہ کر بھی اجیہ سے بات نہیں کر پا رہا تھا جس کا ذمہ دار بھی وہ خود کو ہی ٹھہرا رہا تھا کہ اگر وہ غصے میں موبائل نہ توڑتا تو شاید اب تک اجیہ سے رابطہ ہو جاتا۔ اسی دوران اس کا فون بجا' دوسری طرف حسن تھا جو اس کی زندگی کے اس نئے تجربے پر نیک خواہشات کا اظہار کر رہا تھا۔

''حسن یار! ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔'' اربش نے اس سے شیئر کرنے کا سوچا ویسے بھی وہ اس کا پرانا دوست تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے اکثر معاملات سے واقف تھے۔

''خیریت؟ ڈاکومنٹس میں تو کوئی غلطی نہیں نکل آئی؟'' وہ ایک دم پریشان ہوا تھا۔

''ارے نہیں یار' وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن......'' قریب بیٹھے لوگوں سے قدرے فاصلے پر جا کر اس نے اجیہ کا فون غصے میں توڑنے اور اس سے بغیر ملے آنے والا سارا قصہ سنا دیا تھا البتہ ممی والی بات جو کہ وہ خود اپنے آپ سے بھی چھپا لینا چاہتا تھا وہ اس کو بھی نہ بتائی۔

وہ اسی معاملے پر حسن سے بات کر رہا تھا جب غزنی اس کے بیگ کے قریب آبیٹھا' سب سے نظر بچا کر اس نے اربش کے بیگ کی زپ کچھ اس غیر محسوس طریقے سے کھولی تھی کہ کوئی بھی اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔

''بھابی ظاہر ہے جب گھر لوٹیں گی تو تمہیں اب تک نہ دیکھ کر پریشان تو ہوں گی اور تم نے موبائل ہی توڑ دیا؟ اتنا غصہ تو تمہیں پہلے بھی نہیں آیا تھا یار' زندگی کی مشکلات نے کہیں تمہیں چڑچڑا تو نہیں کر دیا؟''

''ارے نہیں یار ایسا کچھ نہیں ہے بس ایک تو یہاں آنے کا اتنا ارجنٹ پتا چلا اس پر سب سے بڑی بات یہ کہ گھر گیا تو اجیہ نظر نہیں آئی تو بس میں شاید جھنجھلا گیا تھا کیونکہ ایسا آج ہماری زندگی میں پہلی مرتبہ ہی ہوا ہے کہ میں گھر پہنچوں اور وہ میرا انتظار کرتی نہ ملے۔ میں اس سے نہ ملنے اور اسے نہ دیکھنے کے خیال سے بہت اپ سیٹ تھا تبھی یہ غلطی ہوئی ورنہ میں جانتا ہوں کہ میرے اور اس کے رابطے کا واحد ذریعہ وہ موبائل ہی تو تھا۔''

''ہمم......'' حسن نے گہری سانس لی۔

''چلو تم فکر نہ کرو ویسے تو میرا ہفتے بعد واپسی کا ارادہ تھا لیکن اب بھابی کی پریشانی کی وجہ سے کوشش کرتا ہوں کہ کل ہی کراچی کے لیے روانہ ہو جاؤں اور اگر کل تک کام نمٹا نہ سکا تو رات گئے بھی نکلنا پڑا تو نکل جاؤں گا تاکہ علی الصبح بھابی کے پاس جا کر انہیں سارا معاملہ سمجھا دوں۔''

''تھینک یو سو مچ یار...... تمہارے جیسے دوست اللہ کی

طرف سے نعمت ہوتے ہیں اور یقین کرو کہ جس طرح تم آج کل میرا ساتھ دے رہے ہو تو میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔'' اربش اس وقت وہ واقعی اس کا شکر گزار ہو رہا تھا۔

''میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ یہ سب میں تمہارے احسانات کے بدلے ہی کر رہا ہوں لیکن پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے آج تک میرے لیے جو کچھ کیا ہے یہ سب اس کا پانچ فیصد بھی نہیں ہے بس تم اپنا خیال رکھنا میں کل جاتے ہی بھابی کو دوسرا موبائل لا دوں گا تو پھر تمہارا ان سے رابطہ آسان ہو جائے گا اور بھابی سے رابطہ ہو گیا تو سمجھو تمہارے سارے مسائل خود ہی ختم ہو جائیں گے۔'' حسن کی بات پر وہ مسکرایا اس کی فلائٹ پر بورڈنگ شروع ہو چکی تھی' غزنی نے اشارے سے اسے بھی سب کے ساتھ بلایا تو وہ حسن کو اللہ حافظ کہہ کر اپنا بیگ اٹھائے بورڈنگ کے لیے قطار میں جا لگا۔

❀......❀......❀

''تم یہاں......'' دروازہ کھولتے ہی اجیہ نے شرمین سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

''اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی اپنے گھر میں؟'' ایک نظر اس کے ملگجے حلیہ پر ڈال کر اس نے خود ہی صحن میں قدم رکھا۔

''آ جاؤ بلکہ آ تو چکی ہو۔'' اجیہ نے سامنے سے ہٹ کر اس کے لیے رستہ چھوڑا اور اس کے اندر داخل ہونے پر دروازے کو کنڈی لگا دی۔

''یہیں کھڑے کھڑے بات کر لوں یا کہیں کمرے میں بیٹھ کر آرام سے بات کریں؟'' شرمین کے کہنے پر بغیر کچھ کہے اجیہ کمرے کی طرف بڑھ گئی اور اسے اپنے ساتھ آنے کو کہا' بیڈ پر اب تک ویسے ہی الماری سے نکالے گئے کپڑے بکھرے ہوئے تھے اور کمرے سمیت گھر کی مجموعی حالت دیکھ کر شرمین کے چہرے پر مکمل اطمینان ہی اطمینان تھا۔

''اب بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو تم اور تمہیں یہاں کا پتا کس نے دیا؟'' اجیہ کا لہجہ روکھا تھا اور انداز بھی جان چھڑانے والا۔

''یہاں کا پتا تمہارے اور اربش کے علاوہ کوئی تیسرا جانتا ہے کیا؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس کے یوں گھما پھرا کر بات کرنے پر اجیہ الجھ گئی تھی' شرمین خود ہی دو قدم آگے بڑھ کر اس کے بیڈ پر بیٹھی' خاموش فضا میں اس کی ہیل کی ٹک ٹک بڑی پراسرار معلوم ہوئی تھی۔

''میرا مطلب یہ ہے میری جان کہ مجھے یہاں کا پتا اسی نے دیا ہے جو تمہیں یہاں پر لا کر چھوڑ گیا ہے' یعنی اربش......'' وہ مسکرائی اس کی مسکراہٹ میں فتح کا تاثر تھا۔

''اربش؟'' اجیہ اب تک اس کی باتوں اور اس کے آنے کا مقصد سمجھ نہیں پائی تھی۔

''ادھر بیٹھو میں آسان الفاظ میں تمہیں مکمل تفصیل سمجھاتی ہوں کہ آخر تمہارے ساتھ کیا کھیل کھیلا گیا ہے۔'' شرمین نے سامنے کھڑی اجیہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا' وہ اسے اپنے سامنے بیڈ پر بٹھانا چاہتی تھی مگر اجیہ نے اس کا ہاتھ بڑی بے دردی سے جھٹک دی۔

''تم جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو' جلدی سے کہو اور پھر جاؤ یہاں سے۔''

''اچھا اچھا بھئی تم غصہ نہ کرو میں بتاتی ہوں۔'' شرمین کا ہر انداز اجیہ کو چڑانے والا ہی تھا وہ بیڈ پر سکون سے بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے دائیں پاؤں کو ہلا رہی تھی جبکہ اجیہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''اربش کے ساتھ میرے تعلقات کوئی نئے نہیں ہیں لیکن ان تعلقات سے تم کوئی غلط مطلب نہ لینا پلیز کیونکہ میرا مطلب سلام دعا سے ہے۔ اس کی ممی کے ساتھ دراصل میرا پیار اور محبت کا بہت گہرا رشتہ ہے اور ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو ماں اور بیٹی کی طرح ہی سمجھتے ہیں۔ ہماری محبت اور ہمارے درمیان اس ماں بیٹی والے تعلق کا ایک ثبوت تو تم نے اس دن ہی دیکھ لیا ہو گا جب تم ایک اسکول ٹیچر کی حیثیت سے اس گھر میں قرآن خوانی کے لیے آئی تھیں' یاد ہے ناں تمہیں وہ دن؟'' رک کر اس نے اجیہ سے سوال کیا تاکہ اسے بھی شریک گفتگو کر سکے لیکن اجیہ کی سابقہ رکھائی برقرار رہی۔

''مجھ سے کسی بھی قسم کے سوال جواب کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ تم اپنی بات کرو۔''

''اوہ شیور۔'' شرمین نے مسکراتے ہوئے بات کو وہیں

سے جوڑا۔

”میرا اربش کے گھر بہت آنا جانا ہے‘ ابھی چند دن پہلے تک تو میں مسلسل ایک ہفتہ ممی کے پاس رہ کر بھی آئی ہوں تو ظاہر ہے تم خود سوچو جب اس گھر میں میری اتنی بے تکلفی تھی تو اربش سے بھی ہیلو ہائے ہوتی ہوگی۔ دراصل تمہارے کال سینٹر چھوڑنے کے بعد انہوں نے مجھے بھی تمہارے دیئے گئے ثبوتوں کی وجہ سے نکال دیا تھا تو اس دن میں بہت اپ سیٹ تھی اور ممی کو ساری بات بتا رہی تھی کہ پاس بیٹھے اربش نے کہا کہ میں کسی ایسے شخص کو سکھی نہیں رہنے دوں گا جس کی وجہ سے شرمین کی آنکھوں میں آنسو آئے اور دکھی ہوئی۔ میں نے اس کی بات کو مذاق میں اڑایا تو اس نے قسم کی کھائی کہ اگر وہ تمہیں مجھ سے دوگنا چوگنا پریشان نہیں کرے گا تو مجھے اختیار ہے کہ اس کا نام بدل دوں۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم شرمین......! اگر یہ کوئی مذاق ہے تو انتہائی گھٹیا اور بے ہودہ مذاق ہے۔“ وہ کسی طور پر یہ بات ماننے کو تیار نہ تھی کہ اربش نے صرف شرمین کی خاطر اس سے شادی کی تاکہ بدلہ لیا جاسکے۔

”تم مانو یا نہ مانو مگر سچ تو یہی ہے کہ تمہارا اس گھر میں پہلی مرتبہ اربش کے ساتھ جانا اور ممی کی طرف سے نکال دیا جانا اسی شرط کی ایک کڑی ہے کیونکہ وہ تمہیں اس عالی شان گھر میں عیش کروانے کے لیے نہیں لایا تھا بلکہ میرا تم سے بدلہ لینے کے لیے لایا تھا۔ اسی لیے اسے گھر سے نکالتے وقت اس کی گھڑی تک لے لی گئی تو وہ اسی منصوبے پر ہی عمل ہو رہا تھا کہ تمہاری زندگی قابل رحم بنادی جائے اور یقین کرو آج تمہیں اس حال میں اس کھنڈر نما گھر میں زندگی گزارتا دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوئی۔“

”اگر تم اپنی کہانیاں ختم کرچکی ہو تو پلیز اب یہاں سے چلی جاؤ۔“ اجیہ اپنے اندر اٹھتے ہوئے طوفان کو دبائے بظاہر پُرسکون انداز میں بولی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں‘ اربش بھی چلا گیا تو بھلا میرا یہاں کیا کام‘ اپنی شرط کے کامیاب ہونے کی خوشی میں وہ آج شام ہی بیرون ملک روانہ ہو چکا ہے اور اب وہ تم سے کسی بھی قسم کا رابطہ نہیں رکھنا چاہتا جس کا بڑا ثبوت یہ دیکھ لو کہ اپنی تمام چیزیں وہ لے کر جا چکا ہے اور جاتے جاتے تمہارا فون اس لیے توڑ گیا کہ تم اس سے کوئی رابطہ ہی نہ کرسکو۔“ شرمین نے سامنے پڑے ٹوٹے پھوٹے موبائل کو دیکھتے ہوئے کہا لیکن اجیہ کا دل اب تک اس کی باتوں میں سے کسی ایک پر بھی یقین کرنے کو تیار نہ تھا لہٰذا شرمین نے اٹھتے ہوئے اپنے پرس میں سے اربش کے ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ کی فوٹو کاپی نکال کر دکھائی۔

”وہ اتنے دن تمہارے اس ڈربے نما گھر میں آدھی روٹی پر گزارا کرتا رہا تھا‘ اب ممی نے اسے کچھ دنوں کے لیے ابروڈ بھیجا ہے تاکہ اتنے سارے دنوں کی تھکاوٹ اور پریشانی جو اس نے صرف میرا بدلہ لینے کے لیے مول لی تھی اب ذرا ریلیکس کرے اور پہلے کی طرح فریش ہو کر ان کے پاس واپس آئے۔“ اجیہ نے خود اپنی آنکھوں سے بورڈنگ کارڈ اور ٹکٹ پر اربش کا نام پڑھا تو اس کے لیے اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونا مشکل ہوگیا تھا۔

”یہ آخر ہو کیا رہا ہے میرے ساتھ‘ اے میرے اللہ کیا میری زندگی میں آنے والی کوئی خوشی مکمل نہیں ملے گی مجھے؟ یہ ٹھیک ہے کہ زندگی ایک امتحان ہے لیکن اس امتحان میں صرف میرے ہی حصے میں آنے والے پرچے کے سوال اتنے مشکل اور پیچیدہ آخر کیوں رکھے گئے ہیں؟ میری غلطی‘ میرا قصور؟ میرا کون سا ایسا گناہ ہے کہ جس کی سزا مجھے اب تک مل رہی ہے اور ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی؟“ اجیہ نے آخرکار دل ہی دل میں اللہ سے شکوؤں اور شکایتوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے‘ سامنے بیٹھی شرمین کے چہرے پر موجود جلا ڈالنے والی مسکراہٹ دیکھ کر اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے سب کو پیچھے چھوڑ کر اونچا بہت اونچا اڑنے کی خواہش کرنے والا پرندہ ایک لمحہ میں زمین پر پٹخ دیا گیا ہو۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

بند ہونٹوں کی بات

راشدہ رفعت

کہا اس نے ہمیں، یہ فاصلے دور نہ کردیں
کہا میں نے، تمہارے شک تمہیں ہی چور نہ کردیں
کہا اس نے، تصور میں تیرے میں کھوئی رہتی ہوں
کہا میں نے، ترے جذبے تجھے مشہور نہ کردیں

کہتے ہیں کہ گھر کا سب سے چھوٹا بچہ سب سے لاڈلہ ہوتا ہے جبکہ میں کہتا ہوں کہ سب سے چھوٹا بچہ صرف چھوٹا ہوتا ہے لاڈلہ واڈلہ ہرگز نہیں۔ میں جانتا ہوں بہت سے لوگ اپنے ذاتی مشاہدے کی بناء پر میری بات سے اختلاف کریں گے اور مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ ''ذاتی مشاہدہ'' والے لوگ اپنے گھر کے چھوٹوں کی فہرست میں ہرگز نہیں آتے ہوں گے اس لیے ایسے لوگوں کو اپنے مشاہدے اپنے پاس رکھ کر میری کتھا غور سے اور دردمندی سے سننی چاہیے کیونکہ میں جو بات کررہا ہوں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کررہا ہوں اور دنیا کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا سائنس دان تجربہ کو مشاہدہ پر فوقیت دیتا ہے۔

تو میرا تعارف کچھ یوں ہے کہ پیدائش کے بیس پچیس دن تک گھر والوں کی عدم دلچسپی کے سبب میرا نام ہی تجویز نہ ہوسکا۔ اماں نے یہ ذمہ داری ابا کو سونپی کہ باقی بچوں کے نام ابا نے ہی رکھے تھے۔ ابا نے لاڈلی بیٹیوں کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ منے بھائی کا اپنی پسند سے نام رکھ دیں۔ بڑی آپا اور چھوٹی آپا نام سوچتی رہ گئیں اتنے عرصے میں نام منا ہی پڑ گیا۔ اسی عرصے میں بھیا کے ایک دوست کے ہاں بھی چھوٹے بھائی کی ولادت ہوئی اس کا نام منعم رکھا گیا' بھیا کو نام پسند آیا انہوں نے اماں' ابا کے سامنے ہی یہ نام رکھ دیا اور یوں پیدائش کے چھبیسویں روز مجھے باقاعدہ نام مل گیا لیکن یہ نام کاغذوں کی حد تک ہی رہا۔ میں گھر بھر کے لیے منا تھا' منا ہوں اور شاید ہمیشہ منا ہی رہوں گا۔

ایسی بات نہیں کہ گھر والے مجھے پیار نہ کرتے تھے' ماں' باپ اور بہن بھائیوں کی فطری محبت مجھے ضرور حاصل رہی لیکن میں کبھی بھی ان کی زندگیوں میں اہمیت نہ پاسکا۔ بڑی آپا' اماں ابا کی پہلوٹھی کی اولاد تھیں' گھر میں انہیں اور ان کی رائے کو ہمیشہ ہی بہت اہمیت حاصل رہی۔ مصدق بھیا کو اماں ابا کے پہلے بیٹے ہونے کا اعزاز حاصل ہوا' انہیں بھی ہمیشہ بہت اہمیت سے نوازا گیا۔ بھیا کے بعد چھوٹی آپا تھیں' اماں کے بقول وہ مزاج میں بڑی پھوپو پر گئی تھیں۔ بچپن سے ہی غصہ ان کی ناک پر دھرا رہتا تھا سو مزاج کی اس تندی اور طنطنے کے باعث گھر والے انہیں خود بخود اہمیت دینے پر مجبور تھے۔ آخری نمبر میرا تھا اور گھر میں میری اہمیت کرکٹ کے بارہویں کھلاڑی سے زیادہ نہ تھی' پہلی بار مجھے اپنی حیثیت کا احساس تب ہوا جب میں دوسری جماعت میں تھا اور میں نے اماں کی الماری سے تصویروں والی البم نکال کر دیکھی تھی۔

یہ البم میرے بڑے تینوں بہن بھائیوں کی تصویروں سے بھری ہوئی تھی۔ مصدق بھیا کی پیدائش کے دو دن بعد کی تصویر' فوٹو گراف کی پشت پر ابا نے جلی حروف میں ان کی تاریخ پیدائش'

وقت پیدائش اوران کا نام تحریر کیا تھا گویا مصدق بھائی کو پیدائش کے فوراً بعد نام بھی نصیب ہوگیا تھا اور ابا کے نادر کیمرے کے ذریعے دو دن کے کپلو سے بچے کا تصویری ریکارڈ بھی محفوظ ہوگیا تھا۔ مصدق بھائی کی پہلی سالگرہ جتنی دھوم دھام سے منائی گئی اس کا پتا بھی مجھے اس خاندانی البم کو دیکھ کر ہی ہوا۔

بڑی آپا کی اسکول کے پہلے دن کی تصویر بھی اس البم میں موجود تھی اور چھوٹی آپا کے پہلا روزہ رکھنے پر روزہ کشائی کی تصویر بھی اسی البم میں دیکھنے کو ملی۔ اس البم میں میری فقط ایک تصویر تھی، دو سال کی عمر میں تازہ تازہ ٹنڈ کروا کر میں جانے کیوں کیمرے کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ خلائی مخلوق سے ملتی جلتی اس ایک تصویر کے علاوہ اس البم میں میری کوئی تصویر نہ تھی جبکہ بڑے تینوں بہن بھائیوں کی زندگی کے ہر اہم موقع کی تصویر اس البم کی زینت تھی۔ اماں سے ایک روز یہ ہی شکوہ کیا تو بے پروائی سے بولیں۔

''ہاں...... بعد میں تمہارے ابا کا کیمرا خراب ہوگیا تھا ناں بس پھر نیا کیمرا لے کر ہی نہیں آئے۔'' میں بچہ ہونے کے باوجود اماں کے اس بیان سے نہ بہلا، کیمرے کا کیا تھا کیا مجھے خود اپنی زندگی کے اہم دنوں کا حال معلوم نہ تھا۔ میری کوئی سالگرہ اتنی دھوم دھام سے نہ منائی گئی جیسی میری بہن بھائیوں کی ان کے بچپن میں منائی جاتی تھی۔ کتنے عام سے طریقے سے میں اسکول میں اپنا پہلا دن گزار کر گھر واپس آ گیا تھا۔ پہلا روزہ بھی یونہی چپ چاپ رکھ لیا تھا، ابا نے پیسے دیئے تھے اماں نے میری پسند کے پکوان بھی پکائے لیکن وہ دھوم دھام اور رونق تو نہ تھی۔ قرآن پاک پڑھنے لگا تو نہ بسم اللہ کی تقریب ہوئی، قرآن پاک ختم کیا تو آمین کی تقریب بھی نہ ہوئی۔ میرے بہن بھائیوں کی زندگیوں میں ان تقریبات کا باقاعدہ انعقاد اور اہتمام ہوتا تھا۔

لگتا تھا اماں ابا کا جوش و جذبہ اپنے بڑے بچوں کے لیے تو تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ جوش و جذبہ ماند پڑتا گیا، میں اگر اتنا ذہین اور حساس نہ ہوتا تو شاید اتنا سب کچھ محسوس نہ کرتا لیکن میری ذہانت اور حساسیت فطری تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ ایسا نہ تھا کہ میں ہر وقت ہی منہ بسورے رکھتا تھا، میں اپنے گھر میں پیار کرنے والے ماں باپ اور خیال رکھنے والے بہن بھائیوں کے ساتھ مزے کی زندگی گزار رہا تھا لیکن جب بھی کبھی ایسا موقع آیا کہ میں نے اپنے بہن بھائیوں کو ملنے والی اہمیت کا اپنی اہمیت سے اندازہ لگایا تو پھر میرا جلنا کڑھنا فطری ہوتا تھا۔

زندگی اسی ڈھب سے گزرتی گئی پہلا دھچکا جب لگا جب ایک روز اچانک ابا ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ دل کا پہلا دورہ ہی جان لیوا ثابت ہوا گھر میں صف ماتم بچھ گئی پھر بڑی آپا اور بھیا نے اماں سمیت ہم سب کو سنبھالا ایک عرصہ لگا تھا ہمیں اس غم سے نکلنے میں۔

میں ان دنوں مڈل کا اسٹوڈنٹ تھا پھر گھر میں آپا کی شادی کا غلغلہ اٹھا آپا کی نسبت بچپن سے ہی ماموں زاد توفیق بھائی سے طے تھی اب توفیق بھائی تعلیم مکمل کر کے برسر روزگار ہوگئے تھے آپا نے بھی گریجویشن کرلی تھی اماں نے مصدق بھائی سے مشورہ کر کے ماموں کو شادی کی تاریخ دے دی۔ دھوم دھام سے آپا رخصت ہوئیں تو اماں کو بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی سوجھی، مصدق بھائی کو بھی اللہ کے کرم سے بہت اچھی سرکاری نوکری مل گئی تھی۔ ہر ماں کی طرح اماں بھی چاند سی دلہن لانے کی متمنی تھیں جہاں کوئی رشتے کے متعلق بتاتا اماں جھٹ دونوں بیٹیوں کو لے کر لڑکی دیکھنے پہنچ جاتیں، کوئی لڑکی اماں کے من کو نہ بھاتی تو کسی کو چھوٹی آپا ریجیکٹ کر دیتیں۔ چھوٹی آپا گو کہ ابھی غیر شادی شدہ تھیں لیکن گھر میں ان کی رائے کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔

بڑی آپا بُردبار اور سمجھ دار تھیں وہ لڑکیوں میں نقص نکالنے سے پرہیز کرتیں لیکن اماں اور چھوٹی آپا کی رائے کے خلاف بھی نہ جاسکتی تھیں آخر اللہ اللہ کر کے ایک لڑکی پر تینوں کا اتفاق رائے قائم ہوا اور زریں بھابی دلہن بن کر ہمارے گھر آ گئیں۔ شکل وصورت کے ساتھ ساتھ وہ مزاج کے اعتبار سے بھی بہت بھلی خاتون ثابت ہوئیں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ باقی گھر والوں کی طرح وہ بھی مجھے بچہ سمجھ کر ہی ٹریٹ کرتی تھیں اور کوئی خصوصی اہمیت نہ دیتی تھیں، خیر میں اب ان رویوں کا عادی ہوگیا تھا۔

زریں بھابی کے کزن سے چھوٹی آپا کا رشتہ طے ہوا اور وہ بھی پیا دیس سدھار گئیں، اماں اب بہت بیمار رہنے لگی تھیں۔ بڑی آپا اور بھیا کے بچے اب اماں کے جینے کا سبب تھے وہ پوتے، پوتیوں اور نواسوں پر جان چھڑکتیں، ان کے ویسے ہی لاڈ اٹھاتیں جیسے کبھی اپنے بڑے بچوں کے اٹھائے تھے میں کبھی شکوہ کرتا کہ اماں آپ نے تو کبھی میرے ایسے لاڈ نہ اٹھائے تو اماں سب کے سامنے ہی میرا ماتھا چوم لیتیں۔

''میرا منا تو مجھے پوری دنیا میں سب سے زیادہ پیارا ہے، اتنا

بڑا ہونے کے باوجود تُو آج بھی مجھے بالکل منا سا ہی لگتا ہے۔" ماتھے کے بعد اماں چٹاچٹ میرے گال بھی چوم لیتیں۔

"اچھا اماں اب بس بھی کریں۔" سب کے سامنے محبت کے اس مظاہرے پر میں جھینپ ہی جاتا۔ زریں بھابی شرارت سے مسکرا کر مجھے دیکھتیں تو مصدق بھائی میری حالت دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے۔ اماں کی محبت پر تو خیر مجھے کوئی شبہ نہ تھا لیکن ان کی زندگی میں میری کتنی اہمیت تھی اس کا پتا جلد ہی چل گیا۔ اپنے بڑے بچوں کی خوشیاں دیکھ لینے کے بعد اماں نے ایک دن بہت اطمینان سے آنکھیں موند لیں یہ سوچا تک نہیں کہ ان کے بغیر ان کا منا کیسے رہے گا۔ صدمہ ہم سب بہن بھائیوں کے لیے بہت جاں گسل تھا لیکن بڑے تینوں اپنا غم دل میں چھپا کر رفتہ رفتہ اپنی زندگیوں میں مگن ہوگئے جبکہ مجھ میں جینے کی لگن ہی ختم ہوگئی لیکن گزرتے وقت کے ساتھ آخر کار مجھے بھی صبر آ ہی گیا تھا۔ میں نے اپنی تمام توجہ اپنی پڑھائی اور کیریئر کی طرف مبذول کرلی۔ شاندار طریقے سے اپنا تعلیمی سلسلہ مکمل کیا تو فوراً ہی من پسند ملازمت بھی مل گئی اب بظاہر میں اپنی زندگی میں سیٹ تھا، زندگی میں فقط ایک پُرخلوص جیون ساتھی کی کمی تھی اور میرے گھر والوں کو یہ کمی اب تک محسوس ہی نہ ہوئی تھی۔ ان کی نگاہوں میں، میں اب بھی منا ہی تھا جبکہ میرے آدھے سے زیادہ دوست منگنی شدہ کی فہرست میں داخل تو باقی آدھے شادی شدہ کا خطاب پاچکے تھے۔ میں ابھی تک "فارغ شدہ" تھا، یہ نہیں کہ گھر والے میرا مالی استحصال کررہے تھے یا میری تگڑی سی تنخواہ اپنے پاس رکھنے کے چکر میں میری شادی ٹالے جارہے تھے۔ سچ تو یہ تھا کہ مصدق بھائی یا زریں بھابی نے کبھی میری تنخواہ کے بارے میں پوچھا تک نہیں، میں خود سے بھتیجا، بھتیجیوں کے لیے کچھ لے آتا تب بھی مصدق بھائی خفا ہوتے۔

"منے یوں فضول خرچی مت کرو، کچھ پیسہ جوڑو گے تو کل کو تمہارے ہی کام آئے گا آخر ہمیشہ ہی چھڑے چھانٹ تھوڑی رہو گے فیملی بھی بنانی ہے یا نہیں۔" پہلی بار بھیا نے اس موضوع پر کوئی بات کی، میں تو شرما کر چپ ہوگیا اور بھیا نے ایک بار یہ بات کرکے دوبارہ یہ ذکر کیوں نہیں چھیڑا یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ آخر کار مجھے سمجھ آ ہی گیا، میرے سب بہن بھائی اپنی زندگیوں میں مصروف اور مگن تھے۔ ان کی نگاہوں میں میری کچھ اہمیت ہوتی تب انہیں میری زندگی کے سُونے پن کا خیال آتا نا، میں ان دنوں بہت زود رنج ہوگیا تھا۔ اپنے منہ سے اپنی شادی کا تذکرہ کرتا تو کیسے کرتا آخر چند رشتہ داروں نے بہن بھائیوں کی توجہ اس جانب مبذول کروائی۔

"خیر سے اپنا منعم اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا ہے اس کی شادی وادی کے بارے میں اب تک سوچا کہ نہیں؟" بڑی ممانی نے ایک تقریب میں بڑی آپا سے پوچھا تھا۔

"کب سے سوچ رہے ہیں ممانی جان لیکن خاندان میں تو منعم کے جوڑ کا کوئی ہے نہیں، ساری بچیاں اپنے اپنے گھربار کی ہوگئی ہیں۔ خاندان، برادری سے باہر رشتہ ڈھونڈنا آسان تھوڑی ہے آپ کی نظر میں کوئی اچھا سا رشتہ ہو تو بتائیں۔" بڑی آپا نے رسانیت سے ممانی جان کو مخاطب کیا۔ بڑی ممانی نے پُرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا اور پھر کچھ توقف کے بعد دو تین رشتے بتا ڈالے میرا دل بلیوں اچھلنے لگا اب شادی ہونے کی کوئی سبیل نظر آنے لگی تھی۔

"چلیں ٹھیک ہے چھوٹی کی ساس کی طبیعت سنبھل جائے وہ چکر لگائے گی تو پھر لڑکی دیکھنے جائیں گے۔" بڑی آپا کے کہنے پر میرے ارمانوں پر پھر سے اوس پڑگئی گویا اب میری شادی چھوٹی آپا کی ساس کی طبیعت سے مشروط تھی۔

چھوٹی آپا کہنے کو تو قریبی شہر بیاہی تھیں لیکن ان پر بھرے پرے سسرال کی ذمہ داری تھی، سو اُن کا میکے کا چکر بہت کم لگتا اب تو ڈیڑھ برس سے ان کی ساس مستقل بیمار تھیں، آپا کا یہاں آنا بہت ہی کم ہوگیا تھا۔ میں نے شدومد سے آپا کی ساس کی صحت یابی کی دعائیں شروع کردیں، جب بھی آپا کا فون آتا میرا پہلا سوال ان کی ساس کی طبیعت کے بارے میں ہوتا۔

"بڑھاپا سو بیماریوں کی ایک بیماری ہے منے، میری ساس کی طبیعت اب سنبھلنے والی نہیں بس یوں سمجھو چل چلاؤ ہے۔" چھوٹی آپا نے حقیقت پسندی سے جواب دیا، اس روز عشاء کی نماز پڑھ کر میں نے بہت رقت سے آپا کی ساس کے لیے دعا کی تھی، صحت یابی کی نہیں بلکہ ان کی مشکل کی آسانی کی۔ ضمیر اس خود غرضی پر مجھے لتاڑ رہا تھا، میں نے بہت مشکل سے ضمیر صاحب کو باور کروایا کہ اس دعا میں میری کوئی "غرض" پوشیدہ نہیں۔ وہ ضعیفہ اتنے دنوں سے صاحب فراش ہیں، اللہ ان کے حال پر اپنا کرم کرے اور جب اللہ نے ضعیفہ کے حال پر اپنا کرم کرکے انہیں مرحومہ کی فہرست میں شامل کرلیا تب تھپک تھپک کر سلایا گیا، میرا ضمیر پھر سے انگڑائی لے کر بیدار ہوگیا۔

موصوفہ کا تو ویسے بھی چل چلاؤ تھا مجھے ایسی ویسی دعائیں ہرگز نہ کرنی چاہیے تھیں۔
میں کتنے دنوں تک شرمندہ رہا پھر چھوٹی آپا کی آمد ہوئی تو شرمندگی کا اثر زائل ہوا اب میں بے چینی سے انتظار کرنے لگا کہ کب میری دونوں بہنیں رشتہ ڈھونڈنے کی مہم شروع کرتی ہیں لیکن یہ انتظار انتظار ہی رہا' دونوں بہنیں دنیا جہان کے موضوعات زیر بحث لاتیں لیکن ان کی گفتگو میں میری شادی کا کوئی تذکرہ نہ ہوتا۔ آخر ایک روز مصدق بھیا نے ان کی توجہ اس جانب مبذول کروائی۔
''بھئی اب آپ لوگ منے کے لیے بھی کوئی لڑکی ڈھونڈیں آخر اس کی شادی بھی تو کرنی ہے۔''
''ہاں بھیا کل ایک لڑکی دیکھنے جائیں گے ہم' چھوٹی خالہ کی نند کی بیٹی ہے تعریفیں تو بہت کر رہی تھیں لڑکی دیکھ کر پتا چلے گا کہ تعریفیں سچی ہیں یا چھوٹی' خالہ نے عادت کے مطابق مبالغے سے کام لیا ہے۔'' آپا بولی تھیں اور میں ٹھنڈا سانس لے کر رہ گیا یعنی اب ایک طویل عرصے تک لڑکی ڈھونڈو مہم کا سلسلہ جاری رہے گا۔ مصدق بھائی کی شادی سے پہلے کا تجربہ مجھے یاد تھا کتنے عرصے تک اماں اور دونوں بہنیں بھیا کی دلہن کے انتخاب کے لیے ماری ماری پھری تھیں' اب یقیناً ویسے ہی سلسلے کا دوبارہ آغاز ہوا چاہتا تھا گویا ہنوز شادی دور است والا معاملہ تھا لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اگلے روز بھابی اور دونوں بہنیں لڑکی دیکھنے گئیں اور واپسی پر بڑی خوشی خوشی واپس لوٹیں۔
''لڑکی ہمیں بہت پسند آئی ہم نے تو اپنی طرف سے شگن کا روپیہ بھی اس کے ہاتھ پر رکھ دیا لیکن وہ لوگ بھی منے کو دیکھ لیں ظاہر ہے بات تو تب ہی پکی ہوگی۔'' چھوٹی آپا بھیا سے مخاطب تھیں اور میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا اسی حیرت کا اظہار بھیا نے بھی کیا تھا۔
''بھئی چھوٹی......! تم لوگوں نے تو ''کمانڈو ایکشن'' کی طرح منے کا رشتہ طے کر دیا' میرا تو خیال تھا ابھی یہ مہم مہینوں جاری رہے گی۔'' بھیا شگفتگی سے مسکراتے ہوئے مخاطب ہوئے تھے۔
''اگلے ہفتے میری واپسی ہے بھیا' اب اتنی طویل مہم کیسے چلا سکتی تھی اور پھر وقت کے ساتھ مجھے عقل بھی آگئی ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش نری حماقت ہوتی ہے اور میں خود اب بیٹیوں والی ہوں' کسی دوسرے کی بیٹی میں بلاوجہ کا نقص نکالنا مجھے زیب نہیں دیتا۔'' چھوٹی آپا بہت متانت اور بردباری سے بھرپور لہجے میں بولی تھیں۔ میری آنکھوں میں آنسو آتے آتے رہ گئے یعنی میرے لیے میری بہنوں کے پاس اتنا وقت ہی نہ تھا کہ وہ رشتہ ڈھونڈنے کا تردد کرتیں جو پہلا گھر انہیں پتا چلا وہیں جا کر لڑکی پسند کر آئیں' انہوں نے لڑکی نہیں ڈھونڈی تھی بلکہ اپنے سر سے کوئی بوجھ اتار کر پھینکا تھا۔ بھائیوں کے لیے لڑکی ایسے ڈھونڈتے ہیں کہ شام پانچ بجے گھر سے نکلے اور رات آٹھ بجے واپسی ہوئی تو بتایا کہ لڑکی پسند کر کے اس کی ہتھیلی پر شگن کا روپیہ بھی رکھ آئے۔
''بس اللہ کرے آبگینے کے گھر والے بھی منعم کو پسند کر لیں پھر ہم شادی کی تیاریاں شروع کریں۔'' زریں بھابی پُرجوش لہجے میں بولی تھیں۔
''پرسوں انہیں رات کے کھانے پر مدعو کر آئے ہیں ہم' آبگینے اپنے گھر کی سب سے بڑی بچی ہے اس لیے لڑکا دیکھنے کے لیے اس کا سارا گھرانہ ہی آنے کو تیار بیٹھا تھا۔ ہم سب کو دعوت دے آئے' اچھی بات ہے سب لوگ اکٹھے آئیں اور اپنے دل کی تسلی کے بعد کسی متفقہ فیصلے پر پہنچیں۔'' بڑی آپا نے بھی میرے حواسوں پر وزنی سا بم گرایا۔
''یعنی کہ آپ لوگوں نے میرے لیے لڑکی بھی وہ پسند کی جو اپنے گھر میں سب سے بڑی ہے' کوئی ایسی لڑکی ڈھونڈتے جو گھر میں سب سے چھوٹی ہوتی وہ کم از کم میری درد آشنا تو ہوتی۔'' میں روہانسے لہجے میں بولا۔
''ہائیں کیا مطلب' درد آشنا......وہ کیوں بھئی' تمہیں ایسا کون سا درد ہے؟'' چھوٹی آپا نے اچنبھے کے عالم میں دریافت کیا۔
''دراصل منعم کو خدشہ ستا رہا ہوگا کہ آبگینے اپنے گھر میں سب سے بڑی ہے تو گھر میں سب پر اس کا رعب چلتا ہوگا' کہیں وہ شادی کے بعد منعم پر بھی رعب جمانا شروع نہ کردے۔'' زریں بھابی نے شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی دانست کے مطابق میری بات کی تشریح کی۔ میں جواب میں کیا کہتا محض چہرے پر خفگی بھرے تاثرات سجائے بیٹھا رہا۔
''منے کو ایسا خدشہ ہے تو بلاوجہ' یہ دیکھو ذرا آبگینے کی تصویر' ایسی شائستہ اور نفیس بچی ہے' ہم تو جوتیاں گھسا بھی لیتے تو ایسی لڑکی نہ ڈھونڈ پاتے۔ وہ تو اللہ بھلا کرے چھوٹی خالہ کا جنہوں

نے ہمیں ایسے گوہر نایاب کا پتا بتایا۔" بڑی آپا نے اپنے پرس میں سے تصویر نکال کر مجھے تھمائی اور تصویر دیکھ کر میرے چہرے کے کھنچے کھنچے عضلات مزید کھنچ سے گئے لیکن اب اس کھنچاؤ کا سبب غصہ نہ تھا بلکہ شاید مسکراہٹ کی وجہ سے میری باچھیں چری جارہی تھیں اس پری وش کا نام آبگینے کے بجائے گوہر نایاب ہی ہونا چاہیے تھا' میں مسکراتے لبوں کے ساتھ یہ ہی سوچ پایا۔

"کیوں پسند آئی ناں؟" زریں بھابی نے مسکرا کر پوچھا' میں بھی سر جھکا کر مسکرا رہا تھا۔ آگے کے مرحلے میری توقع سے بھی جلد نمٹے' وہ دن بھی آ گیا جب آبگینے میرے سنگ رخصت ہو کر میرے گھر آ گئی۔ جی ہاں میں نے اپنے آبائی گھر کے قریب ہی ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر خرید لیا تھا' مصدق بھائی نے اماں ابا کے گھر میں سے دونوں بہنوں اور مجھے میرا حصہ دے کر گھر اپنے نام کروالیا تھا۔

"آپ لوگ ہرگز یہ نہ سمجھئے گا کہ اس گھر پر سے آپ لوگوں کا حق ختم ہو گیا' یہ شرعی تقاضا تھا جو مجھے پورا کرنا تھا اور خیر سے اب منعم بھی فیملی والا ہو جائے گا تو میں نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ اس کا اپنا مناسب سا گھر ہونا چاہیے۔ دلہن کو یہاں آ کر تنگی کا احساس نہ ہو۔" مصدق بھیا شفقت بھرے انداز میں مسکرائے تھے' انہوں نے مجھے میرے حق سے بہت زیادہ دے کر مجھے ہمیشہ کے لیے اپنی محبتوں اور شفقتوں کا مقروض کر لیا تھا اور پھر میری شادی ہو گئی دھوم دھام سے تو ضرور ہوئی لیکن ویسی دھوم دھام سے نہیں جیسی بھیا اور بہنوں کی ہوئی تھیں۔ مایوں' سنگیت' مہندی اور سہرا بندی کی تقریبات ایک ہی دن نمٹادی گئیں ظاہر ہے سب کی زندگیوں کی اپنی مصروفیات تھیں ان تقریبات کو علیحدہ علیحدہ منانے کی کسی کے پاس فرصت نہ تھی۔ بھیا کی شادی کے فنکشن میرے ذہن کے پردے پر لہراتے اور میرا ملال بڑھتا جاتا' خیر ملال کی یہ کیفیت صرف تب تک طاری رہی جب تک میں آبگینے کو رخصت کروا کر نہ لایا' آبگینے کو پاکر سارے ملال دھل گئے تھے' ملال دھلنے کا بڑا سبب آبگینے کی خوب صورتی اور خوب سیرتی کے ساتھ وہ بے پناہ اہمیت بھی تھی جو شادی کے اول روز سے مجھے سسرال میں مل رہی تھی۔ آبگینے کو اپنے خاندان کی سب سے بڑی لڑکی ہونے کا اعزاز حاصل تھا اور اب میں اس بھرے پرے گھرانے کے بڑے داماد کے رتبے پر فائز ہو گیا تھا۔

اللہ گواہ ہے کہ مجھے روایتی دامادوں والے پروٹوکول سے کوئی غرض نہ تھی نہ ہی مجھ میں دامادوں والی اکڑفوں پیدا ہوئی' مجھے تو صرف وہ اہمیت اچھی لگتی تھی جس کا میں ساری عمر سے ترسا ہوا تھا۔ سسرال والے مجھے بھرپور اہمیت بھی دیتے تھے اور ہر معاملے میں میری رائے کو اہم گردانتے تھے۔ دادی ساس کو کسی اسپیشلسٹ کو دکھانا ہو یا منجھلے سالے کے لیے کالج میں داخلے کے وقت مضامین کا انتخاب حتیٰ کہ یو پی ایس کی بیٹری خریدنے تک جیسے معاملوں میں بھی مجھ سے مشورہ لینا ضروری خیال کیا جاتا۔

ایک طرف اتنی اہمیت ملنے پر میں خوشی سے پھولے نہ سماتا' دوسری طرف آبگینے کی اپنے گھر میں اہمیت دیکھ کر میں عدم اطمینان میں مبتلا ہو جاتا۔ وہ لڑکی جو اپنے گھر میں بڑی ہونے کے ناطے مرکزی حیثیت رکھتی تھی' سسرال میں اس کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ تھی ایسی بات نہیں تھی کہ میرے گھر والے اس کے ساتھ ناروا سلوک اختیار کیے ہوئے تھے بلکہ وہ سب تو اس سے بہت شفقت آمیز انداز میں پیش آتے تھے ویسی ہی محبت اور شفقت جو ساری عمر مجھے میسر آئی لیکن میں اپنے گھر والوں کے لیے ساری عمر منا ہی رہا اور اب آبگینے بھی منے ہی کی بیوی تھی۔ میرے گھر والوں نے آبگینے کو منی کہہ کر مخاطب کرنا شروع نہیں کیا تھا لیکن وہ اسے بچی سمجھ کر ہی ٹریٹ کرتے اور میں یہ دیکھ کر جی ہی جی میں خوب کڑھتا۔

☆......☆......☆......☆

شادی کے بعد دو ہفتوں تک زریں بھابی ہمارے لیے کھانا پکا کر بھیجتی رہیں۔ شام کو میں اور آبگینے خود ہی بھیا کے گھر چلے جاتے تو پھر مجھے ہی خیال آیا کہ اب آبگینے کو باقاعدہ گھر داری کا آغاز کر دینا چاہیے' مجھے اچھی طرح یاد تھا جب زریں بھابی نے کام کا آغاز کیا تھا تو بہت دھوم دھام سے کھیر پکوائی کی رسم ادا ہوئی تھی اور اماں نے چیدہ چیدہ رشتہ داروں کو بھی اس موقع پر مدعو کیا تھا۔ میرا بھی ارادہ تھا کہ آبگینے کی کھیر پکوائی کی رسم پر بہن بھائیوں کو ہی اس موقع پر مدعو کر لوں۔ شام کو حسب معمول مصدق بھائی کے گھر گئے تو میں نے سب سے پہلے بھیا اور بھابی کو ہی دعوت دی تھی۔

"ارے چھوڑو منے...... آبگینے کو کس جھنجھٹ میں ڈال رہے ہو' نیا گھر ہے' نیا کچن ہے ابھی کچن مکمل طریقے سے سیٹ کرنے میں بھی ٹائم لگے گا تم ایک دم سے اس کے سر پر دعوت کی تیاری ڈال رہے ہو۔" زریں بھابی نے مجھے سمجھایا۔

"ارے کوئی بات نہیں بھابی...... آبگینے مینج کرلے گی۔" میں نے بہت فخر سے اپنی نصف بہتر کو دیکھا وہ جانے کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی یا شاید اس نے میری بات غور سے سنی ہی نہ تھی۔

"آبگینے بتاؤ بھابی کو تمہیں دعوت کے انتظام میں کوئی دقت تو پیش نہیں آئے گی۔" جب وہ میری آنکھوں کا اشارہ نہ سمجھی تو مجھے اسے مخاطب کرنا پڑا تھا۔

"جی بھابی اس میں کون سی بڑی بات ہے میں مینج کرلوں گی۔" وہ مسکرائی۔

"دراصل آبگینے اپنے گھر میں سب سے بڑی ہے نا بھابی اور اس کی فیملی کے متعلق بھی آپ جانتی ہیں کہ کتنی بڑی ہے تو اسے تو ایسی دعوتوں کے اہتمام کی خوب پریکٹس ہے۔" میں نے درپردہ زریں بھابی کو جتایا تھا کہ وہ آبگینے کو چھوٹا سمجھ کر ٹریٹ کرنا بند کردیں۔

"اچھا ٹھیک ہے بھئی ذرا گرمی کا زور ٹوٹ جائے پھر آبگینے کے ہاتھ کی دعوت ہم بھی اڑالیں گے ابھی اسے کیوں مصیبت میں ڈال رہے ہو۔" زریں بھابی کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی میں آگے سے کتنی بحث کرتا خاموش ہوگیا' دل ہی دل میں میں آبگینے سے شرمندہ تھا۔ میں اسے اپنے گھر میں وہ اہمیت دلوانے میں ناکام ٹھہرا تھا جو وہ ڈیزرو کرتی تھی۔

☆......☆......☆......☆

ہر گزرتے دن کے ساتھ میری شرمندگی کا احساس بڑھتا جارہا تھا' چھوٹی' بڑی آپا اکٹھی ہوتیں اور خاندان کا کوئی اہم معاملہ ڈسکس ہوتا تب ایسی خاندانی میٹنگوں میں آبگینے کا موجود ہونا' نہ ہونا ایک برابر ہوتا۔ میں تو اس سلوک کا عادی تھا لیکن میرے گھر والوں کو اس کے جذبات و احساسات کا تو خیال کرنا چاہیے تھا لیکن میری بیوی بہت سمجھ دار اور معاملہ فہم ثابت ہورہی تھی بجائے اس کے کہ مجھ سے یا میرے گھر والوں سے کسی قسم کا کوئی گلہ شکوہ کرے وہ بڑوں کی محفل کے بجائے بچوں کی مجلس میں جابیٹھتی۔ میرے بھائی بہنوں کے بچے اپنی اس فرینڈلی سی چاچی اور مامی کے دیوانے تھے وہ بچوں کے ساتھ لڈو اور کیرم کھیلتی تو اندر مصدق بھائی کے گھر کے ہال کمرے میں ہونے والی میٹنگ میں زریں بھابی صلاح دے رہی ہوتیں کہ بڑی ممانی کے چھوٹے بیٹے کی شادی میں ہمیں نقد رقم دینی چاہیے یا پھر کوئی قیمتی تحفہ۔

خاندان کی ساری خوشیاں' غم بانٹنے کی ذمہ داری اب بھی مصدق بھائی اور زریں بھابی کے سر تھی۔ میرا اور آبگینے کا جانا' نہ جانا برابر ہوتا اگر کسی وجہ سے بھیا' بھابی نہ جا پاتے تو ان کی غیر حاضری نوٹ بھی کی جاتی اور پھر شکوہ بھی کیا جاتا آبگینے بچی تو نہ تھی جو ہمارے ساتھ ہونے والے اس امتیازی سلوک کو نوٹ نہ کرپاتی۔ دوسری طرف سسرال میں ہر معاملے میں میری ہی رائے کو اہمیت سے نوازا جاتا ایسے میں میرا احساس شرمندگی مزید بڑھ جاتا اور ہوسکتا ہے میں اس شرمندگی کے احساس تلے مزید دبتا چلا جاتا اگر اس روز میں آبگینے کی باتیں نہ سن لیتا' آبگینے کی چھوٹی خالہ اس سے ملنے ہمارے گھر آئی تھیں۔ آبگینے نے ان کی بھرپور خاطر مدارت کی تھی پھر وہ خالہ کو لے کر بیڈ روم میں چلی گئی میں لاؤنج میں بیٹھ کر کرکٹ میچ دیکھنے لگا تھا۔ ذرا دیر بعد مجھے خیال آیا کہ میرا اسیل فون بیڈ روم میں ہی چارجنگ پر لگا ہے' میری ایک اہم کال آنی تھی' میں موبائل لینے بیڈ روم تک گیا تھا سوچ ہی رہا تھا کہ دستک دوں یا آبگینے کو آواز دے کر فون پکڑانے کا کہوں کہ خالہ کی آواز نے مجھے ٹھٹک کر رکنے پر مجبور کردیا۔

"تو یوں کہو ناں بی بنو کہ چھوٹی بہو بننے کے خوب مزے لوٹ رہی ہو۔" کیا آبگینے نے اپنی خالہ سے دکھڑے رودیئے اور اب خالہ طنزیہ انداز میں بھانجی سے مخاطب ہیں۔ میں یہ ہی سوچ پایا لیکن اگلے ہی پل آبگینے کی کھلکھلاتی آواز نے میرے اندیشے کی تردید کردی تھی۔

"ایسے ویسے مزے خالہ...... سچ زندگی بہت سکون سے گزر رہی ہے۔"

"یعنی چھوٹی بہو بننے کا تمہارا فیصلہ بالکل درست ثابت ہوا۔" خالہ نے لطف لیتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے خالہ...... مجھے اپنے فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں' آپ کو یاد ہے ناں سب گھر والوں نے مجھے شکیل انکل کے اولیس کے لیے راضی کرنے کی کتنی کوشش کی تھی لیکن میں نے امی کے سامنے صاف انکار کردیا تھا کہ اس جنجال پورہ جیسے گھر میں' میں نے شادی نہیں کرنی۔ بڑی بہو بن کر جاتی تو اس بھرے پرے کنبے کی ساری ذمہ داری میرے کندھوں پر آجاتی۔ میں پہلے ہی اپنے ددھیال میں سب سے بڑی بیٹی ہونے کی وجہ سے کاموں کے انبار تلے دبی ہوئی تھی' کبھی پھوپیاں آرہی ہیں کبھی دادی کے دوسرے رشتہ دار آرہے ہیں۔

چاچو کی بیٹیاں چھوٹی تھیں امی کے ساتھ کچن میں مجھے ہی کھپنا پڑتا تھا‘ امی کا حشر دیکھ کر میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ مجھے کسی گھر میں بڑی بہو بن کر نہیں جانا۔“ آبگینے بول رہی تھی اور میں حیران کھڑا سن رہا تھا اس نے کبھی میرے سامنے تو اپنے ان خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا۔

”تمہاری سب باتیں اپنی جگہ درست آبگینے لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرو کہ تمہیں محبت کرنے والے سسرالی رشتہ دار ملے ورنہ سسرال ایسی جگہ ہے جہاں بڑی‘ چھوٹی بہو کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔“ چھوٹی خالہ نے اس کی پُرسکون زندگی کا زیادہ کریڈٹ اس کی خوش قسمتی کو ہی دیا۔

”صحیح کہہ رہی ہیں خالہ‘ زریں بھابی اور بھائی بہت محبت کرنے والے ہیں اور میری دونوں نندیں بھی۔ زریں بھابی بتاتی ہیں منعم کی امی بھی بہت اچھی خاتون تھیں‘ تربیت کا یہ ہی عکس ان کی اولاد میں نظر آتا ہے۔ میں واقعی بہت خوش قسمت ہوں کوئی سسرالی ٹینشن نہیں بلکہ جب یہ سب بہن بھائی اکٹھے ہو کر کوئی خاندانی معاملہ سلجھاتے ہیں تو میں تو مزے سے بچوں کے ساتھ لڈو کھیلنے بیٹھ جاتی ہوں۔ گھر والوں کو میرے کسی بھی عمل پر اعتراض نہیں ہوتا وہ لوگ تو مجھے منعم کی طرح بچہ سمجھ کر ٹریٹ کرتے ہیں اور سچ خالہ‘ ساری عمر بڑا بننے کی ٹینشن بھگت کر میں اب اس بچپنے کو انجوائے کر رہی ہوں۔“ آبگینے مزے سے بولی‘ خالہ ہنس دی تھیں۔

”اور ایک اور مزے کی بات بتاؤں۔“ آبگینے بولی۔ میں نے گہری سانس اندر کھینچی اب جانے میری زوجہ محترمہ کیا مزے کی بات بتانے والی ہیں۔

”منعم سمجھتے ہیں کہ مجھے ان کے گھر میں جائز اہمیت نہیں مل رہی‘ وہ بے چارے بلاوجہ مجھ سے شرمندہ ہوئے جاتے ہیں منہ سے تو کچھ نہیں بولتے لیکن میں ان کے چہرے کے تاثرات سے ان کے دل کا حال پا جاتی ہوں۔“ آبگینے کی آواز آئی اور میں حیرانی کے سمندر میں غوطے کھانے لگا یعنی کہ محترمہ میری شرمندگی بھانپ جاتی ہیں پھر بھی کبھی اپنے دل کا حال سنا کر میرے خیالات کی تردید کی زحمت بھی نہیں کی۔ میں اتنے دنوں سے اس پر بلاوجہ ترس کھاتا رہا گویا باقی گھر والوں کی طرح محترمہ نے بھی مجھے ”منا“ سمجھ کر ہی ٹریٹ کیا۔ صدمے سے میرا برا حال تھا‘ میرے دل کی بات خالہ کے لبوں تک بھی آ گئی تھی۔

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ

نئے اُفق

کراچی

لفظ لفظ ہنگامے سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

شائع ہو گیا ہے

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوقِ آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

"اتنا پیارا بچہ ہے منعم' کیوں اسے پریشان کرتی ہو اس کی غلط فہمی دور کیوں نہیں کرتی اسے بتادو کہ تمہیں ایسی اہمیت کی کوئی خواہش نہیں جس کے ساتھ ذمہ داریاں جڑی ہوں بلکہ تم اپنی موجودہ زندگی سے بہت خوش ہو۔"

"بتادوں گی خالہ' ظاہر ہے وقت آنے پر بتادوں گی لیکن ابھی ہماری میرڈ لائف کا آغاز ہے وقت گزرنے کے ساتھ جب ہم دونوں میں مزید انڈراسٹینڈنگ ڈیویلپ ہوجائے گی تو میں منعم کو اپنا نقطہ نظر سمجھا سکوں گی شاید ابھی وہ مجھے ذمہ داریوں سے جی چرانے والی کاہل اور کام چور لڑکی سمجھیں گے۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں اپنے بچپن سے ہی اپنے گھر کی بڑی بیٹی' بڑی پوتی' بڑی بہن اور بڑی بھتیجی کی ذمہ داریاں اٹھا کر اتنا تھک گئی تھی کہ اب گھر میں سب سے چھوٹا بننے کا مزہ لینا چاہتی ہوں۔" آبگینے نے اپنی خالہ کو اپنا موقف بتایا تھا مجھے دکھ ہوا وہ یہ موقف مجھے بھی تو سمجھا سکتی تھی اب میں اتنا بھی کوڑھ مغز نہیں تھا کہ اس کی بات سمجھ نہ پاتا۔ کتنے مزے سے وہ میری شرمندگی کے مزے لوٹتی رہی اور مجھے اپنے دل کے حال سے بے خبر رکھا۔

"میں تو بہت مزے میں ہوں خالہ' لیکن ایک بات مجھے پریشان بھی کرتی ہے۔" کچھ پل کے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولی تھی' میرا رواں رواں پھر سماعت بن گیا اب اللہ جانے محترمہ کی پریشانی کی کیا وجہ ہے۔

"میں منعم کی وجہ سے پریشان ہوتی ہوں۔" وہ اب قدرے دھیمے لہجے میں بولی تھی' میں نے دانت کچکچائے کون سا ستم توڑ دیا میں نے محترمہ کی ذات پر جو وہ میری وجہ سے پریشان ہیں۔

"منعم اپنے گھر میں سب سے چھوٹے ہیں' گھر والوں نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا ہے انہیں۔ کبھی کوئی ذمہ داری ان کے کندھوں پر نہیں ڈالی اور وہاں امی کے گھر ہر چھوٹے' بڑے معاملے میں منعم کے سر ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے۔ منعم کو کہاں عادت ہے ایسے کاموں کی اب کل ابو کا فون آیا تھا منعم کو بکرا منڈی ساتھ لے جانے کا کہہ رہے تھے اب میں ابو کو کیا کہہ کر منع کرتی۔ منعم بے چارے بھی منہ سے تو کچھ نہیں کہتے خوشدلی سے ہر کام کردیتے ہیں لیکن میں تو ان کے لائف اسٹائل سے واقف ہوں ناں۔ انہیں ایسے کاموں کی عادت ہی نہیں لیکن گھر والوں کو کون سمجھائے۔" آبگینے اپنے گھر والوں کے طرز عمل سے شاکی تھی وہ میری وجہ سے پریشان نہ تھی بلکہ میرے لیے پریشان تھی۔ محظوظ سی مسکراہٹ میرے چہرے پر پھیل گئی' میں نے سوچ لیا خالہ کے جاتے ہی اپنی پیاری سی بیوی کی یہ پریشانی دور کردوں گا اسے بتادوں گا کہ میں اس طرح کے کاموں اور ذمہ داریوں سے ہرگز نہیں گھبراتا بلکہ مجھے تو ان چھوٹی موٹی ذمہ داریوں سے اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ میرے سسرال والے جب کسی بھی معاملے میں میری رائے کو فوقیت دیتے ہیں تو مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔ ہاں خالہ کے جاتے ہی میں آبگینے سے اپنے جذبات و احساسات شیئر کرلوں گا لیکن نہیں' میں نے وہیں کھڑے کھڑے کچھ پل کے لیے سوچا پھر مسکرا دیا۔ اتنی جلدی آبگینے سے سب کچھ شیئر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے' ابھی ہماری میرڈ لائف کا آغاز تھا ذرا تھوڑا سا وقت گزر جائے ہم دونوں میں مزید انڈرسٹینڈنگ ڈیویلپ ہوجائے۔ آبگینے میرا موقف سمجھنے کے قابل ہوجائے پھر بتادوں گا اسے کہ میں سسرال میں ملنے والی اہمیت سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ مجھے یہ سب اچھا لگتا ہے۔

جب میں اتنے دنوں سے اپنی خودساختہ سوچوں کی وجہ سے پریشانی بھگت رہا ہوں تو یہ ہلکی پھلکی ٹینشن آبگینے بھی تو برداشت کرے لیکن پھر سوچتا ہوں کہ میاں بیوی کے باہمی تعلق کی بنیاد ہی اعتماد پر ہونی چاہیے۔ میں کیوں انتظار کروں کہ آبگینے ہی مجھ سے اپنی فیلنگز شیئر کرنے میں پہل کرے یہ پہل میں بھی تو کرسکتا ہوں آبگینے کو خدشہ تھا کہ وہ مجھے اپنا موقف سمجھا نہ پائے گی اس کے دل کا حال جاننے کے بعد مجھے تو ایسا کوئی خدشہ نہیں۔ وہ میری بیوی ہے اس کی بلاوجہ کی بے نام پریشانی کو ختم کرنا میرا فرض ہے لیکن ساتھ ہی میرا شرارتی دل کچھ مزید شرارت کے موڈ میں بھی ہے۔ آبگینے کو تھوڑا سا ستانا بھی تو میرا حق ہے' میں مسکراتے لبوں کے ساتھ واپس پلٹ گیا امپورٹنٹ کال ذہن سے محو ہوگئی اب میرے دل و دماغ میں بہت مزے دار سی کشمکش چھڑ چکی تھی۔ دماغ سنجیدہ تھا اور دل شرارت کے موڈ میں تھا تاحال میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پایا...... اب آپ ہی بتائیں کہ میں دل کی مانوں یا دماغ کی؟

اقرا صغیر احمد

قسط نمبر 13

مسافر تو بچھڑتے ہیں رفاقت کب بدلتی ہے
محبت زندہ رہتی ہے' محبت کم بدلتی ہے
تمہی کو چاہتے ہیں اور تمہی سے پیار کرتے ہیں
یہ ہے برسوں کی عادت اور عادت کب بدلتی ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زید جنید کے کہنے پرڈنر کے لیےآ تا ہے جہاں وہ اس سے مائدہ کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن اس سے پہلے ہی زید کے نمبر پر فون آتا ہے' جس پر اسے فوراً ہسپتال بلایا جاتا ہے۔ مائدہ کی خودکشی اور خراب حالت کے متعلق جان کر وہ شاکڈ رہ جاتا ہے ایسے میں عمرانہ اپنے طور اسے بہلانے کی کوشش کرتی ہیں کہ یہ سب انجانے میں ہوا ہے لیکن زید ماں کی بات میں صداقت محسوس نہیں کرتا۔ سودہ پیارے میاں سے رشتے کی بابت جان کر اپنی ماں صوفیہ بیگم سے بات کرتی ہے ایسے میں صوفیہ اسے یقین دلاتی ہے کہ اس کارشتہ وہ کبھی بھی اپنی نند کے ہاں طے نہیں کرنا چاہتی آج بھی نند کا ناروا سلوک انہیں تکلیف دیتا ہے۔ سودہ تمام باتوں کو بھلا کر عمرانہ کا خیال رکھتی ہے تاکہ وہ مائدہ کی کمی محسوس نہ کریں لیکن عمرانہ بیگم زبان کی تیزی دکھانے سے باز نہیں آتیں۔ رضوانہ اپنی بیٹیوں کے ہمراہ مائدہ کی عیادت کو آتی ہے تو ساتھ ہی اس خودکشی کی وجہ بھی جاننا چاہتی ہے۔ عمرانہ بیگم بہن کے منہ ایسے کلمات سن کر شاکڈ رہ جاتی ہیں اور اپنی بیٹی کی پوزیشن کلیئر کرتی ہیں' رضوانہ جاتے جاتے بہن کو اپنی سسرال والوں کے خلاف کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ عاکفہ کے لیے بابر کا پرپوزل آتا ہے وہ اس بارے میں انشراح کو بتاتی ہے' جس پر انشراح بے حد خوش ہوتی ہے جلد ہی دونوں گھرانوں میں بات چیت طے ہوجاتی ہے اور دونوں کا نکاح طے کردیا جاتا ہے ایسے میں انشراح کا عاکفہ کے گھر آنا جانا بڑھ جاتا ہے عاکفہ کی والدہ ایک دین دار خاتون ہوتی ہیں ان کے انداز و اطوار انشراح میں تبدیلی لانے کا سبب بنتے ہیں جب ہی انشراح ان سے دین کے متعلق آگاہی حاصل کرتی ہے۔ لاریب انشراح کے حصول کی ہر کوشش میں ناکام رہتا ہے جب ہی وہ اپنے دوستوں سے مدد لیتا ہے لیکن ان کے بتائے پلان اسے سمجھ نہیں آتے وہ انشراح تک پہنچنے کے لیے جہاں آراء کو سیڑھی کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ انشراح بالی کے ذریعے جہاں آرا کی اصلیت سے واقف ہوجاتی ہے اور یہ جان کر دنگ رہ جاتی ہے کہ اس کی نانی نے نہ صرف اس کا سودا کیا ہے بلکہ نوفل سے بھی اس دن کی بھرپور قیمت وصول کی ہے یہ سب سچائی جاننے کے بعد وہ نوفل سے ملتی ہے جہاں نوفل اس کی ذات کی تحقیر کرتے اسے مزید رقم دینے کی پیشکش کرتا ہے یہ سب سن کر انشراح شاکڈ رہ جاتی ہے۔ سودہ مائدہ کے پاس ہسپتال پہنچتی ہے جب ہی مائدہ جنید کو ہسپتال میں ملنے کے لیے بلاتی ہے اور اس کی آمد پر مائدہ کو وہاں سے بھیج دیتی ہے لیکن مائدہ وہاں پہنچ کر جنید کو اس کے روم سے نکلتا دیکھ لیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❀……❀……❀

غصہ' کبیدگی' نفرت' حقارت پارے کی مانند اس کے وجود میں سرائیت کرچکی تھی' سامنے دیوار گیر آئینہ میں اس نے انشراح کو پیچھے بے سدھ ہوکر گرتے دیکھا تھا اس کے گرنے سے کانچ کی ٹیبل اور ٹیبل پر رکھے برتن بھی زوردار آواز کے ساتھ زمین بوس ہوگئے تھے۔ ریسٹورنٹ کے اس خاموش حصے میں زوردار شور سماعتوں کو گھائل کرتا گیا تھا' نوفل نے نخوت سے گردن جھٹکی تھی۔ آئینہ سے اس کی نگاہیں ہٹ چکی تھیں از راہ مروت بھی اس نے اسے مڑ کر دیکھنا گوارانہ کیا تھا گویا وہ کوئی انسان ہی نہ ہو کوئی پتھر یا کوئی ربڑ کی گڑیا ہو جو تڑی مڑی سی فرش پر پڑی تھی۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل رہا تھا معاً اس نے بدحواسی کے عالم میں بالی کو اندر جاتا دیکھا جو یقیناً شور سن کر وہاں آئی تھی لمحہ بھر کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اس کی نگاہوں میں کچھ ایسی وحشت و خشونت تھی کہ وہ ہونٹ وا کرتے کرتے ہونٹ بھینچ کر اندر کی طرف دوڑی تھی۔ اس کے بدن کو جیسے چیونٹیاں چمٹ گئی تھیں درد و اذیت کے صحرا میں سرپٹ دوڑ رہا تھا آگ ہی آگ تھی، جلن ہی جلن تھی۔

کار اس انداز میں آگے بڑھی تھی کہ ٹائروں کے چرچرانے کی آواز سے وہ پُر رونق روڈ گونج اٹھی تھی کئی لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے کچھ گاڑیاں رکی تھیں مگر اس کو کسی کی پروا نہ تھی کسی کا ہوش نہ تھا۔ اس کے لیے ماضی کی کتاب کا ایک باب اور کھل گیا تھا پورے سیاق و سباق کے ساتھ۔

''شعوانہ...... یہ تمہارے گھر لوٹنے کا ٹائم ہے؟ رات گزرنے والی ہے۔'' عکرمہ اس کو لڑکھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوتے دیکھ کر اپنے غصے کو قابو نہ کرسکا تھا جبکہ نشے میں دھت سلور بلیک ساڑی میں ملبوس شعوانہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بے پروائی سے گویا ہوئی تھی۔

''رات گزرنے والی ہے کوئی نئی بات کرو۔ رات گزرنے کے لیے ہوتی ہے البتہ یہ رات اسپنڈ کرنے والے پر منحصر کرتا ہے کہ وہ رات انجوائے کرکے گزارتا ہے یا تمہاری طرح منہ بسور کر۔''

''بکواس بند کرو تم میری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ گھر میں، میں نے میل سرونٹ تمہاری وجہ سے رکھنے بند کردیئے ہیں تاکہ تمہاری گراوٹ کے تماشے میرے بچے کی نگاہوں سے دور رہیں اور تم نے اس سے بھی زیادہ کمینگی و ذلالت کا ثبوت دیتے ہوئے میرے دوستوں کے ساتھ گھر سے اڑانے شروع کردیئے ہیں۔ باہر لوگ میرا مذاق اڑاتے ہیں آوازیں کستے ہیں کہ میری عزت گھر کی عورت خود اپنے ہاتھوں سے پامال کرتی پھر رہی ہے۔ میں کیسا مرد ہوں جو ایک عورت کو سنبھال نہیں پا رہا ہوں۔'' بارہ سالہ نوفل پہلی بار باپ کے لہجے میں گھن گرج محسوس کررہا تھا حسب عادت وہ باپ کو کئی گھنٹوں سے مندی مندی آنکھوں سے چپکے چپکے دیکھ رہا تھا جو بار بار مما کو کال کرتے تھے اور دوسری طرف سے جواب نہ پاکر کبھی ٹہلتے اور تھک کر بیٹھ جاتے پھر کال کرتے یہ سلسلہ مما کی آمد تک جاری رہا تھا اور وہ مما کے آنے پر کمبل میں منہ چھپائے آنکھیں بند کیے ان کی تکرار سن رہا تھا۔

''لوگ کیا کہتے ہیں کیا نہیں...... مجھے کسی کی پروا نہیں۔''

''تمہیں لوگوں کی نہیں، نوفل کی پروا کرنی چاہیے ان روز روز کے جھگڑوں نے اس بچے سے بچپن چھین کر بارہ سال کی عمر میں بائیس سالہ عمر کی سوچ دے دی ہے۔ وہ بے حد حساس و تنہائی پسند ہوگیا ہے۔''

''یہ تمہاری غلطی ہے خود ہی بھگتو، میں اس کو دنیا میں لانے پر تیار ہی نہ تھی تمہاری خواہش پر یہ دنیا میں آیا ہے خود ہی خیال کرتے پھرو۔ ہونہہ پہلے دن سے ہی اس کو سر پر سوار کرکے رکھا ہوا ہے اتنے بڑے بچے کو بیڈ روم میں خود سے چپکا کر سلاتے ہو آج کل تو بورن بے بی کو بھی گورنس بے بی روم میں سلاتی ہے اور تم اس کو روم ہوتے ہوئے بھی چھاتی سے لگا کر رکھتے ہو اور الزام مجھے دیتے ہو۔'' وہ سینڈل سے پاؤں آزاد کرنے کے بعد جیولری اتارتی ہوئی بولیں۔

''بہت بے شرم عورت ہو کبھی اپنی غلطی نہیں مانو گی۔''

''ارے مان تو رہی ہوں اپنی غلطی۔''

''کیا...... کون سی غلطی مان رہی ہو؟''

''تم سے شادی کرنا تمہاری خواہش پر اولاد پیدا کرنا اور تمہارے ساتھ رہنا۔'' وہ بپھری ہوئی عکرمہ کے مقابل آن کھڑی ہوئی عکرمہ کے چہرے پر غیض و غضب کے رنگ تھے۔

''میرے ساتھ رہنا تمہاری غلطی ہے؟''

''آف کورس، میں اپنی ہی اترن دوبارہ نہیں زیب کرتی اور تم کو......'' عکرمہ نے طیش میں آگے بڑھ کر دراز سے پستول نکال لی تھی۔

''بابا...... بابا مما کو شوٹ نہیں کریں۔'' نوفل بری طرح روتا ہوا عکرمہ کے پاؤں سے لپٹ گیا تھا اور وہ جو غصے و جنون میں سب فراموش کر بیٹھا تھا کہ یہاں ان دونوں کے علاوہ نوفل بھی موجود ہے، ندامت و پشیمانی کے احساس سے وہ چند لمحے سن رہ گیا تھا۔

نامعلوم ہر بار ایسا کیوں ہوتا تھا جتنا وہ اس سے حالات چھپانے کی سعی کرتا' اتنا ہی سب سامنے آجاتا اور جس کے بعد وہ مزید خاموشی وتنہائی کے خول میں بند ہوجاتا تھا۔

''لو ہو میں مذاق کررہا تھا آپ کی مما کو شوٹ کیوں کروں گا؟'' جان سے پیارے بیٹے کی خاطر لمحے بھر میں سینے میں لگی آگ کے ساتھ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔ پستول ڈراز میں لاکڈ کرنے کے بعد اس نے نوفل کو اٹھا کر پیار کرکے سینے سے لگالیا تھا نہ جانے وہ کب سے ان کی باتیں سن کر رو رہا تھا جواب سسکیاں لے رہا تھا۔

''بچے سے جھوٹ بول رہے ہو' ابھی یہ درمیان میں نہیں آتا تو تم مجھے گولی مار چکے ہوتے۔ تم ایک پاگل آدمی ہو' مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا' میں صبح ہی یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ تمہارا کیا بھروسہ تم سوتے میں میرا گلہ دبا کر مار دو۔'' وہ موت کے خوف سے زرد پڑ گئی تھی اور کچھ دیر بعد ہی گھر چھوڑ کر چلی گئی' اس بار نوفل نے بھی اس کو نہیں روکا تھا۔

❀......❀......❀

''ہُرا...... میں جیت گئی' ہار گیا وہ مجھ سے' اس کو ہارنا ہی تھا۔'' جنید کے باہر نکلتے ہی مائدہ نے خوشی سے سرشار نعرہ لگایا تھا اندر داخل ہوتی سودہ نے اس کے لفظوں کو باآسانی سنا تھا۔ آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا اور مقابل سودہ کو کھڑے دیکھ کر اس کے مسکراتے نقوش سکڑتے چلے گئے گویا کسی خوب صورت خواب سے بیداری بُری لگی تھی۔

''کون آیا تھا؟'' اس نے کافی کا مگ اسے دیتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب کون آیا تھا' کوئی دکھائی دے رہا یہاں تم کو؟'' وہ مگ تھام کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے تیوری چڑھا کر استفسار کرنے لگی۔

''کوئی نکل کر گیا ہے یہاں سے۔'' وہ دانستہ جنید کا نام گول کر گئی تھی۔

''پھر پہچان لیتی کون نکل کر گیا ہے یہاں سے۔'' اس وقت آسکتا تھا اور وہ پوچھ گچھ اس سے ہی کرے گا۔

''بکواس بند کرو تم اپنی' معلوم ہے نہ بھائی کسی بھی وقت آسکتے ہیں اور تم مجھ پر الزام لگا کر پہلے کی طرح مجھے بھائی کی نظروں سے گرانا چاہتی ہو؟ لیکن اب تم اس جھوٹ میں کامیاب نہ ہو پاؤ گی۔ بھائی کے دل میں اپنی جگہ بنانے کے لیے تم یہ ذلیل حرکتیں کرتی ہو لیکن تم کبھی ان کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوگی کیونکہ بھائی تم کو بھی گھاس نہیں ڈالیں گے وہ عروہ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور شادی بھی جلد کرنے والے ہیں۔ تم ان کے خواب دیکھنے چھوڑ دو۔'' اس کے آخری جملوں کو سنتا ہوا زید وہیں رک گیا تھا' وہ اس کی آمد سے بے خبر تھیں۔

''کیسی باتیں کررہی ہو تم مائدہ؟ زید بھائی ہیں میرے۔''

''جب تک تمہارے دام میں نہیں پھنستے تب تک بھائی ہیں ہونہہ۔'' اس نے دیکھا تھا سودہ کا چہرہ سرخ ہورہا تھا اور آنکھیں تیزی سے نم ہوتیں کسی پانی میں ڈوبے کنول کا منظر پیش کرنے لگی تھیں وہ ناک کرتا آگے بڑھ آیا تھا۔

''بھائی آپ آگئے۔'' اس کا زہر اگلتا لہجہ یکلخت شیریں ہوگیا تھا۔

''ہونہہ' سامان ریڈی ہے؟'' اس نے دانستہ سودہ کی جانب دیکھ کر پوچھا۔ اس کا دل درد کے ساگر میں ڈوبا ہوا تھا گلے میں نمکین پانی کا گولہ اٹک گیا تھا' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس عمل سے شفاف موتیوں کے کئی قطرے پھسل کر سفید رخساروں پر گرے تھے جن کو چھپانے کے لیے رخ بدلا تھا۔

''تم رو رہی ہو' کیا ہوا؟'' وہ خود پر اختیار نہ رکھ سکا تھا۔

''بھائی' یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ مجھے نئی زندگی ملی ہے ناں اس خوشی میں یہ صبح سے کئی بار رو چکی ہے آپ کو پتا ہے کتنی محبت کرتی ہے مجھ سے۔'' زید کی موقع پر آمد اور مستزاد سودہ کے آنسو اس کے جھوٹ کی کہانی سنا رہے تھے وہ جھٹ پٹ اپنی جان بخشی کی خاطر سودہ کے گلے لگ کر محبت سے کہہ رہی تھی اور وہ اس کے بھرم کی سلامتی کے لیے دھیرے سے مسکرا دی تھی اور وہ گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔ جانتا تھا دوسرے کی عزت نفس کی بقا کی خاطر وہ اپنی عزت نفس کو کچل دے گی مگر حرف شکایت لبوں پر نہ لائے گی۔

''نئی زندگی ملی ہے تمہیں مبارک ہو' نیکسٹ ٹائم کوئی بے وقوفی کرنے سے پہلے ہزار بار سوچ لینا زندگی بار بار نہیں ملتی۔'' وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے نرم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''سوری بھائی..... آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا اور آنکھیں موند کر سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر سوچنے لگی تھی۔

''اب موت بھی آئے تو میں نہیں مروں گی، جنید کی صورت میں مجھے زندگی ملی ہے اس کے ساتھ میں صدیوں زندہ رہنے کی دعا کروں گی۔'' اس کی سوچوں سے بے خبر وہ بیک مرر میں گاہے بگاہے سودہ کو دیکھ رہا تھا جس کے خوب صورت چہرے پر انتہا کی رنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے دل پر بھی اداسی کی گہری تاریکی چھانے لگی تھی وہ لڑکی جو اس کے لیے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھی نہ معلوم کب اور کس لمحے آتش بھڑکا گئی تھی اور وہ میٹھی میٹھی آگ میں سلگنے لگا تھا جس سے جدائی کا تصور اندھیروں میں بھٹکانے لگتا تھا اور جس کا حصول جنت سے محرومی کے خوف میں مبتلا کردیتا تھا کہ اس کی ماں اس کی جنت تھی۔ دنیا پانے اور جنت کھونے کے کرب نے ادھ موا کردیا۔

''تم اس کی محبت میں بے کل ہوئے جارہے ہو، ابھی تم نے خود سنا کہ وہ کہہ رہی تھی زید بھائی میں میرے، وہ ایک مقدس رشتہ رکھتی ہے تم سے۔ محبت ہوس سے پاک ہو تو مقدس بن جاتی ہیں اور وہ ایسی ہی محبت ہے میری، شبنم کی پہلی بوند کی مانند پاکیزہ، سورج کی پہلی کرن کی طرح اجلی، چاند کی روپہلی چاندنی کی طرح روشن، زمین میں روپوش کسی خزانے کی مانند سب کی نگاہوں سے مخفی اور پوشیدہ۔''

روڈ پر ٹریفک کا ہجوم تھا، زیر تعمیر سڑکوں کے باعث ٹریفک کا نظام درہم برہم تھا۔ مائدہ سہانے سپنوں کے نگر میں گم ہوگئی تھی سوچوں میں الجھے الجھے اس نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے اس کے سوئے ہوئے وجود کی طرف دیکھا تھا۔ اکلوتی بہن تھی وہ اور کتنی دور ہوگئی تھی اس نے کتنی آسانی سے سودہ سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ عروہ سے محبت کرتا ہے اور جلد شادی کرے گا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی ہے وہ عروہ کے نام تک سے چڑتا ہے۔

''کچھ کھانے کا ارادہ ہے؟'' وہ گردن موڑے بنا مخاطب ہوا تھا۔ وہ خاموش رہی کب سے گردن جھکائے اردگرد سے بے نیاز بیٹھی تھی۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں، ہواؤں سے نہیں۔'' لمحے بھر کو چہرہ اس کی طرف گھما کر جتایا تھا وہ گڑبڑا گئی۔

''میں بھی آپ مائدہ سے پوچھ رہے ہیں۔''

''یہ بے خبر سو رہی ہے شاید ساری رات کی جاگی ہوئی ہے۔'' زید کا قیاس اس کے بارے میں بالکل درست تھا۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی تھی اور پوچھنے پر بھی خاموش رہی تھی۔

''نہیں، مجھے کچھ نہیں کھانا۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''ہاں، تم غم کھاؤ، آنسو پیو..... کچھ اور کھانے پینے کی پھر گنجائش کہاں رہتی ہے۔''

مون سون بارشیں ہو رہی تھیں جو کسی علاقے پر مہربان ہو کر لمحوں میں جل تھل کردیا کرتی تھیں اور دوسرا علاقہ حبس و گرمی کی لپیٹ میں رہتا تھا، ابر آلود موسم صبح سے تھا۔ ماحول میں حبس کی شدت بہت بڑھ گئی تھی وہ چکن چیز میکرونی پیک کررہی تھی اس کی نگاہیں کچن کی کھڑکی سے دکھائی دیتے لان پر تھیں جہاں پیڑ پودے اس طرح ساکت کھڑے تھے گویا کلاس روم میں بچے کسی سخت گیر استاد کے خوف سے خاموش وسیدھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ملازمہ کام کرکے جاچکی تھی، فریج سے کولڈ ڈرنک نکال کر اس نے پی تھی کہ گرمی فین آن ہونے کے باوجود بھی کم نہ ہو رہی تھی اور ابھی وہ گلاس دھو کر اسٹینڈ میں رکھ رہی تھی معاً جہاں آراء کار سے اتر کر اندر آنے لگی تھیں۔ بالی کچن سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوئی تھی، وہ بھی آگئی تھیں۔

''آپ پانی میں شرابور ہو رہی ہیں، کہیں بارش ہو رہی ہے؟''

''عجیب بارش ہے، زمزمہ تک صرف ابر ہی چھایا ہوا تھا اس سے آگے گئے ہیں تو موسلادھار بارش ہو رہی تھی گرج چمک کے ساتھ، کار تک آتے میں پوری کی پوری بھیگ گئی۔''

''موسموں کا اعتبار کب رہا ہے ماسی..... یہ پل پل بدلتے ہیں۔''

''چھوڑ موسم کو، یہ بتا انشی کا کیا حال ہے؟ غصے کا جو بھوت اس پر سوار ہوا تھا وہ اترا یا نہیں۔'' وہ ساڑھی سنبھالتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''اتنی جلدی کس طرح اتر جائے گا؟ تم نے بھی زیادتی کی حد کردی ہے اگر پیسہ ہی چاہیے تھا اس کو بیچنا ہی تھا تو کسی ایسے آدمی سے اس کا سودا کرتیں جو کوئی اجنبی ہوتا۔ کم از کم اس طرح اس کی عزت نفس کا قتل تو نہ ہوتا ماسی۔'' بالی کا لہجہ زخموں سے چُور تھا۔

''عزت نفس ہونہہ.....کیسی عزت نفس؟ جب عزت ہی نہ رہی تو عزت نفس کا ہار بنا کر گلے میں ڈالے گی وہ۔''

''غلط بات مت کرو ماسی! ایسا کچھ نہیں ہوا جس سے انشی کی عزت پر حرف آتا وہ کل بھی پاکیزہ تھی اور آج بھی کلیوں کی طرح پاک ہے۔''

''تُو تو یہی کہے گی بڑی چمچی جو ہے اس کی تُو کچھ بھی بکتی رہے، مجھ پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے۔ اڑتی چڑیا کے پر گن سکتی ہوں، میں اسی دن سمجھ گئی تھی جس دن یہ واویلا کررہی تھی کہ کسی کے ساتھ منہ کالا کرکے آئی ہے اور پھر تم دونوں کی باتیں سنیں تو یقین بھی ہوگیا۔''

''تم نے موقع سے فائدہ اٹھا کر لاکھوں روپے بٹور لیے یہ بھی نہ سوچا کہ اس لڑکے کے ساتھ انشی کی دشمنی ہے وہ قدم قدم پر اس کی بے عزتی کرتا رہا ہے وہ اس کی تذلیل کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔''

''میں نے بھی انشی کی بے عزتی کا بدلہ لے لیا ہے اگر وہ ایسا ہی پارسا ہوتا تو جھٹ اتنا پیسہ ہمارے حوالے نہ کردیتا۔ ان پیسوں والوں کے دل بڑے چھوٹے ہوتے ہیں صرف اپنی عیاشیوں میں کاغذ کی طرح نوٹوں کی بارش کرتے ہیں اور جہاں ایسا معاملہ آجائے تو اپنی رسوائیوں کے خوف سے خزانے کا منہ کھول دیتے ہیں اور یہی اس نوفل نے کیا۔'' وہ اپنی کسی غلطی کو ماننے اور شرمندہ ہونے والی کہاں تھیں۔

''ماسی.....تم انشی کی حالت پر رحم کھاؤ' آج اس واقعہ کو تین دن ہوگئے ہیں اس نے نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے ڈھنگ سے۔''

''کسی بھی غم کا سوگ تین دن ہی منایا جاتا ہے اس کو کہو جو ہوا اچھا ہوا اب کسی ماتم کی ضرورت نہیں.....کھائے پیے عیش کرے یہ اس کے عیش کرنے کے دن ہیں خوامخواہ جان کو روگ لگانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ کھڑی ہوتی ہوئی نخوت سے گویا ہوئیں۔

''تمہارے لیے یہ کوئی بات ہی نہیں ہے ماسی انشی کی زندگی برباد کرکے تم کتنی بے فکر اور مطمئن ہو اس کو زندہ درگور کرکے آزادی سے گھوم رہی ہو۔ تم پیسے کے لیے اتنا گر جاؤ گی' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''چپ کر بدذات' میرے منہ لگ رہی ہے نمک حرام.....میری وجہ سے ہی آج تُو یہاں عزت دار بنی کھڑی ہے اگر میں ترس کھا کر تجھے سڑک سے اٹھا کر اس گھر میں نہ لاتی تو آج تُو سڑکوں پر تالیاں بجابجا کر بھیک مانگ رہی ہوتی' رو رہی ہوتی اپنے مقدر کو۔'' انہوں نے زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر مارتے ہوئے کہا۔

''میرا مقدر تو اوپر سے ہی تاریک لکھا گیا ہے ماسی.....لیکن تم نے اپنی مرحوم بیٹی کی بیٹی کا مقدر اپنے ہاتھوں سے خراب کردیا.....سیاہیاں بھردی ہیں اس کے روشن من میں' شفاف پیشانی پر رسوائی کی کالک مل دی ہے' تم نے دشمنوں سے بڑھ کر دشمنی کی ہے۔'' تھپڑ کا اس کو کوئی دکھ نہیں تھا وہ انشراح کے دکھ میں بے قرار تھی۔

تفکر و پریشانی انشراح کی تھی' اس دن وہ ریسٹورنٹ میں ان دونوں کے درمیان سے باہر نکل گئی تھی تاکہ وہ ڈسٹرب نہ ہوں وہاں سے نکل کر وہ دور نہیں گئی تھی۔ باہر کوریڈور میں رکھے صوفوں پر بیٹھ گئی تھی' ابھی بیٹھے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ وہاں نوفل کی تیز و ترش آوازآنے لگی تھی' اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا تھا لیکن قسمت نے یاوری کی تھی کوریڈور خالی تھا وہاں نوفل کی زہر اگلتی آواز گونج رہی تھی اور پھر ایک دھماکہ ہوا تھا وہ اٹھ کر اندر کی طرف دوڑی تھی۔ سرخ چہرہ اور بگڑے تیوروں کے ساتھ نوفل باہر نکلا تھا لیحے بھر کو دل نے کہا اس سے پوچھے اندر کیا ہوا ہے مگر اس کی آنکھوں سے نکلتے شراروں نے اس کو سہما ڈالا اور وہ بھاگتی ہوئی وہاں پہنچی تھی جہاں انشراح گری ہوئی تھی اور اس کے اردگرد کانچ ہی کانچ تھے۔

ویٹرز اور منیجر کی مدد سے وہ انشراح کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہوئی تھی خاصی حد تک وہ کانچ کے ٹکڑوں سے گھائل ہوئی تھی۔ کئی حصوں سے خون رس رہا تھا' گرنے کی وجہ سے چہرہ زخموں سے محفوظ رہا تھا منت وسماجت کے بعد بھی وہ ڈاکٹر کے پاس

جانے پر راضی نہ ہوئی تھی۔ گھر آ کر بالی نے ہی ضد کرکے بینڈیج کی تھی۔ حسب عادت جہاں آرا کسی پارٹی میں گئی ہوئی تھیں ان کی واپسی پر اس کے لبوں پر لگی مہر ٹوٹی تھی پھر وہ ان کے سامنے بکھر گئی تھی۔ نوفل کا ایک ایک لفظ دہرایا تھا' جواب طلب کیا تھا کہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ کیا ان کا تعلق ایسے غلیظ گھرانوں سے ہے جہاں دولت بیٹی کے عوض حاصل کی جاتی ہے؟

''زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم کو لوہا ہی لوہے کو کاٹتا ہے' اس نے تمہاری بے ہوشی سے فائدہ اٹھایا اور میں نے اس کی دولت سے۔ پیسہ ایسی چیز ہے جو بڑے چوروں' ڈاکوؤں کے عیب چھپا کر ان کو شرفاء بنا دیتا ہے۔ حساب برابر ہے اس نے تم کو لوٹا اور میں نے اس کو لوٹا اگر وہ کہتا ہے تو کہنے دو۔'' جہاں آرا اس کی متوحش ہوتی حالت سے بے خبر کہہ رہی تھیں۔

''آپ کو جو کہنا ہے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہیں' کس نے کس کو لوٹا ایمان داری سے بتائیں۔ کون جھوٹ کہہ رہا ہے اور کون سچ؟'' اس کے لہجے میں وحشت و ہذیانی پن امڈ آیا تھا۔

''میں...... میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ ڈھٹائی سے گویا ہوئی تھیں۔

''آپ کو معلوم ہے وہ کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے مجھ جیسی لڑکی کے قریب آنے کی سعی تو کیا' وہ مجھ جیسی لڑکی پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔''

''مردوں کی فطرت ہے اپنی من مانی کے بعد وہ ایسے ہی دعوے کیا کرتے ہیں پھر اگر وہ ایسا ہی پاک باز ہے تو اس نے پیسہ کیوں دیا؟''

''اس نے پیسہ اس لیے دیا کہ وہ جانتا ہے عزت کی ویلیو کیا ہوتی ہے' شرافت و نیک نامی کی دولت کے آگے دنیا بھر کی دولت کم ہے۔ اپنی ان ہی ویلیوز کو بچانے کی خاطر وہ چور نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی اس چوری کا تاوان بھرنے پر مجبور ہوا جو چوری اس نے کی نہیں تھی۔'' اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اور آنکھیں شعلہ بنی ہوئی تھیں۔

''تمہارا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے ابھی تم سے کوئی بات کرنا فضول ہے۔'' ان کو اس کی آنکھوں سے خوف آنے لگا تھا جو ان کو آئینہ دکھا رہی تھیں اور اس آئینے میں ان کو اپنا چہرہ اس قدر مکروہ و بدہیت دکھائی دے رہا تھا کہ وہ گھبرا کر رہ گئی تھیں۔

''نانو...... ہم کون ہیں' کہاں سے تعلق ہے ہمارا؟'' اس کے حواس گم ہو رہے تھے' دماغ بھی گویا ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ بڑی زبردست چوٹ لگی تھی' بہت شدت کا دھچکا پڑا تھا کل تک جن پھولوں کی وادی میں وہ پلتی آئی تھی یکلخت یہاں کانٹے اُگ آئے تھے۔

''اُنشی...... میری جان' بات کو سمجھنے کی کوشش کرو' مجھ سے بدگمان نہیں ہو' میں جو کچھ کر رہی ہوں تمہارے بھلے کے لیے ہی کر رہی ہوں۔'' اس کی ذہنی طور پر بگڑتی حالت دیکھ کر ان کے تیور نرم پڑے تھے لیکن وہ بھربھری دیوار کی مانند گرتی چلی گئی تھی۔

وہ آنسو بہانا نہیں جانتی تھی اور گزرے ان تین دنوں میں آنسو بن کر رہ گئی تھی' ان تین دنوں میں اس کی دنیا بدل کر رہ گئی تھی۔ کل تک وہ آسمان پر پرواز کرتی تھی اور اب پاتال کی تہہ میں آن گری تھی ذاتی افتخار و عزت نفس کی سربلندی ہی تو حیات کو جاوداں کرتی ہے وہ اس سے چھن چکا تھا وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو گئی تھی۔

نانی جان چھڑا کر جا چکی تھیں پھر انہوں نے کئی دنوں تک اس کا سامنا نہیں کیا تھا' بالی اس کا سایہ بنی ہوئی تھی ہر دکھ میں ساتھ دینے والی اپنے ہاتھوں سے وہ اس کے لیے طرح طرح کی ڈشز بنا کر لاتی اور کسی نہ کسی طرح اس کو تھوڑا سا ہی کھلانے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔

❁......❁......❁

موبائل فون پر آنے والی کال نے اس کے چہرے پر سنجیدگی کو گہرا کر دیا تھا۔

''سالے صاحب...... آپ بہت مصروف رہتے ہیں کبھی کال کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی آپ کو میں نے سوچا میں خود ہی کال کر لوں۔'' دوسری طرف سے پیارے میاں کی کچھ شوخ کچھ شکوہ بھری ملی جلی آواز تھی۔

''جی ہاں...... میرا اپنا بزنس ہے بزی رہتا ہوں۔''

''سالے صاحب...... اللہ آپ کو ہمیشہ ایسا ہی مصروف رکھے میری دعا ہے مگر میرا بھی تو خیال کریں ذرا آپ۔''

''یہ سالے صاحب..... سالے صاحب کہنا بند کرو سیدھے طریقے سے میرا نام لو زید نام ہے میرا۔ سالے صاحب یہ نام ہتھوڑے کی مانند لگتا تھا' دل و دماغ کو ضربیں لگ رہی ہوں۔''

''یہ بھی خوب کہی آپ نے میں تو سودہ کی وجہ سے آپ کو سالہ کہہ رہا تھا اگر آپ برہم ہو رہے ہیں تو سوری کبھی بھی یہ لفظ نہیں کہوں گا آپ کو آپ کے نام ہی سے پکارا کروں گا۔'' دوسری طرف وہ بری طرح گھبرا کر مصالحتی لہجے میں بولا۔

''تھینکس' اب بتاؤ کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''زید بھائی' اصل بات یہ ہے کہ میں..... سودہ سے بات کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے کہ فون ہی نہیں اٹھاتی' صرف ایک بار اٹھایا تھا میری آواز سننے کے بعد بات ہی نہیں کی لائن کاٹ دی تھی۔ میرا دل کر رہا ہے سودہ سے ملنے کو اس سے بات کرنے کو نہ وہ بات کرتی ہے نہ ملنے کو تیار ہے۔'' وہ لان میں براجمان تھا جہاں سرمئی شام ہر سو پھیلی ہوئی تھی' ہوائیں بھی ٹھنڈی اور تیز چل رہی تھیں لیکن اس کو گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا پیارے میاں کا ایک ایک لفظ بلٹ بن کر دل میں اترتا جا رہا تھا دوسری طرف وہ کسی کلوز فرینڈ کی طرح اپنے جذبات اس سے شیئر کر رہا تھا۔

''میں اپنی ماں کی نیچر کو جانتا ہوں' نامعلوم کب اور کس وقت ان کی نظر بدل جائے اور وہ سودہ کو چھوڑ کر کسی اور لڑکی سے میرا رشتہ کریں اور سچی بات تو یہ ہے کہ مامی کی بھی نیت میری اور سودہ کی شادی کرنے کی نہیں ہے۔ میں کئی بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آیا سودہ میرے سامنے ہی نہیں آئی اور مامی کا رویہ بھی مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔''

''مجھ سے کیا چاہتے ہو تم؟ یہاں میں تمہاری کوئی ہیلپ نہیں کر سکتا۔'' وہ خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگا تھا اور دل کے کسی خفیہ گوشے میں طمانیت آمیز خوشی بھی ابھری تھی کہ سودہ کا دل ہر نقش سے پاک ہے ابھی۔

''آپ ہی تو میری مدد کر سکتے ہیں زید..... مجھے معلوم ہے گھر میں آپ کا ہی سکہ چلتا ہے آپ کی بات کو کوئی رد نہیں کر سکتا حتیٰ کہ سودہ بھی نہیں' آپ کہیں گے تو وہ بات کرنے پر بھی تیار ہو جائے گی اور ملنے کو بھی۔'' وہ منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا بے حد آس و امید تھی۔

''تم مجھے سخت ناپسندیدہ واہیات کام کرنے کا کہہ رہے ہو اگر تم یہ بکواس میرے روبرو کرتے تو میں اسی وقت تمہارا گلہ دبا دیتا۔ میں تم کو ایسے گھٹیا کام کروانے والا لگتا ہوں۔'' ایک دم ہی غیض و غضب کا طوفان شریانوں میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔

''اوہ..... پلیز پلیز زید بھائی۔''

''شٹ اپ' نیکسٹ ٹائم فون مت کرنا۔'' غیض و غضب کا طوفان ایک دم ہی اس کی ہستی کو لپیٹ میں لے چکا تھا۔ دوسری طرف وہ بری طرح گڑگڑا رہا تھا' اس نے پروا نہ کرتے ہوئے کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔ پیارے میاں کی سطحی ذہنیت نے اس کا دماغ گھما ڈالا تھا کہ اس نے یہ سوچا بھی کیوں کہ اس گھر میں پرورش پانے والی لڑکی ڈیٹ پر جائے گی؟ ابھی وہ اپنے غصے پر قابو نہ پایا تھا کہ حیران و پریشان سا شاہ زیب وہاں آیا تھا حسب عادت سلام کر تا وہ اس سے بغل گیر ہوتا ہوا بولا۔

''یہ میں کیا سن رہا ہوں بھائی..... سودہ کو کسی پیارے میاں کے حوالے کرنے کی تیاری کی جا رہی ہے یہ کس طرح ممکن ہے سودہ کسی اور کی بنا دی جائے؟''

''اس میں ممکن اور ناممکن کی کیا بات ہے لڑکیاں جب شادی کے لائق ہو جائیں تو فرض بنتا ہے ان کو جلد از جلد رخصت کرنے کا اور اسی فرض سے تایا جان سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔'' وہ بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

''تایا جان ضرور اپنے فرض سے سبکدوش ہوں لیکن وہ پیارے میاں کون ہوتا ہے سودہ سے شادی کرنے والا۔'' وہ جذباتی انداز میں بولتا ہوا خاموش ہوا تھا' زید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''گڈ' میرا گمان درست نکلا سودہ سے تمہارا تعلق دوست اور کزن والا نہیں تھا۔ تم اس سے محبت کرتے ہو تب ہی اس کی شادی کا سن کر تم بھاگے چلے آئے حالانکہ فرانس سے آئے تم کو چند گھنٹے ہی ہوئے ہیں۔'' وہ پھر ایک کرب میں مبتلا ہو کر سوچنے لگا تھا۔

''بھائی..... کیا یہ ممکن نہیں ہے' سودہ کی شادی کے فرض سے تایا بھی فارغ ہو جائیں اور..... اور سودہ یہاں سے کہیں جائے بھی نہیں۔'' اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں وجیہہ چہرے پر تذبذب تھا لائٹ پرپل شرٹ و لائٹ کلر جینز میں وہ اس کو اپنا

عکس دکھائی دے رہا تھا۔ سوتیلی ماں کی کوکھ سے جنم لینے کے باوجود بھرپور نقوش اس کی ذات میں اس کے موجود تھے لوگ ان دونوں کو سگا بھائی سمجھتے تھے۔

''بھائی...... میں جو کہنا چاہ رہا ہوں آپ سمجھ رہے ہیں ناں؟''

''ہوں' میں بہت پہلے سمجھ گیا تھا تمہاری خواہش کو' تمہاری آرزو کو۔''

''بھائی...... آپ سے ایک بات کہوں' مائنڈ تو نہیں کریں گے؟'' اس کی گمبھیر خاموشی اس کو کنفیوژ کررہی تھی۔

''میں سن رہا ہوں تم جو کہنا چاہتے ہو کہو۔'' اس کو اپنی آواز ہی اجنبی لگی اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا آنکھوں میں رقصاں وحشت شاہ زیب کے حواس گم کیے دے رہی تھی بات ہی ایسی تھی کہ زبان ساتھ نہ دے پارہی تھی۔

''اب بول بھی دو کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ بے زار ہوا۔

''بھائی...... بھائی آپ سودہ سے شادی کرلیں۔''

❁......❁......❁

ایک ہفتے سے زائد وقت گزر گیا تھا' انشراح یونیورسٹی آرہی تھی نہ کال ریسیو کررہی تھی اور کئی بار گھر جانے پر چوکیدار نے گیٹ سے ہی یہ کہہ کر واپس کردیا تھا کہ کوئی بھی گھر میں موجود نہیں ہے۔ آج یہی بات اس نے جب فری پیریڈ کے دوران کیفے ٹیریا میں بابر کو بتائی تو وہ بھی پریشان ہوگیا تھا اور اس کی طرح اس کا دھیان بھی انشراح کی نانی کی طرف گیا تھا۔

''یہ خاصی پریشان کن بات ہے انشراح کبھی بھی اس طرح یونیورسٹی سے غائب نہیں ہوئی' وہ چھٹی نہیں کرتی۔'' وہ بھاپ اڑاتا کپ رکھتا ہوا بولا۔

''اس کی نانو کی طرف سے نہ جانے کیوں طبیعت بے چین سی رہتی ہے اور اب اُشی کا یہاں نہ آنا' فون کا آف ہونا' گھر میں نہ ملنا کسی بڑے خطرے کی علامت لگ رہا ہے۔'' عاکفہ روہانسے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تمہارا کیا خیال ہے انشراح کسی خطرے میں ہوسکتی ہے؟'' بابر بے دھیانی میں نوفل سے مخاطب ہوا تھا جو اُن کے تفکر و پریشانی سے یکسر بے نیاز چیز برگر کھانے میں مگن تھا۔

''ہاہاہا...... خطرے میں؟ مجھے امید ہے وہ کسی اور کو الو بنا رہی ہوگی۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں نوفل بھائی آپ؟ میں نے بتایا ناں آپ کو اُشی ایسی نہیں ہے آپ کو بلیک میل اس کی نانو نے کیا ہے وہ اس بلیک میلنگ سے ہی بے خبر ہے۔''

''تم یقین کرسکتی ہو اُن کی بات پر مجھے یقین نہیں ہے ان کے اصل چہروں سے میں واقف ہوگیا ہوں۔'' اس کی سرد مہری ہنوز تھی۔

''اوکے آپ کی خفگی اپنی جگہ لیکن معلوم تو ہو وہ کہاں ہے؟ اس طرح سے منظر سے غائب ہونے کی کوئی وجہ ہوگی اس کے لیے میں ہی نہیں ممی اور بابا بھی بے حد فکرمند ہیں۔''

''ایم سوری عاکفہ...... میں یہاں تمہاری کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوں۔'' اس نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا اور چائے پینے لگا۔ ذہن کی اسکرین پر چند دن پہلے کا منظر تازہ ہوگیا تھا جب وہ اس کے جواب پر پوری شدت سے زمین پر گری تھی اور اس نے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا کہ اس کی نگاہ میں وہ بھی ڈرامہ تھا۔

''نوفل...... تمہارا انداز بتا رہا کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔ انشراح سے کسی جھگڑے کے بعد ہی تمہارا ری ایکشن ایسا ہوتا ہے۔'' بابر اس کا نبض شناس تھا چونک کر استفسار کرنے لگا۔

''جھگڑا...... ہونہہ اس میں اتنی اہمیت ہے جو مجھ سے جھگڑا کرے؟'' عاکفہ کے دل کو سخت چوٹ پہنچی تھی وہ جس انداز میں انشراح کا ذکر کررہا تھا اس میں بے حد حقارت و توہین پنہاں تھی گویا وہ کوئی گری ہوئی اخلاق باختہ لڑکی ہو۔

''نوفل بھائی...... پلیز آپ اُشی کی انسلٹ مت کریں وہ میری دوست ہے۔''

''اس کی اصلیت سے واقف ہونے کے باوجود بھی اس کی دوست بن رہی ہو' یہ میرے لیے دکھ کی بات ہے کہ میں تم کو بہن

سمجھتا ہوں۔" وہ ناگواری سے منہ بنا کر گویا ہوا۔

"میں نے آپ کو بتایا ناں آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس سے بے خبر ہے۔"

"خیر، ہمیں پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے انشراح کہاں اور کس حال میں ہے؟ اگر وہ بے خبری میں اس بڑھیا کی کسی ایسی ویسی پلاننگ کے پھندے میں پھنس گئی تو بہت مسئلہ بن جائے گا۔" بابر نے بحث کو سمیٹا۔

"بائے بائے، میری تمام نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" وہ اپنی کار میں بیٹھتا ہوا استہزائیہ انداز میں ان سے مخاطب ہوا اور تیزی سے کار دوڑاتا آگے نکل گیا تھا۔

❀......❀......❀

شاہ زیب کی بات پر وہ کئی لمحے تک شاکڈ رہ گیا کوئی جواب نہ دے سکا اس کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ ہوا جبکہ وہ مطلبی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"سودہ اور آپ کو عمر بھر ساتھ دیکھنے کی خواہش میری ہی نہیں پاپا اور تایا جان کی بھی ہے وہ یہی چاہتے ہیں سودہ آپ کی شریک حیات بنے پھر آپ کو بھی معلوم ہوگا سودہ کے پاپا کی ڈیتھ کے دوسرے دن ہی اچھی آپا نے صوفیہ پھوپو اور سودہ کو ان کے ہی گھر سے نکال دیا تھا اور سالوں پلٹ کر خبر تک نہیں لی تھی۔ گزشتہ کچھ دنوں سے وہ یہاں آنے لگی ہیں اور اب سودہ کو بہو بنانے کی جوڑ توڑ انہوں نے لگائی ہے اس کے پیچھے بھی کوئی لالچ ضرور ہوگی۔" وہ اس کو راضی کرنے کے لیے سرے سے سرے سے ملا رہا تھا اور وہ کرسی کی بیک سے سر ٹیکا کر آنکھیں موند کر بیٹھ گیا تھا۔

بے حد شرمندگی و بیکی کا احساس دل کو مضطرب کیے دے رہا تھا اپنا لمبا قد اس کے آگے بے حد چھوٹا و کمزور لگا۔ وہ اس کے اور سودہ کے حوالے سے نیک و خوب صورت خیالات رکھتا تھا اور وہ کتنی ذہنی پسماندگی اور گراوٹ کا شکار تھا کہ اس کو اور سودہ کو دیکھ کر ہمیشہ منفی سوچ و خیالات کے گرداب میں ہی بھٹکتا رہا تھا۔

"سودہ جیسی لڑکی قسمت والوں کا نصیب بنتی ہے وہ اس دور کی لڑکیوں سے بالکل جدا و منفرد ہے باحیا، باوفا، حساس و سادہ، میں نے اپنی لائف میں جتنی لڑکیاں دیکھی ہیں ان میں ایک بھی لڑکی ایسی نہیں ہے۔"

"پھر تم خود ہی کیوں اس کو اپنا لائف پارٹنر نہیں بنا رہے ہو؟" اس کو یاد آیا وہ اس کے لیے شجر ممنوعہ تھی، کوئی کھوئی ہوئی دعا تھی اس کو پانے کی راہ میں جنت حائل تھی اور جنت سے دستبرداری منظور نہ تھی۔

"میں نے جب بھی اس کا تصور کیا آپ کو ہی اس کے ساتھ کھڑا پایا ہے میرے دل میں کبھی سودہ کے متعلق منفی خیال آیا ہی نہیں جب بھی اس کو دیکھتا ہوں برادرانہ محبت پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں بھائیوں کی مانند محبت و اپنائیت تھی۔

"یہ خواہش تمہاری محض خواہش ہی رہے گی، خواہشیں کبھی پوری نہیں ہوتی۔ خواہشیں حسرت بنتی ہیں یا پھر......نوحہ۔" وہ سیدھا بیٹھتا ہوا مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

"بھائی......یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ گویا کرنٹ کھا کر پلٹا تھا۔

"کیا کمی ہے سودہ میں؟"

"بات کمی یا زیادتی کی نہیں ہے۔"

"آپ کسی دوسری لڑکی میں انٹرسٹڈ ہیں کیا؟"

"فضول بات مت کرو۔" وہ جز بز ہوا۔

"کیا آپ سودہ کو پسند نہیں کرتے؟" آہستگی سے گویا ہوا۔

"نہیں۔" خاصی دیر بعد سخت آواز ابھری تھی۔

"نہیں میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہیں نہیں۔"

"کیا بکواس ہے؟" وہ جھنجھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرے سوال کا جواب دیے بغیر آپ نہیں جا سکتے یہاں سے۔" وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تمہارا دماغ درست نہیں ہے کیا شاہ زیب؟"
"جو آپ کو لگے میں پروا نہیں کرتا لیکن یہ اعتراف آپ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کریں کہ آپ سودہ کو پسند نہیں کرتے؟ پھر میں آپ کو بھی فورس نہیں کروں گا۔" ہر دم ہنسنے ہنسانے والے شاہ زیب کا یہ نیا روپ تھا جو ذمہ داریوں اور محبت سے لبریز تھا زید کو دنگ کر گیا تھا۔
"تم کو احساس ہے تم مجھ سے بدتمیزی کر رہے ہو؟"
"سوری لیکن آپ کو مجھے بتانا ہوگا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔" وہ پتھر کی لکیر کی مانند اپنی جگہ پر اٹل تھا۔
"سنو! میں اس لڑکی سے اس وقت سے نفرت کرتا ہوں جب نفرت کے لفظی معنی سے بھی نابلد تھا اور اب میری نفرت کا تعین وقت بھی نہیں کرسکتا جو میں اس سے کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔" اس نے بہت دلیری کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جما جما کر لفظ ادا کیے تھے لہجہ مضبوط تھا آواز میں ٹھہراؤ تھا صرف آنکھیں تھیں جن میں نمی اُمڈ کر آرہی تھی۔
پھر وہ رکا نہیں تھا، تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا شاہ زیب گم صم کھڑا اس کو نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھتا رہا تھا اس سے بے خبر کہ ناریل کے درخت کے پیچھے عمرانہ بیگم کھڑی ساری گفتگو سن چکی تھیں۔ دراصل زید کو اس کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر وہ غصے سے بھری وہاں آرہی تھیں اور وہاں ان کو اس موضوع پر بحث کرتے اور شدت نفرت سے سودہ کا ذکر وانکار سن کر وہ خوشی سے بے حال ہوگئی تھیں۔

❀.......❀.......❀

جدا ہوتا کوئی ہم سے تو ہم آنسو بہاتے تھے
بچھڑ جائے کوئی اب تو خوشی محسوس ہوتی ہے
بسا اوقات یوں ہوتا ہے جیسے ہم نہیں ہوتے
سبھی ہوتے ہیں پر اپنی کمی محسوس ہوتی ہے

وہ جو کل تک خود کو آسمان کی وسعتوں میں چمکتا ستارہ سمجھتی آئی تھی جس کی پرواز ہمیشہ بلندیوں پر رہی تھی بہت افضل و عالی ذات کے تفاخر میں زندگی گزارتی آئی تھی پھر نا معلوم کیا ہوا تھا؟ وہ چمکتا دمکتا ستارہ اچانک ہی اپنی تابندگی سے دستبردار ہوکر آسمان کی بلندیوں سے گر کر زمین کے اس حصے میں گرا تھا جو تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی جس کا وجود غلاظتوں سے اس حد تک اٹا ہوا تھا کہ وہ خود صرف غلاظت ہی بن کر رہ گئی تھی۔
دن کی روشنی اس زمین پر اترتی ہے تو کوئی اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتا کراہت ونفرت سے دور ہی دور سے گزر جاتے ہیں کوئی دیکھتا بھی ہے تو نفرت سے تھوک کر چلا جاتا ہے۔ اس تاریک بدبودار غلاظت سے بھری زمین پر لوگ رات کو آتے ہیں اپنا گند پھینکتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، دن کی روشنی میں اجلے ملبوس میں وہاں تھوک کر جاتے ہیں اور وہ بھی ایسی ہی غلاظت سے بھری تاریک زمین کا حصہ تھی۔ بچپن سے نانی ان گنت جھوٹ بولتی آئی تھیں، قدم قدم پر فریب و مکاری کے جال میں جکڑتی آئی تھیں، بڑے بڑے سنہری، روپہلے جگمگ کرتے دھنک رنگ خوابوں کی ردا میں ملفوف رکھا تھا۔ کئی اذیت ناک بہلاوے تھے، وہ والدین کے ذکر پر کہتی تھیں۔
"تمہاری ماں نے میری مرضی کے خلاف کورٹ میرج کی تھی تمہارے باپ سے اور میں نے اس جرم کی پاداش میں اس سے تعلق ختم کرلیا تھا اور وہ بھی محبت کے نشے اور جوانی کے خمار میں مجھ سے بغاوت کرکے چلی گئی تھی۔"
"پھر جب سب تعلقات ختم ہوگئے تھے تو میں آپ کے پاس کیسے آئی؟" کسی وقت میں کھلکھلاتے ہوئے اس نے دریافت کیا تھا۔
نانی نے پہلے گھور کر اس کی طرف دیکھا تھا ہیرے کی طرح چمک دار براؤن آنکھوں میں شرارت تھی، ہاتھ میں پکڑے سرخ سیب کو وہ مزے سے کھا رہی تھی اور وہ کشمیری سیب اس کے رخساروں کا ہی حصہ محسوس ہو رہا تھا۔
"بہت کمینی ہو دل جلانے میں بالکل اپنی ماں پر گئی ہو وہ بھی اسی طرح مجھے سلگا کر مزے لیتی تھی لیکن جب لڑکیاں ماؤں کو اپنا

تندرستی کی حفاظت، حسن کی بقا اور جوانی کے دوام کیلئے نباتاتی مرکبات سب سے بہترین ہیں (یورپین ہیلتھ کونسل)

پاکستان میں قدرتی جڑی بوٹیوں پر تحقیق کرنیوالے ادارے کے نامور اور
سینئر ترین ماہرین کی شبانہ روز کاوش کی بدولت سائنسی اصولوں پر تیار کردہ
خالص نباتاتی مرکبات، قدرت کی تخلیق اور ہماری تحقیق کا شاندار نتیجہ

اب..... پُرمسرت اور صحت مند زندگی
سب کیلئے ..... سدا کیلئے
بھریئے اپنی بے رنگ زندگی میں قوسِ قزح کے
رنگ اور پھیکی زندگی میں گھولئے خوشبوؤں کا رس

پھیلائیے مسکراہٹوں کی خوشبو اور گزاریئے خوش و خرم زندگی۔ حسن و صحت کے تمام مسائل کے حل، ادویات کی ترسیل اور آن لائن مشورہ کی سہولت

نباتاتی نکھار کورس

قدرتی فارمولا جس سے رنگت گوری چٹی اور داغ دھبے، کیل مہاسے، چھائیاں، فالتو بال ہمیشہ کے لئے ختم، سانولی رنگت بنے حسن گلاب اور آپ نظر آئیں حسین۔ شگفتہ جلد کے ساتھ اپنی طبعی عمر سے کہیں کم، جاذب نظر، تندرست و توانا، پاک و چمکدار، کھلا کھلا چہرہ رنگ و نور کی برسات کیساتھ کہ آپ خود شرما جائیں۔

قیمت دوا 1 ماہ -/4000 روپے

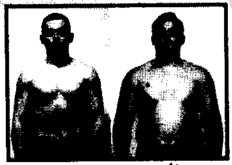

نباتاتی اکسیر موٹاپا کورس

موٹاپے کا کامیاب ترین علاج لٹکے ہوئے پیٹ کو کم کرنے، کمر کو پتلا کرنے
کولہوں و جسم کے موٹے حصوں سے فاضل چربی کے اخراج کی خصوصی دوا

قیمت دوا 1 ماہ -/5000 روپے

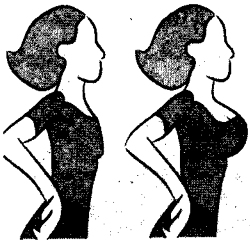

نباتاتی فِگر اپ کورس

نسوانی حسن کی حفاظت، نشوونما، سڈول اور صحت مند بنانے کی خاص دوا
اب نسوانی حسن جتنا آپ چاہیں

قیمت دوا 1 ماہ -/4000 روپے

نوٹ: خواتین کے حسن و صحت سے متعلق علاج و مشورہ کیلئے شعبہ تشخیص و تجویز سے رابطہ کریں
یہ کورس صرف ہمارے ادارہ سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ہوم ڈلیوری کیلئے ابھی رابطہ کریں
کتاب "صحت مند زندگی سب کے لئے، سدا کے لئے" ادارہ سے منگوائی جا سکتی ہے

Idara Tehqeeq-e-nabataat
ادارہ تحقیق نباتات

ادارہ تحقیق نباتات

چوک مہر انوار الحق پلازہ معصوم شاہ روڈ ملتان۔ فون: 061 677193، موبائل: 0345-888193

دشمن سمجھنے لگتی ہیں اور ان سے اپنے دل کے راز چھپانے لگتی ہیں تو پھر ایسی لڑکیوں کا کوئی ہمدرد نہیں ہوتا ہے پھر والدین کی عزت کو داغ دار کر کے گھر سے نکلنے والی لڑکیاں بٹتی ہوئی خیرات بن جاتی ہیں جو کسی کی مٹھی میں آ کر وقتی بھوک مٹانے کا باعث تو بن سکتی ہیں مگر گھر کی عزت وہ کبھی نہیں بن پاتی۔ نویرہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تمہارے باپ کے پاس جب تک دولت رہی وہ نویرہ کو لے کر ہوٹلوں میں گھومتا رہا نویرہ کو محبت کے جام پلا پلا کر مدہوش کرتا رہا۔ جیب خالی ہوئی پھر محبت و چاہت کے گلاب بھی مرجھاتے چلے گئے اور وہ گھر والوں کی شرط پر نویرہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔''

''نانو..... آپ تو کہتی تھیں میرے بابا کی ڈیتھ ہوگئی تھی؟'' وہ اچھلی۔

''ارے ہمارے لیے تو وہ منحوس مر ہی گیا ناں اور اسی دکھ میں نویرہ چند ہفتوں بعد تمہیں جنم دے کر اس دنیا سے چلی گئی۔ ارے تم کو کیا ہوا؟'' بولتے بولتے وہ اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوئیں جو ایک دم ہی گم صم و زرد ہوگئی تھی انہوں نے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوگیا بچہ..... ابھی تم بالکل ٹھیک تھیں۔''

''میرے بابا زندہ ہیں..... آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا میں ان سے ملنا چاہتی ہوں آپ مجھے ان کے پاس لے کر چلیں۔''

''میں کیسے ملوا سکتی ہوں تم کو اس سے' وہ نویرہ کو طلاق دینے کے کچھ دنوں بعد ہی روڈ ایکسیڈنٹ میں مر گیا تھا۔'' وہ اطمینان سے بولیں۔

''سچ کہہ رہی ہیں نانو آپ؟'' وہ ان کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''جھوٹ کہہ رہی ہوں تو جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو؟ دو بیٹیاں تھیں میری نویرہ اور روشن آراء۔ روشن بھی نویرہ کے نقش قدم پر چلنے والی تھی نا معلوم کب اور کہاں اس کو ایک ملا بھا گیا اور اس کی لمبی داڑھی میں اس کا دل ایسا الجھا کہ وہ کسی اور کی طرف دیکھنے پر راضی نہ ہوئی اور ممکن تھا وہ بھی کورٹ میرج کر کے دفع ہو جاتی کہ اس ملا نے ہامی نہ بھری اور چار لوگوں کی موجودگی میں نکاح کر کے لے کر اس کو رخصت ہوا تھا اور گھر سے ہی نہیں پاکستان سے بھی امریکہ لے گیا اور بیس بائیس سال بعد بھی پلٹ کر نہیں آئے وہ لوگ' صرف فون پر ہی دعا سلام کرنے کی اجازت ہے۔'' کئی بہروپ تھے ان کے اور ہر روپ پہلے سے زیادہ بھیانک اور مکروہ ان کی ذات جھوٹ کا پلندہ تھی۔ شر و فریب کا ایک جال جو کوئی مکڑی بھی نہ بن سکے تاں تو اس کی مرگئی تھی۔

''ماں..... مقدس و پاکیزہ وجود جس کا تصور ہی دل کو ٹھنڈک اور آنکھوں کو روشنی عطا کرتا ہے جس کی محبت کو رب کائنات نے اپنی محبت سے تشبیہہ دی ہے کہ رب فرماتا ہے ''میرے بندوں میری محبت ستر ماؤں کی محبت سے بڑھ کر ہے'' اس عظیم و رحیم پروردگار نے عورت کو کیسا اعلیٰ رتبہ دیا ہے لیکن اس عورت کا کیا رتبہ جو بیوی نہ بنے اور ماں بن جائے؟ ہاں اس جھوٹ کے پلندے سے ایک سچ باہر آیا تھا۔ وہ نیم اندھیرے کمرے میں آئینے کے آگے بیٹھی اپنے عکس سے باتیں کر رہی تھی۔

''ارے تم ہنس رہی ہو؟ ہاں ہنس لو مگر میری بات غور سے سنو سچ ہمیشہ جھوٹ کی اوٹ سے ہی نمودار ہوتا ہے کیونکہ جھوٹ کا کوئی وجود نہیں ہے جیسے کسی سیاہ بادل کا ٹکڑا لمحوں کے لیے سورج کو ڈھانپ لیتا ہے۔'' اس کے بال بکھرے ہوئے تھے دوپٹہ قدموں میں گرا ہوا تھا آنکھوں میں وحشت تھی اور وہ اپنے عکس سے باتیں کرتے ہوئے کبھی ہنستی تھی کبھی روتی تھی۔

''وہ عورت جس کو میں آج تک اپنی ماں سمجھ رہی تھی وہ ماں نہیں صرف ایک عورت تھی۔ ایسی عورت جو اپنے نفس کی پرستش کرتی تھی جس نے مرد کو محبوب کا حق تو دیا مگر خود جس سے جائز بیوی اور جائز ماں بننے کا حق نہ لے سکی اور ایک ناجائز بیٹی پیدا کر کے دنیا سدھار گئی۔''

❀......❀......❀

رات زید کے منہ سے سودہ کے لیے نفرت بھری باتیں سن کر عمرانہ کی روح تک شانت ہوگئی تھی وگرنہ ان کو ہر دم یہی دھڑکا لگا رہتا کہ سودہ کی خدمت گزاری اور تابعداری زید کے دل میں کوئی جگہ نہ حاصل کرلے' سگھڑ و نیک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ موہنی صورت کے علاوہ عجیب ہی کشش رکھتی تھی' سادہ' پروقار و تمکنت۔

دل ہی دل میں وہ بھی اس سے مرعوب رہتی تھیں اور اگر حالات الٹ ہوتے تو پہلی فرصت میں وہ اس کو اپنی بہو بنا چکی ہوتیں کہ اس جیسی پروقار اور شاہانہ رکھ رکھاؤ سے رہنے والی لڑکی زید کے ساتھ سوٹ کرتی تھی مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ مدثر کی بھانجی تھی اور

بھانجی بھی وہ جو اُن کو دل سے عزیز تھی۔ مدثر سے جڑے ہر رشتے کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں رات کو پہلی فرصت میں وہ فون کر کے رضوانہ کو ایک ایک بات کئی کئی بار بتا چکی تھیں رضوانہ سے عروہ تک ہر بات پہنچ چکی تھی۔ مائدہ کے کالج سے آنے کے بعد وہ اس کے ہمراہ رضوانہ کے گھر چلی گئی تھیں جہاں ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال ہوا تھا۔

''بس میری جان! اب وہ دن دور نہیں جب تمہاری اس خوب صورت انگلی میں زید کے نام کی ڈائمنڈ کی انگوٹھی چمک رہی ہوگی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسرت بھرے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔ رضوانہ بیگم نے بھی تائید کی تھی عفرا اور مائدہ بھی خاصی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں ان کی خوشیوں کے برعکس عروہ یقین و بے یقینی کے بھنور میں ڈوب اور ابھر رہی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کیا میں اتنی خوش نصیب ہوں کہ زید کے نام کی رنگ میری انگلی میں سج جائے کیا وہ مجھ سے محبت کر سکتا ہے کیا میرا مقدر اس قدر زور آور ہو سکتا ہے کہ وہ میرا بن جائے؟'' اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی عجیب خوشی و تعجب تھا۔

''یس مائی چائلڈ...... یہ سب ہو سکتا نہیں ہو گیا ہے زید نے خود اپنے منہ سے سودہ سے بے تحاشہ نفرت و اکتاہٹ کا اظہار کیا ہے۔''

''لیکن مجھ سے محبت کا اقرار بھی تو نہیں کیا؟''

''وہ بھی کرے گا میری جان، وقت آنے والا ہے اور دیکھنا تمہارا پلو اسے کسی مضبوط گرہ کی مانند بندھ جائے گا یہ دعویٰ ہے میرا۔'' انہوں نے اسے گلے لگا کر پُر یقین لہجے میں کہا اور وہ مسکرا دی تھی۔ ملازمہ ٹرالی رضوانہ کے روم میں ہی لے آئی تھی اور سرو کرنے لگی تھی۔

''تم جا کر رات کے کھانے کی تیاری کرو چائے ہم خود لے لیں گے۔'' رضوانہ نے پلیٹ پکڑتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا ملازمہ سر ہلاتی چلی گئی۔

''میں نے آج صبح سے ہی زید کی پسندیدہ ڈشز کی تیاری شروع کر دی تھی میٹھے کا تمام آرڈر میں نے ریسٹورنٹ کو دیا ہے۔''

''اوہو...... داماد کی ابھی سے آؤ بھگت شروع کر دی بجیا واہ......'' عمرانہ نے دہی بڑے کھاتے ہوئے شوخی سے بہن کو چھیڑا۔

''تم نے تو آج تک باقاعدہ رشتہ دیا نہیں مگر میں نے تمہاری محبت میں اس اہم بات کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی کہ میں تمہاری ذہنی حالت سے واقف ہوں وگرنہ کوئی اور ہوتا تو میں اتنا آسانی سے عروہ کا رشتہ دینے والی نہیں تھی کہ عروہ لاکھوں میں ایک ہے اور بڑی جائیداد کی مالک بھی۔'' چائے پیتے ہوئے رضوانہ نے شکوہ کرنے کے ساتھ ساتھ بیٹی کی جائیداد بھی جتا دی تھی عمرانہ کے بولنے سے قبل مائدہ مسکرا کر کہنے لگی۔

''زید بھائی بھی کسی سے کم نہیں ہیں مرد بھلا کہاں خوب صورت ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں وہ بہت کم ہیں۔ ان کم مردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے اور جائیداد کی ان کو کوئی کمی نہیں بابا کی جائیداد تو آل ریڈی ان کی ہے ہی تایا جان بھی اپنی پراپرٹی ان کے نام کر چکے ہیں۔''

''ماشاء اللہ بڑا قسمت والا ہے زید اب عروہ کی پراپرٹی بھی اس کی ہوگی اس کی سات نسلیں آرام سے بیٹھ کر کھائیں گی۔''

''زید کا دماغ سب سے الگ ہے باپ کی جائیداد وہ لینے سے انکاری ہے منور بھائی کی جائیداد سے جو آمدنی آتی ہے وہ مختلف اداروں کے ٹرسٹ میں جمع کرا دیتا ہے۔ اس کو شروع سے اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے کا شوق ہے بزنس میں سخت سے سخت پریشانیاں اٹھائیں مگر کسی کے آگے دست دراز نہ کیا اور آج اس کی راہ سہل ہو گئی ہے۔'' عفرا اور مائدہ ان کو باتوں میں مصروف دیکھ کر چائے کے مگ لیے گیلری میں آ گئی تھیں عفرا بے چین ہو رہی تھی اس سے جنید کے متعلق جاننے کے لیے۔

''اب بھی وہ تم سے ملنے کی حامی نہیں بھر رہا ہے؟ اف اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی صرف فون کال تک ہی محدود ہے؟''

''ارے وہ بہت ہی دبو اور احتیاط پسند لڑکا ہے فون پر کم بات کرتا ہے دراصل اس کو بھائی کا بے حد خوف ہے بہت ڈرتا ہے بھائی سے۔'' وہ چائے کا سپ لیتی ہوئی بتا رہی تھی۔

دور سورج کی سرخ و زرد کرن آہستہ آہستہ درختوں کے پیچھے چھپ رہی تھی شام کا گلابی آنچل دھیرے دھیرے سرمئی

ہونے لگا تھا۔

"جنید سے ملاقات دوسرے کسی شہر میں ہی ممکن ہوسکتی ہے اس شہر میں ہرگز نہیں بھائی اس کو کسی بھوت کی مانند اپنا پیچھا کرتے ہر جگہ نظر آتے ہیں۔"

"پھر دیر کیوں کرتی ہو چند دنوں کے لیے کسی دوسرے شہر چلی جاؤ۔" عفرا نے چٹکی بجا کر حل نکالا۔

"ہاں بھائی جیسے جانے ہی دیں گے دوسرے شہر کیا بات کرتی ہو؟" وہ سخت برامان کر بولی۔

"جب اس کی خاطر موت کو گلے لگا سکتی ہو تو پھر کہیں جانا معمولی بات ہے۔" عفرا بھی منہ بنا کر گویا ہوئی۔

"طعنہ دینے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے اور عروہ کے کہنے پر ہی میں نے وہ سب کیا تھا یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔" عفرا کی بدلحاظی اس کو تپا گئی تھی۔

"ارے بابا کیوں آگ بگولہ ہو رہی ہو میں ممی سے بولوں گی وہ لاہور جانے کا پروگرام بنائیں دادی وہیں ہوتی ہیں کب سے بلا بھی رہی ہیں۔ اب یہ تمہارا کام ہے تم کس طرح جنید کو وہاں ملاقات کے لیے راضی کرتی ہو۔"

❀......❀......❀

"آنٹی...... میں نے اپنا دل آپ کے آگے کھول کر رکھ دیا ہے اب کیا جان سے گزر جاؤں جب آپ کو یقین آئے گا کہ میں انشراح سے کتنی محبت کرتا ہوں؟" کئی ہفتے گزر گئے تھے وہ اس کے دیدار سے بھی محروم ہو چکا تھا۔

جہاں آرا نے مراد کی بھی چھٹی کروی تھی خود بھی اس کو گھر آنے سے منع کر چکی تھیں پھر اس کے بار بار پوچھنے پر بھی وجوہات بتانے سے گریزاں تھیں آج وہ ان کو فالو کرتا ہوا شاپنگ سینٹر آیا تھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں اُنشی ایسی مچھلی ہے جو جل میں آتی ہے نہ ہاتھ میں آپ خوامخواہ اپنا ٹائم ویسٹ کر رہے ہیں اگر کہیں تو......"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"میں ٹائم ویسٹ کر رہا ہوں وہ...... وہ مچھلی ہے جو میرے ہاتھ نہیں آئے گی؟ میرا مال لوٹ کر ایک عرصے الو بنا کر مجھے گرین سگنل دے رہی ہو۔"

"آپے سے باہر مت ہو تم سے زیادہ آواز میری اونچی ہوئی تو ایک منٹ میں لوگ تمہیں جوتے مار کر یہاں سے نکالیں گے۔" وہ اس کے بگڑتے تیور دیکھ کر اطمینان سے کولڈ ڈرنک پیتی بولیں۔

"سوری ایم رئیلی سوری۔" اس کو کچھ لمحے لگے خود کو کمپوز کرنے میں۔

"میں آپ کی عزت کرتا آیا ہوں لیکن انشراح سے جدائی کی بات سن کر میں پاگل ہو جاتا ہوں میری سوچنے سمجھنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ ابھی آپ نے ایسی ہی بات کر دی تھی میں خود پر قابو نہیں کر پایا تھا۔" اس نے صاف گوئی سے مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔

"گڈ...... وری گڈ میں بھی دیکھنا چاہتی تھی آپ اُنشی سے کتنی محبت کرتے ہیں اس کے لیے کس حد تک جا سکتے ہیں۔" جہاں آرا بھی مسکراتی ہوئی شرارتی انداز میں گویا ہوئیں۔

"اوہ بہت بھولی ہیں آپ پھر آپ نے کیسا پایا مجھے؟"

"اپنی سوچوں سے بھی بڑھ کر پایا ہے آپ کو۔"

"رئیلی......! آپ کوئی مذاق تو نہیں کر رہی؟"

"مذاق تو پہلے کیا تھا اب تو سچ ہے۔" وہ رسٹ واچ دیکھتی کہنے لگیں۔

"انشراح کہاں ہے؟ خاصے دن ہو گئے ہیں اس کو دیکھے ہوئے۔"

"وہ بالی کے ہمراہ کچھ عرصے کے لیے لندن گئی ہوئی ہے۔"

"لندن...... وہاں کون ہے آپ کا؟"

”بہن بہنوئی رہتے ہیں وہاں میرے انہوں نے ہی بلایا ہے ان کو۔“

”آپ نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ آپ کی بہن لندن میں رہائش پذیر ہیں۔“

”کمبخت کہیں کا‘ میری توقع سے زیادہ چالاک ہے‘ کسی طرح جان چھوڑنے کو تیار نہیں ہے سوال پر سوال کیے جارہا ہے ہوشیار۔“ وہ بے حد غور سے ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

”ارے یہ کوئی بتانے کی بات ہے بیٹا...... کبھی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ اس موضوع پر بات ہوتی پھر ساری بات یہ ہے‘ انشراح کے علاوہ آپ کسی اور کی بات کرتے کب ہیں۔“ وہ ہنستی ہوئی بولی تھیں‘ انشراح کے نام پر وہ بھی مسکرانے لگا تھا۔

ان کو شاپنگ کرانے کے بعد وہ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں لنچ کرنے آئے تھے اور لنچ کے دوران گفتگو ہورہی تھی۔

”کب واپسی ہے لندن سے ان کی؟“ وہ نیپکن ہٹاتا استفسار کرنے لگا۔

”ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی‘ دراصل طویل عرصے بعد گئی ہیں تو میری بہن جلدی کہاں آنے دیں گی‘ بے فکر رہیں۔ میں جلد بلانے کی کوشش کروں گی اور آپ ایسا کریں کھانا پیک کروادیں گھر لے کر جاؤں گی۔ وہ...... وہ ملازمائیں بھی میرے ساتھ ہیں‘ اکیلی ہوں نہ۔“ اس کی استفہامیہ نگاہوں سے گھبرا کر گویا ہوئیں۔

❀......❀......❀

ایک ماہ سے زائد کا عرصہ گزر گیا تھا انشراح گویا کھوگئی تھی۔ بابر اور عاکفہ اپنی کوششوں میں ناکام ہوگئے تھے‘ کہیں سے کوئی سراغ نہ مل رہا تھا۔ موبائل اس کا آف جارہا تھا‘ اس کے بنگلے کے گیٹ پر چوکیدار کی جگہ موٹے تالے نے لے لی تھی آس پاس کسی سے بھی ان کی واقفیت نہیں تھی کوئی نہیں جانتا تھا وہ لوگ کب اور کہاں گئے ہیں۔ بابر چند دن فکرمند ہوکر اپنی زندگی میں مگن ہوگیا تھا گھر پر ممی اور پاپا کے درمیان بھی وہ کئی دنوں تک گفتگو کا موضوع بنی رہی تھی پھر رفتہ رفتہ ہی اپنی روزمرہ کی مصروفیت میں گم ہوگئے تھے لیکن عاکفہ کی بے قراری کو کسی پل چین نہ تھا وہ کسی طرح بھی انشراح کو بھولنے کو تیار نہ تھی ہر لمحہ‘ ہر پل وہ اس کی یاد میں محو رہتی تھی۔ بابر کے ہاں سے پھر سے نکاح کرنے پر زور دیا جانے لگا تھا اس گھر میں بھی کسی کو اعتراض نہ تھا مگر عاکفہ نے بابر سے نکاح کے لیے ایک شرط رکھی تھی کہ وہ اس شرط پر نکاح کرے گی کہ نکاح سے قبل انشراح کو ڈھونڈ کر لایا جائے‘ ناکامی کی صورت میں وہ نکاح سے انکار کردے گی۔

”محبت کرنا میرے لیے عذاب بن گیا ہے یار...... تم سن رہے ہوناں اس کی شرط؟“ وہ جھنجھلا کر نوفل سے مخاطب ہوا جو غور سے سن رہا تھا۔

”محبت......“ وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

”جب محبت کی ہے پھر شرطیں بھی پوری کرو۔“

”اب میں ان محترمہ کو کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں جن کا کوئی اتا پتا ہی نہیں‘ معلوم نہیں ان کو آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔“

”سوری‘ یہاں میں آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کرسکتا بھائی۔“ انشراح کے ذکر پر حسب معمول اس کے لہجے میں سرد مہری در آئی تھی۔

”اگر تم کرنا چاہو تو بہت اچھی طرح کرسکتے ہو‘ دیکھو یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے تمہیں میری زندگی عزیز ہے تو تم کو میرا ساتھ دینا ہوگا‘ ابھی ابھی میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔“ وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہوا۔

”انشراح کے گیٹ پر جو چوکیدار ہوتا تھا اتفاقاً ایک دن میں نے اس کو ایک کوارٹر میں جاتے دیکھا تھا یقیناً وہ ہی اس کا گھر ہوگا۔“

”وہاں جا کر تم کیا کروگے؟“ اس کی خوب صورت آواز میں حیرت نمایاں ہوئی تھی۔

”مجھے یقین ہے وہ انشراح کی گمشدگی کے بارے میں آگاہ ہے سب جانتا ہے اس دن عاکفہ کو دیکھ کر جس طرح وہ بی ہیو کررہا تھا مجھے عجیب سا فیل ہوا تھا لیکن میں نوٹس اس لیے نہ لے سکا کہ ایک حد تک ہی میں اس معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا اور اب مجھے سمجھ آرہا ہے کہ دال میں ضرور کالا ہے۔ اب تم میرے ساتھ ایک خفیہ پولیس آفیسر کے روپ میں چلو‘ تم کو اداکاری بھی نہیں کرنی

پڑے گی چہرے سے ہی ایک سخت گیر آفیسر لگتے ہو۔“
”محبت تم نے کی ہے اس لیے خواری بھی خود ہی اٹھاؤ‘ میں تمہارے ساتھ کہیں جانے والا نہیں ہوں‘ کان کھول کر سن لو۔“
”پلیز..... پلیز‘ میری خاطر نہیں تو انسانیت کی خاطر میری مدد کرو‘ میں جانتا ہوں انشراح کے بارے میں جو تم جذبات رکھتے ہو مگر یہ کوئی جواز نہیں ہے کہ جس کو ہم ناپسند کرتے ہیں تو وقت پڑنے پر اس کی جان اور عزت کی بھی پروانہ کریں؟ ہمارے دین کی یہ تعلیم نہیں ہے۔“ نامعلوم وہ شرمندہ ہوا تھا یا محض اس کے لیکچر سے بچنے کے لیے اس کے ساتھ کچی آبادی کے اس کوارٹر تک چلا آیا تھا۔

جہاں وہ افغانی چوکیدار موجود تھا پہلے وہ بابر کو دیکھ کر چونکا اور پہچاننے سے انکار کردیا تھا۔ بابر نے سخت لہجے میں نوفل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ اندر جاتا ہوا رک گیا۔
”دیکھو لالہ..... یہ خفیہ پولیس کے بڑے آفیسر ہیں انشراح کو اچھی طرح سے جانتے ہیں اگر تم ان کو جو بھی کچھ معلوم ہے سچ بتادو گے تو تمہاری جان چھوٹ جائے گی اور کسی کو کانوں کان پتا بھی نہیں چلے گا بصورت دیگر یہ ابھی تم کو یہاں سے لے جائیں گے اور تمہارے گھر والوں کو تمہاری لاش ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔“ ایک تو اس کا لہجہ دہشت ناک دوسرا نوفل کے چہرے پر چھائی گہری سنجیدگی و خاموشی چوکیدار کو تھر تھر کانپنے پر مجبور کرگئی تھی اگر بابر بڑھ کر اس کو سہارا نہ دیتا تو وہ گر پڑتا۔
”صاب..... ہم کو ماف کردو‘ بیگم صاب نے ہم کو دھمکی دی تھی کہ کسی کو بھی بتایا تو وہ ہم کو جان سے مار دے گا‘ ہمارا گھر والوں کو بھی۔“
”گھبراؤ نہیں پولیس تمہارے ساتھ ہے بیگم صاحبہ کو کچھ معلوم نہیں ہوگا تم بتاؤ۔“ بابر نے اس بار بہت نرمی سے تسلی دی تھی۔
”وہ لوگ کہیں نہیں گیا گھر میں ہی ہیں‘ بڑے گیٹ کو تالا ڈال کر وہ بیرونی دروازہ سے آتا جاتا ہے۔“ وہ فرفر بول رہا تھا۔

❀.......❀.......❀

وہ لاؤنج میں بیٹھا لیپ ٹاپ میں مصروف تھا جب فون کی بیل بجی تھی‘ دوسری طرف اچھی آپا تھیں جو سودہ سے بات کرنے کی خواہش مند تھیں‘ ہوا کے ذریعے یہ پیغام وہ اس تک پہنچ چکا تھا۔
”السلام علیکم پھوپو.....“ چند لمحوں بعد سودہ کی آواز ابھری تھی‘ وہ دوسرے کمرے سے ایکسٹینشن فون اٹھا چکا تھا‘ نامعلوم کون سا تجسس تھا۔
”وعلیکم السلام! میں پھوپو کا بیٹا بات کررہا ہوں۔“ پیارے میاں کی شوخ آواز نے ایک طرف شرارے تن بدن میں دوڑائے تھے تو دوسری طرف مارے گھبراہٹ کے وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔
”تمہیں قسم ہے مامی جان کی سودہ..... جو تم نے لائن ڈسکنکٹ کی۔“ تیزی سے قسم دی گئی تھی گویا یقین تھا ابھی لائن کٹ جائے گی۔
”یہ کیا بے ہودگی ہے‘ میں کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں مجھے آپ سے بات نہیں کرنی پھر کیوں آپ ہر دوسرے تیسرے دن فون کرتے ہیں؟“ سودہ کے لہجے میں غصہ وجلال تھا سخت ناپسندیدگی جھلک رہی تھی۔
”پیار کرتا ہوں تم سے۔“
”بکواس بند کریں‘ شرم نہیں آتی آپ کو؟“
”شرم کی کیا بات ہے‘ فلرٹ نہیں کررہا شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ رومانٹک موڈ میں بولا تھا۔
”جب سے چندا نے موبائل میں تمہاری پک دکھائی تھی تب سے میری راتوں کی نیندیں اڑ گئی تھیں‘ سوتے جاگتے‘ اٹھتے بیٹھتے میں تمہیں ہی سوچتا تھا اور جب سے تمہیں دیکھا ہے قسم سے میں دیوانہ ہوگیا.....“ زوردار آواز کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھا گیا یقیناً وہ غصے میں ہوگی‘ ماں کی قسم کی لاج میں اس نے اس کی اتنی بکواس سن بھی لی تھی۔ اس نے بھی آہستگی سے ریسیور رکھ دیا تھا‘ گہرا سناٹا تھا جو رگ و پے میں کسی جھلسا دینے والے سیال کی مانند آگے ہی آگے بڑھتا جارہا تھا۔
”شیم آن یو زیدمدثر..... یہ کیسے منافقت بھرے راستے پر تم چل پڑے ہو کہ صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں۔

ایک طرف اس سے نفرت کا پرچار کرتے ہو اور دوسری طرف چھپ کر اس کی نگرانی کرتے ہو۔ کال سنتے ہوئے تمہارے دل نے تمہیں پہلے ہی آگاہی دی تھی کہ وہ کال پیارے میاں کی ہوگی اور یہاں تم سچے ثابت ہوئے اگر تم اتنے ہی سچے ہو تو اپنے دل میں چھپی سچائی کا سامنا کرو اور بتاؤ تم سودہ سے محبت کرتے ہو۔ وہ تمہارے دل میں دھڑکن بن کر جیتی ہے تمہاری سانسوں میں مہکتی ہے پیارے میاں کے منہ سے اقرار الفت بن کر تم ابھی حسد و غصے سے ادھ موئے ہورہے تھے پھر سودہ کے لبوں سے بے زاری و ناپسندیدہ لفظ سن کر تم جی اٹھے خوش ہوگئے گویا تمہاری ملکیت کسی کی ہوتے ہوتے پھر تمہاری بن گئی ہو زید صاحب...... یہ دہرے معیار کب تک چلاؤ گے؟ منافق کبھی کامیاب نہیں ہوتا دو کشتی میں سوار ڈوب جایا کرتے ہیں۔''

ضمیر گویا چھڑی پکڑے اس کی مرمت کررہا تھا لاحاصل چیز کو حاصل کرنے کی تگ و دو فضول ہی ثابت ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ کی طرح خود کو سمجھاتا ہوا کمرے سے باہر آیا تو لاؤنج میں تائی جان سودہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے تسلی دے رہی تھیں۔ اس نے آہٹ پر مڑ کر نہیں دیکھا تھا کہ اس کے ملبوس سے پھوٹتی مہک اس کا تعارف تھی۔ وہ دوپٹہ کی اوٹ میں چہرہ چھپائے چلی گئی۔

''کیا ہوا تائی جان...... یہ کیوں رو رہی تھی؟'' وہ وہیں بیٹھ گیا۔

''اچھا ہوا تم آگئے بیٹا' سودہ کے پاس پیارے میاں کا فون آیا ہے وہ بہت ہی فضول باتیں کررہا تھا۔ ذرا جاکر سمجھاؤ اس کو اس گھر کی لڑکیاں شرم وحیا کو ابھی بھی اپنا زیور سمجھتی ہیں۔ اس نے کیا سمجھ کر ایسی بے ہودہ باتیں ہماری بچی سے کی ہیں؟ شادی سے پہلے کوئی حق نہیں ہے اس کو اس طرح کی باتیں کرنے کا' ہماری بیٹیاں بڑی عزت وناک والی ہیں۔'' ایک پُرسکون مسکراہٹ نے اس کے وجیہہ چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

''ٹھیک ہے میں اس سے خود بات کروں گا پھر کبھی اس کی کال نہیں آئے گی آپ ریلیکس ہوجائیں غصہ تھوک دیں۔''

''غصے کی تو بات ہے ابھی ڈھنگ سے ہم نے اقرار نہیں کیا ہے اور وہ لگے ہیں محبت کی پتنگیں لڑانے' غضب خدا کا ایسی بھی کیا بے حیائی کے رشتے ناطوں کا کوئی لحاظ ہی نہ رہا۔ میں منور صاحب کو سمجھاؤں گی ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظرثانی کرلیں بھلا جو آدمی ابھی سے اتنا بے باک ہے وہ آگے جاکر کیا گل نہ کھلائے گا؟'' زمرد بیگم کو نئے تفکر نے آن گھیرا تھا۔

وہ بڑی محبت سے ان کو سمجھانے لگا تھا' اس گھر میں ابھی بھی مذہبی اقدار و مشرقی روایات قائم ودائم تھیں' جو آج کل کے اس نا ہنجار دور میں ناپید ہوتی جارہی تھیں اس کو اس ماحول میں سکون ملتا تھا جبکہ خالہ رضوانہ کے ماڈرن گھرانے میں اس کا دم گھٹتا تھا۔

''آنٹی...... انشراح کہاں ہے؟'' موبائل پر مووی دیکھتی ہوئی جہاں آرا نے چونک کر چہرہ اٹھایا تھا اور سامنے کھڑی عاکفہ کو دیکھ کر ان کے چہرے پر غصہ وحیرت ساتھ ساتھ ابھری تھی۔

''تم...... تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی لڑکی؟''

''بیگم صاحبہ...... یہ میرے پیچھے پیچھے آئی ہیں اور زبردستی اندر بھی آگئی ہیں۔'' ملازمہ نے ڈرے سہے لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔

''تم سے میں بعد میں نبٹوں گی حرام خور...... پہلے اس سے جواب لے لوں۔'' وہ عاکفہ کو قہر آلود نگاہوں سے گھورتی ہوئی کہنے لگیں۔

''یہ سب کیا ہے آپ نے اُشی کے ساتھ کیا کیا ہے؟ کہاں ہے وہ؟''

''تم کون ہوتی ہو مجھ سے سوال پوچھنے والی' خیریت تمہاری اسی میں ہے فوراً دفع ہوجاؤ یہاں سے اور کبھی یہاں کا رخ نہیں کرنا بھول کر بھی۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ دروازے کی طرف لے جاتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

''میرا ہاتھ چھوڑیں میں کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔'' وہ دھان پان سی لڑکی ان کے بوڑھے جسم کے آگے کمزور پڑ رہی تھی۔

''کیسے نہیں جائے گی تیرا باپ بھی یہاں سے جائے گا۔''

''آنٹی...... مجھے تنہا نہیں سمجھیں' باہر میرے ساتھی ہیں معمولی سی گڑبڑ بھی ہوئی تو وہ پولیس اور میڈیا کو کال کردیں گے اور......''

''ارے یہ پولیس کا رعب اور میڈیا کا ڈر کسی اور کو دینا' میں ڈرنے والی نہیں ہوں۔ بہت دیکھے ہیں ایسے پولیس اور میڈیا

والے۔" وہ اس کو گھسیٹتی ہوئی دروازے تک لے آئی تھیں' ملازمہ خوف سے کانپ رہی تھی اور قبل اس کے وہ عاکفہ کو باہر دھکا دیتیں ایک آواز ابھری تھی۔

"نانی...... چھوڑ دیں عاکفہ کو......" وہ آواز ایک جاں فزا احساس تھا انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کو چھوڑا تھا اور بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں' عاکفہ اس آواز کے تعاقب میں آگے بڑھی چلی آئی تھی۔

رات ڈھل گئی تھی' سورج چڑھ آیا تھا لیکن اس گھر میں ابھی بھی رات ٹھہری ہوئی تھی' دھیمی تاریکی نے ہر چیز کو اپنی گرفت میں سمیٹا ہوا تھا۔ انشراح کہہ کر رکی نہیں تھی وہ آگے چلتی جارہی تھی۔ عاکفہ اس کو پکار رہی تھی اور وہ تھی کہ مڑ کر دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔

"انشراح...... انشی...... کیا ہوگیا ہے تم کو؟" آخر کار وہ اس کو کمرے میں جانے کے بعد تھام چکی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہوا مجھے...... (صرف میری ذات منکشف ہوئی ہے مجھ پر)۔"

"تم اتنے دنوں سے یونیورسٹی نہیں آرہی ہو' تمہارا سیل فون بھی آف جارہا ہے اور تمہیں کیا ہوا ہے تم بے حد کمزور ہوگئی ہو؟" کمرے میں بھی نیم اندھیرا تھا اور پورا کمرہ ٹھنڈک خنک تھا۔

"ہاں کمزور ہوگئی ہوں میں بے حد کمزور۔" نافہم لہجہ تھا۔

"یہ ہر طرف اتنا اندھیرا کیوں ہے؟"

"روشنی سے ڈر لگنے لگا ہے اندھیروں سے دوستی ہوگئی ہے۔ روشنی اچھی نہیں ہوتی سب کچھ عیاں کردیتی ہے' ظاہر بھی باطن بھی' ماضی بھی حال بھی' کچھ اس سے چھپتا نہیں ہے۔" وہ بے ربط بول رہی تھی۔ دھیمی دھیمی بے جان سی آواز احساس و تازگی سے مبرا جیسے کوئی بے جان روبوٹ رٹے رٹائے جملے بولتا ہے ہر جذبات و احساسات سے عاری۔

"انشی...... یہ تم' ہو کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ مجھے بتاؤ تو سہی' یہ کیا حالت ہوگئی ہے تمہاری؟ تم بالکل بدل کر رہ گئی ہو۔" عاکفہ مزید ضبط نہ کرسکی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"عاکفہ...... رو نہیں' اب تم جاؤ پھر پلٹ کر مت آنا یہاں پر۔" اس کے آنسوؤں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا وہ سرد و سپاٹ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی تھی اور ساتھ ہی کمرے کا ڈور کھول کر اسے جانے کا اشارہ کیا تو اس کے آنسوؤں میں اور شدت آگئی تھی۔

"انشراح...... ایک بار بتادو تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"انشراح مرگئی ہے' ٹھیک آج سے چھ ہفتے قبل......"

"آہ...... انشی پلیز......" وہ کرب سے چیخ اٹھی۔

"جاؤ یہاں سے آئندہ نہیں آنا۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا اور ملحقہ کمرے میں جاکر اندر سے لاک لگالیا تھا۔ عاکفہ کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا تھا وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی معاً بالی وہاں آئی تھی۔

"بالی...... یہ سب کیا ہے' انشی کو کیا ہوا ہے' وہ ایسی کیوں ہوگئی ہے' کیا گزری ہے اس پر' کس نے اس کو اس حالت تک پہنچایا ہے؟" بالی وہاں آئی تو لپک کر اس کے پاس پہنچی اور ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

"انشی کو آپ اس کے حال پر ہی چھوڑ دیجیے اور چلی جایئے۔" بالی کا لہجہ بھی سرد و سپاٹ تھا وہ بکھری چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

"سنو...... انشی کو تم اس کے حال پر چھوڑ سکتی ہو میں نہیں' دوست ہوں میں اس کی کس طرح اس کو ایسے ہی چھوڑ دوں' نہیں چھوڑ سکتی تم بتاؤ کیا ہوا ہے اس کے ساتھ؟" وہ اذیت سے چلا کر گویا ہوئی۔

"تم دوست ہو اس کی' یہاں تو خون کے رشتے دھوکہ دیتے ہیں' تم دوستی کی بات کرتی ہو ہونہہ......"

"بالی...... تم کو اللہ کا واسطہ سب سچ سچ بتادو جو ہوا ہے۔" وہ منت و سماجت پر اتر آئی تھی۔

"لڑکی...... تو گئی نہیں ابھی تک یہاں سے' بڑی ڈھیٹ ہے۔" اسی دم جہاں آرا تیوری چڑھاتی وہاں داخل ہوئی تھیں۔

"ماسی...... غصہ مت کرد جارہی ہے یہ ابھی بلکہ میں خود چھوڑ کر آتی ہوں۔" بالی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دروازے سے باہر نکالنے سے قبل کوئی سرگوشی کی تھی۔

❀......❀......❀

رات گہری ہوگئی تھی ماحول نے تاریکی کی چادر اوڑھ لی تھی ہر سو ایک مہیب سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ جہاں آرا وال کلاک کی طرف بے چینی سے دیکھ رہی تھیں اور سوئیاں نصف رات کا وقت بتا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر اضطراب تھا وہ کبھی بیٹھتیں تو کبھی دبے قدموں سے ٹہلنا شروع کردیتیں ہر گزرتا لمحہ ان کے اندر بے چینی کو بڑھا رہا تھا۔

وہ بار بار بیرونی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں جو خاموش کھڑا تھا اور ابھی وہ فون کی طرف بڑھی ہی تھیں کہ دروازہ پر مخصوص انداز میں دستک ہوئی تھی۔ دستک کی آواز ان کے اندر توانائی کی لہر بن کر دوڑی تھی۔

''کہاں مر گئے تھے اتنی دیر لگادی' کہا بھی تھا اندھیرے میں ہی کام کرنا ہے' میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتی۔'' وہ دروازہ کھولتے ہی اندر آنے والے سراج پر برس پڑیں لہجہ دھیما ہی تھا۔

''ارے آپا...... بھڑکتی کیوں ہو راستے میں گاڑی کو چھوٹا سا حادثہ ہوگیا تھا گاڑی خراب بھی ہوگئی بس اس میں ہی کچھ ٹائم لگ گیا۔'' وہ کھسیا کر گویا ہوا۔

''لو آتے ہی کیسی منحوس خبر سنادی تُو نے' اتنا لمبا سفر کیا اب تیرے سر پر بیٹھ کر ہوگا۔'' وہ غصے سے کلس کر کہہ رہی تھیں۔

''اوہو آپا یہ تمہاری بڑی خراب عادت ہے' اپنے آگے کسی کی سنتی ہی نہیں ہو' گاڑی ٹھیک کرانے میں ہی اتنا ٹائم لگ گیا اور بے فکر رہو ابھی رات باقی ہے' ہم تاریکی میں ہی نکل جائیں گے' کوئی نہیں دیکھے گا' ہمیں اور یہ بتاؤ انشراح کو بے ہوش کرنے والی دوا اچھی طرح دی ہے ناں؟ اگر ہوش آ گیا تو ہمارا حشر کرکے رکھ دے گی وہ۔''

''ہاں' میں نے خود اپنے ہاتھوں سے ملا کر دی ہے بالی اور اُشی کو میں نے ہوا بھی نہیں لگنے دی ذرا سی۔'' وہ آگے چلتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''آپا...... تمہاری جلد بازی نے سارا کام خراب کر ڈالا' میں کہہ بھی رہا تھا اس امیر زادے سے پیسے ابھی نہیں بٹورو کچھ ٹائم صبر کرلو مگر تم تو اپنے آگے کسی کی سنتی ہی کب ہو۔ دیکھ لو انجام آج اپنی جلد بازی کا چوروں کی طرح راتوں رات یہاں سے بھاگنا پڑ رہا ہے۔''

''سراج...... میں پہلے ہی اُشی کی حالت کی وجہ سے پریشان ہوں تُو میرا دماغ اور خراب نہیں کر مجھے معلوم نہ تھا وہ میری باتوں کا اتنا اثر لے گی کہ پاگل ہی ہوجائے گی۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔

''پہلے ہی کہتا تھا اس کو اپنے رنگ میں آہستہ آہستہ ڈھالنے کی سعی کرو' بتاؤ اس کو وہ کیچڑ میں کھلنے والا پھول ہے آنگن میں مہکنے والا گلاب نہیں...... ایسے پھول گلوں کا ہار نہیں بنتے' ان کو کیچڑ میں کھل کر کیچڑ میں ہی مرجھانا ہوتا ہے۔''

''اچھا چپ کر' ساتھ لائے بندوں سے پہلے سامان رکھوا پھر اُشی کو اٹھانا ہے' میں اتنے میں بالی کو سنبھالتی ہوں۔'' وہ ایک طرف رکھے بیگز کی طرف اشارہ کرکے آگے بڑھ گئی تھیں۔

بالی کی آنکھ کسی عجیب سے احساس کے تحت کھلی تھی' پہلے تو غنودگی میں کچھ محسوس ہی نہیں ہوا تھا پھر جلد ہی وہ بیداری کی حالت میں آئی تو دیکھا وہ بڑی گاڑی میں محو سفر ہیں' ایک برق سی اس کے اندر دوڑی تھی۔ انشراح اس کے برابر میں بیٹھی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی سراج ماما کار ڈرائیو کر رہا تھا اس کے پہلو میں ماسی بیٹھی تھی۔

''ماسی...... ماسی......! کہاں جارہے ہیں ہم؟''

''اس شہر کی ہوا اُشی کو راس نہیں آئی یہ شہر ہی چھوڑ کر جارہے ہیں۔''

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا چوروں کی طرح جانے کا مقصد کیا ہے؟'' ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک گاڑی نے ان کا راستہ روک لیا تھا سراج کو مجبوراً گاڑی روکنی پڑی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

چاہا ہے اس کو روح کی سچائیوں کے ساتھ
زندہ ہوں اپنی ذات کی تنہائیوں کے ساتھ
روکا نہیں تھا اس کو بچھڑتے وقت بھی
اپنی وفا پہ ناز تھا سچائیوں کے ساتھ

"بھائی صاحب، میں آج پھر آپ کے سامنے اپنی جھولی پھیلا رہی ہوں۔ مجھے خالی مت لوٹائیے گا۔ اپنی ماہا کو میری جھولی میں ڈال دیجیے۔ میں اُسے اپنے شارق کی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔" جمیلہ بیگم نے اپنے بھائی بشیر احمد کو بڑی عاجزی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میرا جواب اب بھی وہی ہے کہ اگر تم ماہا کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہو تو تمہیں شہر میں رہائش اختیار کرنی ہوگی۔" بشیر احمد کا لہجہ قدرے کھردرا تھا۔

یہ جواب سن کر جمیلہ بیگم دل مسوس کر رہ گئیں کہ یہ بات ان کے لیے ناممکن تھی۔ انہوں نے اپنی بھابی صدیقہ بیگم کی طرف دیکھا تو انہوں نے بے چارگی سے سر جھکا دیا۔ صدیقہ بیگم اور جمیلہ بیگم میں نند بھاوج والے روایتی تعلقات نہ تھے بلکہ ان کے تعلقات کی خاندان میں مثالیں دی جاتی تھیں۔

☆......☆......☆......☆

بشیر احمد اور جمیلہ بیگم سگے بہن بھائی تھے۔ بشیر احمد ایک کاروباری شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں بہت برکت دی تھی۔ وہ لاہور کے پوش ایریا ڈیفنس میں رہائش پذیر تھے۔ وہ زندگی کا ہر معاملہ طے کرتے وقت ہمیشہ یہ خیال رکھتے

تھے کہ اس معاملے میں لوگ کیا کہتے ہیں یا لوگ کیا کہیں گے؟'' اُنہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ اس معاملے میں کیا حکم دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب جمیلہ بیگم اپنے بیٹے کے لیے ان کی اکلوتی بیٹی ماہا کا رشتہ طلب کررہی تھیں تو اُنہوں نے یہ سوچ کر ''لوگ کیا کہیں گے کہ اپنی اکلوتی بیٹی کو گاؤں میں بیاہ دیا۔'' اُن کے سامنے یہ شرط رکھ دی کہ وہ لوگ پہلے شہر میں رہائش اختیار کریں پھر وہ ماہا کا رشتہ شارق سے کریں گے۔

جمیلہ بیگم کی شادی اپنے چچازاد خالد سے ہوئی تھی جو گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔ گاؤں میں ان کی کافی زمینیں تھیں۔ اس کے علاوہ پولٹری اور ڈیری فارم کا کاروبار بھی تھا۔ خالد بہت نیک دل انسان تھے۔ اُنہیں اپنے گاؤں سے بہت محبت تھی اس لیے وسائل ہونے کے باوجود اُنہوں نے کبھی شہر منتقل ہونے کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔ گاؤں میں ان کے کاروبار کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو روزگار کی سہولت میسر تھی۔ وہ اپنے ملازمین کا بہت خیال رکھتے تھے اسی لیے لوگ ان کے پاس کام کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی اولادیں دو بیٹیاں اور دو بیٹے شامل تھے۔ بڑی دونوں بیٹیاں شادی شدہ تھیں۔ ان کے بعد شارق تھا جو زراعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی زمینوں اور کاروبار کی دیکھ بھال کررہا تھا۔ اس سے چھوٹا بھائی ڈاکٹری کے دوسرے سال میں تھا۔

ان دونوں بھائیوں کا یہ خیال تھا کہ ان کی تعلیم کی شہر کے بجائے یہاں کے لوگوں کو زیادہ ضرورت ہے۔ شارق اور اس کا بھائی دو تین این جی اوز کے ساتھ مل کر اپنے گاؤں میں طبی سہولیات کی فراہمی اور کاشت کاری کے نئے طریقوں کی تربیت کے پراجیکٹس پر کام کررہے تھے۔ یہ لوگ اپنے گاؤں کو ترقی دینا چاہتے تھے اور اس کے لیے وہ زبانی جمع خرچ کرنے کی بجائے عملی اقدامات کررہے تھے۔ اپنی اسی سوچ اور جذبے کی وجہ سے یہ لوگ شہر میں اپنا گھر ہونے کے باوجود گاؤں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ اسی بات کو بنیاد بنا کر بشیر احمد نے اپنی بہن کو انکار کردیا تھا حالانکہ ان کا گھر گاؤں میں ہونے کے باوجود جدید طرز کا تھا اور ہر سہولت سے آراستہ بھی۔

☆......☆......☆......☆

آج بھی جب بشیر احمد نے جمیلہ بیگم کے اصرار پر بہت روکھا سا جواب دیا تو قریب بیٹھے شارق کو ان کا یہ روکھا لہجہ بہت کھلا تھا۔ اس نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور اپنی ماں کو چلنے کا اشارہ کیا۔

''امی! ماموں کے انکار کے باوجود آپ بار بار ماہا کے لیے جھولی کیوں پھیلاتی ہیں؟'' ماموں کے گیٹ سے گاڑی باہر نکالتے ہی شارق نے جمیلہ بیگم سے پوچھا۔ اُنہوں نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹا میں تمہاری ماں ہوں۔ تمہارے دل تک رسائی رکھتی ہوں۔ کیا ہوا جو آج تک تم نے اپنی زبان سے نہیں کہا لیکن میں جانتی ہوں کہ ماہا تمہارے دل کی گہرائیوں میں بستی ہے۔ میرے بچے میں یہ سب تمہیں نارسائی کے دکھ سے بچانے کے لیے کررہی ہوں۔'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

یہ حقیقت تھی کہ ماہا شارق کی دھڑکنوں میں بستی تھی لیکن اُس نے یہ بات فی الحال خود سے بھی چھپائی تھی۔ وہ اُس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ وہ اُسے ہر آن اپنے اردگرد محسوس ہوتی تھی۔ اکثر وہ اُس کے تصور میں گم آنکھیں بند کیے چہرے پر بڑا خوب صورت اور جاندار تاثر لیے یہ نظم گنگناتا تھا۔

کانٹوں سی اس دنیا میں وہ پھولوں جیسی
جیون بھول بھلیوں میں وہ رستوں جیسی
اُجلی اُجلی' مہکی مہکی' روشن روشن
میری سوچوں جیسی' میرے جذبوں جیسی
جھلمل جھلمل کرتی اترے دل کے آنگن میں
رات اندھیروں میں وہ چاند اُجالوں جیسی
جاگتی آنکھوں سے بھی اُس کو دیکھتے رہنا
وہ خوابوں میں آنے والی پریوں جیسی
لو برساتی دوپہروں میں اُس کی یادیں
ٹھنڈی کرنوں جیسی' ہلکے رنگوں جیسی
اک چہرے کا لپکا' میرے چاروں جانب
میں ہوں اور یہ دنیا ہے آئینوں جیسی

(عطاالحق قاسمی)

لیکن شارق شاید یہ بات نہیں جانتا تھا کہ دیکھنے والی آنکھ محبت کرنے والوں کو چہروں سے پہچان لیتی ہے۔ اس کی ماں کے پاس محبت کی پہچان کرنے والی نظر تھی اسی لیے جو بات وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا اس کو جنم دینے والی پر وہ بات پوری طرح عیاں تھی۔ جمیلہ بیگم اپنے بیٹے کو محبتوں میں نارسائی کے دکھ سے بچانا چاہتی تھیں اور بشیر احمد اپنی بیٹی کو بہترین زندگی اور لائف اسٹائل مہیا کرنا چاہتے تھے۔ ایک بیٹی کے باپ اور

ایک بیٹے کی ماں کے اقدامات پر تقدیر دور کھڑی مسکرا رہی تھی کہ کون جانے کس کے نصیب میں کیا لکھا جا چکا تھا؟

☆......☆......☆......☆

دسمبر کے یخ بستہ دن تھے کہ ایک روز بشیر احمد کا فون آیا۔ انہوں نے جمیلہ بیگم کو ماہا کی بات پکی کرنے کی خبر سنائی اور ساتھ ہی اس کے نکاح کی تقریب میں شریک ہونے کی دعوت بھی دی جو کہ ۳۰ دسمبر کو ہونے جا رہا تھا۔ وہ دل گرفتہ سی وہیں بیٹھی رہ گئیں۔

"امی خیریت ہے' اس طرح کیوں بیٹھی ہیں؟" شارق لاؤنج میں آیا تو انہیں اس طرح بیٹھے دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"بھائی صاحب ماہا کا نکاح کر رہے ہیں اور ہمیں نکاح میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے۔" انہوں نے اُسے خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تو خوشی کی خبر ہے اس میں اُداس ہونے والی کون سی بات ہے؟" ماں کی بات سن کر شارق کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا تھا لیکن اُس نے خود پر قابو پالیا تھا۔

شارق نے ماہا کے لیے محبت اپنے دل میں چھپا کر رکھی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کی خبر ہو لیکن جمیلہ بیگم "کسی" نہیں اُس کی ماں تھیں اور بغیر بتائے اس کے دل کا راز جانتی تھیں۔ وہ اُسے کیا بتاتیں کہ میں تمہارا دل اُجڑنے کے غم میں اُداس ہوں۔ شارق انہیں تسلی دے کر زمینوں پر چلا گیا۔ وہ زمینوں پر آ تو گیا لیکن اس کا دل بہت تکلیف میں تھا جو ماہا سے بچھڑنے کے احساس سے لہولہو ہو رہا تھا۔ محبت نے اسے ایسی چوٹ پہنچائی تھی کہ درد کی شدت کے باوجود وہ منہ سے آہ تک نکالنے کا مجاز نہ تھا کہ آہ نکالتا تو ماہا خوامخواہ بدنام ہو جاتی۔ محبوب کی بدنامی سے بہتر تھا کہ وہ اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ دیتا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ یک طرفہ محبتوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ ماہا کو تو اس کے ان جذبات کا علم ہی نہیں تھا لیکن شارق کو اس بات کا بہت دکھ تھا کہ ماموں نے اپنوں پر غیروں کو ترجیح دی۔

☆......☆......☆......☆

"جمیلہ میں نے تمہارے بھائی کو شارق کے لیے راضی کرنے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی اور ماہا کی بات رفعت (صدیقہ کی چھوٹی بہن) کے جیٹھ کے بیٹے مزمل سے طے کر دی۔" جمیلہ بیگم ماہا کی نکاح کی تقریب میں شرکت کے لیے لاہور آئیں تو ان کی بھابی صدیقہ بیگم نے انہیں گلے سے لگا کر شرمندگی سے وضاحت دی۔

"بھابی یہ تو مقدر کی بات ہے۔ ماہا میرے شارق کے نصیب میں نہیں تھی سو اُسے نہ مل سکی۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی گلہ نہیں۔" جمیلہ بیگم نے اپنی بھابی کا شرمندہ سا انداز دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو سنبھال کر انہیں تسلی دی۔

"مزمل دو بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ دونوں بہنیں شادی شدہ ہیں۔ ایک تو یہیں لاہور میں ہوتی ہے اور ایک اپنے میاں کے ساتھ قطر میں رہتی ہے۔ مزمل انجینئر ہے اور پچھلے دو سال سے اپنے بہنوئی کے توسط سے قطر میں نوکری کر رہا ہے۔ ماہا شادی کے بعد اُس کے ساتھ ہی جائے گی۔ اسی لیے پہلے نکاح کر رہے ہیں کہ پیپرز وغیرہ بن جائیں۔ پیپرز آ جانے کے بعد ماہا کی رخصتی کریں گے۔" صدیقہ بیگم جمیلہ کے جواب سے قدرے مطمئن ہوتے ہوئے انہیں تفصیل بتانے لگیں۔

ماہا کا نکاح ہو گیا۔ مزمل بہت سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ جمیلہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں۔ ماہا بہت پیاری لگ رہی تھی۔ جمیلہ بیگم نے اُسے سینے سے لگا کر ہمیشہ خوش رہنے اور نظر بد سے بچنے کی دعا دی۔ نکاح کے بعد رات کو سب تھک کر لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے جب بشیر احمد بھی وہاں چلے آئے۔

"لو بھئی لوگ بھی کیا یاد کریں گے کہ بشیر نے اپنی اکلوتی بیٹی کا نکاح کتنے اچھے خاندان کے شاندار لڑکے سے کیا ہے۔" اُن کا انداز تکبر لیے ہوئے تھا۔ وہ بھول رہے تھے کہ تکبر انسان کو کبھی جیتنے نہیں دیتا' ہمیشہ ہار سے ہی دوچار کرتا ہے۔ اُن کی اس بات پر صدیقہ بیگم نے جمیلہ کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔

"ہاں تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کریں اس میں فخر اور غرور کرنے والی کوئی بات نہیں...... اللہ آگے بھی ہماری بیٹی کے نصیب اچھے کرے۔" صدیقہ بیگم نے روکھے لہجے میں بشیر احمد کی بات کا جواب دیا۔

"ہاں تمہاری بات بھی ٹھیک ہے صدیقہ' لیکن انسان خود بھی تو کچھ کوشش کرتا ہے یا نہیں۔ بھئی میں بشیر احمد ہوں جو سب کچھ پرفیکٹ چاہتا ہوں اور پرفیکٹ تک پہنچنے میں میری اپنی کتنی کوششیں شامل ہوتی ہیں یہ تو تم جانتی ہی ہو۔" بشیر کا جواب سُن کر صدیقہ بیگم نے یوں سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہوں

"آپ کو سمجھانا بے کار ہے۔"

☆......☆......☆......☆

ماہا کے نکاح کے بعد جمیلہ بیگم نے شارق کے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کردیں تاکہ وہ بھی جلد از جلد اپنے بیٹے کا گھر بسادیں۔

"امی' یہ کیا ہے؟ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔ مجھے اپنے گاؤں اور یہاں کے لوگوں کی فلاح کے لیے بہت کام کرنا ہے۔" شارق کو ماں کی ان سرگرمیوں کا علم ہوا تو اس نے انھیں روکنے کی سعی کی۔

"بیٹا...... یہ سب کام تو تم شادی کے بعد بھی کرسکتے ہو۔ یہ بہانہ مت بناؤ اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہ بھی میں جانتی ہوں۔" جمیلہ بیگم کی اس بات پر شارق نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"بیٹا' تم میرے وجود کا حصہ ہو۔ میں تمہارے دل سے بے خبر نہیں۔" انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔

"امی...... سب کچھ جانتی ہیں تو پھر اتنی جلدی کیوں؟ مجھے سنبھلنے کے لیے کچھ وقت تو دیجیے۔" شارق نے آگے بڑھ کر ماں کے ہاتھ تھام لیے اور ان پر سر ٹکا دیا۔ جمیلہ بیگم نے آنسو بھری آنکھوں سے اپنے بیٹے کو دیکھا اور اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

"بھئی' بڑا پیار ہورہا ہے ماں بیٹے میں۔ کیا بات ہے برخوردار؟" خالد سامنے والے صوفے پر آن بیٹھے۔

"بس ابا جی' امی سے لاڈ اٹھوانے کا موڈ ہورہا تھا۔" شارق اپنے آپ کو سنبھال کر مسکرایا۔

☆......☆......☆......☆

ماہا کے نکاح کے چھ ماہ بعد اس کے کاغذات مکمل ہوکر آگئے تو اس کی رخصتی بھی کردی گئی۔ رخصتی کے بعد وہ دو ماہ تک پاکستان میں رہی۔ اس دوران دعوتوں اور رشتہ داروں سے ملنے ملانے کا سلسلہ چلتا رہا۔ جمیلہ بیگم نے بھی ان کی دعوت کی اور جس دن ماہا اور مزمل کو دعوت کے لیے آنا تھا' شارق صبح سویرے یہ کہہ کر گھر سے نکل گیا کہ ان کی این جی او کی میٹنگ ہے اور وہ رات کو دیر سے گھر آئے گا۔ مزمل کو جمیلہ بیگم کے گھر کا رکھ رکھاؤ بہت پسند آیا۔ اس نے گاؤں میں شارق اور اس کے بھائی کی کوششوں سے ہونے والی بہتری کو بھی بہت سراہا۔

"پھوپو' یہ شارق بھائی کہاں ہیں؟ میری شادی میں بھی نہیں آئے تھے۔" ماہا نے جمیلہ بیگم کے کندھے پر سر رکھا۔

"بس بیٹا' وہ اسی طرح مختلف کاموں میں مصروف رہتا ہے بعض اوقات تو دو دو دن بعد شکل دکھاتا ہے۔" جمیلہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ شام کو ماہا اور مزمل لاہور واپس چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆......☆

پھوپو کے ہاں سے آنے کے ایک ہفتے بعد مزمل اور ماہا قطر چلے گئے۔ شادی سے پہلے مزمل اپنی بہن کے ساتھ رہتا تھا۔ اب اس کے بہن بہنوئی نے مزمل اور ماہا کے لیے اسی بلڈنگ میں جہاں وہ خود رہائش پذیر تھے' ایک فلیٹ کا بندوبست کردیا تھا۔ ماہا اور مزمل کا فلیٹ سیکنڈ فلور پر تھا۔ قطر پہنچنے کے دو دن بعد یہ دونوں اپنے فلیٹ میں شفٹ ہوگئے۔ نکاح سے پہلے ماہا کا دل ایک کورا کاغذ تھا لیکن نکاح کے بعد اس پر مزمل کا نام لکھا گیا تھا اور اب وہ پور پور مزمل کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مزمل بہت کیئرنگ اور لونگ تھا یہ اندازہ تو ماہا پچھلے دو ماہ میں لگا چکی تھی لیکن اپنے فلیٹ میں آنے کے بعد ایک نیا مزمل ماہا کے سامنے آیا' اس کی بے تابیاں اور والہانہ پن حد سے سوا تھا اور وہ ہر وقت ماہا کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔

اگلے روز صبح سویرے اُٹھ کر ماہا نے نماز پڑھی اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے بعد کچن کا رُخ کیا۔ آج مزمل کو چھٹیوں کے بعد پہلے دن آفس جانا تھا اور ماہا نہیں چاہتی تھی کہ اس کی طرف سے کوئی کوتاہی ہو۔ وہ ہر کام وقت پر مکمل کرنا چاہتی تھی۔ ناشتہ تیار کرنے کے بعد سات بجے وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ جبکہ اُسے ساڑھے آٹھ بجے تک آفس پہنچنا تھا۔ ماہا نے اسے دو تین بار آوازیں دیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ ماہا اس کا بازو ہلا کر واپس مڑی تو مزمل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ پلٹتے پلٹتے جھٹکے سے رُک گئی۔ وہ مڑ کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی' مگر بظاہر سوئے ہوئے مزمل کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ اپنا ہاتھ آزاد نہ کرواسکی۔ ماہا نے اس کے ہاتھ کی پشت پر زور سے تھپڑ لگایا تو وہ اُس کا ہاتھ چھوڑ کر اُٹھ بیٹھا۔

ماہا مزمل کو تیار ہونے کا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اُس نے ناشتہ کیا اور اپنا لیپ ٹاپ بیگ اُٹھا کر آفس کے لیے نکلنے لگا۔ وہ اُسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

"شام کو بہت اچھا سا تیار رہنا۔ شام کو کہیں باہر چلیں

گے۔'' ماہا نے سر ہلا کر اس کو جواب دیا۔

☆......☆......☆......☆

ہر روز رات کو ماہا اور مزمل فیس بک یا اسکائپ کے ذریعے پاکستان بات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر دوسرے تیسرے روز مزمل کے امی ابو کا فون بھی آجاتا تھا۔ ان کی شادی کو تین مہینے گزر چکے تھے اور ان تین مہینوں کا ہر دن ان کے لیے عید اور رات شب برات ثابت ہوئی تھی۔ مزمل اپنے امی ابو کا فون سن کر کمرے میں آیا تو ماہا اپنے ہاتھوں پر نائٹ کریم کا مساج کررہی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اُسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ ماہا نے مساج کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''جلدی کرو یار۔'' مزمل نے اس کے متوجہ ہوتے ہی کہا۔ وہ اپنا کام ختم کر کے بالوں میں برش کر کے بیڈ پر آگئی۔ مزمل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''امی پوچھ رہی تھیں کہ کوئی خوش خبری ہے؟ میں نے کہا پتہ نہیں ماہا سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ اب بتاؤ میں انہیں کیا کہوں؟'' مزمل کے ہونٹوں پر چڑانے والی مسکراہٹ تھی۔

''تو سنا دیتے کوئی خوش خبری میں نے کب منع کیا ہے۔'' ماہا نے ماتھے پر بل ڈال لیے۔

''یار...... جو خوش خبری وہ سننا چاہ رہی ہیں وہ میں اکیلے نہیں سنا سکتا انہیں۔ تم بھی تو کچھ تعاون کرو ناں اس سلسلے میں۔'' مزمل کے انداز پر ماہا کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' مزمل نے اسے گھورا۔

''کچھ نہیں۔ اب سو جائیے آرام سے۔'' ماہا نے ہنسی روکتے ہوئے کہا اور اس کی طرف سے کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ وہ بھی لیٹ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ اُٹھا۔

''میں واقعی سو جاؤں؟'' اس نے ماہا کے کندھے پر سر رکھ کر معصومیت سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' اُس نے نولفٹ والے انداز میں کہا تو وہ منہ بنا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

مزمل چونکہ اکلوتا تھا اس لیے اس کے ماں باپ کو جلد از جلد اس کے بچے دیکھنے کی خواہش تھی۔ مزمل اور ماہا کی شادی کو چار ماہ ہو چکے تھے اور مزمل کی امی اب کسی خوش خبری کی منتظر تھیں۔ مزمل کو اس سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔

''امی میری شادی کو کون سے سال گزر گئے ہیں جو آپ اتنی فکر مند ہو رہی ہیں۔ اللہ کرم کرے گا۔ آپ پریشان مت ہوں۔'' وہ اپنی امی کو سمجھاتا۔ ماہا اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھی اور ہر دم اپنے اللہ کی شکر گزار رہتی تھی۔ خوشیوں اور محبتوں کے ہنڈولے میں جھولتے ہوئے چھ ماہ گزر گئے۔

☆......☆......☆......☆

مزمل آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ ماہا کو مسلسل آوازیں دے رہا تھا جبکہ وہ کچن میں مصروف تھی۔ وہ عجلت میں ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی۔

''وہ میری جرابیں نہیں مل رہیں۔'' مزمل منمنایا۔ اُس نے سامنے رکھی جرابیں اُٹھا کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیں اور پلٹ کر جانے لگی تو اُس نے پھر آواز دی۔

''اب کیا بات ہے؟'' ماہا نے پلٹ کو سوالیہ انداز اپنایا۔

''میری ایک اور چیز نہیں مل رہی۔'' مزمل بولا۔

''کون سی چیز؟'' ماہا اس کے قریب آئی۔

''میرا دل نہیں مل رہا اور مجھے سو فی صد یقین ہے کہ یہ تم نے چرایا ہے۔'' اُس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''جی جناب بات اصل میں یہ ہے کہ آپ کا دل خود میرے پاس آگیا ہے اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اسے واپس کرنے والی نہیں ہوں۔ سمجھے آپ؟'' ماہا نے اس کے گلے میں بازو ڈال کر ناز سے کہا۔ وہ اُس کے اس التفات پر خوشی سے جھوم اُٹھا۔

''ارے واپس کون مانگ رہا ہے؟ میں تو یہ یقین دہانی چاہتا ہوں کہ تم میرے دل کا ہمیشہ بہت خیال رکھو گی۔'' مزمل نے اپنے ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھے اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''اچھا اب یہ ڈرامے بازی بند کریں اور جلدی سے باہر آئیں ناشتہ تیار ہے۔'' ماہا یہ کہہ کر دوبارہ کچن میں چلی گئی۔

وہ تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو ماہا ناشتہ لگا چکی تھی۔ وہ ناشتہ کرتے ہوئے مسلسل اُسے تکے جا رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں؟'' اس کے اس طرح دیکھنے پر ماہا نے بھنویں اُچکائیں۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے دور نہ ہو اور میں تمہارا چہرہ اپنی آنکھوں کے راستے دل میں بسا لوں تاکہ کوئی تمہیں مجھ سے الگ نہ کر سکے۔'' مزمل نے چائے کی خالی پیالی میز پر رکھی۔

"جناب ہمیں کوئی الگ نہیں کر رہا اب آپ جلدی سے آفس جایئے۔" ماہا نے بات ختم کی۔

"ماہا یار تم آج مجھے روک لو پلیز۔" مزمل جاتے جاتے پلٹ آیا۔

"کیوں بھئی؟ کام کے حوالے سے کوئی چھوٹ نہیں ملے گی۔ چلیے شاباش اچھے بچوں کی طرح آفس جایئے۔" وہ اُسے بازو سے پکڑ کر دروازے تک لائی۔

"دیکھ لو میں ناراض ہو جاؤں گا۔" مزمل نے دھمکی دی۔

"تو میں آپ کو منا لوں گی۔" ماہا اٹھلائی۔

"اچھا ہمیشہ خوش رہو۔ میں جا رہا ہوں پھر اللہ حافظ۔" ماہا دروازہ بند کر کے پلٹی اور کچن سمیٹنے لگی۔

☆......☆......☆......☆

شام کو رات کا کھانا پکانے کے بعد فریش ہو کر ماہا مزمل کا انتظار کرنے لگی۔ مزمل چھ بجے تک گھر پہنچ جاتا تھا۔ اب ساڑھے چھ بج رہے تھے لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ سات بج گئے تو ماہا پریشان ہونے لگی۔ اس دوران وہ کئی بار مزمل کو فون کر چکی تھی لیکن اُس نے فون ریسیو نہیں کیا تھا۔ آٹھ بجے تک ماہا باقاعدہ ہولنے لگی تھی۔

"باجی مزمل ابھی تک گھر نہیں آئے مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" ماہا نے انیلا باجی کو فون کیا۔

"کم آن ماہا وہ کسی کام میں پھنس گیا ہوگا۔ تم اُسے کال کر کے پوچھ لو۔" انیلا باجی نے اُسے تسلی دی۔

"میں فون کر رہی ہوں لیکن وہ فون بھی نہیں اُٹھا رہا ہے۔" وہ بے تابی سے بولی۔ اُس کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔

"اچھا چلو پریشان مت ہو۔ میں پتہ کرتی ہوں۔" انیلا باجی نے فون بند کر دیا۔

اُنہوں نے مزمل کے دفتر فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو چھٹی کے بعد وہاں سے نکل گیا تھا۔ اب وہ بھی پریشان ہوگئیں۔ اُنہوں نے ماہا کو فون کر کے کہا کہ وہ اپنا فلیٹ لاک کر کے اُوپر آجائے۔ اُس کے اُوپر آنے کے بعد انیلا باجی نے اپنے شوہر عبدالقادر کو ساری صورت حال بتائی۔ اُنہوں نے مزمل کے تمام دوستوں کے گھر فون کیا لیکن سب نے اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

تھوڑی دیر بعد ماہا کے فون پر کال آئی۔ اُس نے نمبر دیکھا تو اجنبی تھا۔ اُس نے اپنا فون عبدالقادر کو پکڑا دیا۔ عبدالقادر نے یس کا بٹن پش کر کے موبائل کان سے لگایا۔ وہ جوں جوں فون کرنے والے کی بات سُن رہے تھے اُن کے چہرے کا رنگ اُڑتا جا رہا تھا۔ فون بند کر کے وہ صوفے پر ڈھے سے گئے۔ انیلا اور ماہا تیزی سے اُن کی طرف بڑھیں۔

"مزمل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ہمیں فوراً اسپتال جانا ہوگا۔" عبدالقادر نے گویا بم پھوڑا۔ انیلا نے لڑکھڑا کر صوفے کی بیک کو تھام لیا۔ ماہا کا رنگ ایک دم زرد ہو گیا۔

"بھائی مزمل ٹھیک تو ہیں ناں؟" اُس نے لرزتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں اب سب جلدی نکلو۔" عبدالقادر نے بہت دقتوں سے کہا۔

☆......☆......☆......☆

تینوں اسپتال پہنچے تو ایک قیامت خیز خبر ان کی منتظر تھی۔ ایکسڈنٹ میں مزمل کے سر پر شدید چوٹیں آئی تھیں اور وہ سروائیو نہیں کر سکا تھا۔

"ہائے میرا مزمل میرا بھائی۔" یہ خبر سن کر انیلا باجی چیخ چیخ کر رونے لگیں۔

ماہا تیورا کر فرش پر گر پڑی۔ عبدالقادر فوراً اس کی طرف بڑھے اور اسے بے ہوش دیکھ کر ڈاکٹر کو بلا لائے۔ اُس کو اسی اسپتال میں ایڈمٹ کر کے ٹریٹمنٹ دی جانے لگی۔ عبدالقادر واپس آئے تو انیلا ان کے گلے لگ کر رونے لگی وہ خود بھی رو رہے تھے۔ اب انہیں یہ لرزہ خیز خبر مزمل کے ماں باپ کو سنانی تھی جو اُس کے بچوں کے انتظار میں تھے۔ ماہا کو ہوش آیا تو اس کے کانوں میں مزمل کی آوازیں گونجنے لگیں۔ (ماہا یار تم آج مجھے روک لو پلیز۔ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا) اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"نہیں......نہیں......مزمل آپ مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتے۔ مزمل......مزمل......" وہ چیخنے لگی۔ ڈیوٹی نرس کمرے میں آئی اور اس کی حالت دیکھ کر عبدالقادر اور انیلا کو اطلاع دے کر ڈاکٹر کو بلانے چلی گئی۔ جیسے ہی وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ ماہا نے اپنے ہاتھ اور بازو پر لگی ہوئی سوئیاں کھینچ کر نکالیں اور انیلا باجی سے لپٹ گئی۔

"باجی آج مزمل نے مجھ سے کہا تھا کہ میں انہیں روک لوں ورنہ وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ ہائے آج اگر میں ان کی بات مان لیتی تو وہ مجھے یوں چھوڑ کر نہ جاتے۔ میں کیا

کروں انیلا باجی...... میں مزمل کے بغیر کیسے رہوں گی؟'' ماہا کے بلکنے پر عبدالقادر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے تسلی دی۔ انیلا تو اسے کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اس کی اپنی حالت بہت خراب تھی۔

☆......☆......☆......☆

وہ لوگ مزمل کی میت کے ہمراہ لاہور پہنچے اور لوگوں نے دیکھا کہ چھ ماہ پہلے شان وشوکت سے دلہن بننے والی ماہا اور اب اُجڑ کر آنے والی ماہا میں کتنا فرق تھا۔ ماہا اپنی ساس سے لپٹ کر رونے لگی۔ انہیں مزمل کو اس حال میں دیکھ کر غش پر غش آرہے تھے۔

''بیٹا' ہماری عمر تھی جانے کی۔ اس کو اتنی جلدی کیوں تھی؟ ہائے اللہ' کسی کو جوان اُولاد کا دکھ نہ دکھانا۔'' ماہا کے سسر اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ انیلا اور اس کی بہن تڑپ تڑپ کر رورہی تھیں۔ ماہا کے والدین' پھوپو اور پھوپا بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ پھر سسکیوں اور آہوں میں مزمل کی تدفین ہوگئی اور جیسے سب کچھ ختم ہوگیا۔ ماہا کے لیے دنیا جیسے اندھیر ہوگئی اور مزمل کے والدین کے سینے پر کبھی نہ بھرنے والا زخم لگ گیا۔

مزمل کی امی جب جب ماہا کی اُجڑی حالت دیکھتیں تو انہیں اپنا بیٹا اور شدتوں سے یاد آنے لگتا۔ وہ ماہا کو گھنٹوں اپنے سامنے بٹھائے رکھتیں۔ ماہا کی حالت ابھی تک نہیں سنبھلی تھیں۔ اُسے جہاں بٹھایا جاتا وہ بیٹھی رہتی۔ کچھ کھانے کو دیا جاتا تو کھالیتی ورنہ پہروں بھوکی رہتی۔ ماہا کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے انیلا نے اپنے امی ابو سے مشورہ کرکے ماہا کے والدین کو یہ رائے دی کہ وہ اُس کی عدت اپنے گھر میں پوری کروائیں کیونکہ اس گھر سے مزمل کی یادیں جڑی ہیں جو اسے ہر وقت بے چین رکھتی ہیں' اس کی ذہنی حالت پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں رہے گی تو بہل جائے گی۔ پھر ماہا اپنے والدین کے گھر آگئی۔ اس کی عدت کے دوران جمیلہ ہر پندرہ بیس دن بعد ضرور چکر لگاتی تھیں۔ اُنہوں نے ماہا کی دلجوئی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔

☆......☆......☆......☆

اس کی عدت ختم ہوئی تو اس کے امی ابو اسے اس کے سسرال لے گئے۔ یہاں آکر وہ بہت بے چین تھی۔ اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ وہ اپنے اور مزمل کے کمرے میں آئی۔ یہاں اس کی اور مزمل کی شادی کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ تصویر میں دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ وہ اس تصویر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس کا دل جیسے ڈوب کر اُبھرا۔

''میں مزمل کو کیسے بھلا پاؤں گی؟'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے بے ساختہ زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔ واقعی کچھ حادثے ایسے ہوتے ہیں جن کے بعد انسان ''بچ'' تو جاتا ہے مگر ''زندہ'' نہیں رہتا۔ مزمل کے مرنے کے بعد ماہا بھی بظاہر زندہ تھی مگر اس کے اندر سے زندگی کی چاہت ختم ہوگئی تھی۔ کھلکھلاتی ماہا ویران کھنڈر ہوگئی تھی۔

اس کی ساس اُسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آئیں تو اُسے یوں روتے دیکھ کر اُس کے پاس بیٹھ گئیں۔ ماہا نے روتے ہوئے سر اُوپر اُٹھایا تو وہ اُسے گلے سے لگا کر خود بھی رونے لگیں۔ وہ اب اُن کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی۔ اُسے وہاں رہتے ہوئے تقریباً دو ماہ ہوئے تھے کہ ایک بار پھر انیلا باجی دوبارہ لاہور آئیں۔ اس دفعہ وہ اپنے امی ابو کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئی تھیں۔ جانے سے پہلے انیلا باجی اپنے امی ابو کے ساتھ ماہا کو اس کے والدین کے گھر چھوڑنے آئیں۔

''انکل' آنٹی' مزمل کے چلے جانے سے ہم سب کا بہت نقصان ہوا ہے لیکن ماہا کا نقصان سب سے زیادہ ہے۔ میری آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ آپ لوگ اس کو زندگی کی طرف واپس لائیں بلکہ بہتر ہوگا کہ کسی اچھے شخص کے ساتھ اس کی شادی کروادیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ اس کے سامنے ساری زندگی پڑی ہے۔ جانے والے واپس نہیں آتے۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے گا کہ میرا بھائی ماہا کو ہمیشہ بہت خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ میں جانتی ہوں کہ ماہا دوسری شادی کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوگی لیکن یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اسے راضی کریں۔'' انیلا باجی جاتے وقت ماہا کے امی ابو کے ہاتھ میں سوچ کا ایک سرا تھما گئی تھیں۔

☆......☆......☆......☆

اپنے ساس سسر کے قطر چلے جانے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے اپنے ماں باپ کے گھر آگئی تھی لیکن اب وہ پہلے والی ماہا نہیں رہی تھی۔ سارا سارا دن خاموش بیٹھی رہتی اور کبھی بیٹھے بیٹھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔ دنوں اُسے کپڑے بدلنے کا خیال تک نہ آتا۔ کہیں آنے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہمیشہ کھلکھلاتی رہنے والی ماہا کی یہ حالت دیکھ کر اس کے

ماں باپ کا دل کٹ جاتا۔ مزمل کو کھو کر اس نے گویا اپنی زندگی کھوئی تھی اس کے لیے اب جینا آسان نہ تھا۔ بشیر صاحب اپنی بیٹی کی اُجڑی حالت پر اللہ سے شکوہ کناں ہوتے تو ان کے اندر سے آواز آتی۔

''بشیر احمد تم نے کب اللہ کی خوشنودی کے لیے کبھی کوئی کام کیا ہے جو اب اللہ سے شکوہ کناں ہو۔'' بشیر احمد اس حادثے کے بعد بہت بدل گئے تھے۔ انہیں ایسا لگتا تھا کہ ان کے بڑے بول ان کی بیٹی کے سامنے آئے ہیں۔ انسان لاکھ کوشش کرے لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ انہوں نے کتنے زعم میں آ کر اپنی بیٹی کے بہتر مستقبل کے سامنے اپنی بہن کی خواہش اور محبت کو نظر انداز کیا تھا لیکن تقدیر کے ایک ہی وار نے ان کی ساری منصوبہ بندی کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔

☆......☆......☆......☆

گریا تو اکثر رہا پیہم رہا
پھر بھی دل کے بوجھ سے کچھ کم رہا
قمقمے جلتے رہے بجھتے رہے
رات بھر سینے میں اک عالم رہا
اس وفا دشمن سے چھٹ جانے کے بعد
خود کو پالینے کا کتنا غم رہا
اپنی حالت پر ہنسی بھی آئی تھی
اس ہنسی کا بھی بڑا ماتم رہا
اتنے ربط اتنی شناسائی کے بعد
کون کس کے حال کا محرم رہا
پتھروں سے بھی نکل آیا جو تیر
وہ میرے پہلو میں آ کر جم رہا
ذہن نے کیا کچھ نہ کوشش کی
دل کی گہرائی میں اک آدم رہا

(مصطفیٰ زیدی)

گزرے دس ماہ میں اگرچہ ماہا اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی مگر اس کے دل میں کسی قبرستان میں اُترتی شام جیسی اُداسی نے مستقل بسیرا کر لیا تھا۔ وہ مزمل کو بھلا نہیں سکی تھی۔ اکثر مزمل اسے اتنی شدت سے یاد آتا کہ وہ بے بس ہو کر رو پڑتی۔ تنہائی میں اسے مزمل اپنے آس پاس محسوس ہوتا اور وہ گھنٹوں آنکھیں بند کیے اُس کی موجودگی کو محسوس کیا کرتی تھی۔ اب بھی وہ لان میں کرسی پر ٹیک لگائے مزمل کی یاد میں گم بیٹھی تھی۔ سردیوں کے ننھے ننھے دن' نرم گرم دھوپ اور مست فضا میں بھی اس کی اداسی کم کرنے میں ناکام رہی تھیں حالانکہ وہ اس موسم کی دیوانی تھی۔ مزمل کے جانے کے بعد اسے اپنی ذات کاغذ کے اس پرزے کی طرح لگنے لگی تھی جسے آندھی اپنے زور پر اُڑا کر لے جاتی ہے اور اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ آندھی رکنے کے بعد اس کا مقدر کیا ہوگا۔

جمیلہ پھوپو گاڑی سے اُتریں تو ان کی نظر بے ساختہ لان کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ اندر جانے کی بجائے اسی کے پاس چلی آئیں۔

''ماہا بیٹا' ایسے کیوں بیٹھی ہو؟'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ اُسے متوجہ کیا۔

''کچھ نہیں پھوپو۔ بس ایسے ہی' آپ آئیے ناں' یہاں بیٹھیے میرے پاس۔'' ماہا نے محبت سے پھوپو کا ہاتھ پکڑا۔

''بیٹا' بعض اوقات ہماری آزمائش کے لیے اللہ ہم سے وہ چیز لے لیتا ہے جسے ہم اپنے لیے بہترین سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اس پر صبر کریں اور اس آزمائش میں سرخرو ہو جائیں تو پھر اللہ ہمیں اس سے نوازتا ہے جسے وہ ہمارے لیے بہترین سمجھتا ہے۔ ذرا سوچو' جو اللہ ہمارے لیے بہترین سمجھ کر ہمیں عنایت کرے اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے بھلا؟ نہیں ناں؟ مجھے یقین ہے میری بچی اس آزمائش پر تم نے جس طرح صبر کیا ہے اللہ تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا۔'' جمیلہ بیگم نے ماہا کے گال پر ہاتھ رکھ کر اُسے تسلی دی۔ ماہا ان کی بات پر سر ہلا کر ہلکے سے مسکرا دی۔

☆......☆......☆......☆

گھر آ کر جمیلہ بیگم ماہا کے بارے میں سوچ کر بہت اُداس ہو رہی تھیں۔ خالد اُن کے پاس آئے اور انہیں یوں اُداس دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔

''کیا بات ہے جمیلہ' کوئی پریشانی ہے کیا؟'' انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

''بس ماہا بچی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنا بڑا صدمہ سہا ہے' بہت بڑی آزمائش سے گزر رہی ہے وہ۔'' جمیلہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو جمیلہ' ماہا بہت صابر بچی ہے۔ اتنا بڑا صدمہ صبر سے برداشت کیا ہے اُس نے۔ جمیلہ' ایک بات کہوں؟'' جمیلہ نے اُنہیں استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ ہمیں ماہا بیٹی کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ ماہا مجھے شروع سے پسند ہے۔ میں اُسے اپنے شارق کی دلہن بنانا چاہتا تھا لیکن تب شاید قدرت کو منظور نہ تھا۔ میری اب بھی یہی خواہش ہے۔ پہلے شارق سے اس کی مرضی معلوم کر لیتے ہیں پھر تم اور میں کسی دن جا کر بھائی صاحب سے بات کریں گے۔'' خالد نے اپنی بات مکمل کی۔ جمیلہ بیگم نے اُن کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔

''خالد...... اللہ نے آپ کو کتنا بڑا دل عطا کیا ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

''ارے چھوڑو بیگم' بس یہ دعا کرو کہ اس بار بھائی صاحب انکار نہ کریں۔'' خالد نے شرارت سے کہا تو وہ چونک کر اُنہیں دیکھنے لگیں۔

''آپ کو معلوم تھا کہ میں نے شارق کے لیے بھائی صاحب سے بات کی تھی۔''

''ارے بیگم' میں آپ کے مزاج کے ہر موسم سے واقف ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہمارے شارق کو ماہا سے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ صرف آپ کو ہی اپنے بیٹے کے حال دل کی خبر ہے۔ بے شک اس نے یہ بات اپنے آپ سے بھی چھپائی تھی لیکن میں اس کا باپ ہوں۔ اس کے کچھ کہے بغیر بھی مجھے اس کے دل کی خبر ہے۔'' جمیلہ بیگم اس شخص کی اعلیٰ ظرفی کی قائل تو پہلے ہی تھیں' اب ان کی شکر گزار بھی تھیں کہ وہ ان کی بھتیجی کے لیے اتنے فکر مند تھے۔ خالد نے خود شارق سے بات کی تو اُس نے اپنی رضامندی دے دی۔

☆......☆......☆......☆

''بھائی صاحب' میں آج ایک دفعہ پھر آپ سے یہ درخواست کرنے آئی ہوں کہ ماہا کو میری بیٹی بنا دیں۔'' جمیلہ بیگم کے لہجے میں بڑی محبت تھی۔

''جمیلہ' میری بیٹی اب پہلے والی ماہا نہیں ہے۔ تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔'' جمیلہ کو بھائی کا یہ شکست خوردہ انداز دکھی کر گیا۔

''ہمارے لیے ماہا آج بھی ویسی ہی ہے۔ آپ ہمیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیجیے اور سُن لیں آپ کا فیصلہ ''ہاں'' میں ہونا چاہیے۔'' جمیلہ کی بجائے خالد نے بڑے مان سے کہا۔

بشیر احمد کو اپنے پچھلے رویوں پر بہت پچھتاوا تھا لیکن خالد اور جمیلہ نے پچھلی ساری باتیں بھلا دی تھیں۔ مزمل کی پہلی برسی کے بعد ماہا سے اس کی دوسری شادی کے حوالے سے بات کی گئی تو اُس نے روتے ہوئے انکار کر دیا۔ وہ کسی اور کو مزمل کی جگہ دینے پر تیار نہیں تھی۔ پھر سب بڑوں اور خصوصاً انیلا باجی کے (فون پر) سمجھانے پر وہ نیم دلی سے شارق کے ساتھ شادی پر تیار ہو گئی۔

☆......☆......☆......☆

پھوپو نے شادی کی ساری تیاریوں میں ماہا کو شامل رکھا تھا۔ اس کی ساری بری اور زیورات اُنہوں نے اسے ساتھ لے جا کر خریدے تھے۔ اس نے ہر سرگرمی میں بڑی بے دلی سے حصہ لیا تھا۔ اس سارے عرصے میں اس کا شارق سے ایک بار بھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس کا دل جہاں مزمل کی محبتوں کو بھلانے میں بے بس تھا وہیں اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ اس شادی کے حوالے سے شارق کے ساتھ یقیناً کوئی زبردستی کی گئی ہے ورنہ اُسے کوئی بھی اچھی لڑکی مل سکتی تھی۔ شادی کے بعد نہ جانے اس کا رویہ کیسا ہوگا۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ فون کر کے شارق سے یہ سب براہ راست پوچھ لیتی۔ انہی سوچوں میں اُلجھتی تانے بانے بنتی وہ شارق کی دلہن بن کر گاؤں آ گئی۔

شارق چونکہ ماہا سے محبت کرتا تھا اس لیے اس کے دکھ کو پوری گہرائی سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ ماہا کو اتنا وقت ضرور دے گا کہ وہ اس رشتے کو دل سے قبول کر لے۔

''ماہا' میں تمہاری حالت کو سمجھ سکتا ہوں اور تمہیں یہاں ایڈجسٹ ہونے میں اپنے تعاون کا پورا یقین دلاتا ہوں' اس کے لیے تمہیں جتنا وقت چاہیے تم بغیر کسی فکر کے لو اور ہاں جب تک تم پوری طرح یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو جاتی تب تک ہم دونوں دوست بن کر رہیں گے' ٹھیک ہے؟'' شادی کی پہلی رات شارق نے بہت نرمی سے بات کی۔ یہ سب سُن کر ماہا جو سینکڑوں خدشے اور وسوسے دل میں دبائے بیٹھی تھی ایک دم ریلیکس ہو گئی۔ اتنا تو ماہا جانتی تھی کہ پھوپو اور پھوپا بہت بڑا ظرف رکھتے ہیں لیکن اب شارق کی باتیں سُن کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ بھی اپنے ماں باپ کی طرح بہت اعلیٰ ظرف ہے۔

☆......☆......☆......☆

پھوپو کے گھر کا ہر فرد جس میں اس کی دونوں نندیں بھی شامل تھیں اس سے بہت محبت اور نرمی سے پیش آ رہی تھیں' جیسے وہ کوئی آبگینہ ہو اور ذرا سی بے احتیاطی سے اس کے ٹوٹ جانے کا خدشہ ہو۔ شادی کے بعد روٹین شروع ہوئی تو ماہا نے پھوپو

کے ساتھ گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کردیا۔ وہ روکتیں لیکن اس معاملے میں وہ کسی کی ایک نہ سنتی اور ان کے ساتھ لگی رہتی۔ ماہا کی نئی نئی شادی ہوئی تھی لیکن وہ بہت سادہ رہتی تھی۔ پھوپو اسے اس بات پر ٹوکتی رہتیں اور اسے بن سنور کر رہنے کو کہتیں۔ ماہا جب بھی تیار ہونے لگتی اُسے مزمل بُری طرح یاد آتا اور اس کی آنکھیں نم ہوجاتیں کیونکہ مزمل کو اس کا بن سنور کر رہنا بہت پسند تھا۔ اب اگر کبھی وہ شارق کے لیے تیار ہوتی تو اسے لگتا کہ وہ مزمل کی قبر پر کھڑی ہوکر خوشیاں منارہی ہے۔ اس لیے وہ سادہ ہی رہتی تھی۔ پھوپو نے اسے شارق کے سامنے ٹوکا تھا۔ شارق کی بڑی بہن بھی آئی ہوئی تھیں۔ وہ بھی پھوپو کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''امی' یہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ماہا کہیں سے بھی نئی نویلی دلہن نہیں لگ رہی۔'' ماہا کی نند نے اس کا ناقدانہ جائزہ لے کر اپنی ماں کی بات کی پرزور تائید کی۔

ماہا نے پریشانی سے شارق کی طرف دیکھا لیکن خاموش رہی۔ اُس نے اُسے اپنی طرف دیکھتے پایا تو نظروں ہی نظروں میں اُسے تسلی دی۔

''امی آپ کو معلوم تو ہے کہ مجھے بہت زیادہ بنی سنوری لڑکیوں سے کتنی چڑ ہے۔ ماہا کو میں نے خود زیادہ زیورات اور زرق برق کپڑے پہننے سے منع کیا ہے۔'' شارق نے جمیلہ بیگم کو وضاحت دی۔

''ارے بہت زیادہ تو کیا یہ تو تھوڑی سی بھی بنی سنوری ہوئی نہیں ہے۔ دیکھو ذرا اس کی کلائیاں بالکل خالی ہیں۔ کم از کم چوڑیاں اور گلے میں کوئی ہلکی سی چین تو پہنی جاسکتی ہے یا یہ بھی تم نے منع کردیا ہے۔ اپنا نہیں تو لوگوں کا ہی کچھ خیال کرلو جو نئی نویلی دلہن کو اس طرح دیکھ کر باتیں بناتے ہیں۔'' جمیلہ بیگم نے دونوں کو ایک ساتھ لتاڑا۔

''ماہا میری بیوی ہے۔ وہ بن سنور کر رہے یا سادہ مجھے ہر حال میں اچھی لگتی ہے۔ اس میں لوگوں کو کیا مسئلہ ہے۔'' شارق نے جرح کی۔

''تم میری بات سمجھنے کی بجائے خوامخواہ بحث کررہے ہو۔'' پھوپو سنجیدہ ہوئیں۔ ماہا ماں بیٹے کی اس تکرار پر گھبرا سی گئی۔

''پھوپو پلیز آپ ناراض نہ ہوں میں آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گی۔'' اُس نے بے قرار ہوکر جمیلہ بیگم کے ہاتھ تھام لیے۔

''امی' آپ نے تو ماہا کو پریشان کردیا۔'' اس کی نند نے اس کے پریشان سے چہرے کو دیکھا۔

''پگلی ہے یہ' اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ میں تو صرف اسے سمجھا رہی ہوں۔'' اُنہوں نے ماہا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

☆......☆......☆

جمیلہ بیگم بہت دنوں سے ان دونوں سے کہہ رہی تھیں کہ وہ کہیں گھوم پھر آئیں۔ لیکن شارق ان دنوں اتنا مصروف تھا کہ اُسے وقت ہی نہیں مل پارہا تھا۔ آج وہ گھر پر ہی تھا۔

''شارق' آج تم فارغ ہو تو ماہا کو کہیں گھمانے پھرانے لے جاؤ۔ چاہو تو لاہور چلے جاؤ یا جہاں ماہا چاہے۔'' وہ اُس کے پاس صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''امی' ماہا سے پوچھ لیں اگر یہ چاہے تو ہم دونوں آج فارم ہاؤس چلے جاتے ہیں۔ آج موسم بھی اچھا ہے۔'' شارق نے سارا معاملہ ماہا کی مرضی پر ڈال دیا۔

''اچھا میں دیکھتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ میں اُسے کہتی ہوں کہ وہ تیار ہوجائے تم بھی تیاری کرلو۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولیں۔

وہ دونوں فارم ہاؤس چلے آئے۔ وہ اُسے ٹیوب ویل کے پاس چھوڑ کر خود کسی کام سے گاڑی تک واپس گیا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ جس جگہ وہ کھڑی تھی وہاں درختوں کا گھنا سایہ تھا۔ ٹیوب ویل چل رہا تھا اور اس کا پانی ایک چوڑی نالی کے ذریعے کھیتوں میں دور دور تک پہنچ رہا تھا۔ نالی کے کنارے درختوں کی شاخیں اتنی نیچی تھیں کہ وہ جھک جھک کر بہتے ہوئے پانی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کررہی تھیں۔ ٹیوب ویل کا دودھ کی جھاگ جیسا سفید پانی دیکھ کر اُسے اپنے اندر ٹھنڈک سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اُس نے دور تک نظر دوڑائی ہر طرف ہریالی اور لہلہاتے ہوئے کھیت نظر آرہے تھے۔ وہ اس نظارے میں کھو سی گئی۔ وہ ہمیشہ سے گاؤں کی خوب صورتی کی دیوانی تھی اور جب بھی وہ پھوپو کے پاس یہاں رہنے آتی تھی اس کا واپس جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور اس کا آنچل اس کے سنگ لہرانے لگا لیکن وہ اردگرد سے بے نیاز کھڑی تھی۔ یوں جیسے کوئی سنگی مجسمہ ہو۔ شارق واپس آیا تو اسے یوں کھڑے دیکھ کر اُسے شرارت سوجھی۔ اُس نے ماہا کے کان کے پاس آکر ''ہاؤ'' کی آواز نکالی۔ وہ یک دم چونکی۔

"کیا کرتے ہیں مزمل۔" کہہ کر بے اختیار پلٹی لیکن شارق کو اپنے ساتھ کھڑے دیکھ کر خجالت سے سر جھکا گئی۔ اُسے سخت شرمندگی نے آن گھیرا۔

"اب ایسے کیا کھڑی ہو چلو آگے چلتے ہیں۔ آؤ شاباش۔" وہ اُس کے الفاظ کو ان سنا کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی اُس کے پیچھے ہولی۔ باقی سارا وقت وہ بے چین ہی رہی کہ کہیں شارق کو اس کی بات ناگوار نہ گزری ہو۔ وہ اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔

"ماہا' کیا ہوا تمہیں' موڈ کیوں آف ہو گیا' کیا یہاں آنا اچھا نہیں لگا' اگر اچھا نہیں لگ رہا تو واپس چلیں؟" شارق نے اس کا دھیان بٹانے کو کہا۔ ماہا نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر اتنا پیچھے کیوں چل رہی ہو؟" وہ رکا تو وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچ گئی اور دونوں قدم سے قدم ملا کر چلنے لگے۔ وہ اس کے انداز پر مسکرا دیا۔ وہ تو اس وقت اسی بات پر بہت خوش تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔

☆......☆......☆......☆

"پھوپا چائے۔" ماہا نے خالد کی طرف چائے کا کپ بڑھایا۔

"شکریہ بیٹا جیتی رہو۔" اُنہوں نے کپ پکڑا۔ وہ پھوپو کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ چائے پی کر پھوپا کسی کام سے چلے گئے۔ وہ چائے کے برتن اُٹھا کر کچن میں رکھ کر واپس آئی۔

"پھوپو' میں لاہور کا ایک چکر لگا آؤں؟" ماہا نے اُن کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹا' تم شارق سے کہو تمہیں چھوڑ آئے گا۔ اس میں بھلا پوچھنے کی کیا بات ہے۔" اُن کا لہجہ بہت نرمی لیے ہوئے تھا۔

"تھینک یو پھوپو۔" اُس نے خوش ہو کر اپنی بانہیں اُن کے گلے میں ڈال دیں۔

"یار' میں تو تمہیں لے کر جاؤں گا۔ التفات کا کچھ مظاہرہ ادھر بھی تو ہونا چاہیے ناں۔" بظاہر ٹی وی دیکھنے میں مصروف شارق نے اُس سے مخاطب ہو کر معصومیت سے کہا۔ یہ سن کر پھوپو کی ہنسی چھوٹ گئی اور ماہا غصے سے اُسے گھورنے لگی۔

"اب میں نے ایسا بھی کیا کہہ دیا کہ تم مجھے اس طرح گھور رہی ہو جیسے کچا چبا جاؤ گی۔" وہ منمنا کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆......☆

"ماہا' تم واقعی پورے پندرہ دن وہاں رکو گی؟" شارق نے اُسے مخاطب کیا' وہ اپنے سامان کی پیکنگ کر رہی تھی۔

"جی ہاں' کیوں آپ کو کوئی اعتراض؟" ماہا نے کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے آپ شوق سے جائیے۔" شارق نے بے چارگی سے کہا۔ ماہا نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر اپنا کام مکمل کرنے لگی۔

"اچھا میں اب چلتا ہوں۔ تم تیار رہنا ہم دوپہر کو نکلیں گے۔" شارق کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اُسے ہدایات دینے لگا۔ پھوپو سے مل کر دونوں باہر نکل آئے۔

"تمہارا بیگ کہاں ہے؟" شارق نے ماہا کو صرف ہینڈ بیگ پکڑے دیکھ کر سوال کیا۔

"میں نے سوچا میرے اتنے دن وہاں رہنے سے کہیں آپ اُداس نہ ہو جائیں اس لیے میں نے وہاں نہ رکنے کا فیصلہ کیا ہے لیکن ایک شرط پر۔" وہ خاموش ہوئی۔

"وہ کیا؟" شارق نے گاڑی میں بیٹھ کر سوال کیا۔

"وہ یہ کہ ہم دونوں آج رات وہیں رکیں گے اور صبح واپس گاؤں آجائیں گے۔" اُس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر سارا پروگرام اُس کے گوش گزار کیا۔ شارق اس کے انداز پر بھنویں اچکا کر مسکرا دیا۔

پھوپو کے کہنے پر ماہا گلے میں ایک ہلکی سی چین' کانوں میں ٹاپس اور کلائیوں میں سونے کی دو چوڑیاں ہمہ وقت پہنے رہتی تھی۔ وہ ہلکے آسمانی رنگ کے کُرتے اور سفید چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی۔ ہونٹوں پر ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک تھی۔ وہ بہت فریش لگ رہی تھی۔

شارق کو بہت خوشی ہوئی کہ وہ بغیر کہے نہ صرف اس کے دل کی بات جان گئی تھی بلکہ اس کی خاطر اس نے اپنا پروگرام بھی بدل لیا تھا۔ اسے اس میں یہ تبدیلی بہت مثبت لگی تھی۔ اسے لگنے لگا تھا کہ اس کی منزل اب بہت قریب ہے۔ اُس پر سرشاری سی طاری ہو گئی تھی۔ سو وہ اس کے ساتھ وہاں رات رکنے کو خوشی خوشی تیار ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ کسی رشتہ دار کے ہاں رات کم ہی رکتا تھا۔

ماہا کے ماں باپ اس کو خوش دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے۔ رات گئے تک خوب رونق لگی رہی تھی۔ سب اپنے کمروں میں

چلے گئے تو ماہا اپنی امی کے پاس آن بیٹھی۔
"بیٹا! تم خوش تو ہوناں؟" انہوں نے ماہا سے سوال کیا۔
"امی! مجھے دیکھ کر آپ کو کیا محسوس ہورہا ہے؟"
"اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ تمہیں دیکھ کر میرے دل کو سکون ملا ہے۔" امی نے محبت سے چور انداز میں اس کی پیشانی چومی۔
"تو بس بے فکر ہوجائیں۔ اللہ کے کرم سے میں وہاں بہت خوش ہوں اور سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔" ماہا نے سر اُن کی گود میں رکھ کر آنکھیں موند لیں تو وہ اس کا شانہ تھپکتے ہوئے الحمدللہ کا ورد کرنے لگیں۔

☆......☆......☆......☆

اگلی صبح دونوں کی واپسی تھی۔ ماہا سب سے مل رہی تھی۔ شارق نے گاڑی نکالی اور گیٹ کے پاس گاڑی روک کر نیچے اتر آیا۔ بشیر صاحب چلتے ہوئے اُس کے قریب آن رُکے۔
"بیٹا! تم نے میری بیٹی کو اس دکھ سے نکال کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ بیٹا! مجھے معاف کردینا میں نے تم لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا۔" انہوں نے شرمندگی سے کہا تو شارق نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
"ماموں! کیسی باتیں کررہے ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔" اتنے میں ماہا شارق کے برابر آن کھڑی ہوئی۔
"اللہ تم دونوں کو ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور زندگی کی ہر خوشی سے نوازے آمین۔" انہوں نے ماہا کے سر پر ہاتھ رکھ کر دونوں کو مشترکہ دعا دی۔
مزمل کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد انہیں کل ماہا کے چہرے پر پہلی دفعہ سکون اور خوشی کے تاثرات نظر آئے تھے اور وہ اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو تھے۔

☆......☆......☆......☆

"کیوں ماہا بی بی! راستے میں کچھ دیر رک کر کچھ کھا پی لیا جائے۔" واپسی میں تقریباً آدھا سفر طے کرچکنے کے بعد شارق نے پوچھا۔ اس کی محبت اس کے ساتھ تھی سو وہ بڑی ترنگ میں تھا۔ انسان کی محبت اس کے پہلو میں بیٹھی ہو تو وہ یونہی ترنگ میں آجاتا ہے کہ اسے ہر جگہ رنگ ہی رنگ نظر آنے لگتے ہیں۔ بدصورتیاں کہیں منہ چھپا کر بیٹھ جاتی ہیں اور اسے ہر چیز خوب صورت دکھنے لگتی ہے۔
"ابھی تو اتنا ہیوی ناشتہ کرکے نکلے ہیں۔ مجھے تو بالکل بھوک نہیں۔" ماہا نے اس کی طرف دیکھا۔
"چلو آئس کریم یا جوس ہی لے لیتے ہیں۔" شارق نے اصرار کیا۔ اس کی نظروں میں کچھ ایسا تھا جس نے ماہا کے دل کو تھوڑا سا گدگدایا تھا۔
"جی نہیں...... کہیں بھی رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس جلدی سے گھر پہنچنے کی کریں۔" ماہا تھوڑا سا رُخ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔
"گھر والا تو تمہارے ساتھ ہے پھر گھر جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے تمہیں؟" شارق کی بات پر ماہا نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اس کے چہرے کے شرارتی تاثرات کو دیکھ کر ناک چڑھائی۔
"میرے گھر میں گھر والے کے علاوہ اور لوگ بھی رہتے ہیں اس لیے مجھے گھر پہنچنے کی جلدی ہے سمجھے آپ۔" دل میں گدگداتا سا احساس دھیرے دھیرے بڑھنے لگا تھا۔
"ہاں جی! آپ مجھ غریب کو بھلا کہاں لفٹ کرواتی ہیں۔" شارق نے آہ بھری۔ ماہا نے اپنے ہونٹوں پر اُبھرنے والی مسکراہٹ کو بمشکل چھپایا تھا۔

☆......☆......☆......☆

شارق اور ماہا کا تعلق چاند اور ندی جیسا تھا کہ چاند پورے کا پورا ندی کے پانی میں نظر آتا ہے مگر حقیقت میں اس کا حصہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی وہ دونوں بھی بظاہر ایک دوسرے کے بہت قریب تھے مگر حقیقت میں دور دور تھے۔ شارق نے یہ دوری ماہا کی خاطر اختیار کی تھی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ماہا کے دل میں شارق کے لیے احترام بڑھتا جارہا تھا جس نے ابھی تک اسے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کا شوہر ہے۔ وہ سب کے سامنے اس کی ڈھال بن جاتا تھا اور تنہائی میں اس کے ساتھ بالکل دوستوں کی طرح رہتا۔ اب وہ اُس کے مذاق کا جواب بھی دینے لگی تھی اور اپنی بہت سی باتیں بھی اس سے شیئر کرتی تھی۔ وہ اُسے بے دھڑک مخاطب کرتی، کبھی کبھار فرمائش بھی کرتی اور تو اور وہ اُس پر مان بھری دھونس بھی جماتی تھی۔ ان کے درمیان اجنبیت کی دیوار دھیرے دھیرے گر رہی تھی۔ یہ سب شارق کے تعاون اور کوششوں کا نتیجہ تھا۔ وہ خوش تھا کہ ماہا دھیرے دھیرے بدلنے لگی ہے۔ شارق کو پورا یقین تھا کہ جلد وہ اپنے اور شارق کے رشتے کو ذہن ودل سے قبول کرلے گی۔

☆......☆......☆......☆

شارق کمرے میں آیا تو وہ اپنے گیلے بال پشت پر

پھیلائے شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔ آج نہ جانے شارق کو کیا ہوا؟ وہ بے خودی کی کیفیت میں ماہا تک آیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ماہا کا ہاتھ تھاما اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی پیش قدمی کرتا ماہا اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے تڑپ کر اُس سے دور ہوئی۔ شارق نے آگے بڑھ کر اُسے کندھوں سے تھام لیا۔

"پلیز...... پلیز' ایسا مت کیجیے۔ مجھ سے دور رہیے' مجھ سے مزمل کی یادیں مت چھینیں۔" ماہا نے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹائے اور اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر سسک اٹھی۔

بے شک وہ بہت ظرف والا تھا لیکن ماہا اس کی بیوی اور سب سے بڑھ کر اس کی محبت تھی۔ پچھلے آٹھ ماہ سے اس کے ساتھ ایک دوست کی طرح رہے رہا تھا لیکن اب اُس کے اندر دھیرے دھیرے کچھ بدلنے لگا تھا اور آج اسی تبدیلی کے زیر اثر وہ بے خودی میں ماہا کی طرف بڑھا تھا لیکن اس کی ذرا سی پیش قدمی پر وہ جس طرح ٹوٹ کر روئی تھی' اس نے شارق کو بہت ہرٹ کیا تھا۔ وہ یک دم رُکا اور ماہا کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا کر اُسے دیکھنے لگا اور پھر چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں کیا کروں شارق؟ آپ کی طرف بڑھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میں مزمل کو بھول رہی ہوں' میں جانتی ہوں کہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر رہی ہوں لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں اس الجھن کو کیسے سلجھاؤں جو مجھے آپ تک پہنچنے سے روکتی ہے۔" ماہا شدت سے روتے ہوئے دل ہی دل میں اُس سے مخاطب تھی۔

☆......☆......☆......☆

اُس روز کے بعد سے شارق نے ماہا کے ساتھ خود سے بات نہیں کی تھی۔ وہ کوئی بات کرتی تو سنجیدہ سے لہجے میں جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کیوں ناراض ہے لیکن وہ خود میں اسے منانے کا حوصلہ نہیں پا رہی تھی۔ دونوں اُلجھے ہوئے تھے۔ پھوپو ان دونوں کے اُترے ہوئے چہرے نوٹ کر رہی تھیں۔ لہٰذا آج شارق کے جانے کے بعد اُنہوں نے ماہا کو بلایا۔

"بیٹی' کیا بات ہے...... تمہیں کوئی پریشانی ہے؟" پھوپو کے سوال کرنے پر ماہا نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم اور شارق ایک دوسرے سے ناراض ہو؟" اُنہوں نے واضح الفاظ میں استفسار کیا۔ ماہا نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا اور ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"ماہا بیٹا' مجھے اپنی الجھن بتاؤ شاید میں اس کا کوئی حل بتا سکوں۔" اُنہوں نے اس کے سر کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ماہا خاموش ہوگئی جیسے بات کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہی ہو۔

"پھوپو' شارق بہت اچھے انسان ہیں۔ اُنہوں نے مجھے یہاں ایڈجسٹ ہونے میں مجھ سے پورا پورا تعاون کیا ہے۔ میں دل سے ان کا بہت احترام کرتی ہوں۔ لیکن میں جب بھی ان کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتی ہوں یا وہ خود ایسی کوئی کوشش کرتے ہیں تو مجھے لگتا ہے کہ مزمل ہمارے بیچ آکر کھڑے ہوگئے ہیں اور میں چاہتے ہوئے بھی شارق تک نہیں پہنچ پاتی۔ بس اسی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض ہیں اور میں چاہ کر بھی ان کی ناراضگی کو دور نہیں کر پا رہی۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میرا دل بہت بے چین ہے۔" ماہا نے بھرائی ہوئی آواز میں اپنی اُلجھن بیان کی۔

جمیلہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا اُس کی آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اُن کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ اُنہوں اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ تھوڑی دیر اس کو اپنے بازو کے حلقے میں لے کر بیٹھی رہیں۔ پھر اسے خود سے الگ کرکے اپنے سامنے بٹھایا۔

"ماہا بیٹا' تم پہلے میری بیٹی ہو اور بعد میں بہو' بلکہ میں نے تو ہمیشہ یہی سمجھا ہے کہ میری دو نہیں تین بیٹیاں ہیں۔ اس لیے ایک ماں کی حیثیت سے میں تمہیں یہ سمجھا رہی ہوں کہ اپنے شوہر کے حقوق پورے کرو۔ میں جانتی ہوں میری بچی کہ تم بہت بڑی آزمائش سے گزری ہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہتی کہ تم مزمل کو اپنے دل سے نکال دو لیکن میں تم سے یہ ضرور کہوں گی کہ تم اپنے دل میں شارق کے لیے بھی جگہ پیدا کرو۔ ایک بات یاد رکھنا ماہا کہ جو لوگ محبت کی دستک پر اپنے دل کے دروازے بروقت وا کردیتے ہیں وہاں محبت ہمیشہ کے لیے بسیرا کر لیتی ہے اور جہاں محبت کی دستک کو اَن سنا کر دیا جاتا ہے وہاں سے یہ روٹھ کر چلی جاتی ہے۔ تم شارق کی محبت کی دستک کو اَن سنا مت کرو۔ مزمل تمہارا ماضی تھا اور شارق تمہارا حال ہے۔ یہ حقیقت ہے بیٹا کہ مزمل اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ تم اس کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرو اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی محبتوں

اور خوشیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لو کہ کہیں بہت دیر نہ ہوجائے۔" پھوپو نے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔ ماہا خاموشی سے سر جھکائے انگلیاں مروڑتی رہی۔

"اچھا چلو تم پریشان مت ہو۔ اُٹھو جا کر تیار ہوجاؤ میں تہمینہ کی طرف جارہی ہوں‘ تم بھی میرے ساتھ چلو شام کو واپس آجائیں گے۔ چلو شاباش۔" پھوپو نے اس کا کندھا تھپکا۔ انہیں آج اپنی چھوٹی بیٹی کے گھر جانا تھا جو قریبی شہر میں بیاہی تھی۔ اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے اُنہوں نے اسے بھی ساتھ لے جانے کا فیصلہ کرلیا تاکہ اس کا دل بہل جائے۔

☆......☆......☆......☆

انسان بھی بہت عجیب مخلوق ہے کہ جب کبھی اللہ اپنی کسی مصلحت کے تحت اسے کسی دکھ سے گزارتا ہے تو یہ اس کا انکار کرتا ہے‘ اس پر روتا ہے چیختا چلاتا ہے مگر جب اللہ اس دکھ کے بعد اس کے لیے خوشیوں کی راہ کھولتا ہے تو یہ اس راہ پر آگے بڑھنے کی بجائے اپنے اس دکھ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر سینے سے لگالیتا ہے اور تذبذب کا شکار ہوکر وہیں کھڑا ہوجاتا ہے۔ خوشیاں اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف بلاتی ہیں اور یہ ان سے نظریں چرا کر ماضی میں جینے کی کوشش کرتا ہے۔ ماہا کو مزمل یاد تو آتا تھا لیکن پہلی والی شدت سے نہیں۔ بعض اوقات تو اُسے لگتا تھا کہ وہ مزمل کو بالکل بھول چکی ہے اور یہی چیز اُس کے دل کو پریشان کرتی تھی۔ اُسے لگتا تھا جیسے وہ مزمل سے بے وفائی کی مرتکب ہورہی ہے۔ لیکن حقیقت یہی تھی کہ اب اس کا دل شارق کی طرف مائل ہونے لگا تھا لیکن وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرپارہی تھی۔ وہ خود بھی اپنے آپ سے لڑتے لڑتے تھکنے لگی تھی۔

رات کو شارق بہت لیٹ واپس آیا۔ ماہا اس کا انتظار کررہی تھی۔ وہ چینج کرکے آیا تو ماہا کمرے میں موجود نہیں تھی۔ شارق بیٹھ کر کوئی میگزین دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھانے کی ٹرے لیے ہوئے آئی اور اُسے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی۔

"آئیں کھانا کھالیں۔" ماہا نے شارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں نہیں کھاؤں گا۔" نظریں ہنوز میگزین پر تھیں۔

"آپ کے انتظار میں‘ میں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ اب آپ میرا ساتھ تو دیں پلیز۔" ماہا نے اپنی طرف سے اسے خوش کرنا چاہا مگر وہ اس کی بات سن کر جل ہی تو گیا تھا۔

"سوری میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا کیونکہ تمہیں کسی کے ساتھ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" شارق جلے ہوئے لہجے میں کہہ کر لیٹ گیا اور کمبل سر تک تان لیا۔ وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔

پہلے وہ جب کبھی لیٹ آتا تو چاہے کھانا کھا کر آتا پھر بھی وہ ہمیشہ اُس کا ساتھ دیتا تھا کیونکہ اس کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ وہ اپنے انتظار میں بھوکی بیٹھی ماہا سے یہ کہے کہ وہ اکیلے کھانا کھالے لیکن آج وہ بے اعتنائی سے بات کرکے سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ وہ دکھی ہوگئی۔

"ماہا بیگم یہ سب تو ہونا ہی تھا۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہاری بے اعتنائیوں اور روکھے رویے کے باوجود شارق تمہاری ناز برداریاں کرے گا‘ تمہارے لاڈ اُٹھائے گا؟ تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔" ماہا کے ضمیر نے اسے جھنجھوڑا تھا۔ اُس نے ٹرے لے جا کر اُسی طرح کچن میں رکھ دی اور کھانا کھائے بغیر آکر اُس کے برابر لیٹ گئی۔

☆......☆......☆......☆

"ماہا......" اسے لگا کہ کسی نے اسے پکارا ہے۔ وہ اُٹھ کر بیٹھی تو کیا دیکھتی ہے کہ مزمل کمرے کے وسط میں کھڑا ہے۔ وہ فوراً بیڈ سے اُتری اور اس کی طرف بڑھی لیکن اُس نے سختی سے ہاتھ کا اشارہ کرکے اُسے روک دیا۔ اُس کے اِس انداز پر ماہا کے بڑھتے قدم یک دم رک گئے تھے۔

"ماہا...... میں تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم اپنے دامن کو خوشیوں سے بھرنے میں دیر کیوں کررہی ہو؟ تم کیوں خود کو اور شارق کو اذیت دے رہی ہو؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

اس سے پہلے کہ ماہا جواب میں کچھ کہتی‘ شارق بھی بیڈ سے اُٹھ کر اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔ شاید ان کی باتوں کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ مزمل شارق کو دیکھ کر مسکرایا‘ آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ماہا کے قریب چلا آیا۔ چند لمحے وہ اس کو دیکھتا رہا پھر اُس نے ماہا کا ہاتھ پکڑ کر شارق کے ہاتھ میں دے دیا اور اپنا ہاتھ دونوں کے ہاتھ پر رکھ کر ہلکے سے دبایا۔ دونوں نا سمجھی سے مزمل کو دیکھنے لگے تو وہ مسکرا کر کمرے کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

وہ ہڑبڑا کر نیند سے بیدار ہوئی۔ اس کی سانسیں بہت تیز چل رہی تھیں۔ اُس کے حواس بحال ہوئے تو وہ اپنے اس

عجیب وغریب خواب کے بارے میں سوچنے لگی۔ اُس نے دائیں طرف گردن گھما کر شارق کو دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور ایک ہی سانس میں پی گئی۔ اس ہی دوران فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ اُٹھ کر وضو کرنے چلی گئی۔

☆......☆......☆......☆

اپنے کسی پیارے کی ناراضگی سوئی کی نوک کی چبھن جیسی ہوتی ہے جو جان تو نہیں لیتی مگر مسلسل بے چین رکھتی ہے' سونے دیتی ہے نہ چین سے بیٹھنے دیتی ہے۔ چاہے ماہا اس بات سے لاکھ انکار کرتی مگر یہ حقیقت تھی کہ شارق اس کے لیے ''محبت'' کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور اس کی ناراضگی نے اسے بے سکون کر دیا تھا۔ وہ اپنی بے چینی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک صبح اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' ماہا نے شارق کو مخاطب کیا جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا۔

''نہیں میں کیوں ناراض ہوں گا تم سے؟'' شارق نے اپنی ساری توجہ اپنے بال سنوارنے پر مرکوز رکھی۔ اس کا لہجہ الفاظ کے برعکس تھا۔ انداز میں لاتعلقی اور بے گانگی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''تو پھر آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟'' ماہا دائیں جانب سے آگے بڑھ کر شارق کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''کر تو رہا ہوں بات۔'' لہجہ ہنوز کھردرا تھا۔

''اِسے بات کرنا کہتے ہیں؟'' ماہا نے جرح کی۔

''تم سے بات کرو تو بھی تمہیں مسئلہ ہوتا ہے نہ کرو تو بھی تمہیں چین نہیں آتا۔ تم چاہتی کیا ہو آخر؟'' شارق نے غصے سے پوچھا۔ وہ اُس کے انداز پر سہم کر اپنی جگہ پر جم سی گئی۔ شارق نے گہری سانس بھر کر خود پر قابو پایا' ماہا کو بازو سے پکڑ کر سائیڈ پر کیا اور ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا موبائل اُٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ ہک دک وہیں کھڑی رہ گئی۔ شارق نے جتنی سختی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے سائیڈ پر کیا تھا اس سے ماہا کو اس کی ناراضگی کی شدت کا خوب اندازہ ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆......☆

دوپہر کا وقت تھا۔ خالد اور ماہا لاؤنج میں موجود تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ماہا نے فون اُٹھایا تو دوسری طرف کی بات سن کر فون اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا اور وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ خالد نے اُسے یوں بیٹھتے دیکھا تو جلدی سے اس کے پاس آئے۔

''ماہا بیٹا' کس کا فون تھا؟'' لیکن ماہا گھٹنوں میں سر دیئے ''نہیں اللہ پاک اس دفعہ نہیں' نہیں اللہ پاک اس دفعہ نہیں۔'' کی گردان کیے جا رہی تھی پھر وہ بے دم سی ہو کر فرش پر گر سی گئی تھی۔

خالد نے فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دوسری طرف شارق کا دوست اکرام تھا جس نے یہ بتایا تھا کہ شارق کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے' اُس کا بائیں ہاتھ میں فریکچر ہوا ہے اور خراشیں وغیرہ آئی ہیں۔ ویسے خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ لوگ بس ابھی اسپتال سے فارغ ہو کر نکل رہے ہیں اور تھوڑی دیر میں گھر پہنچ رہے ہیں۔

خالد ماہا کی اس حالت کی وجہ جان گئے تھے۔ اُنھوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہی تو وہ یک دم کھڑی ہو کر دیوانگی کے عالم میں چیخنے لگی۔

''نہیں میں اسپتال نہیں جاؤں گی۔ کیوں جاؤں میں اسپتال؟ پہلے گئی تھی تو مزمل چلا گیا۔ اب جاؤں گی تو شارق...... نہیں...... نہیں...... شارق...... شارق پلیز مجھے چھوڑ کر مت جایئے۔'' وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ خالد اس کو پکڑ کر بٹھاتے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ خالد جمیلہ بیگم کو آوازیں دینے لگے۔ وہ جلدی سے وہاں آئیں۔

''کیا بات ہے خالد سب ٹھیک تو ہے۔ یہ ماہا کو کیا ہوا؟'' اُنھوں نے ماہا کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو خالد نے اُنہیں ساری بات بتائی۔

''شارق ٹھیک ہے اور ان شاء اللہ ابھی تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائے گا۔ تم ماہا کی فکر کرو۔'' خالد نے جمیلہ بیگم کو بیک وقت تسلی اور ہدایت دی اور خود ڈاکٹر کا نمبر ملانے لگے۔

☆......☆......☆......☆

شارق اور اکرام گھر پہنچے تو ڈاکٹر ماہا کو چیک کر رہا تھا۔

''کسی اچانک ذہنی صدمے کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔ میں نے انجکشن دے دیا ہے۔ یہ تھوڑی دیر تک ہوش میں آ جائیں گی۔'' ڈاکٹر انہیں تسلی دے کر چلا گیا۔

شارق کے ماتھے اور بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اکرام واپس چلا گیا۔ جمیلہ بیگم نے شارق کا صدقہ اُتارا اور اُسے کمرے میں جانے کا کہہ کر خود کچن میں جا کر دودھ گرم

کرنے لگیں۔ شارق کمرے میں آیا تو ماہا ہوش سے بیگانہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ جمیلہ بیگم اس کے لیے دودھ لے کر آئیں تو اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''تمہارے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر اس کی یہ حالت ہوئی ہے۔ پتہ نہیں بے چاری کو کیا کچھ یاد آ گیا ہوگا۔'' جمیلہ بیگم نے تاسف سے کہا۔ شارق دودھ پی چکا تو وہ گلاس لے کر باہر چلی گئیں۔ اُن کے جانے کے بعد شارق بھی بیڈ پر لیٹ گیا۔ جلد ہی اُسے گہری نیند نے آلیا۔

☆......☆......☆......☆

نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ شارق کو اپنے سینے پر بوجھ سا محسوس ہوا۔ اس کی نیند ٹوٹنے لگی۔ اسے کسی کے سسکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو ماہا اس کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی۔

''کیا ہوا......! کیوں رو رہی ہو؟'' شارق نے پوچھا تو وہ اس سے الگ ہو کر اور شدت سے رونے لگی۔ شارق بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''شارق! اگر آج آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں جیتے جی مر جاتی۔ پلیز مجھے کبھی اکیلا چھوڑ کر مت جائیے گا۔ بے شک آپ نے پھوپو کے کہنے پر ہی مجھ سے شادی کی ہے لیکن خدارا مجھ سے کبھی اپنا دامن مت چھڑائیے گا۔'' وہ اس کے بازو سے لگ کر ہچکیوں کے درمیان بے ربط سے انداز میں بولی۔

شارق اس کی یہ دیوانگی اور بے خودی دیکھ کر کھل اُٹھا۔ اُس نے مسکرا کر اپنا بازو اس کے کندھوں پر رکھ کر اسے اپنی موجودگی اور تحفظ کا احساس دلایا۔ ماہا کا سر جھکا ہوا تھا سو وہ اس کی مسکراہٹ نہ دیکھ سکی تھی۔

''ماہا......تم سے یہ کس نے کہا ہے کہ میں نے تم سے صرف امی کے کہنے پر شادی کی ہے؟'' شارق نے ماہا کا چہرہ اُوپر کر کے اس سے پوچھا۔ اس کی نظریں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں اور زبان خاموش تھی۔

''یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ میں نے تم سے شادی اپنے دل کے کہنے پر کی ہے۔ آج میں تمہیں سب بتاؤں گا۔ سنو! تم مجھے شروع سے اچھی لگتی تھی۔ پھر کب مجھے تم سے محبت ہوگئی مجھے خود بھی خبر نہ ہوئی۔ پھر جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں تو تم مجھے اور عزیز ہوگئی۔ میں نے تمہیں اپنے ان جذبوں کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ میں یہ سب شادی کے بعد تمہیں بتانا چاہتا تھا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ میری اور تمہاری شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی لیکن تقدیر شاید اسی کو کہتے ہیں کہ ماموں جان نے چند وجوہات کی بناء پر میرا رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یوں تم مزمل کی زندگی میں شامل ہوگئیں۔'' شارق سانس لینے کو رکا۔ ماہا دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

''ماموں جان کے انکار پر میں بہت بری طرح ہرٹ ہوا تھا لیکن اللہ گواہ ہے کہ میں نے کبھی تمہیں بددعا نہیں دی بلکہ ہمیشہ تمہارے لیے خوشیوں کی دعا کی۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو میرے رب کو منظور ہوتا ہے۔ پھر ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ قدرت تمہیں خود بخود مجھ تک لے آئی اور میں نے تمہیں اس یقین کے ساتھ اپنا لیا کہ تم میرے بخت کا وہ روشن ستارہ ہو جو میری ساری زندگی کو منور کردے گا۔'' بات مکمل کر کے اس نے ماہا کو دیکھا جو اُس کے بازو کے حصار میں سر اُٹھا کر اُسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' شارق نے پوچھا۔

''دیکھ رہی ہوں کہ کیا آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں؟ آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔'' وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

''ہاں' تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ سمجھ لو تم میرے جسم و جان ہو۔'' شارق نے اپنا بازو اس کے گرد لپیٹ کر اسے خود سے قریب کیا اور اپنی تھوڑی اس کے سر پر ٹکادی۔

ماہا کو یقین ہوگیا تھا کہ اللہ نے ہی اس کے لیے شارق کو منتخب کیا ہے اور وہ اپنے رب کے انتخاب کو بھلا کیسے ٹھکرا سکتی تھی۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ شارق کا یہ ساتھ اس کے لیے اللہ کا انعام ہے۔ اُس نے سکون سے آنکھیں موند کر اس ساتھ کو اپنی پوری آمادگیوں اور محبتوں سے نبھانے کا عہد کر لیا تھا۔

ابھی پھولوں میں خوشبو ہے
یاسمین نشاط

جب بھی تجھے بھولنا چاہا تو خیال آتا ہے
کبھی دھڑکن بھی کسی دل سے جدا ہوتی ہے
اپنی جانب میں بڑھا ہاتھ کوئی، تھام تو لوں
ایسا کرنے ہی سے توہین وفا ہوتی ہے

سلام پھیر کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بالکل خالی الذہن تھی ہمیشہ کی طرح......اسے دعا مانگنا آتی ہی نہیں تھی۔ کیا مانگے؟ سب کچھ تو تھا اس کے پاس یا پھر دل کے جس خانے میں طلب کا پودا پھلتا پھولتا ہے وہ خانہ کب سے بند تھا۔ کتنی دیر وہ یونہی ہاتھ اٹھائے بیٹھی رہی جانے کون کون سی بھولی بسری باتیں ذہن میں گردش کرتی رہیں پھر منہ پر ہاتھ پھیر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جائے نماز تہہ کرتے ہوئے اس نے ایک نظر نیم تاریک ماحول میں بے خبر سوئے ان چار نفوس پر ڈالی اور پھر باہر آ گئی۔ آج صبح کاذب نے ابھی اپنی جھلک صحن میں نہیں اتاری تھی کہ سیاہ سرمئی بادلوں نے اسے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ موسلا دھار بارش کا امکان لگ رہا تھا' اس نے صحن پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور چیزیں اٹھا کر برآمدے میں رکھنے لگی۔

"آج چائے نہیں ملے گی کیا؟" دوسرے کمرے سے آتی آواز پر وہ چونکی۔ وہ واقعی بھول گئی تھی' اس نے جلدی سے برآمدے میں بندھی چھتوں کی ڈوری کھولی اور کونے میں بنے اس چھوٹے سے کچن میں آ گئی۔ چولہا جلانے سے قبل اس نے گیس کے سلنڈر کو ہلا کر دیکھا۔ کافی دن ہو گئے تھے اور کوئی پتہ نہیں تھا کب ختم ہو جائے۔ چولہا جلاتے ہوئے اس نے دیکھا بارش شروع ہو گئی تھی۔ اسے بارش پسند تھی۔ خواہ گرمیوں کی ہو یا سردیوں کی آج وہ ناشتے میں سب کے لیے میٹھے پوڑے بنائے گی۔ اس نے سوچا اور چائے کپ میں انڈیل کر کمرے میں آ گئی۔ گلاب خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ٹیبل پر رکھی اس گھڑی کی طرف گویا جتا رہے تھے کہ آج وہ چائے دیر سے لائی ہے۔

"بارش ہونے لگی تھی چاچا' صحن میں رکھی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔" کپ رکھتے ہوئے اس نے وضاحت کی۔ ادھر سے کوئی جواب نہ پا کر وہ واپس پلٹ آئی۔ چھاجوں مینہ برس رہا تھا' اس نے وہیں ایک طرف رکھی کرسی پر نشست جمائی اور بارش کو دیکھنے لگی۔ اسے لگا وہ بھیگ رہی ہے۔ بارش کے قطرے اس کے چہرے پر گر رہے ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے گول گول گھوم رہی تھی۔

"سمی او......سمی......بس کر بیمار پڑ جائے گی۔" کسی نے روکا تھا' ٹوکا تھا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ وہاں کوئی نہیں تھا' سوائے تیز برستی بارش کے۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا' اپنی ہتھیلیاں پھیلائیں......سب کچھ خشک تھا۔ اندر بھی' باہر بھی......وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ یک بیک اسے شدید پیاس محسوس ہوئی تھی۔ وہ کچن کی طرف بھاگی اور پھر بغیر رکے وہ دو تین گلاس پانی کے غٹا غٹ پی گئی۔ ناشتے میں گرما گرم میٹھے پوڑے دیکھ کر فیاض خان اور بچے سب ہی خوش ہو گئے تھے۔

"آج تو بڑے موڈ میں ہو؟" فیاض خان نے اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ تھامتے ہوئے کہا۔ بارش ابھی تھمی نہیں تھی یا آہستہ ہو گئی تھی۔ ایک بارش اس کے اندر بھی تھی۔ جو تھمتی نہیں تھی۔ کم یا زیادہ ہوتی رہتی تھی۔ جب باہر تیز بارش ہوتی تو اس کے اندر کی بارش کچھ دیر کو کم ہو جاتی۔

"ہاں' موسم اچھا ہے ناں۔" اس نے خالی پلیٹیں سمیٹیں۔ دل میں امید سی جاگی اور اسی وقت دم بھی توڑ گئی......ہمیشہ کی طرح فیاض نے آج بھی خاموشی سے کھایا تھا' اسے اپنے ساتھ شامل ہونے کا نہیں کہا۔ وہ ایسا ہی تھا......خاموشی سے اپنا کام مکمل کر کے اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس نے کھایا یا نہیں کبھی پوچھا ہی نہ تھا۔ شروع شروع میں اسے فیاض کی یہ بات بہت تکلیف دیتی تھی پھر عادت ہو گئی۔ اب یا تو وہ فیاض کو کھانا دینے سے پہلے کھا لیتی تھی یا پھر بعد میں......خوامخواہ جی برا نہیں کرتی تھی۔ کشمالہ اور ببرک کو اسکول روانہ کر کے اس نے کچن سمیٹا......بارش کچھ دیر کو تھمی تھی لیکن موسم ابھی تک ابر آلود تھا۔ بستر سمیٹ کر اس نے

جھاڑو لگائی۔ فیاض کی بکھری چیزیں سمیٹیں، وہ بہت گند پھیلاتا تھا۔ جوتے کپڑے موزے صافہ ہر چیز کمرے میں بکھری پڑی ہوتی۔ وہ بچوں کے ساتھ ان کے کمرے میں سوتی تھی۔ چھوٹے دونوں بچوں کو تو خیر وہ خود ہی سنبھالتی تھی کشمالہ اور ببرک البتہ اپنے باپ سے مختلف تھے۔ اپنی چیزیں سمیٹ کر رکھتے اگرچہ وہ اس سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے...... پھر بھی وہ بہت جگہوں پر اس کا خیال رکھتے تھے۔ اس نے کھڑکی کھولی تو ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے اندر چلے آئے۔ اسے یک دم خوشگواریت کا احساس ہوا اس نے اپنی زندگی سے مایوسی دکھ بے بسی کے لفظ نکال پھینکے تھے۔ اس کے پاس جو کچھ اور جیسا تھا وہ اس میں مطمئن تھی۔

کشمالہ اور ببرک کے واپس آنے تک وہ نہ صرف گھر سمیٹ چکی تھی بلکہ کھانا بھی پکا چکی تھی۔ ان کا استقبال ہمیشہ کی طرح اس نے ممتا بھری مسکراہٹ سے کیا تھا لیکن انہوں نے بھی اپنی سرد مہری میں کمی نہ آنے دی تھی۔ خاموشی سے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ کھانا گرم کرنے لگی...... گیس کی لو کم ہوگئی تھی اور وہ فیاض کو بتانا بھول گئی تھی کہ سلنڈر میں گیس ختم ہو رہی ہے...... چلو لکڑیاں تو ہیں ہی۔ اس نے خود کو تسلی دی اور پھر اسے وہ دن یاد آ گیا جب پہلی بار اسے یہاں لکڑیوں کو پھونک مار مار کر آگ جلانی پڑی تھی۔ دھوئیں سے اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ اسے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"کیا ہو گیا گھر میں؟" گلاب چاچا نے اندر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

"کچھ نہیں ابا؟ آگ نہیں جل رہی شہری لڑکی ہے ناں لکڑیاں جلانا نہیں جانتی۔" فیاض نے تھوڑا سا مٹی کا تیل چھڑکا اور دیا سلائی دکھائی آگ بھڑک اٹھی وہ ڈر کر پیچھے ہٹی اور آنسو بھری آنکھوں سے مسکراتے فیاض کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تجھے بتایا تھا میری زندگی ایسی ہی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔ وہ سر جھکائے آٹے کے پیڑے بنانے لگی تھی۔ "صد شکر اسے کچن کا کام آتا تھا ورنہ تو......"

"اماں...... مجھے بھی کھانا دے۔" چھ سالہ فواد اس کے پاس آ بیٹھا۔

"ہاں...... لا رہی ہوں تو چل...... وہاں بیٹھ۔" اس نے رکابیوں میں سالن نکال کر ٹرے میں رکھیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ دو دو آلو ایک ایک بوٹی...... پتلا شوربہ (یہ سب پتلا شوربہ کھاتے تھے بلکہ سڑکیاں لے لے کر پیتے تھے) روٹیوں کی چنگیر اس نے سر پر ٹکالی تھی۔ کیسے کیسے فن وہ سیکھ گئی تھی ان کچھ سالوں میں۔ بادل اب چھٹ رہے تھے اور ہلکی ہلکی دھوپ پھیل رہی تھی۔ اس نے کھانا تخت پر رکھا اور اس کے بلانے سے قبل ہی کشمالہ اور ببرک باہر آ گئے۔

"آج کیا کھانا بھی نہیں پکا۔" وہ گلاب چاچا کی روٹی علیحدہ کر رہی تھی کہ آواز آ گئی اس نے ہاتھ تیزی سے چلائے اور دوسری آواز آنے سے قبل ہی کھانا لے کر آ گئی۔

"خیر ہے بی...... آج تو سب کچھ بھولی بھولی سی ہے۔" گلاب چاچا نے آنکھیں سکوڑتے ہوئے گویا اسے ٹٹولا تھا۔

"ہاں ناں...... سب خیر خیریت۔" وہ ہنسی اور تپائی کھینچ کر چاچا کے آگے کر دی۔ کھانا رکھ کر اس نے چاچا کے ہاتھ دھلائے اور سامنے ہی بیٹھ گئی۔

"رات تو قہوہ دینا بھی بھول گئی...... کل تو میں نے بڑا اچھا قصہ سنانا تھا تجھے۔" نوالہ توڑتے ہوئے بھی زبان شکوہ کناں ہی رہی۔ وہ مسکرائے گئی۔ اسے چاچا اور فواد ایک جیسے ہی لگتے تھے ضدی جلد باز ہر وقت شکایتوں کا دفتر کھولے۔

"قہوہ میں نے چڑھا دیا ہے۔ بچوں کو کھانا کھلا دوں تو پھر لاتی ہوں۔" اس نے کہا اور باہر آ گئی۔ کشمالہ اور ببرک کھا کر اٹھ چکے تھے۔ فواد اور زوہیب البتہ کھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ آ کر ان کی مدد کرنے لگی۔ ساتھ میں خود بھی لقمے لینے لگی۔ اس کا کھانا پینا بس ایسے ہی تھا۔ چلتے پھرتے بچوں کو کھلاتے ہوئے جو کھالیا کھالیا بچے سونے چلے گئے۔ برتن سمیٹتے ہوئے اس نے کمرے میں جھانکا تو کشمالہ اور ببرک بھی آرام کی غرض سے لیٹے تھے۔ گلاب چاچا کو قہوہ تھما کر وہ برتن دھونے لگی۔ فیاض کا چار دن کا ٹور تھا اور یہ چار دن اس نے گھر سے شہر سے باہر گزارنا تھے۔ فیاض گھر پر نہ ہوتا تو اسے قدرے فراغت محسوس ہوتی تھی۔ اگرچہ وہ بہت کم اس سے اپنے ذاتی کام کرواتا تھا۔ پھر بھی وہ اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتی رہتی تھی۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ بھی سستانے کی غرض سے لیٹ گئی۔ (عصر اور مغرب کے دوران سونا پسند نہیں فرمایا گیا) کسی کی بھولی بسری آواز آئی تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں حبس سا محسوس ہو رہا تھا اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول کر آگے پردہ گرا دیا۔ یہ کھڑکی باہر کی طرف کھلتی تھی اور فیاض نے اسے کھولنے سے منع کر رکھا تھا لیکن وہ کبھی کبھار گھٹن سے گھبرا کر

چند لمحے کے لیے اس کھڑکی میں آ کھڑی ہوتی تھی۔ کھڑکی کے اس پار دور تک پھیلے پہاڑ تھے اور ان پہاڑوں کے بیچ بنے گھر۔

"ہم اپنا ایک گھر پہاڑوں پر بنائیں گے۔" ایک چہکتی آواز آئی۔

"نہ بابا...... میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔"

"کیوں' کیوں' کیوں؟" مچلتی آواز پھر گونجی۔

"میں تمہارے غصے سے واقف ہوں...... ذرا غصہ آیا اور تم پہاڑ پر چڑھی نیچے کودنے کی دھمکی دے رہی ہوگی۔ اس لیے کہیں بھی' مگر پہاڑوں پر نہیں۔" وہ صاف منع کردیتا۔ وہ ہنسنے لگتی۔ ہنستی چلی جاتی۔

اس کا پہاڑوں پر ہی گھر بنا تھا۔ بہت اونچائی پر...... لیکن اب اسے غصہ نہیں آتا تھا...... وہ کئی بار پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی ہوئی تھی' لیکن نیچے کود کر جان دینے کا خیال ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔ تب بھی نہیں جب اس نے فیاض خان کے ساتھ نکاح نامے پر سائن کیے تھے' تب بھی نہیں جب فیاض خان نے ایک ساتھ چار بچے اور بیمار بیوی اس کے حوالے کیے تھے۔ تب بھی نہیں جب گل جان خون تھوکنے کے ساتھ ساتھ اس پر مغلظات کی بارش کرتی تھی' اس حالت میں بھی اسے سوکن کا دکھ گوارا نہ تھا۔ فیاض خان نے اس کے لیئرز میں کٹے بالوں کو پراندے میں بندھوا کر سر پر بڑی سی چادر اوڑھا دی تھی وہ سب کچھ چپ چاپ کرتی چلی گئی اسے احساس ہوگیا تھا اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں رہی...... پسند ناپسند ختم' اسے صرف اور صرف فیاض خان کے مطابق زندگی بسر کرنا تھی۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تھی۔ اس نے کھڑکی بند کی اور ساتھ ہی یادوں کے کواڑ بھی...... اور وضو کرنے چلی آئی۔ بچے بھی اٹھ گئے تھے' نماز ادا کرنے کے بعد اس نے رات کے کھانے کی تیاری کی' گلاب چاچا کے کمرے میں آج خاموشی تھی' یہ بھی فیاض خان کی موجودگی میں کچھ زیادہ ہی شور مچاتے تھے۔ ابھی وہ روٹیاں پکا کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ لالے جان آگئی۔ لالے جان نچلی پہاڑی پر رہتی تھی...... وہ وہیں کچن میں چلی آئی۔

"کیا کررہی ہو بھئی' ادھر بھی نکل آیا کرو کبھی...... ہماری تو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں...... لیکن مجال ہے جو تمہارا صورت دیکھنے کو ملے۔"

"میری صورت دیکھ کر تم کروگی بھی کیا؟" وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"ایک بات تو بتا سمی؟" وہ اس کو دیکھے گئی۔

"ہوں...... پوچھ......" اس نے لکڑیوں کو ٹھکورا۔ وہ روٹیاں پکا کر فارغ ہوچکی تھی اب آگ بجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

"تجھے اس پوری دنیا میں صرف فیاض ہی ملا تھا شادی کرنے کو؟" اس کے لہجے میں تاسف ترحم سب کچھ تھا۔

"تقدیر بنانے کا اختیار اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو جاتی اور بنالاتی' اپنی پسند کا مقدر۔" وہ زیرلب بڑبڑائی لالے جان بغور اس کا چہرہ تک رہی تھی کچھ کھوج رہی تھی۔

"کیوں فیاض خان میں کیا برائی ہے؟" وہ اپنا کام مکمل کرچکی تھی اب پلٹ کر ادھ جلی لکڑیاں پیچھے رکھ رہی تھی۔ بالکل ایسے ہی اس نے اپنا ادھ جلا وجود بھی کہیں پیچھے رکھ چھوڑا تھا اوپر اتنی راکھ ڈال دی تھی کہ کسی کی نظر ہی نہیں پڑتی تھی۔

"اچھائی کیا ہے؟ کانا دیو......" کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑی۔

"پتہ ہی سمی...... جب فیاض خان تجھے گاؤں میں لے کر آیا تو ہم سمجھے کہیں سے اٹھا کرلے آیا ہے...... تو اب بھاگی کہ تب بھاگی لیکن پھر رفتہ رفتہ تجھے خوش دیکھ کر یقین ہوا کہ اس کانے دیو نے اس پری سے نکاح کیا ہے مگر کیوں؟ کتنے سال ہوگئے' اس کی بیمار بیوی کو سنبھالا...... اس کے بچوں کی پرورش کی...... لیکن ہمیں اب تک سمجھ نہیں آئی سمی کیوں......؟" وہ اس کے لیے مضطرب ہوئی۔

"بہت سارے سوالوں کے جواب ہمارے پاس نہیں ہوتے لالے' اور جن کے جواب نہ ہوں ان سوالوں پر غور نہیں کرتے۔ روٹی کھائے گی؟" وہ سب کام سمیٹ چکی تھی۔

"نہیں...... مجھے تو شادی پر جانا ہے۔ پوچھنے آئی تھی میک اپ کردے گی؟ تو بالکل بیوٹی پارلر والا میک اپ کرتی ہے۔ میں بڑی خوب صورت ہوجاتی ہوں۔" اس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"خوب صورت تو تُو پہلے ہی بہت ہے۔" سمی نے سراہتی نظروں سے اسے دیکھا وہ بھرپور پہاڑی حُسن کی مالک تھی۔

"اور تجھے پوچھنے کی کیا ضرورت...... جب دل کرے آجانا۔ تب تک میں بچوں کو کھانا کھلا کر فارغ ہوجاتی ہوں۔" اس نے کہا تو لالے سر ہلاتی چلی گئی۔ وہ چلی گئی لیکن ادھ جلی لکڑیوں پر پھونکیں مار کر ساری راکھ اڑا گئی تھی۔ بجھے کنارے پھر سے سلگنے اور دہکنے لگے تھے اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے گھٹنوں پر سر گرا لیا...... دھواں آنکھوں میں بھرنے لگا اور ان سلگتی دہکتی آگ کو

بجھانے کے لیے پانی ضروری تھا آنکھوں کا پانی۔

❁......❁......❁

فون کی بیل کب سے بج رہی تھی لیکن کوئی اپنی نیند خراب کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے تکیے کو کانوں پر رکھ کر آواز دبانی چاہی لیکن فون کرنے والا بھی پرلے درجے کا ڈھیٹ تھا۔ اس نے پروین کو آواز دی لیکن اس نے بھی ان سنی کردی۔ مجبوراً اسے اٹھنا پڑا۔ ریسیور اٹھاتے ہی وہ برس پڑی۔

"تمیز نام کی ایک چڑیا ہوتی ہے کیا کبھی نہیں دیکھی آپ نے؟ حد ہوتی ہے اگر ایک بار میں فون ریسیو نہیں ہوا تو بندہ کامن سنس استعمال کرلے گھر والے سو رہے ہوں گے نہا رہے ہوں گے...... یا چلو ان کا موڈ نہیں ہوگا اٹھ کر ٹی وی لاؤنج میں آکر فون اٹھانے کا...... آپ صبر کرلیں...... کچھ گھنٹوں بعد کرلیں...... پر نا جی ہم مسلمانوں نے اپنے سب طور طریقے بھلا ڈالے ہیں...... گڈ مارننگ، ہوائے گڈ ڈے گڈ نائٹ نہیں بھولتے ہیں...... اور......"

"محترمہ پلیز میری بات......" ادھر سے بولنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی لیکن اسمارا بنت خضر اپنے سامنے کسی کو بولنے دیں، یہ تو آج تک ہوا نہ تھا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا...... میری نیند خراب کرکے رکھ دی۔ غضب خدا کا صبح صبح کیا قیامت ٹوٹ پڑی کون سی بریکنگ نیوز آگئی جو ابھی سنانی ضروری ہوگئی۔ بند کریں فون اور چار پانچ گھنٹوں بعد کریں۔ ابھی سب گھر والے سو رہے ہیں اور برائے مہربانی آئندہ ذرا تمیز سے فون کیجیے گا۔ جاہل بدتمیز۔" اس نے فون بند کردیا...... دوسری جانب سے آتی ہیلو ہیلو کی آواز وہیں کہیں ٹھس ہوگئی لیکن اب کال بیل چیخ اٹھی تھی۔ "یا وحشت" اس نے کھا جانے والی نظروں سے بیرونی دروازے کی سمت دیکھا اور بھاگ کر کمرے کا دروازہ بند کرلیا...... اس گھر میں سونا قیامت کے برابر تھا۔ منہ پر کمبل لینے سے قبل اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی ایک بج رہا تھا۔

"لوگ بھی ناں رات کے ایک بجے منہ اٹھا کر لوگوں کے گھر چل پڑتے ہیں، مینرز تو ختم ہی ہوگئے ہیں۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے لوگوں کو مورد الزام ٹھہرایا...... لیکن اگلے ہی پل پٹ سے آنکھیں کھول دیں...... وہ رات تین بجے سوئی تھی پھر یہ ایک...... شاید کلاک کا سیل ختم ہو...... نہیں...... وہ سرعت سے اٹھی...... یہ تو دوپہر کا ایک تھا......" اوہ مائی گاڈ......" وہ چھلانگ مار کر بیڈ سے اتری۔ واش روم جاکر پانی کے چھپاکے منہ پر مارے اور ٹاول سے صاف کرتی وارڈ روب کی طرف آگئی۔

تیار ہونے میں اس نے صرف پانچ منٹ لگائے تھے۔ بیگ اور موبائل اٹھا کر اس نے بیرونی گیٹ کو دوڑتے ہوئے عبور کیا تھا۔ یونیورسٹی کا راستہ کم از کم آدھے گھنٹے کا تھا اور پیپر شروع ہونے میں چالیس منٹ تھے۔ سڑکوں پر تو اس وقت ویسے بھی بہت رش ہوتا تھا۔ اسکولوں میں چھٹی کا ٹائم تھا......

اس نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی...... پھر سڑک پر...... کوئی خالی آٹو یا ٹیکسی اس وقت نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے ایک طرف چلنا شروع کردیا...... دل ہی دل میں دعائیں بھی پڑھ رہی تھی۔

"یا اللہ آج تو کوئی لفٹ دینے والا ہی مل جائے۔" اور شاید قبولیت کا وقت تھا...... ایک رکشہ اس کے پاس آرکا...... وہ شکر ادا کرتی فوراً بیٹھ گئی...... پریشانی میں اس نے رکشہ کی حالت پر غور نہیں کیا تھا عام حالات میں وہ کبھی اس پر سوار ہونا پسند نہیں کرتی۔

"میرا پیپر ہے، میں لیٹ ہوگئی ہوں پلیز ذرا جلدی سے پہنچا دیں۔" اور رکشے والے نے جی باجی کہہ کر رکشہ کو ریس دی۔ اللہ کا شکر ہوا وہ پورے دو منٹ پہلے کلاس روم میں پہنچ ہی گئی تھی۔ آج اس کا بائیو کا پیپر تھا اور شکر تھا کہ بہت اچھا ہوگیا تھا۔ اب وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ کھڑی ڈسکشن کررہی تھی پھر جیسے اسے ایک دم یاد آیا...... وہ سوئی کیسے رہ گئی تھی...... اس نے الارم لگایا تھا اور پھر پروین...... پروین بھی تو جانتی تھی کہ آج اس کا پیپر تھا اس نے کیوں نہ جگایا...... اور اگر وہ فون نہ آتا...... فون...... ہاں وہ فون نہ آتا تو آج کا پیپر رہ گیا تھا۔ اللہ بھلا کرے......" اسے بے اختیار اس فون کرنے والے یا والی پر پیار آیا۔ آج تو واقعی اس فون نے اسے بچالیا تھا۔ واپسی پر اس نے کنزیٰ سے ریکویسٹ کی تھی اسے ڈراپ کرنے کی کیونکہ ڈرائیور دو دن کی چھٹی لے کر گاؤں گیا ہوا تھا اور اب اس کا ارادہ نہیں تھا رکشوں میں دھکے کھانے کا۔

گاڑی میں بیٹھ کر انجانے میں وہ اس فون کال کے بارے میں سوچ رہی تھی جب کنزیٰ نے اس کا کندھا زور سے ہلایا۔

"یہ کیا ہے اسمارا...... یہ شاید تمہارا ہی گھر ہے؟" کنزیٰ نے اپنا موبائل اس کے آگے کرتے ہوئے گھبرائی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے موبائل جھپٹا۔ بریکنگ نیوز چل

رہی تھی۔

"معروف صنعتکار خضر رحمان کے گھر آتشزدگی...... سب کچھ جل کر راکھ...... کہا جارہا ہے کہ حادثے کے وقت خضر رحمن اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ گھر کے اندر ہی موجود تھے اور لاکھ کوشش کے باوجود انہیں بچایا نہیں جاسکا۔ آگ بری طرح پھیل چکی ہے فائر بریگیڈ کا عملہ تاحال آگ پر قابو نہیں پاسکا۔" وہ ایک ٹک اپنے جلتے ہوئے گھر کو دیکھ رہی تھی...... اسے یقین ہی نہ آیا۔

"نہیں کنزیٰ...... یہ جھوٹ ہے...... کوئی...... کوئی اور چینل چیک کرو...... پلیز کنزیٰ...... مما...... پاپا...... نہیں...... کنزیٰ یہ ممکن نہیں ہے...... مما...... پاپا......" وہ ہذیانی ہوکر چلانے لگی اور پھر کنزیٰ کی بانہوں میں جھول گئی۔

❀......❀......❀

میک اپ ختم کرکے اس نے لالے جان کو دیوار میں لگے آئینے کے سامنے لاکھڑا کیا۔ وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

"لو دیکھو...... تم تو میک اپ نہ بھی کرو تو بھی قیامت ڈھاتی ہو۔"

"یہ تو تم کہتی ہوناں۔" اس نے گھوم پھر کر اپنا جائزہ لیا۔

"وہ جو دلیر جان ہے ناں یا قربان...... وہ پھر بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا...... چار جماعتیں پڑھ کر اس کا دماغ شہری ہوگیا ہے۔ اس کو اب کٹے بالوں والی ماڈرن لڑکیاں پسند آتی ہیں اور یہ جو میری چادر ہے ناں اس کو تو تنبو بولتا ہے اور جو کہیں ابا اور چاچا کو پتہ چل جائے تو اسی تنبو میں لپیٹ کر درخت سے لٹکا دیں اس کو۔" وہ شاکی ہوئی۔

"اور تو پھر بھی اس کی محبت میں دیوانی ہے؟" وہ میک اپ کا سامان پیک کرنے لگی۔ فیاض خان نے پچھلی عید پر اس کو لاکر دیا تھا لیکن اس نے ایک بار بھی استعمال نہ کیا تھا' وہ تو اٹھا کر لالے کو دے بھی دیتی اگر فیاض خان کا ڈر نہ ہوتا۔

"محبت ہے ناں......" اس کے لہجے میں سرشاری آگئی۔

"بچپن سے اس کا نام سنا ہے اپنے نام کے ساتھ۔ محبت نہ بھی کرے شادی تو مجھ سے ہی کرے گا...... کرنی پڑے گی۔ ورنہ دربدر ہونا پڑے گا اسے۔ اچھا میں چلوں' کل پھر آؤں گی۔" وہ اللہ حافظ کہتی چلی گئی۔ رات گہری ہوچلی تھی۔ بچے کھانا کھا کر بستروں میں دبک گئے تھے۔ اس نے گلاب چاچا کو قہوہ دیا اور پھر ان کے پاس کچھ دیر بیٹھ گئی۔ انہوں نے قہوہ کا گھونٹ بھرا اور اسے گہری نظروں سے تکنے لگے۔ آج وہ خلاف معمول چپ چپ تھی۔ اکثر ہوجایا کرتی تھی جب بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی لیکن آج صبح اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ انہوں نے نوٹ کیا تھا۔

"فیاض خان نے کچھ کہا ہے؟" انہوں نے گہری نظروں سے اسے کھوجا۔

"نا...... نہیں......" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "آج آپ کچھ نہیں سنائیں گے' آج فارغ ہوں۔ نیند بھی نہیں آرہی۔" اس نے دونوں بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹ لیے اور منتظر نظروں سے گلاب چاچا کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے جلدی جلدی قہوے کے گھونٹ بھرے اور خالی کپ تپائی پر رکھا پھر کہنے لگے۔

"آج تم سنادو...... وہ سب کچھ جو اتنے سالوں سے دل پر لیے پھرتی ہو۔ بوجھ کو اتار پھینکو' اپنی روح کو آزاد کردو۔ بوجھ کو زیادہ دیر اٹھائے پھرو تو یہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو پھینکنے کی بھی ہمت نہیں رہ جاتی۔ آج بتادو تم نے فیاض خان سے شادی کیوں کی؟ مجھے بھی پتہ چلے...... میں جانتا ہوں تمہیں اس گھر میں کسی نے قبول نہیں کیا...... فیاض خان نے بھی نہیں...... اسے بس اپنے بچوں کے لیے ایک عورت چاہیے تھی' وہ تمہاری صورت میں اس کو ملی ہوئی ہے۔ تمہاری کیا مجبوری ہے کیوں یہاں رل رہی ہو...... کیا وہ تمہیں زبردستی اٹھا کر لایا تھا۔ یہ جو تمہاری صورت ایک چلتا پھرتا دکھ ہے ناں اس گھر میں...... مجھ سے دیکھا نہیں جاتا...... میں بہت دفعہ فیاض سے کہہ چکا ہوں وہ تمہیں تمہارے گھر واپس بھیج دے لیکن وہ میری بات کا جواب نہیں دیتا...... دیکھو آج فیاض زندہ ہے تو تمہیں یہ چھت میسر ہے اللہ اس کو سلامت رکھے لیکن میں جانتا ہوں خدانخواستہ آج اس کو کچھ ہوگیا تو یہ گھر تمہارے لیے تنگ پڑ جائے گا۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو؟ فیاض تمہیں کہاں سے لایا ہے' کچھ تو بتاؤ......" آج وہ سب کچھ جاننے کے درپے تھے۔

"میں فیاض خان کی بیوی اور اس کے بچوں کی ماں ہوں۔ یہی میری پہچان ہے اور یہی شناخت...... میرا گھر بھی یہی ہے اور پناہ بھی یہی...... اس سے زیادہ کچھ نہیں چاچا...... آپ تسلی رکھیں۔" وہ انہیں مطمئن کرپائی کہ نہیں لیکن اس کے بعد وہاں ٹھہرنا محال تھا۔ سیاہ سرمئی اودے بادل اُمڈ اُمڈ آرہے تھے۔ تیز بارش کا امکان تھا۔ اسے بہت کچھ سمیٹنا تھا۔ بہت

کچھ بچانا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے فیاض خان کے کمرے میں آ گئی۔ اس کے جہازی سائز بیڈ کی پائنتی پر بیٹھتے ہی اختیار کی طنابیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھیں۔ بادل خوب گرج برس رہے تھے...... سب کچھ دھل کر نکھر گیا تھا۔ ساری راکھ بہہ گئی تھی اور اس کا جلا وجود گیلی لکڑی کی طرح ایک طرف پڑا رہ گیا تھا۔

❀......❀......❀

آگ کیسے لگی؟ کس نے لگائی؟ کیوں لگائی؟ میڈیا چلا چلا کر تھک گیا لیکن کہیں سے کوئی بریکنگ نیوز ہاتھ نہ آئی...... گھر سے ملازموں کے علاوہ، دو عورتوں اور ایک مرد کی لاش ملی تھیں جو کہ بری طرح مسخ ہو چکی تھیں۔ دوسری عورت کی لاش کو اسمارا سمجھ لیا گیا تھا اور اسمارا پچھلے چوبیس گھنٹوں سے آئی سی یو میں بے ہوش پڑی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس بھری دنیا میں تنہا رہ چکی تھی۔

کنزیٰ نے اس کے چچا کو میسج کیا کہ اسمارا ہاسپٹل میں ہے اور زندہ ہے لیکن ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا...... اسے کنزیٰ اپنے گھر لے آئی۔ کنزیٰ کے پاپا نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع کی تھی۔ پھر تو جیسے میڈیا اور پولیس اس کے پیچھے ہی پڑ گئے...... اسے کنزیٰ کے گھر یہ سب مناسب نہیں لگ رہا تھا سو اس نے کنزیٰ سے کہا کہ وہ اسے چچا کے گھر چھوڑ دے......

چچا کے گھر مکمل سوگواری والا ماحول تھا۔ دریاں بچھی تھیں، لوگوں کا جم غفیر تھا، جو خضر الرحمٰن کی فیملی پر ٹوٹ پڑنے والی اس قیامت پر سوگ منانے آیا تھا...... چچا اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ شاید انہوں نے ٹی وی پر اس کے بچ جانے کی خبر نہیں سنی تھی۔ وہ خود ہی آگے بڑھی اور ان کے سینے سے جا لگی۔ اسے چچا سے ہمیشہ پاپا کی خوشبو آتی تھی۔ وہ بھی اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ سمی کہتے کہتے ان کی زبان نہ تھکتی تھی۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر خوب روئی۔ وہ ماں باپ کو ہمیشہ کے لیے کھو چکی تھی۔ اب تو اس کا سہارا چچی اور چچا ہی تھے، چچی بھی اسے خود سے لپٹا لپٹا کر خوب روئیں...... یہ ایک دم کیا ہو گیا تھا سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا تھا...... چچی اسے سنبھالتی اندر لے گئی تھیں۔

"تم کہاں تھیں، سمی اس وقت...... ہم تو سمجھے بھیا اور بھابی کے ساتھ تم بھی......" چچی نے اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا پیپر تھا چچی، لیکن پتہ نہیں کیسے میں سوتی رہ گئی۔ وہ تو ایک فون کال آئی تھی...... اس سے آنکھ کھلی...... لیکن...... کال بیل بھی بجی تھی...... پتہ نہیں مما، پاپا یا پروین کس کی بھی آنکھ کیوں نہیں کھلی......" اس نے بتایا تو ساتھ بیٹھی ایک عورت چونکیں۔

"اے بیٹا...... یہ کہیں جان بوجھ کر تو نہیں کیا گیا...... ارے ایسی گہری نیند، دن کے ایک دو بجے تک...... اور سارا گھر جل کر راکھ ہو گیا۔ کسی کی آنکھ تک نہ کھلی...... اے بی بی! میں تو کہوں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے...... مجھے تو لگ رہا ہے سب کو بے ہوشی کی دوا کھلائی گئی اور پھر گھر میں آگ لگائی گئی۔ سارے نوکروں کا پتہ کرواؤ...... گتھی سلجھ جائے گی۔" وہ عورت تو کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گئی تھی۔

"آپ کیا پولیس میں ہیں؟" چچی ذرا تنک کر بولیں۔

"نہیں میرا بھائی پولیس میں ہے۔ آپ کو کسی بھی قسم کی ہیلپ چاہیے تو پلیز میں اور میرا بھائی حاضر ہیں۔" وہ عورت چچی کا لہجہ جان نہیں پائی تھی یا نظرانداز کر گئی تھی۔ کان تو اسمارا کے بھی کھڑے ہوئے تھے کہیں واقعی میں تو کچھ ایسا نہیں ہوا تھا...... اتنی گہری نیند...... لیکن کوئی ایسا کیوں کرے گا؟ پپا کی ایسی کیا دشمنی تھی کسی کے ساتھ جو وہ اس انتہا پر چلا گیا۔" وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"ارے اسمارا کہیں تم اس عورت کی باتوں کو تو لے کر نہیں بیٹھ گئیں۔" چچی نے اسے ہلایا تو وہ چونکی۔ "پاگل ہیں یہ عورتیں...... بھائی صاحب تو اس قدر نیک اور شریف انسان تھے، کوئی انہیں اس قدر اذیت دے کر کیوں مارے گا...... تم ٹینشن مت لو...... تمہارے چچا نے بہت اچھی طرح تحقیق کروالی ہے۔ شارٹ سرکٹ ہوا ہے...... اس کے باوجود بھی وہ پولیس کی تفتیش سے مطمئن نہیں ہیں۔ انہوں نے کمشنر صاحب سے سفارش بھی کروائی ہے کہ جب تک اس کیس کی مکمل تفتیش نہیں ہو جاتی، ہرگز اس کو کلوز نہ کیا جائے...... تم مت سوچو...... ہائے میری معصوم بچی کس سانحے سے گزری ہے...... میرا تو کلیجہ پھٹا جا رہا ہے بھیا اور بھابی کا سوچ کر...... پھر شکر بھی کر رہی ہوں کہ اس نے تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھا۔ بس تم خود کو اکیلا مت سمجھو۔" چچی نے اسے ساتھ لگا کر تسلیاں دیں لیکن اس کے دل میں گرہ پڑ چکی تھی، اس نے چچا سے بھی بات کی...... اور انہوں نے "ابھی تفتیش چل رہی ہے" کہہ کر اسے اپنے تئیں مطمئن کر دیا۔ وہ خود شش و پنج میں تھی، کوئی ایسا کرے گا بھی تو کیوں؟ مہینوں، سالوں گزر جانے کے باوجود بھی ایسے

اندھے کیسز کا کوئی سرا نہیں ملتا اور پھر اگر پیروی کرنے والا بھی کوئی نہ ہو۔ سو یہ کیس بھی حادثہ قرار دے کر فائل کلوز کردی گئی۔ پولیس کو کوئی کلیو اور سراغ نہ مل سکا جو یہ ثابت کرسکتا کہ کسی نے خضر الرحمٰن کو جان بوجھ کر جلایا ہے۔ زندگی معمول پر آنی شروع ہوئی' چچا نے اسے آفس سنبھالنے کا کہہ دیا۔

"بہت سارے معاملات ہیں بیٹا جو بھائی جان کے بعد تمہیں ہی دیکھنے ہیں۔ ان کے دستخط کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔"

"لیکن چاچو میں...... میری تو ابھی اسٹڈیز بھی ان کمپلیٹ ہیں میرے کچھ خواب ہیں' پاپا کے کچھ خواب ہیں' جنہیں میں نے پورا کرنا ہے...... میں کیسے بزنس سنبھال سکتی ہوں اور میں تو کچھ جانتی بھی نہیں...... آپ جا تو رہے ہیں دیکھ لیجیے سارے معاملات۔" اسے تو آفس' بزنس کا سوچ کر ہی وحشت ہوتی تھی۔

"میں جاتا ہوں بیٹا لیکن میں مالک تو نہیں...... مالک تو تم ہوناں...... میں تو اس خیال سے آفس جارہا ہوں کہیں سارا عملہ مل کر کاروبار پر ہی نہ قبضہ کرلے کہ ان کے پیچھے تو کوئی ہے نہیں...... تم صبح ایک دفعہ میرے ساتھ تو چلو...... خود جا کر سب سے ملو...... ان کو پتہ چلے۔ پھر بے شک روزانہ مت جانا...... ہفتہ میں ایک آدھ بار چکر لگالیا کرنا اور پھر سارے ضروری دستخط بھی کردیا کرنا...... اس طرح تمہاری پڑھائی کا بھی حرج نہیں ہوگا اور بزنس کا بھی۔" چچا نے بڑے رسان سے اسے سمجھایا تھا اور شاید بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے ہامی بھرلی۔ چچا نے ایک سکون کی سانس لی۔

"شکر ہے بیٹا تم نے میرا بوجھ آدھا کردیا۔" وہ مسکرادی۔

اگلے دن چچا انعام کے ساتھ آفس آگئی۔ وہ یہاں کئی بار آئی تھی' پاپا سے ملنے' کوئی فرمائش کرنے' کوئی بات منوانے' جس پر مما نہیں مان رہی ہوتی تھیں...... پاپا اسے ہر جگہ پھرتے محسوس ہورہے تھے۔ آفس کا سارا عملہ' اس سے بے حد عزت واحترام سے ملا...... سب نے اسے ویلکم کہا۔ چچا اسے لے کر پاپا کے آفس میں آگئے۔

"بیٹھو۔" انہوں نے پاپا کی چیئر کی طرف اشارہ کیا...... سبی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"نہیں چاچو......" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ان کی جگہ پر کبھی نہیں بیٹھ سکتی۔" وہ وزیٹرز صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت منیب صاحب اجازت لے کر اندر آئے' وہ پاپا کے خاص آدمی تھے۔

"ویلکم بیٹا میں ذرا لیٹ ہوگیا...... بینک کے کچھ کام نمٹانے تھے۔ اچھا ہوا آپ آگئیں...... کیا لیں گی ٹھنڈا یا گرم؟"

"کچھ نہیں...... تھینک یو...... آپ کیسے ہیں؟" اس نے غیر محسوس طریقے سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔

"پاپا کے بغیر یہ آفس آپ کو خالی خالی تو لگتا ہوگا' آپ تو بہت کلوز تھے ان سے' آپ سے ہر بات شیئر کرتے تھے کیا کبھی انہوں نے کسی ایسے دشمن کا ذکر کیا جن سے انہیں خطرہ تھا یا کوئی ان کی جان لینا چاہتا ہو۔" اس کے منہ سے ایک دم ہی نکلا تھا۔ انعام چچا نے ایک دم چونک کر پہلے اسے اور پھر منیب صاحب کو دیکھا۔ پھر جلدی سے بولے۔

"اسمارا بیٹا یہ معاملہ کلیئر ہوچکا ہے اور پھر یہ تو ملازم ہیں انہیں کیا پتہ...... منیب صاحب آپ جایئے دو کپ چائے بھجوایئے میں اسمارا کو سمجھاتا ہوں۔" انہوں نے منیب صاحب کو جانے کا اشارہ کیا' اسمارا کو اچنبھا ہوا۔ منیب صاحب خاموشی سے باہر نکل گئے۔

"چاچو...... منیب صاحب پاپا کے بہت کلوز رہے ہیں وہ خود کہا کرتے تھے کہ وہ خود سے زیادہ بھروسہ منیب انکل پر کرتے ہیں اور یقیناً وہ کچھ نہ کچھ تو جانتے ہوں گے۔" انعام الرحمٰن نے تھوک نگلا اور ایک لمحے کو چپ رہے...... پھر قدرے توقف سے بولے۔

"بالکل جانتے ہوں گے لیکن بیٹا یہ ساری باتیں اس طرح ڈسکس نہیں کرتے...... دیکھو جس نے بھی کوشش کی' سب کے لیے کی...... تمہاری قسمت اچھی تھی تم اس حادثے سے بچ نکلیں...... میں تو اس خوف میں ہوں کہیں وہی لوگ پلٹ کر تمہیں دوبارہ نقصان نہ پہنچادیں۔ جانتا ہوں اول روز سے جانتا ہوں یہ حادثاتی موت نہیں ہے لیکن بیٹا میں بہت بے بس اور کمزور انسان ہوں...... تمہاری حفاظت نہیں کرسکتا...... اس لیے یہی بتاتا پھر رہا ہوں سب کو کہ یہ ایک حادثہ نہیں اتفاق ہے تمہیں شاید علم نہیں میں ساری تحقیق کرواچکا ہوں اور اسی لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک میں مجرموں کو پکڑوا نہیں لیتا تمہیں کہیں باہر بھجوادوں' جہاں تم اپنی تعلیم مکمل کرسکو' مجرم پکڑے جائیں' دیکھو کوئی بھی ہوسکتا ہے' کوئی کاروباری حریف' کوئی آفس کا بندہ۔ جس کو کوئی پرخاش ہو بھائی صاحب سے' میں تمہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے چھپایا...... میں خود ان کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں' اپنے بھائی اور بھابی کے قاتلوں کو میں

کبھی معاف نہیں کروں گا.....تم دیکھنا.....بس میں تمہیں کہیں محفوظ مقام پر پہنچادوں‘ پھر بے فکر ہو جاؤں گا‘ مجھے بھی قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچتا دیکھنے کی اتنی ہی بے چینی ہے جتنی تمہیں۔ انہوں نے میرے فرشتہ صفت بھائی کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیا ہے وہ کبھی نہیں بچ پائیں گے.....‘‘ بات مکمل کرتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔ اسمارا بھی شدت ضبط سے لب کاٹنے لگی.....گویا چچا سب جانتے تھے اور محض اسے دکھ نہ پہنچے انہوں نے سب کچھ دل میں چھپا رکھا تھا اور مجرموں کے منظر عام پر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ چچا کے گلے آ لگی۔

’’آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کسی سے کوئی خوف نہیں ہے چاچو.....اللہ کے بعد آپ ہی میری پناہ ہیں.....آپ ہی میرا سہارا۔‘‘ وہ اس کا سر شفقت سے تھپکتے بھیگی آنکھیں پونچھتے رہے۔

✿.....✿.....✿

’’چاچو نے لندن کی سب سے اچھی یونیورسٹی میں میرے ایڈمیشن کے لیے اپلائی کر دیا ہے۔‘‘ وہ کنزیٰ کو بتا رہی تھی۔

’’گڈ.....کب جا رہی ہو؟‘‘ وہ خوش ہوئی۔

’’رزلٹ آنے کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔‘‘ اس کے ذہن میں پاپا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ’’میں اپنی بیٹی کو ہائر اسٹڈیز کے لیے لندن بھجواؤں گا۔‘‘ چاچو نے گویا ان کا خواب پورا کر دیا تھا۔

’’گویا ہماری اسمارا خضر لندن سے کوالیفائیڈ ڈاکٹر بن کر لوٹیں گی۔‘‘ کنزیٰ نے اپنا لنچ باکس کھولتے ہوئے رشک سے اسے دیکھا۔ ’’کچھ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں‘ زندگی ان کو تھالی میں رکھ کر ملتی ہے اور وہ اس کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرتے ہیں۔‘‘

’’نہیں یار میں میڈیکل میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں.....کچھ اور کروں گی.....آج کل میں سرچ کر رہی ہوں کوئی بھی اور فیلڈ.....شاید بزنس ایڈمنسٹریشن ہی.....آخر کو مجھے آ کر پاپا کا یہ وسیع و عریض بزنس بھی تو سنبھالنا ہے۔‘‘ کہتے ہوئے وہ ہنس دی۔ ’’حالات بھی کیسے پلٹا کھاتے ہیں ناں.....ایک دم سے.....میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں مما‘ پاپا کے بغیر سروائیو کر سکوں گی۔‘‘ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی تو آنکھوں میں نمی۔ کنزیٰ نے جھٹ اپنا لنچ باکس اس کے آگے کر دیا۔

’’لو کھاؤ.....مما نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں‘ چکن پنیر سینڈوچز۔‘‘

’’تم بھی ناں.....بہت اچھی ہو۔‘‘ اس نے ہنس کر ایک سینڈوچ اٹھا لیا تھا۔ کنزیٰ بھی ہنسنے لگی تھی۔

✿.....✿.....✿

دور کہیں سے موذن کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسے فیاض خان کے بیڈ کی پائنتی پر بیٹھے بیٹھے فجر ہو گئی تھی۔ اسے اپنا سارا جسم بندھا ہوا سا لگ رہا تھا۔ وہ بمشکل اپنا آپ گھسیٹتی اٹھی اور وضو کرنے چلی آئی۔ گلاب چاچا کے کمرے کی روشنی جل رہی تھی آج شاید وہ خود ہی جاگ گئے تھے۔ جاء نماز بچھانے سے قبل اس نے سوچا ایک بار ان کے کمرے میں جھانک لے۔ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر اس نے جھانکا‘ وہ سجدے میں تھے۔ وہ چند ثانیے کھڑی ان کے سجدے سے اٹھنے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب وہ نہیں اٹھے تو عجیب سے وسوسے نے اسے قدم اندر بڑھانے پر مجبور کر دیا..... وہ ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

’’چاچا.....چاچا.....‘‘ ہولے سے آواز دی۔ پھر ان کی کمر پر ہاتھ رکھ کر ہلایا۔ وہ ذرا سے ترچھے ہو کر اسی طرح دوزانو جائے نماز پر گر گئے‘ اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ گلاب چاچا اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس کا آخری غم گسار بھی چل بسا تھا۔ اس نے انہیں بڑی مشکلوں سے سیدھا کیا.....پیروں کو آپس میں جوڑ کر کپڑا باندھا‘ ہاتھ اور بازو سیدھے کیے‘ ادھ کھلی آنکھوں کو بند کر کے چہرے کے گرد بھی کپڑا باندھا۔ پھر نماز ادا کی اور اس کے بعد اندر آ کر فیاض خان کا نمبر ڈھونڈنے لگی۔ اس کے کھٹر پٹر کرنے سے کشمالے جاگ گئی تھی۔ بولی کچھ نہیں‘ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

’’تمہارے دادا اب اس دنیا میں نہیں رہے..... بابا کو فون کر کے بتا دو۔‘‘ اس نے کشمالے سے کہا اور باہر آ گئی۔ کشمالے بھی اسی طرح ننگے پیر اس کے پیچھے آئی اور سیدھی گلاب چاچا کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ چادر اوڑھ کر باہر نکل آئی‘ ہلکی ہلکی سپیدی پھیل رہی تھی جب اس نے لالے جان کے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ دوسری بار لالے جان کے گھر آئی تھی۔ پہلی بار بھی ایک سال قبل وہ فیاض خان کی بیوی کی موت کی اطلاع دینے آئی تھی۔ تب بھی فیاض خان ٹور پر تھا اور آج بھی وہ ایک مرنے کی اطلاع لے کر ہی آئی تھی۔ دو گھنٹے

میں ساری بستی ان کے آنگن میں جمع ہوچکی تھی۔ مردوں نے خود ہی تنبو قناتوں کا انتظام کرلیا تھا۔ کسی نے فیاض خان کو بھی اطلاع کردی تھی۔ وہ کراچی میں تھا۔ بہت جلدی کرتا بھی تو دو ڈھائی دن سے پہلے نہ پہنچ سکتا تھا۔ نہ وہ بیوی کا آخری دفعہ منہ دیکھ سکا نہ باپ کا' اس کے آنے سے قبل ہی دونوں کو دفنانا پڑا تھا۔ سوئم فیاض خان کے آنے کے بعد ہوا تھا۔ فیاض خان پر کبھی کبھی اسے پتھر کا گمان ہوتا تھا' ہر طرح کے جذبات سے عاری' اس کے چہرے پر سدا ایک سے تاثرات رہتے تھے۔ ماتھے پر بل' تیوریاں چڑھی ہوئی' کشمالے اور ببرک اسی کا پرتو لگتے تھے' وہ تسلی کے چند لفظ کہنے کے لیے اس کے پاس بیٹھی رہی...... وہ پوچھے گا تو بتائے گی' اس رات وہ کافی دیر ان کے ساتھ بیٹھی رہی تھی' اور کس اچھی حالت میں ان کو موت آئی تھی۔ رب کائنات کے حضور سربسجود...... لیکن اس نے کچھ نہیں پوچھا...... ایک لفظ نہیں بولا...... وہ اٹھ گئی' باہر ابھی تک عورتیں پرسہ دینے آرہی تھیں۔ اس نے بچوں کو کھانا کھلا کر سوجانے کا کہا اور خود بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

جب وہ واپس آئی تو فیاض خان سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔ وہ خاموشی سے گلاب چاچا کے کمرے کی طرف آگئی۔ چارپائی خالی تھی۔ کونے میں پڑا تخت پوش جس پر وہ نماز پڑھا کرتے تھے اس پر نیلے دانوں والی تسبیح اور کروشیے کی بنی ٹوپی رکھی تھی۔ دیوار پر لگے لکڑی کے اسٹینڈ پر رحل کے اوپر دھرا سبز غلاف میں لپٹا قرآن پاک بھی موجود تھا۔ چارپائی کے ساتھ ٹکا ان کا عصا...... پیچھے پر دھرا ان کا لکڑی کا صندوق' ان ساری چیزوں پر اس نے کبھی توجہ نہیں دی تھی لیکن آج کمرہ خالی تھا تو ہر چیز گویا آگے آگے ہوکر اپنا آپ دکھا رہی تھی۔

"محبت اور عبادت وقت طے نہیں کرتیں...... یہ دونوں اندر سے پھوٹتی ہیں...... بس دھیان کرنے کی دیر ہے۔" چاچا اکثر بڑی معرفت کی باتیں کرتے تھے۔ اسے جیمس یاد آگیا...... اونچا لمبا' بے حد خوبرو...... اس سے پچھلی سیٹ پر بیٹھتا تھا پکا امریکی تھا' لیکن باتیں وہ بھی بلھے شاہ کی کرتا تھا...... پہلی دفعہ وہ اس کے منہ سے بلھے شاہ کا نام سن کر حیران رہ گئی تھی...... لیکن اس نے یہ بھی نوٹ کیا تھا وہ یہ باتیں صرف اسی سے کرتا تھا۔

وہ یہاں نئی تھی کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہ خود ہی اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تھا...... ان کی کلاس میں ٹوٹل بارہ اسٹوڈنٹس تھے...... چار لڑکیاں' آٹھ لڑکے...... چار لڑکے اور ایک لڑکی تو آسٹریلین ہی تھے اس نے ایم بی اے کے لیے آسٹریلیا کے شہر ملبون کا انتخاب کیا تھا۔ چچا نے تو لندن کے لیے بڑی کوشش کی تھی لیکن ایک دم ہی اسے آسٹریلیا بہت اچھا لگنے لگا تھا۔

جیمس اسے امریکی لگتا تھا...... ساتویں وہ تھی پاکستانی...... دو لڑکیاں شکل سے کورین لگتی تھیں' نام بھی ان کے کچھ چوفو سے تھے۔ اٹھارہ ماہ اسے اگر کچھ نہیں از بر ہوا تھا تو ان دو لڑکیوں کے نام...... ایک انڈین لڑکی تھی' نرملا...... دو ایشین لڑکے تھے' جن کی بس آپس میں دوستی رہی تھی اور کسی سے بات کرنے کی کوشش تک نہیں کرتے تھے۔ ان کے نام بھی وہ نہیں جانتی تھی۔ ان میں سے ایک لڑکا جو ذرا صاف رنگت کا تھا' اکثر اسے تکتا رہتا تھا لیکن اس نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

کلاس آف ہونے کے بعد اکثر وہ ہاسٹل جانے سے قبل باہر سیڑھیوں پر کچھ دیر ضرور بیٹھا کرتی تھی اور جیمس بھی وہیں آکر اس کے پاس بیٹھ جایا کرتا...... اس نے کبھی نہیں پوچھا تھا کہ اس کا نام کیا تھا اور وہ کہاں سے تھی۔ اپنا بھی بس نام ہی بتایا تھا اس نے۔ اس روز اسے ماما پاپا بہت یاد آرہے تھے' کن لوگوں نے اس طرح کیا تھا' کچھ پتہ نہ چلا تھا۔ چچا انعام بھی اسے آسٹریلیا بھجوا کر جیسے بھول ہی گئے تھے۔ ہر ماہ اس کے اکاؤنٹ میں ایک بڑی رقم منتقل کرنے کے علاوہ انہوں نے کوئی رابطہ نہ رکھا تھا۔ مہینوں بعد وہ ہی انہیں فون کرتی اور وہ "یہاں سب ٹھیک ہے فکر مت کرنا" کی بانسری بجا کر فون بند کردیتے۔ اسے پتہ ہی نہ چلا تھا کب آنسو اس کی آنکھ سے ٹپک کر اس کے گال بھگو گئے تھے۔ جانے جیمس کب اس کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔

"بادل تو نہیں ہیں آسمان پر...... پھر بارش؟" خالص امریکی لہجہ میں وہ بڑی معصومیت سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ چونکی اور جلدی سے دونوں ہتھیلیاں گالوں پر رگڑیں۔ ایک انجان کے سامنے یوں کھل جانا اسے اچھا نہیں لگا...... بلکہ اسے اس وقت جیمس کا یہاں ہونا بھی اچھا نہیں لگا...... اس لیے تیوری چڑھا کر بولی۔

"تمہارا اور کوئی فرینڈ نہیں ہے؟" وہ اس کے غصہ پر مسکرا دیا۔

"بہت سے ہیں' سب پیچھے رہ گئے ہیں۔ آج کل میں نئے دوست بنانے کی کوشش کررہا ہوں۔" اسمارا نے منہ پھیرلیا۔

"میں صرف یہ پوچھنے آیا تھا مس کہ جب تم نماز پڑھتی ہوتو تمہیں کیسا فیل ہوتا ہے؟" وہ ہمت ہارنے کو تیار نہیں تھا۔

"نماز......!" اس کے منہ سے لفظ نماز سن کر اسے ایک نہیں کئی جھٹکے لگے تھے۔ وہ پوری کی پوری اس کی طرف گھومی تھی۔

"نماز تو میں نے کبھی پڑھی ہی نہیں۔" وہ نہیں جانتی تھی اس کے منہ سے سچ کیسے نکلا تھا...... اب کہ جیمس حیران ہوا تھا۔

"کیا...... نماز...... تم مسلم ہوناں...... میں تو یہی سمجھا تھا۔"

"آف کورس۔" جس طرح اس نے شک کا اظہار کیا تھا اسے کچھ ہوا تھا اور اس نے اپنے مسلم ہونے کی فوراً تصدیق کی تھی۔

"نماز تو تمہارے دین کا پہلا رکن ہے اور ایک مسلم اور نان مسلم کے درمیان یہی فرق ہے ناں نماز کا؟" ایک امریکی انگلش بولتا اسے اس کے دین کے ارکان بتا رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہوگئیں۔ اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا' وہ اس نان مسلم کے سوالوں سے کیسے بچے؟ اس وقت اس کے ذہن میں یہی گردش کررہا تھا۔

"تم یہاں اتنی دور پڑھنے آئی ہو' دنیاوی علم حاصل کرنے...... اور نماز بھی نہیں پڑھتی ہو۔" وہ افسوس سے سر ہلا رہا تھا۔

"وہ اصل میں...... مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا نماز پڑھنے کا...... کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔" اسے بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ نماز نہ پڑھنے کی کیا تاویل دے' وہ مسکرایا۔

"امیزنگ...... میں نے تو سنا ہے مسلم نمازیں پڑھتے ہیں' جب کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر دعائیں بھی مانگتے ہیں گاڈ سے اور گاڈ ان کی سنتا بھی ہے۔ ان کی مشکلیں ٹال بھی دیتا ہے۔"

"آخر اتنی نالج اس کے پاس کہاں سے آئی؟" وہ الجھ کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے تم دعا بھی نہیں مانگتی ہوگی؟" وہ مایوس نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اسمارا سے وہاں بیٹھنا محال ہوگیا۔ اسے لگا اس کے سامنے امریکی جیمس نہیں بلکہ مسجد کے مولوی صاحب بیٹھے ہوں' وہ اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی...... جیمس نے اسے بائے کہا اور سیڑھیاں چڑھ گیا۔ امریکی تھا ناں اسے لگا کہ اب وہ اس مسلم لڑکی پر ناگوار گزر رہا ہے تو برا مانے بغیر اٹھ گیا۔ وہ خود فراموشی کی سی کیفیت میں ہاسٹل پہنچی تھی۔ اسے علینہ یاد آئی' میٹرک میں اس کے ساتھ تھی۔ سادہ بالوں کی چٹیا بنائے ہر وقت سر پر دوپٹہ اوڑھے ساری کلاس کو نماز اور پردے کی تلقین کرتی' اسمارا اور اس کا گروپ رج رج کے اس کا مذاق اڑاتا۔ 'اماں بی' ملانی جی' بے بے ٹائپ کے نام انہوں نے اسے دے رکھے تھے' اور وہ جانتی بھی تھی لیکن پھر بھی وہ گزرتے ہوئے نصیحت ضرور کرتی......

پھر ایک دن جب ان کی فیئرویل پارٹی چل رہی تھی اور اسمارا کے تمام گروپ نے جدید تراش خراش کے لباس پہنے تھے' کھلے بال' میک اپ سے سجے چہرے' دوپٹہ ندارد' وہ قہقہے لگا لگا کر دہری ہورہی تھیں تبھی ہلکے گلابی شلوار قمیص میں ملبوس علینہ ان کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اسمارا کی ہنسی کو ایک دم بریک لگ گیا۔ اس نے کنزیٰ کے کہنی ماری۔ وہ بھی چپ کرگئی۔ علینہ نے ہاتھ میں پکڑا پمفلٹ اسمارا کے آگے کیا اور کہنے لگی۔

"اس جمعتہ المبارک کو ہمارے ہاں درس قرآن ہے۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ سب تشریف لائیں۔ درس کے بعد خصوصی دعا کا بھی اہتمام ہے۔ امید ہے آپ یہاں آکر سکون محسوس کریں گی۔" اس نے پمفلٹ کنزیٰ کے ہاتھ میں پکڑایا اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ان کی ہنسی پھر سے اسٹارٹ ہوگئی۔

"پاگل ملانی' اس کو ہم اس ٹائپ کے لگتے ہیں توبہ تنبو لپیٹ کر پھرنے سے کون سا پردہ ہوتا ہے اور پردہ تو آنکھ میں ہوتا ہے' میری دادی کہتی ہیں۔" کنزیٰ نے ساتھ ہی وضاحت بھی کردی۔

"چھوڑ یار...... تم پارٹی کا پلان کرو......" اسمارا نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا' پمفلٹ ٹیبل پر پھینکا اور اگلے ہی پل وہ یکسر بھول چکی تھیں کہ علینہ نے انہیں کوئی دعوت دی تھی۔

"دعا تو وہ لوگ مانگتے ہیں جنہیں کچھ چاہیے ہوتا ہے' جن کے حالات برے ہوتے ہیں' نوکری' رزق' پیسہ چاہیے ہوتا ہے میرے پاس تو سب کچھ ہے' کسی چیز کی کمی نہیں' پھر میں کیوں؟" اس روز جب علینہ نے پھر اپنا لیکچر سنایا تو وہ چڑ کر بولی تھی۔

"سب کچھ ہے ناں تمہارے پاس......؟" علینہ تحمل سے مسکرائی تھی۔ "تو تمہیں تو سب سے زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے تمہیں اتنا نوازا کہ تمہیں مانگنے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"اوہ مائی گاڈ......" اسمارا کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا۔

"یار تم کیوں مجھے ملانی بنانے پر تل گئی ہو' اسکول میں اور بھی

لڑکیاں ہیں اور تمہاری ہی ٹائپ کی۔ تم جاؤ پلیز ان کو اپنا یہ وعظ سناؤ‘ مجھ پر اثر نہیں ہونے والا۔“ اس نے ہاتھ جوڑ کر باقاعدہ اس کو ”دفع ہو جاؤ“ کا سائن دیا۔ علینہ کے چہرے پر موجود مسکراہٹ اداسی میں ڈھل گئی تھی۔

”اللہ نہ کرے...... اللہ نہ کرے‘ تمہارے دل پر مہر لگ گئی ہو۔“ وہ اسے ترحم سے دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ اس کے بعد اس کو علینہ کبھی نظر نہیں آئی تھی ایک تو یہ کہ ایگزامز کی وجہ سے وہ اسکول سے فری ہوگئی تھیں‘ دوسرا اس کا ایگزامینیشن سینٹر بھی کہیں اور تھا۔

اور آج جیمس کے کہے جملے نے اسے کئی سال پہلے کی علینہ کی یاد دلادی تھی۔ وہ خود کو بھی کئی تاویلیں دیتی رہی۔ نماز نہ پڑھنے کی‘ دعا نہ مانگنے کی‘ اللہ نے اس سے ماں باپ چھین لیے تھے اور ان کو اتنی بری موت ملی تھی۔ وہ نماز پڑھے بھی تو کیا شکوہ کرنے کے لیے...... اور اللہ سے شکوہ کرنا کیا اچھا ہوتا ہے۔

”نہیں اللہ سے شکوہ نہیں کرتے......“ گلاب چاچا کی آواز اسے حال میں کھینچ لائی...... خالی کمرے میں سامان کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا...... رات کافی بیت چکی تھی۔ وہ وہیں گلاب چاچا کے بستر پر ہی لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اسے اٹھنا تھا فجر کے لیے اسے نیند نہیں آرہی تھی لیکن اب وہ کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنا بہت کٹھن ہوتا ہے‘ ساری ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں‘ بہادری کے چڑھائے خول بھی چٹخ جاتے ہیں۔

آپ کتنا بھاگ لو کتنا چھپ لو کتنی تاویلیں دے لو ایک نہ ایک دن آپ کو لوٹنا پڑتا ہے‘ جھکنا پڑتا ہے‘ مانگنا پڑتا ہے آپ اپنی ہی باتوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ایسے کہ کوئی راہ فرار نہیں بچتی...... اللہ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی...... اگر آپ شکر نہیں کرتے تو شکوہ کرنے کا حق بھی کھو دیتے ہیں۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی وہ پکڑ میں کب آگئی تھی...... شاید ماما پاپا کا جل جانا اور اس کا زندہ بچ جانا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اس کی واپسی کا سفر شاید وہیں سے شروع ہوتا تھا لیکن وہ سمجھی نہیں تھی۔

آسٹریلیا میں اسے جیمس ملا اس کی باتیں بھی اسے بہت بری لگتی تھیں بالکل ایسے ہی جیسے پاکستانی علینہ کی...... کبھی کبھی دونوں اسے بہن بھائی لگتے تھے۔

فجر کی اذانیں شروع ہوچکی تھیں‘ وہ وضو کرنے باہر آگئی پورے گھر میں خاموشی کا راج تھا‘ پہلے ہمیشہ اسے دوسری آہٹ کا احساس رہتا تھا...... گلاب چاچا کے کمرے سے آتی ہلکی آوازیں اس کی دوست تھیں اور اب یہ دوستی ختم ہوگئی تھی۔ وہ پھر سے تنہا رہ گئی تھی۔ نماز پڑھ کر اس نے دھونے والے کپڑے اکٹھے کیے اور نل کی طرف آگئی۔ پچھلے سال ہی فیاض نے گھر میں موٹر پمپ لگوایا تھا‘ ورنہ پہلے چشمے پر جاکر کپڑے دھونے میں اسے کافی دقت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے کب کیے تھے ایسے کام...... سب کچھ تھا اس کے پاس اور اب کچھ بھی نہیں تھا...... وہ تہی داماں تھی۔ پھر بھی اس کے لبوں سے دعا کے الفاظ نکلتے ہی نہیں تھے۔

بچوں کو اسکول بھجوا کر اس نے ہانڈی بھی چڑھادی تھی اور ساتھ ساتھ کپڑے بھی دھو رہی تھی۔ فیاض خان دن چڑھے سو کر اٹھا...... وہ کپڑے الگنی پر پھیلا رہی تھی اسے دیکھ کر ہاتھ پونچھتی ادھر آگئی۔

”ناشتہ بنادوں؟“

”نہیں صرف چائے کا ایک کپ‘ پھر ادھر آؤ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“ اسے کہہ کر وہ برآمدے میں بچھے تخت پر جا بیٹھا۔ اس نے نل بند کیا اور کچن کی طرف آگئی۔ دال تقریباً پک چکی تھی اس نے ہانڈی اتار کر نیچے رکھی اور چائے کا پانی چڑھایا۔ کیا بات کرے گا فیاض خان؟ وہ تنکے سے فرش پر لکیریں کھینچتی سوچتی رہی‘ آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا......

فیاض خان اندر آکر پیڑھی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے چائے کپ میں ڈال کر اسے تھمائی۔ اس نے کپ تھام کر ایک گہری نظر سمی پر ڈالی‘ اس کا وجود کانپ گیا۔ اس نے اتنے سالوں میں بھی اسے نظر بھر کر ایسے نہ دیکھا تھا‘ تمام تر حقوق رکھنے کے باوجود۔ وہ دوبارہ تنکے سے فرش پر نامعلوم لکیریں کھینچنے لگی‘ سماعتیں منتظر تھیں...... فیاض خان نے کہنا شروع کیا۔

”خضر صاحب‘ یعنی تمہارے والد کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔“ (اور ان احسانات کا بدلہ تم نے یوں چکایا) اس کے اندر کوئی زور سے ہنسا تھا۔ ”میں ان کا ملازم نہیں تھا‘ بس ایک دن راہ چلتے ایک انجان راستے پر ان کی گاڑی کا پٹرول ختم ہوگیا تھا اور میں نے ان کو پیٹرول لاکر دیا تھا۔ ان دنوں میں بے روزگار تھا شہر میں نوکری کے لیے آیا تھا‘ اور در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنا کارڈ دیا...... اس روز ان کی بہت اہم میٹنگ تھی اور ڈرائیور کی غلطی کی وجہ سے ان کا بہت بڑا نقصان ہوجاتا۔ وہ میرے مشکور تھے اور بار بار مجھے اپنے آفس آنے کے لیے کہا‘ میں شرمندہ ہوتا رہا‘ میں نے کون سا اتنا بڑا کام کیا تھا‘ لیکن جب چند ماہ ٹھوکریں کھانے کے باوجود مجھے

کوئی کام نہیں ملاتو میں ان کے آفس چلا آیا اس سوچ کے ساتھ کہ مجھے اندر تک کون جانے دے گا اور اگر پہنچ بھی گیا تو صاحب مجھے کیونکر پہچانیں گے' آخر میں تھا ہی کون لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب انٹر کام پر میرا نام سن کر انہوں نے مجھے فوراً ہی اندر بلالیا' میں حیران سا اندر گیا تھا۔

''آؤ فیاض خان آنے میں دیر کردی...... میرا تو خیال تھا کہ تم اگلے ہی دن آفس آؤ گے؟'' انہوں نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا' میں اس استقبال پر حیران تھا' اتنی عزت اور وہ بھی ایک غریب آدمی کو۔

''بیٹھو اور یہ بتاؤ ڈرائیونگ جانتے ہو؟'' انہوں نے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی کچھ عرصہ ٹرک چلایا ہے میں نے۔''

''ویری گڈ...... پھر تو بہت اچھا ہے۔ میرے ایک دوست ہیں ٹرانسپوٹ کا بہت بڑا کاروبار ہے ان کا۔ ہم بھی ان کے ذریعے فارورڈنگ کرتے ہیں۔ یہ ان کا کارڈ اور ایڈریس ہے۔ ان سے مل لو...... میں ان کو فون کردیتا ہوں۔'' پھر انہوں نے بیل بجائی' ایک آدمی اندر آیا تو انہوں نے میری طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''ان کو چائے ٹھنڈا جو بھی پسند کریں پلاؤ' اور کھانا کھلاکر رخصت کرنا۔'' وہ آدمی مجھے اپنے ساتھ لے کر باہر آ گیا میں حیرت زدہ رہ گیا' ایسا فرشتہ صفت آدمی اور وہ بھی آج کے دور میں...... جو میری حالت دیکھ کر جان گیا تھا کہ میں ضرورت مند ہوں۔ میری جاب ہوگئی' میں ٹرک چلانے لگا۔ اس کے بعد میری خضر صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی لیکن ہر ماہ معقول رقم اور مہینے بھر کا راشن میرے گھر میں پہنچنے لگا۔ پتہ چلا خضر صاحب ہر مہینے بہت سارے لوگوں کے گھروں میں رقم اور راشن پہنچاتے ہیں۔ چوتھے بچے کی پیدائش کے بعد میری بیوی بیمار رہنے لگی تھی اور خضر صاحب کی بھجوائی رقم اس کے علاج کے کام آتی تھی' مجھے دو سال کا عرصہ ہوگیا تھا کہ ایک دن مجھے پتہ چلا خضر صاحب آگ لگنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ مجھے لگا جیسے میرا کوئی اپنا گزر گیا ہو۔ جیسے باپ' کوئی بڑا بھائی' میں یتیم ہوگیا تھا' میں افسوس کرنے گھر آیا بھی' آپ کے چچا کے گھر لیکن آپ کے چچا نے مجھے کوئی اہمیت نہیں دی' میں چپ چاپ کونے میں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر آ گیا۔ کچھ روز بعد مجھے ان کی فیکٹری کا سامان لوڈ کرنے جانا پڑا' وہیں میرے کانوں میں یہ باتیں پڑیں کہ خضر صاحب کو جان بوجھ کر جلایا گیا تھا' اور اس سب میں ایک اہم شخصیت کا ہاتھ ہے' میرا تو یہ سن کر برا حال ہوگیا' خضر صاحب کے ساتھ بھی کوئی ایسا کرسکتا تھا لیکن میں بے بس تھا' کچھ نہیں کرسکتا تھا' میں نے تم تک پہنچنے کی بھی بہت کوشش کی لیکن تمہارے چچا کی وجہ سے ایسا ہو نہیں سکا اور پھر کوئی چار سال بعد جب میں فیکٹری میں سامان لوڈ کررہا تھا تو تمہارے چچا نے مجھے آفس میں بلایا' ایسا آج تک نہیں ہوا تھا۔ میں ڈر گیا' شاید میری شکایت ہوگئی تھی۔ میں جاب گنوانے کا متحمل ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔ ڈرتا ڈرتا میں ان کے آفس پہنچا' وہ تنہا تھے' خضر صاحب کے بعد چونکہ وہ ہی سارا بزنس سنبھال رہے تھے' اس لیے ہمارے لیے تو مالک وہی تھے۔ انہوں نے مجھے بیٹھ جانے کا کہا' کچھ دیر سگار کا کش لیتے رہے اور ساتھ ہی نظروں سے مجھے جانچتے بھی رہے' پھر بولے۔

''فیاض خان مجھے پتہ چلا ہے کہ بھائی جان ہر ماہ تمہیں معقول رقم اور مہینے بھر کا راشن بھجواتے تھے اور ان کے انتقال کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے؟''

''جی صاحب...... وہ بہت بھلے آدمی تھے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جگہ دے' میں تو بال بال ان کے احسانوں میں جکڑا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اگر میں کہوں کہ ان کا احسان اتار دو تو......؟'' انہوں نے گہرا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑا تھا۔

''جی......'' میں چونکا۔ ''مگر کیسے صاحب...... میں تو بہت غریب آدمی ہوں۔'' انہوں نے کچھ دیر مجھے ٹٹولا پھر بولے۔

''تمہیں ایک لڑکی کو اغوا کرنا ہے۔'' ان کا کہا اتنا غیر متوقع تھا کہ میں اپنی جگہ پر سن رہ گیا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں' تمہیں اس لڑکی کو میرے گھر کے باہر سے اٹھانا ہے اور میرے ہی گھر چھوڑ دینا ہے' تمہیں بتانا ضروری تو نہیں پھر بھی تمہاری تسلی کے لیے بتادوں...... میری بھتیجی کی ذہنی حالت درست نہیں' فون پر ہی وہ ایک لڑکے سے دوستی کرنے کے بعد اس سے شادی کرنا چاہتی ہے' میں نے اس لڑکے کے بارے میں پتہ کروایا تو وہ فراڈ ہے محض اسے بے وقوف بنارہا ہے' میں نے اس لڑکی کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن وہ کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہیں چوری چوری اس کے ساتھ گھر سے بھاگنے کی تیاری کررہی ہے۔ میں گزشتہ ڈیڑھ ہفتے سے سو نہیں پارہا' جوان جہان لڑکی کے بارے میں کیا

جواب دوں گا۔ یہ سب سوچ کر میرا دماغ پھٹنے کے قریب ہے اب میرے پاس یہی حل ہے کہ جیسے ہی وہ گھر سے باہر نکلے تم اسے اغوا کرلو لیکن تھوڑی دیر بعد اسے ہمارے گھر اتار دو گے...... مگر بے ہوشی کا انجکشن لگانے کے بعد تاکہ اسے پتہ نہ چلے...... اس کے بعد ہم اسے خود ہی سنبھال لیں گے بس اتنا سا کام ہے تمہیں الگ سے معاوضہ بھی ملے گا' کیا کہتے ہو؟''

''جی...... جو آپ کا حکم سر۔'' میں نے سر تسلیم خم کیا۔ انہوں نے مجھے اگلی رات دس بجے گھر کے آس پاس رہنے کا حکم دے دیا۔ میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا تھا' رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی' پھر جیسے ہی وہ لڑکی گھر سے باہر نکلی' میں اس کے پیچھے ہولیا' سڑک کے قریب ہی سائیڈ پر میرا ٹرک کھڑا تھا۔ میں نے بڑی آسانی سے اس لڑکی کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اٹھا کر ٹرک میں پٹخ دیا۔ ٹرک میں موجود انعام صاحب کے دو آدمیوں نے فوراً اسے بے ہوشی کا انجکشن لگا دیا اور مجھے ٹرک اسٹارٹ کرنے کا کہا' پلان میں یہ شامل نہیں تھا۔ میں نے کہا تو انہوں نے مجھ پر پسٹل تان لی' جو کہہ رہے ہیں وہی کرو' ورنہ دونوں کو یہیں شوٹ کردیں گے' ان میں سے ایک غرایا تھا۔ مجھے ٹرک اسٹارٹ کرنا پڑا' سردیوں کی راتیں تھیں اور سڑکیں تقریباً سنسان۔

وہ مجھے کافی دیر سڑکوں پر گھماتے رہے اور پھر انعام صاحب کا فون آ گیا کہ واپس آجاؤ...... دونوں میرے ساتھ اگلی سیٹوں پر تھے اس لیے مجھے اطمینان تھا کہ انہوں نے لڑکی کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی' ہم واپس پہنچے تو انعام صاحب گیٹ پر ہی کھڑے مل گئے تھے۔

''کسی نے روکا تو نہیں' شک تو نہیں ہوا کسی کو؟'' انہوں نے فوراً پوچھا تھا۔

''نہیں سر...... ہم نے یہی شو کیا کہ راستہ بھول گئے ہیں' ویسے بھی ہم بڑی سڑکوں کی طرف گئے ہی نہیں کالونی میں ہی رہے۔'' اسی غرانے والے شخص نے بتایا تھا۔

''ٹھیک ہے لڑکی کو اندر لے چلو اور فیاض خان تم پرسوں صبح گیارہ بجے آجانا۔ تمہیں تمہاری توقع سے بڑھ کر نوازا جائے گا۔'' انہوں نے کہا تو میں خاموشی سے پلٹ آیا۔ میں سمجھ نہیں پارہا تھا کہ انہوں نے کیا کھیل کھیلا تھا اور یہ سارا ڈرامہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ دو دن بعد جب میں ان کے دیے گئے مقررہ وقت پر گھر پہنچا تو وہاں ماحول ہی الگ تھا۔ انعام صاحب کچھ لوگوں کو بٹھا کر بہت اونچی آواز میں بول رہے تھے۔ بہت غصہ میں تھے۔ وہ اس لڑکی کے گھر سے بھاگ جانے اور رات باہر گزار دینے کی بات کررہے تھے اور وہ بھی کسی لڑکے کے ساتھ میں تو اپنا معاوضہ لینے آیا تھا' مجھے اس ساری کہانی سے کوئی سروکار نہیں تھا' اسی وقت وہ لڑکی باہر نکلی' اس کی حالت بہت بری تھی۔ بکھرے بال' متورم آنکھیں' ملگجے کپڑے وہ سیدھی ان لوگوں کی طرف گئی تھی۔

''میں...... میں سچ کہہ رہی ہوں ماموں...... میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' میرا یقین کریں۔ میں صرف اور صرف جنید کے کہنے پر باہر نکلی تھی' اس نے مجھے ٹیکسٹ کیا تھا' وہ کسی مصیبت میں تھا۔ اس نے مجھے بلایا تھا۔ میں کیوں بھاگوں گی گھر سے...... آپ لوگ میرا یقین کریں۔ یہ سب چچی اور چچا مل کر مجھے بدنام کررہے ہیں۔ ماموں پلیز مجھے ان کے ساتھ رہنا ہی نہیں' مجھے اپنے ساتھ لے چلیے۔ پلیز ماموں' پہلے بھی انہوں نے سازش کرکے مما اور پاپا کا مرڈر کروایا ہے۔ مجھے پروین نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ زندہ ہے' مجھے وہ مارکیٹ میں نظر آئی تھی۔ اللہ کے لیے میرا یقین کریں' یہ سب ڈرامہ کررہے ہیں۔'' وہ چیخ چیخ کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کررہی تھی' سب کو بے نقاب کررہی تھی اور اس کا یقین کرنے کو کوئی تیار ہی نہیں تھا۔ چچا انعام نے فوراً پینترا بدلا۔

''بھائی صاحب میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔ بیٹی کی طرح پیار کرتا ہوں' لیکن اس لڑکی نے چند ماہ میں اتنے پر پرزے نکال لیے کہ مجھ سے سنبھالنا مشکل ہورہا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو بتاؤں یا دکھاؤں' لیکن بھائی صاحب میرے کردار پر کوئی حرف آئے میں یہ بھی برداشت نہیں کروں گا۔ اس لڑکی نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ آپ پلیز اس کو اپنے ساتھ لے جایئے اور ثبوت کے لیے یہ تصاویر کافی ہیں' کیا نہیں کیا میں نے اس کے لیے' لوگ سمجھتے ہیں کہ بھائی صاحب کا مرڈر میں نے کروایا' کیوں؟ وہ میرے بڑے بھائی تھے' باپ جیسے...... جائیداد تو عرصہ ہوا وہ ایک ٹرسٹ کے نام کرچکے تھے۔ لے دے کر ایک یہ فیکٹری ہی تھی وہ بھی دیوالیہ ہونے کو تیار' کچھ نہیں چھوڑا تھا اس کے باپ نے سوائے قرضوں کے۔ میں نے خود دن رات ایک کرکے وہ سارے قرضے اتارے ہیں اور اس فیکٹری کو دیوالیہ ہونے سے بچایا ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے بھائی صاحب کہ میں نے کس طرح اس لڑکی کی ہر خواہش پوری کی ہے' قرضوں تلے دبا ہونے کے باوجود میں

نے اس کو باہر پڑھنے کے لیے بھیجا' اس نے وہاں جاب کرنا چاہی' میں نے منع نہیں کیا اور اب واپس آئی ہے تو اس لادین کے لیے ہم سب کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوگئی ہے۔ یہ ہے میری اوقات۔ آپ بس لے جائیں اس بچی کو یہ رہے اس کی فیکٹری کے کاغذات...... مجھے اب اس سے کوئی سروکار نہیں۔" انہوں نے فائل سامنے بیٹھے شخص کے سامنے پھینکی۔

چچی ہک دک یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ یہ سب تو پلان میں شامل ہی نہیں تھا اور اگر وہ لوگ فائل اٹھا لیتے تو انہوں نے کن انکھیوں سے اپنے شوہر کو دیکھا اور پھر سامنے کھڑی اسمارا کو اور پھر ایک منٹ میں سچویشن سنبھالنے کو تیار ہوگئیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ انعام صاحب۔" وہ فوراً آگے بڑھیں اور پوزیشن سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی تھیں' اسمارا تو ہک دک پل پل بدلتے اپنے ان رشتہ داروں کی شکل دیکھ رہی تھی۔ جن کے لیے کوئی رشتہ اہم نہیں تھا۔

"ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔" بڑے ماموں اٹھے اور فائل کو پرے کردیا۔ "چلو چلتے ہیں۔" انہوں نے چھوٹے ماموں کو اشارہ کیا' دونوں جانے کے ارادے سے اٹھے۔

"ٹھیک ہے میں بھی اسے اس گھر میں رکھنے کو تیار نہیں۔ ابھی اسی وقت جو بندہ ملتا ہے میں اس کو اس کے ساتھ رخصت کرتا ہوں۔ کل کو مجھے کوئی الزام نہ دے۔" انعام صاحب باہر کی جانب بڑھے تھے اور اسی پل مجھے لگا تھا کہ خضر صاحب کے احسانات اتارنے کا اس سے اچھا موقع کوئی نہیں...... مجھے تمہیں بچانا تھا' اسمارا ورنہ وہ یا تو تمہیں مار ڈالتے یا کہیں بھی چھوڑ آتے۔ ان کے پاس سارے ثبوت تھے' یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تم گھر سے بھاگ گئی ہو۔ انعام صاحب باہر آئے اور مجھے دیکھ کر ٹھٹکے۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو؟" وہ غصے سے بولے۔

"سلام صاحب...... آپ نے ہی تو مجھے بلایا تھا۔" میں نے اندر ہی اندر ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ اچھا اچھا...... میں بشیر سے کہتا ہوں......" وہ تیزی سے آگے بڑھے اور پھر یک دم رکے۔

"سنو...... کیا نام ہے تمہارا؟"

"جی فیاض...... فیاض خان۔" میں جلدی سے بولا۔

"نکاح کرو گے...... ایک کم عمر خوب صورت لڑکی کے ساتھ؟" ان کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں اور مجھے لگا' رب نے میرے لیے خود ہی آسانی پیدا کردی ہے' میں کچھ نہیں بولا' انہوں نے خود ہی شرائط رکھ دیں۔ اس نکاح کے بدلے وہ مجھے چار لاکھ دیں گے اور میں نکاح کے بعد ساری عمر اس لڑکی کو اس شہر میں واپس نہیں لاؤں گا۔ وہ لوگ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ میں نے سب کچھ مان لیا تھا۔ میں رقم بھی نہیں لیتا لیکن یہ سوچ کر لی کہ تمہارے باپ کی جائیداد ہے' تمہارا حق ہے۔ میں نے وہ رقم بینک میں جمع کرادی تھی۔ جب چاہو مجھ سے واپس لے سکتی ہو۔ باقی اس نکاح کی ان سالوں میں کیا حیثیت رہی' تم جانتی ہو میں نے کبھی تم پر غلط نظر نہیں ڈالی۔ میرے لیے تم صرف اور صرف میرے محسن کی بیٹی تھی اور کوئی رشتہ نہیں رکھا میں نے تم سے۔ تم نے میری خدمت کی' میرا گھر سنبھالا...... میں نے اس لیے کرنے دیا کہ تمہارا یہاں دل لگ جائے' تمہیں محسوس ہو کہ تم نے یہیں رہنا ہے شہر نہیں جانا...... میں تمہیں محفوظ کرنا چاہتا تھا آج جب اتنے سال ہوگئے تو میں تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ...... میں اس بندے کی تلاش میں تھا جس کی وجہ سے یہ عذاب تم پر ٹوٹا...... اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس شخص کو ڈھونڈ لیا ہے۔"

"کیا؟" اس نے تیزی سے سر اٹھایا تھا۔ "جیمس" اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ وہ خود بھی حیران ہوئی تھی۔

"ہاں جنید؟" فیاض خان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ راکھ ہوتی چنگاریاں پھر سے سلگ اٹھی تھیں۔

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔

ہمیں کوئی بددعا نہیں دیتا پھر بھی ہم دکھوں کی فصیل میں بند ہوجاتے ہیں...... جہاں کوئی روزن نہیں ہوتا' کوئی روشنی کی رمق بھی نہیں ہوتی' زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ ہمارے منہ سے نکلی کوئی بات اس طرح ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہم جان ہی نہیں پاتے ہمارے ساتھ ہوا کیا؟ وہ بھی کسی وقت کے کہے کی زد میں آئی تھی۔

"میں نماز نہیں پڑھتی' میں دعا نہیں مانگتی' کیونکہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔" رعونت بھرا لہجہ۔

اس کے لیے سب اچھا تھا' ماں باپ' گنوا کر بھی سب اچھا ہی تھا۔ وہ اپنی مرضی کے تعلیمی ادارے سے اپنی مرضی کی تعلیم حاصل کررہی تھی۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ کوئی کمی نہ تھی۔ زندگی گل وگلزار تھی۔

"ارے نمازیں اور دعائیں تو بڑھاپے کے لیے ہوتی ہیں' عمر پڑی ہے ناں۔" وہ جیمس کے طویل لیکچر کے جواب

میں چڑ کر کہتی۔

''اور تم بتاؤ تمہیں اتنی فکر کیوں رہتی ہے ہر وقت میری اور میری نمازوں کی؟'' وہ ابرو چڑھا کر پوچھتی۔

''نہیں مجھے کیوں فکر رہنے لگی۔'' وہ کندھے اچکاتا۔ اور یہ فائنل سمسٹرز سے کچھ دن پہلے کی بات تھی' وہ دھڑا دھڑ اپنے نوٹس کمپلیٹ کر رہی تھی کہ وہ پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں بدبدائی۔

''اف فوہ یہ دینیات میرے پلے کہاں سے پڑ گئی ہے؟'' اسے غصہ آیا تھا۔ اب یقیناً وہ پھر کوئی لیکچر شروع کرنے والا تھا۔

''جیمس پلیز میں اس وقت نہایت ضروری اسائنمنٹ کمپلیٹ کر رہی ہوں' نو مور لیکچر۔'' اس نے تیز تیز پین چلاتے ہوئے اپنی مصروفیت شو کی۔

''نو...... میں تمہیں پرپوز کرنے والا ہوں۔ مجھے تم اچھی لگنے لگی ہو۔'' اس نے اسمارا کی خفگی کی ذرا بھی پروا نہیں کی تھی۔

''کیا؟'' وہ جھٹکا کھا کر مڑی۔

''تم ہوش میں تو ہو' شادی اور وہ بھی تم سے؟'' وہ چلائی تھی جبکہ جیمس پُرسکون تھا جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو۔

''کیوں...... مجھ سے کیوں نہیں؟'' وہ اس سے زیادہ حیران ہوا تھا۔

''میں نے تو سمپلی تمہیں پرپوز ہی کیا ہے۔ تمہارا دل مانے تو ٹھیک ورنہ انکار کر دو...... مگر پلیز مذاق مت اڑاؤ۔'' وہ حد درجہ سیریس تھا۔ اس کے جی میں آیا کہ سامنے پڑی موٹی کتاب اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے مگر ضبط کر گئی۔ یہ پاکستان نہیں تھا' وہ یہاں اجنبی تھی۔ اس کا کیریئر تباہ ہو سکتا تھا۔ یہ امریکی جیمس کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنا سامان سمیٹا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ اس کا دماغ پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ چچا جان کا فون کافی دنوں سے نہیں آیا تھا' پچھلی بار بھی انہوں نے مختصراً بات کی تھی جس میں سوائے پاپا کے قرضوں اور فیکٹری کے دیوالیہ ہو جانے کے اور کوئی بات نہیں کی تھی اس نے چچی جان سے بات کرنا چاہی تو وہ مصروف ہونے کا بہانہ بنا گئیں تھیں۔ ہاں جنید تھا جس کا کبھی کبھار فون آ جاتا تھا۔ جنید چچی جان کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس کا ہم عمر تھا۔ اس کی دوستی بھی تھی اس سے۔ اچھا نائس لڑکا تھا۔ بہت اونچے خواب تھے اس کے اور چچی جان ان کو پورا کرنے کا تہیہ بھی کیے ہوئے تھیں۔ بہرحال جنید سے بات کر کے اسے اچھا لگتا تھا' اسے امید تھی آج یا کل اس کی کال آئے گی پھر وہ چچا اور چچی کے بارے میں پوچھے گی اور اس کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اسی شام جنید کی کال آ گئی تھی۔ چند ایک رسمی باتوں کے بعد اس نے چچا اور چچی کے رویوں کے بارے میں پوچھا تھا پہلے تو وہ ٹال گیا تھا' پھر جو کچھ اس نے کہا تھا وہ اس کے دماغ کا فیوز اڑانے کے لیے کافی تھا۔

''تم جھوٹ کہہ رہے ہو جنید؟'' اسے یقین ہی نہ آیا تھا۔

''نہیں...... میں سچ کہہ رہا ہوں...... اور میرا سچا ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ تمہیں پچھلے دو ماہ سے پیسے نہیں بھجوائے گئے۔ انہوں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ یہ فیکٹری بیچ دی جائے۔''

''لیکن فیکٹری تو میرے نام ہے۔ مجھے خود کئی بار پاپا نے بتایا تھا۔''

''ہاں...... صرف تمہیں بتانے کی حد تک...... ورنہ فیکٹری انہوں نے اسی روز اپنے نام کروالی تھی جب تمہارے پاپا اور ماما کو جلا کر مارا گیا تھا...... اور یہ بھی سچ ہے کہ یہ سب انعام بھائی نے کیا ہے اور اس میں میری بہن بھی شامل ہے۔'' جنید انکشاف پر انکشاف کر رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

''پلان تو تم سب لوگوں کو جلا دینے کا تھا لیکن تم بچ نکلیں' انعام بھائی نے پروین کے ذریعے تم سب لوگوں کو خواب آور گولیاں کھلائیں...... مجھے صبح پتہ چلا تھا...... میں نے بہت فون کیے تم لوگوں کو' گھر بھی آیا...... لیکن نہ فون اٹینڈ ہوا' نہ کسی نے دروازہ کھولا پھر میں انعام بھائی کے پاس بھی گیا' وہ اس روز اتنے خوش اتنے مطمئن تھے جیسے ان کے ہاتھ ہفت اقلیم لگنے والی ہو۔ میں ان کو جتنا سمجھا سکتا تھا سمجھایا لیکن ہوس نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔'' وہ بول رہا تھا اور اسمارا کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ رہی تھیں۔ اس نے رابطہ ڈسکنیکٹ کر دیا۔ اس کے اندر ہونے والی تباہ کاری شاید نائن الیون سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے اپنوں کا یہ رخ اس کے سامنے آئے گا' اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا...... رشتے اتنے سفاک بھی ہو سکتے ہیں...... خون اتنا سفید بھی ہو سکتا ہے؟ وہ جلد از جلد پاکستان جانا چاہتی تھی' مما پاپا کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتی تھی۔ جو تین سال گزرنے کے باوجود دندناتے پھر رہے تھے۔ اس کی دولت پر عیش کر رہے تھے اور اس کو اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے ایک اسٹور پر پارٹ ٹائم جاب کرنا پڑی تھی لیکن تمام تر حقائق جان لینے کے باوجود بھی وہ فوراً پاکستان

نہیں جاسکتی تھی' اسے انتظار کرنا تھا اور یہ انتظار بہت جان لیوا تھا...... ایک ایک پل صدیوں کے برابر تھے...... چچا کا فون آتا تھا' کبھی کبھار اور وہی رونے......

''تباہ ہوگئے لٹ گئے' سڑکوں پر آگئے۔'' اور ایسا کہتے ہوئے ان کا لہجہ اتنا رقت آمیز ہوتا کہ ایک پل کو اس کا دل یقین لے ہی آتا' لیکن جیسے ہی جنید کا فون آتا' اس کا دل پھر سے انتقام کے شعلوں میں گھر جاتا۔

اس روز وہ جنید سے فون پر بات کررہی تھی جب دروازہ ناک ہوا' وہ فون یونہی کان سے لگائے دروازہ کھولنے آگئی' جنید اس وقت اسے بتا رہا تھا کہ انعام چچا نے فیکٹری بیچ دی ہے اور انڈسٹریل ایریا میں نئی فیکٹری لگا رہے ہیں اور مزید یہ کہ ان کا اس کو واپس بلانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا...... وہ آسٹریلیا میں ہی اس کو الجھائے رکھنا چاہتے تھے اور وہ کھول رہی تھی...... اور مزید یہ کہ اگر وہ پاکستان واپس گئی تو اس کو بھی ایسے ہی حادثاتی موت مار دیا جائے گا۔ اس لیے فی الحال وہ پاکستان آنے کے بارے میں سوچے بھی ناں۔ اس کے چہرے پر شدید غم و غصے کی کیفیت تھی۔ ہلکے سے کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور سامنے کھڑے بندے کو دیکھ کر اس کا پارہ مزید ہائی ہوگیا۔ وہ سن سی جنید کی باتیں سن رہی تھی اور دیکھ جیمس کو رہی تھی اور اس کے سر پر رکھی ٹوپی اور ہاتھ میں پکڑی تسبیح نے اس کو مزید تپا دیا۔ اس نے فون بند کیا اور شروع ہوگئی۔

''کیا مسئلہ ہے مسٹر جیمس...... اور یہ گیٹ اپ کس مقصد کے لیے...... مجھے امپریس کرنے کے لیے' لیکن میں ان سب کو سخت ناپسند کرتی ہوں...... اور جب میں نے کہہ دیا مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تو پھر...... دیکھیے میری خاطر مسلمان ہونے کی ضرورت نہیں...... ویسے بھی میں صرف نام کی مسلمان ہوں...... میرے لیے اتنا تردد مت کیجیے' اور دفع ہوجائیے یہاں سے۔'' وہ اتنے زور سے چلائی تھی کہ گارڈ وہاں آ گیا۔

''ازایوری تھنگ او کے میڈم؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ غنڈہ زبردستی میرے کمرے میں گھس کر مجھے ہراساں کررہا ہے۔ فضول باتیں کررہا ہے' اور یہ بہت دنوں سے ایسا کررہا ہے۔ مجھے بچائیے......'' اس کے منہ میں جو آیا بولتی چلی گئی۔ جیمس حیران و پریشان سا اسے دیکھے گیا۔ وہ تو صرف اسے یہ بتانے آیا تھا کہ آج اس نے مسجد میں باجماعت نماز پڑھی اور اسے بہت سکون ملا' اور یہ لڑکی گارڈ نے اسے جکڑ لیا تھا۔ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس نے ایک نہ سنی اور اسے گھسیٹ لے گیا۔ اسمارا نے دروازہ بند کیا اور بیڈ پر گر کر رونے لگی۔ وہ جانتی تھی اس نے غلط کیا تھا لیکن اس وقت جنید کی باتوں نے اسے اس قدر پریشان کردیا تھا کہ وہ سمجھ ہی نہ پائی وہ جو بول رہی ہے اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے لیکن اسے اس وقت جنید کی باتیں کھولا رہی تھیں...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر پاکستان جائے اور انعام چچا کو قتل کرڈالے۔

اگلے کئی دن خاموشی سے کٹے' نہ جیمس نظر آیا نہ جنید کا فون آیا۔ اس نے بھی سب کچھ ذہن سے جھٹک کر اگیزامز کی طرف دھیان دیا۔ لاسٹ پیپر والے دن اسے جیمس کیفے کی طرف جاتا نظر آیا۔ اس نے سوچا اس دن والے رویے پر معذرت کرلے۔ اس لیے تیز قدموں سے چلتی اس کے پاس آئی۔ جیمس نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں' اسے غصہ آیا...... اسے نظر انداز ہونا پسند نہیں تھا' لیکن پھر بھی اس نے برداشت سے کام لیا اور پہل کی۔

''کیسے ہو جیمس......؟'' اس نے لہجہ بھی خوشگوار رکھا۔

''الحمدللہ' لوگوں کی دعا اور اپنے رب کی مہربانی سے بہت اچھے حال میں ہوں۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

اسمارا چونکی۔ تو کیا وہ واقعی مسلمان ہوگیا تھا صرف اس کے لیے...... اس کے دل میں ایک پل کے لیے ضرور آیا۔

''سوری جیمس...... اس دن کسی اور کا غصہ تم پر نکل گیا' میں بہت ٹینس تھی۔'' اس نے بلا آخر کہہ دیا۔

''ہاں تمہارے غصہ کی وجہ سے مجھے دو دن جیل میں گزارنا پڑے' پرنسپل نے مجھے یونیورسٹی سے نکالنے کا ارادہ کرلیا...... اور تمہارے غصہ کی وجہ سے میں تین پیپرز نہیں دے سکا...... اور مزید یہ کہ مجھے خود کو چھڑوانے کے لیے اپنے تین ماہ کا خرچ ضمانت کے طور پر خرچ کرنا پڑا...... ویسے تمہیں کس نے کہا کہ میں تمہارے لیے مسلمان ہوا ہوں...... الحمدللہ میں پیدائشی مسلمان ہوں اور ویسے بھی تم اتنی اہم نہیں ہو کہ تمہارے لیے میں اپنا مذہب چھوڑوں...... اللہ حافظ۔'' وہ بڑے مضبوط لہجے میں کہتا' لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس سے آگے نکل گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی اور پھر اسی لمحے میں قید وہ شاید وہیں کہیں رہ گئی۔ جہاں جاتے ہوئے جیمس کے قدموں کے نشانات تھے اور دور تک خالی رستہ...... وہ وہاں سے پلٹ ہی نہ پائی تھی...... اس کا رواں رواں جیمس کے پلٹ آنے کا خواہاں ہوگیا تھا لیکن وہ

ابن صفی کا نیا رخ

شائع ہوگئی ہے

معروف صحافی، کالم نگار، مصنف، مفسر
مشتاق احمد قریشی کا ایک اور شاہکار
جاسوسی ادب کے سب سے بڑے نام

ابن صفی

کا وہ رخ جس سے ان کے قارئین ناآشنا ہیں

کسی پریشانی اور زحمت سے بچنے کے لیے
آج سے اپنی کاپی آنچل ادارے سے بک کرالیں۔

0300-8264242

اسے پھر کبھی نظر نہیں آیا' ابھی اس کے واپس جانے میں چند دن تھے' وہ بلا مقصد ادھر ادھر پھرتی رہی' شاید وہ کہیں نظر آجائے۔ اسے دیکھ لے جی بھر کے...... لیکن سب کچھ بے سود تھا' دن کم ہوتے گئے اور بے چینی زیادہ...... اور اسی بے چینی کو لیے وہ پاکستان واپس آگئی...... کسی کو بھی انفارم کیے بنا' وہ اچانک جانا چاہتی تھی دیکھنا چاہتی تھی اسے اچانک سامنے دیکھ کر وہ سب کیا ری ایکٹ کرتے ہیں۔ ایئر پورٹ سے گھر پہنچنے تک اس کے ذہن میں پچھلے سالوں کی فلم چلی تھی۔ اس نے ہر رشتے کے بارے میں کئی کئی بار سوچا تھا...... اور ہر بار ایک نئی پرت کھلی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی اتنے عیار اور شاطر چچا کے سامنے وہ کیسے ٹھہر سکے گی۔ کیسے انتقام لے سکے گی اور لڑ بھی سکے گی یا پھر ان کی سازش کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ یونہی بے نام سی موت اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہانی ختم ہوجائے گی۔ اس نے چچا کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ وہ کسی بھی ماموں کی طرف چلی جائے گی۔ ڈائری میں سے ماموں کا نمبر نکال کر وہ ڈائل کرنے لگی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی کسی پٹرول پمپ پر روکی تھی۔ بیل جارہی تھی لیکن کوئی ریسیو نہیں کررہا تھا۔ اس نے بار بار نمبر ملایا' لیکن کوئی رسپانس نہیں ملا...... وہ مایوسی سے موبائل واپس بیگ میں رکھ کر باہر دیکھنے لگی اور تبھی اس کو لگا' ساتھ والی گاڑی میں جیمس تھا...... اس نے زور سے سر کو جھٹکا...... اس کو الوژن ہونے لگے تھے۔ دوبارہ دیکھا...... نہیں اس کی آنکھیں اتنا بڑا دھوکہ نہیں کھاسکتی تھیں...... وہ جیمس ہی تھا۔ جیمس اور یہاں پاکستان میں...... اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس نے ڈرائیور کو چچا کا ایڈریس بتایا اور پھر سے جیمس کے بارے میں سوچنے لگی۔ کیا وہ واقعی جیمس تھا؟ گھر آگیا تھا ٹیکسی والے کو کرایہ دیتے ہوئے اس کی نظریں نیم پلیٹ پر پڑیں...... چوہدری عبدالباسط خان" لکھا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر دوبارہ پڑھا...... بلاشبہ وہاں چوہدری عبدالباسط ہی لکھا تھا۔ اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ یہ تو جنید نے بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ ایسا بھی کچھ کرچکے ہیں۔ وہ چاہتی تو جنید کو کال کرسکتی تھی لیکن فی الحال وہ اس کو اپنے آنے کے متعلق بتانا نہیں چاہتی تھی' ایک چھوٹا سا شک اس کے لیے بھی دل میں جنم لے چکا تھا۔ آخر جنید اپنی ہی بہن کی اس قدر مخبریاں کیوں کررہا تھا؟

ٹیکسی والے کو تو وہ فارغ کرچکی تھی۔ اب نئی ٹیکسی کے لیے شاید اسے کچھ دور چل کر جانا پڑتا...... اس کے ساتھ دو بھاری بھر کم سوٹ کیس دو ہینڈ بیگز' کلچ' ایک ہاتھ میں موبائل تھا اسے حقیقت میں کوفت ہورہی تھی۔ شام ہونے والی تھی اور رات سے قبل اسے کہیں رہنے کا انتظام کرنا تھا۔ وہ سڑک کی طرف منہ کیے ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی' تبھی اسے لگا پچھلا گیٹ کھلا ہے۔ اس نے فوراً مڑ کر دیکھا...... عورت باہر نکلنے کے بعد گیٹ دوبارہ لاک کررہی تھی۔ جیسے ہی وہ عورت مڑی اس کا چہرہ واضح ہوگیا۔ وہ اس چہرے کو لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔

"پروین باجی۔" وہ لپک کر اس کی طرف آئی تھی۔ اس نے سامنے دیکھا۔

"کون...... چھوٹی بی بی آپ...... یہاں......؟" اس کے چہرے کا رنگ واضح طور پر اڑا تھا۔

"آپ زندہ ہیں...... اس رات آپ بھی تو مما پاپا کے ساتھ......" اسمارا حیرت سے اسے تک رہی تھی۔

"وہ جی......" پروین ہکلانے لگی۔ "چھوٹی بی بی...... میں...... آپ یہاں سے چلی جاؤ بی بی جی...... یہ لوگ...... آپ کو بھی...... مجھے معاف کردو بی بی...... مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی۔" اگلے ہی پل وہ اس کے قدموں میں بیٹھی کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"کس بات کی معافی مانگ رہی ہیں پروین باجی؟" اس نے دائیں ہاتھ میں پکڑا کلچ بائیں ہاتھ میں منتقل کیا اور اس کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"بس بی بی جی...... میں نمک حرام ہوں...... کھائے پیے کی لاج نہیں رکھ سکی...... چند روپوں کی خاطر اپنا ایمان بیچ دیا۔ مجھے معاف کردیں۔" وہ اس کی دونوں ٹانگیں مضبوطی سے تھامے دو زانو زمین پر بیٹھی تھی اور اسمارا پریشان سی کبھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی' کبھی آس پاس سے گزرتے لوگوں کو جواب ان کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔

"اچھا یہ تو بتائیں' چچا کہاں گئے؟" اسے پھر اپنے ٹھکانے کی فکر ہونے لگی تھی۔

"جی وہ تو یہ والا گھر اور جی آپ کے والا گھر بیچ کر ڈیفنس میں شفٹ ہوگئے ہیں۔" پروین نے بتایا۔

"کیا...... میرا گھر؟" اسے ایک اور جھٹکا لگا تھا۔ یہ بات اسے جنید نے تو نہیں بتائی تھی اور ان لوگوں کی رسی کتنی دراز تھی جو اب تک کسی بھی پکڑ میں نہیں آئے تھے؟

اس نے آہستگی سے پروین کو پیچھے ہٹایا اور سامنے آ کر رکی یکسی کی طرف بڑھ گئی۔ وہ کیا کرسکے گی اور کہاں تک؟ اسے بھی سے اپنا آپ بے بس محسوس ہونے لگا تھا۔ دو راتیں ایک ہوٹل میں گزارنے کے بعد بلآخر اس کا رابطہ چچا سے ہو ہی گیا۔ وہ اسے خود ہوٹل لینے آ گئے تھے۔ وہ بھی فی الحال کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ چپ رہ کر حالات کا جائزہ لینا چاہتی تھی کیا خبر جنید نے ہی غلط بیانی کی ہو اور شاید وہ دل ہی دل میں چاہتی بھی یہی تھی کہ کاش وہ ساری باتیں جھوٹی ہوں' اس کا دنیا یں چچا سے جو رشتہ تھا وہ شدت سے اس کے بچ جانے کی خواہاں تھی۔ چچا اس کے بنا بتائے آنے پر ناراض ہو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے مسکرائے گئی۔

''کیا بات ہے بیٹا اتنی خاموش کیوں ہو؟'' بلآخر انہوں نے محسوس کر کے کہہ ہی دیا۔

''نہیں چچا...... بس مما پاپا یاد آ رہے ہیں' آپ سنائیں پاچی کیسی ہیں اور کاروبار کیسا چل رہا ہے؟'' اس نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے اپنا خود کو کمپوز کیا۔

''چچی تو تمہاری یاد میں دن رات آہیں بھرتی رہتی ہیں اور پوچھتی ہیں' کب آئے گی میری اسمارا؟ بہت بے چین ہیں۔'' چچا نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کا دل ڈگمگانے لگا۔

''نہیں چچا ایسا نہیں کرسکتے...... وہ ایسے ہو ہی نہیں سکتے۔'' اس کا دل ہمک ہمک کر گواہی دینے لگا۔ جنید پروین سب جھوٹ بول رہے ہیں' اسے گمراہ کررہے ہیں۔ اس نے اپنے بے چین دل کو ایک اور خوش فہمی کی تھپکی دی وہ گھر پہنچ گئے تھے۔ چچا کا یہ والا گھر تو بہت ہی شاندار تھا۔ بالکل کسی محل جیسا' گیٹ سے بل کھاتی روش کے چاروں اطراف خوب صورت اور مہنگے پھولوں کی کیاریاں تھیں' دونوں اطراف وسیع وعریض لان اور اس قدر خوب صورت کہ ایک لمحہ کو انسان کھو سا جاتا تھا۔ گولڈن کلر کا گیٹ جو بہترین تراش خراش سے مزین تھا' وہی آنے والے کو مبہوت کردینے کے لیے کافی تھا۔ وائٹ اور ڈارک براؤن امتزاج سے بنی بلند عمارت یوں فخر سے سر اٹھائے کھڑی تھی جیسے روئے زمین پر اس جیسا باوقار اور سر بلند اور کوئی ہو ہی نہیں...... گاڑی کار پورچ میں رکتے ہی اندرونی دروازہ کھلا تھا اور ایک اسمارٹ سی عورت چہکتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی...... جدید تراش خراش کا مہنگا لباس زیب تن کیے وہ اسمارٹ خاتون کوئی اور نہیں چچی جان تھیں۔ وہ تو ہکا بکا رہ گئی۔ وہ واقعی انہیں پہچان ہی نہ پائی تھی۔ کہاں وہ لٹکتے جسم والی موٹی سی چچی اور کہاں یہ فٹ عورت۔

''نہیں پہچانا ناں؟'' وہ خوشی سے چہکیں۔ ''کوئی بھی نہیں پہچان پارہا۔ دیکھو کیسے مہینوں میں ویٹ لوز کیا ہے میں نے اور کتنی فٹ ہوگئی ہوں میں۔'' وہ اپنے سراپے پر نازاں ہوئی جارہی تھیں۔

''جی بالکل......'' اس نے سلام کرتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ وہ اسے ساتھ لپٹائے اندر لے گئیں اور اندر داخل ہوتے ہی اسے ایک اور جھٹکا لگا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ کسی بڑے ملک کے وزیراعظم یا صدر کے گھر آ گئی ہو۔ اس قدر پُرآسائش گھر' نعمتوں سے بھرا' سجاوٹوں سے گھرا' کہاں سے آ گیا تھا ان کے پاس؟ کون سا خزانہ نکل آیا تھا؟ اور پھر دونوں گھروں کو بیچ کر بھی اتنی رقم کا ملنا ناممکن تھا' چچا کا اپنا گھر تو سو سو ہی تھا' کوئی دس بارہ مرلہ کا' البتہ یہ گھر کم وبیش دو ڈھائی کنال کے رقبے پر واقع تھا۔ جلنے کے بعد عمارت کو نقصان تو پہنچا تھا لیکن وہاں زمین کی قیمت بہت زیادہ تھی۔

''تم فریش ہوجاؤ' یہ تمہارا کمرہ ہے۔ بالکل تمہاری خواہش کے عین مطابق...... پھر نیچے آجاؤ۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔'' وہ اسے ایک کمرے کے سامنے چھوڑ کر واپس مڑ گئیں۔

''پتہ نہیں اسے یہاں آنا چاہیے یا نہیں اس کے ذہن کے کسی اندرونی گوشے میں ہلکی سی ندامت نے سر اٹھایا تھا۔ جسے وہ آرام سے کچلتی کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔ ریڈ اور بلیک کلر کے امتزاج سے سجا یہ کمرہ بھی خوب صورتی اور سجاوٹ میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی بیڈ پر آ بیٹھی' سیاہ راؤنڈ بیڈ کے اوپر سرخ مخملیں بیڈ شیٹ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس نے چھت پر لگے قیمتی فانوس کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر ساری باتیں ذہن میں دہرائیں۔ وہ یہ سب چچا سے کیسے کہہ سکے گی اور کیسے ثابت کر پائے گی؟ سوالیہ نشان تاروں کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہے تھے اور سب کچھ دھندلا رہا تھا۔

کھانا بے حد پُرتکلف تھا' دنیا کی کون سی نعمت نہیں تھی جو ڈائننگ ٹیبل پر موجود نہیں تھی۔ جبکہ کھانے والے صرف دو افراد' وہ اور چچی...... اسے دیکھ کر وہ پورے ہونٹ پھیلا کر مسکرائیں تھیں...... وہ بھی مسکراتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''شروع کرو۔'' چچی جان کی طرف سے اذن ملا تھا' اس

نے اثبات میں سرہلا کر چچا کے بارے میں پوچھا۔
"فیکٹری میں جھگڑا ہو گیا ہے' وہاں گئے ہیں۔" چچی نے شاید بے دھیانی میں بولا تھا۔ وہ چونکی تھی۔
"کون سی فیکٹری...... فیکٹری تو......؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سوالیہ نظروں سے چچی کو دیکھا...... وہ سٹپٹا گئیں۔
"وہ...... جس فیکٹری میں کام کرتے ہیں' مینیجر ہیں ناں...... تو سب کچھ انہی کو دیکھنا پڑتا ہے۔" انہوں نے فوراً بات سنبھالی تھی اور ساتھ ہی چور نظروں سے اسمارا کو بھی دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے کھانے کی پلیٹ کو تک رہی تھی۔
"ارے کھانا کھانا ہے' دیکھنا نہیں ہے صرف۔ کھاؤ ناں؟" انہوں نے مٹر قیمہ کا ڈونگا اس کی طرف بڑھایا۔
"وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں اسمارا باجی...... آپ ان کو نہیں جانتیں' آپ سے جان چھڑانے کے لیے زہر دے دیں گے آپ مت جایئے ان کے پاس...... چھوڑیں حساب کتاب' اپنی جان بچایئے۔" پروین کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے تھے۔
اس نے ڈونگا پکڑ کر سائیڈ پر رکھ دیا اور چچی کی تقلید کرتے ہوئے گرلڈ چکن کا پیس اٹھا لیا۔
"ارے تم بھی ڈائٹنگ پر ہو؟" انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔
"جی۔" وہ رغبت سے کھاتے ہوئے بولی۔
"ہوں۔" وہ ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔
"جنید کیسا ہے آتا نہیں کیا؟" اس نے اگلا سوال کیا۔
"ٹھیک ہے' آجاتا ہے' کبھی کبھار...... اصل میں تمہارے چچا اسے اچھا نہیں سمجھتے...... وہ سمجھتے ہیں شاید میں اس کو سپورٹ کرتی ہوں۔ مالی طور پر...... اس لیے اس کے آنے جانے پر چڑتے ہیں۔" چچی کا تفصیلی جواب اس کے شکوک کو مزید ہوا دے گیا تھا۔ تبھی وہ چچا کے خلاف زہر اگلتا ہے اور اسے جھوٹی کہانیاں سنا سنا کر ان کے خلاف کر رہا ہے۔ اف خدایا...... وہ کس قدر غلط سوچنے لگی تھی۔ صرف جنید کے بہکاوے میں آ کر...... چچی اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بغور جائزہ لے رہی تھیں...... اور دل ہی دل میں منصوبہ تشکیل دے رہی تھیں۔

❀......❀......❀

"اماں اٹھو...... ابا تمہیں بلاتی ہے۔" کشمالے نے اس کا کندھا زور سے ہلایا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ گھبرا کر ادھر ادھر نظر ڈالی تھی۔ اس کے پیروں کے پاس چائے کا خالی کپ رکھا تھا۔ چولہے میں سلگتی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ فیاض خان نجانے کب اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا اور وہ اکیلی بیٹھی ماضی کے پرت کھولتی چلی گئی تھی۔
"کسی کی کہی ایک چھوٹی سی بات کی کڑی کہاں سے کہاں جا ملتی ہے' دل کہاں کہاں سے بھٹک کر ہو آتا ہے۔ ماضی کی راکھ اڑا اڑا کر حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔"
وہ کشمالے کے پیچھے چلتی فیاض خان کے کمرے میں آ گئی تھی۔ فیاض خان دونوں بازو سر کے پیچھے ٹکائے نیم دراز حالت میں بیٹھا تھا۔
"بہت تھک گئی ہو؟" ماضی کی گرد نے اس کا چہرہ کھلی کتاب تو کیا تھا مگر مٹا مٹا سا' وہ واقعی میں بہت تھک گئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کوئی مہربان کاندھا ہو اور وہ اس پر سر رکھ کر رو دے۔ روتی رہے' روتی رہے۔ حتیٰ کہ ماضی کی ساری گرد ڈھل جائے ساری تھکن اتر جائے۔ وہ دروازے کے پاس رکھے موڑھے پر تقریباً ڈھے سی گئی تھی۔
"تم جاؤ کشمالے۔" فیاض خان نے پائنتی کی طرف سر جھکائے بیٹھی بیٹی کو اشارہ کیا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔
"میں شادی کر رہا ہوں۔" فیاض خان نے کہا۔ وہ اتنی نڈھال اور پژمردہ تھی' چونکی بھی نہیں' سر جھکائے اپنی ہتھیلیوں میں گرتے آنسوؤں کو دیکھے گئی۔
"یہ دربدری کب تک؟" وہ تو اپنی تقدیر پر شاکر ہو گئی تھی۔ اب تو وہ نماز بھی پڑھتی تھی' پھر بھی...... اس نے کچھ نہیں کہا' چپ چاپ سنتی رہی۔ فیاض خان اسے آزاد کرنے کی بات کر رہا تھا۔ اسے لوٹ جانے کا کہہ رہا تھا۔
وہ اپنے بچوں کو لے کر کوئٹہ جا رہا تھا۔ وہیں شادی کر کے گھر بسانا چاہ رہا تھا۔ اس کے جی میں آیا پوچھے چھ سات سال اس کو سہارا دینے کے بعد وہ اس کو بے آسرا کیوں کر رہا تھا؟ پھر سے تپتی دھوپ میں کیوں کھڑا کر رہا تھا اور جیسے اس نے اس کا دماغ پڑھ لیا تھا۔
"جب میں نے تمہیں آسرا دیا...... تم سے نکاح کیا اس وقت تمہیں اس کی ضرورت تھی۔ وہ لوگ تمہیں مار ڈالتے اور پھر تمام عمر تمہاری دولت پر عیش کرتے...... تم اس وقت بے بس تھیں کمزور تھیں' ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ میں اس لیے تمہیں

منکوحہ بنا کر اپنے گھر لے آیا کہ اس کے علاوہ تم اور کسی رشتے سے میرے گھر میں ہرگز نہ رہ سکتی تھیں۔ کوئی تمہیں نہ تو ٹکنے دیتا اور نہ ہی جینے۔ میں نے تمہیں حفاظت بھرا سائبان ضرور دیا لیکن میرا رب اس بات کا گواہ ہے میں نے آج تک تمہیں اس رشتے کی نظر سے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی سوچا...... تم میرے لیے بہت محترم ہو اور میری محسن بھی۔ تم نے میری بیمار بیوی کی خدمت کی اس کی لعن طعن کے باوجود...... میرے بچوں کو سنبھالا لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں اس رشتے سے آزاد کردوں اور تم اپنی مرضی سے اپنی زندگی جی سکو۔“

”اب اپنی مرضی اور پھر زندگی بھی کہاں رہی فیاض خان۔“ اس کے اندر کوئی دھاڑیں مار مار کے رویا تھا۔ ”اور اب تو سکت بھی نہیں رہی کہاں جاؤں گی میں؟“ بے مائیگی نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا...... اس نے آس سے فیاض خان کو دیکھا۔

”مجھے اب بے آسرا مت کرو فیاض خان۔ میں اس زندگی کی عادی ہوچکی ہوں۔ ساری عمر ایسے ہی پڑی رہوں گی ایک طرف تم شادی کرلو مگر مجھے بے گھر مت کرو۔“ وہ بے حد ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی۔ لیکن اس نے شاید سنا ہی نہیں۔

”اب ابا نہیں رہا سو اکیلے تمہارا اس گھر میں رہنا مناسب نہیں...... میں نے تمہارے ماموؤں کا پتہ لگالیا ہے اور انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ تمہیں اپنانے کو تیار ہیں اور میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ جنید کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اس کا دایاں بازو اور دائیں ٹانگ دونوں بری طرح فریکچر ہوگئے ہیں اور وہ بستر سے لگ گیا ہے۔ تمہارے چچا سب کچھ جوئے سٹے بازی میں ہار گئے اور اب اسی پرانے گھر میں رہائش پذیر ہیں تمہاری چچی نیم پاگل ہوگئی ہیں اور تمہاری شہر والی فیکٹری تمہارے ابا کے منیجر نے سنبھال رکھی ہے اور تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کررہے ہیں دنیا میں صرف برے لوگ نہیں ہوتے اچھے بھی ہوتے ہیں بلکہ زیادہ اچھے لوگ ہوتے ہیں۔ ورنہ دنیا کب کی تباہ ہوجاتی۔ ایک دو روز میں تمہارے ماموں آجائیں گے تمہیں لینے تیاری کرلینا...... جو لے کر جانا چاہو بلاجھجک لے جانا...... سب کچھ تمہارا ہے۔“ واہ رے فیاض خان کی فیاضی۔

”اور اگر میں نہ جانا چاہوں آپ کے نام کے ساتھ زندگی گزارنا چاہوں تو......؟“ اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔

ماموں کے گھر کون سا سکون کے ہنڈولے ہونے تھے رضیہ مامی کی زبان کی تیز دھار جگر چھلنی کردیا کرتی تھی۔

”نہیں...... تمہیں جانا ہی ہوگا...... میں نے اپنی پھوپی زاد سے وعدہ کرلیا ہے۔“ فیاض خان کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہیں تھی۔ بحث فضول تھی وہ جان گئی تھی فیاض خان فیصلہ کرچکا تھا۔ اب اسے یہاں سے جانا ہی تھا۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل آئی۔ ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا اس کا آنچل اڑا لے گیا۔ وہ وہیں برآمدے کا ستون تھامے بیٹھ گئی۔

”ہم رب کو چھوڑ بھی دیں تو وہ ہمیں نہیں چھوڑتا۔“ جیمس کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔ کون تھا جیمس مسلمان تھا تو نام کیوں جیمس تھا کیوں اس سے ٹکرایا تھا؟ کیوں اس کو اس روشن راہ کی باتیں سناتا تھا اور کیوں باتیں سناتا اس سے دور چلا گیا تھا۔ اس نے اس شخص کو بہت یاد کیا تھا۔ حد سے زیادہ...... اتنا کہ اپنا آپ بھول گئی تھی۔ وہ جو سوچتی تھی نماز اور عبادت تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا...... اب سوچتی تھی اس کے پاس تو صرف جیمس نہیں تھا پھر وہ کیوں ہر سجدے میں جیمس کا ساتھ مانگنے لگی تھی۔ کچھ مشکل نہیں تھا وہ اسے جیمس کا ساتھ دے سکتا تھا لیکن اس نے نہیں دیا تھا۔ اس کی دعائیں بے کار گئی تھیں اور پھر اس نے چپ سادھ لی تھی وہ ہاتھ اٹھاتی تھی دعا کے لیے مگر کوئی حرف لب پہ نہ آتا...... کوئی خواہش دل میں نہ مچلتی۔

✿......✿......✿

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا بھول گیا سوال بھی

وہ واپس پاکستان آگئی لیکن سکون یہاں بھی نہیں تھا۔ اس کا دل چاہتا وہ آسٹریلیا واپس چلی جائے اور جب تک جیمس کو ڈھونڈ نہ لے واپس نہ آئے لیکن یہ بھی ممکن نہیں رہا تھا پروین نے سچ کہا تھا وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کرسکتے تھے اور وہ سب کرنے میں چچا نے زیادہ دن نہیں لگائے تھے ایک ہفتہ بعد ہی چچا کا اصل روپ اس کے سامنے آگیا تھا۔ جب سے پاکستان آئی تھی جنید اس کے رابطے میں نہیں تھا۔ اس نے بارہا چچی سے بھی پوچھا تھا لیکن وہ پتہ نہیں کہہ کر انجان بنی ہوئی تھیں۔ پھر اس روز اس کے فون پر میسج آیا جنید نے اسے ملنے کے لیے کہا تھا کہیں گھر سے باہر لیکن اس نے تاکید کی تھی کہ کسی کو پتہ نہ چلے وہ اس سے ملنے جارہی ہے وہ حیران تھی وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا یہ گھر اس کی سگی بہن اور بہنوئی کا تھا پھر ایسا کیا کیا تھا اس نے کہ وہ یہاں آنے کو تیار نہیں تھا؟ اس نے چچی کو بتایا کہ شام میں اس نے کنزیٰ سے ملنے اس کے گھر جانا ہے اور ارادہ بھی یہی تھا

کہ جنید کی بات سن کر وہ کنزئی کی طرف چلی جائے گی۔ آج اس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ جنید سے سارے ثبوت مانگے گی اور اگر وہ نہ دے سکا تو پھر وہ کبھی اس کی بات کا یقین نہیں کرے گی اور نہ ہی اس سے کوئی تعلق رکھے گی اور چچا کے متعلق تمام شکوک وشبہات وہ دل سے نکال دے گی۔ وہ گھر سے باہر نکلی تھی تو ایک اچھی سوچ کو ذہن میں لے کر...... اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

اور جو ہوا تھا وہ اس کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔ اس نے تو خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ اس کے ساتھ یہ ہونے والا ہے جب اس کو ایک دم سے اٹھا کر ٹرک میں ڈالا گیا وہ یہی سمجھی کہ اسے اغوا کرلیا گیا ہے لیکن وہ یہ نہ سمجھی کہ اسے اغوا کروانے والا کون ہوسکتا تھا' اس نے چیخنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ اس کی آواز دبادی گئی تھی اور اس کے بعد چچا اور جنید نے مل کر وہ تصویریں شائع کیں اس کی اور وہ بھی جیمس کے ساتھ...... جیمس کی تصویر ایک دفعہ اس نے ایف بی پر جنید کے ساتھ شیئر کی تھی اور جنید کو ساری باتیں بھی بتاتی رہتی تھی جو اکثر وبیشتر جیمس اس کے ساتھ شیئر کرتا تھا لیکن جنید اس کا غلط فائدہ اٹھائے گا یہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کی بے ہوشی کے عالم میں اس کے ساتھ جنید نے جو سلوک کیا تھا اس کی تصویریں اتاری تھیں اور...... اس سے آگے کا سوچ کر اس کی روح آج تک کانپ اٹھتی تھی۔ کس قدر ہنگامہ مچایا تھا چچا نے رات بھر اس کے گھر سے باہر رہنے پر۔ چچی تو اٹوائی کٹوائی لیے پڑ گئی تھیں۔ جیسے وہ سچ مچ گناہ کرکے آئی تھی انہوں نے اس قدر مشاقی سے سارا پلان تیار کیا تھا کہ سانپ بھی مرگیا تھا اور لاٹھی بھی ٹوٹ گئی تھی۔ پاپا کی وصیت میں واضح لکھا تھا کہ اگر کبھی اسمارا نے غلط کام کیا یا کسی سے غلط تعلقات استوار کیے تو وہ جائیداد سے خود کو عاق سمجھے (پاپا اس قدر بری سوچ رکھتے تھے اس کے بارے میں وہ سوچ کر رہ گئی) وہ سمجھ گئی تھی یہ سارا چکر اسی جائیداد کے حصول کے لیے تھا جس کے لیے مما پاپا کو جلا کر مارا گیا تھا' جیسے وہ پہلے نہیں پکڑے گئے تھے اب بھی انہوں نے کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا...... وہ جائیداد سے بے دخل ہوگئی تھی یا کردی گئی تھی۔ سب مل گئے تھے۔ چچا' چچی' جنید' وکیل وہ شور مچاتی رہی' کسی نے نہ سنی اور پھر اس نے خاموشی کی بکل مارلی۔ وہ کس کو سنارہی تھی جو سننا ہی نہ چاہتے تھے۔ جو دیکھنے کے روادار نہ تھے جو اس کی بے گناہی کو تسلیم کرنے پر رضامند ہی نہ تھے اور اس وقت وہ بے اختیار سجدے میں گری تھی۔

''تو جانتا ہے مالک میں بے گناہ ہوں' میرا دامن پاک ہے' میں نے کچھ نہیں کیا' اس وقت میری گواہی دینے والا کوئی نہیں لیکن تو' تو سب دیکھ رہا ہے' تو تو سب جانتا ہے مجھے پناہ دے دے' مجھے ان بھیڑیوں سے پناہ دے دے' مجھے بچالے مالک۔'' وہ زاروقطار رو رہی تھی لیکن شاید اس کی دعائیں بھی آسمان تک جانے سے پہلے لوٹ آئی تھیں۔ چچی نے بڑی سفاکی سے اسے گھسیٹ کر کمرے میں پھینکا تھا اور کاغذ اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہارا نکاح ہورہا ہے شکر کرو' تمہارے اس قدر گرے ہوئے کرتوتوں کے باوجود تمہیں سنگسار نہیں کیا جارہا...... حد نہیں لگ رہی تمہارے اوپر...... تمہیں بچوں کی طرح چاہا' اس لیے ترس آگیا' رخصت کررہے ہیں تمہیں لیکن ایک بات یاد رکھنا' اس گھر سے جڑی ہر بات یہیں دفن کرکے جانا' کبھی ہم سے ملنے مت آنا' مرگئی ہو تم ہمارے لیے۔'' اتنا تنفر تھا چچی کے لہجے میں اور آنکھوں میں فاتحانہ چمک۔ وہ کچھ کہہ ہی نہ پائی۔

اور جب چچا قاضی کے ساتھ اندر آئے اور اس سے فیاض خان کے ساتھ نکاح کی اجازت کی رسم پوری کی تو اس نے بھی دیر نہیں کی...... فوراً سائن کردیئے' ہاں واقعی اسے سنگسار نہ کیے جانے پر شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔ اس نے ہاتھ لگا کر چھلے ہوئے گھٹنوں کی تکلیف محسوس کی اور دیوار میں نہ چنوانے پر اپنے ان رشتہ داروں کا مشکور ہونا چاہیے تھا' اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اس اٹھتی ٹیس کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ ساری رات انہوں نے اسے کھڑا رکھا تھا' دیوار کے ساتھ لگا کر دونوں بازو اوپر کرواکے رسیوں سے دیوار میں لگی بڑی بڑی کیلوں کے ساتھ باندھ دیے تھے اس کے پیروں میں حد درجہ تکلیف اور سوزش تھی۔ اسے واقعی ان کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا' وہ اسے اس گھر سے کسی کی منکوحہ بنا کر رخصت کررہے تھے۔ کون تھا اتنے بڑے جگر والا اور اتنا حوصلہ اس میں آ کہاں سے گیا تھا؟ کتنے پیسے دیئے ہوں گے چچا نے اسے اس گناہ کی پوٹ کو اپنے گلے ڈالنے کے لیے...... دو لاکھ' چار لاکھ' شاید دس لاکھ...... یا شاید کچھ بھی نہیں' گن پوائنٹ پر یا پھر کسی اور شرائط پر...... وہ لوگ کچھ بھی کرسکتے تھے' پرسوں ہی پروین نے مارکیٹ میں کھڑے ہوکر اسے سب کچھ بتایا تھا۔ کیسے انہوں نے پروین کے ذریعے ان سب کو نشہ آور ادویات کھلائی تھیں اور پروین نے ہی صبح

چولہے کھلے چھوڑے تھے اور کچن کا دروازہ بند کرکے دروازے کے نیچے سے لائٹر پھینک کر جلدی سے گھر سے باہر نکل گئی تھی لیکن بدقسمتی سے پروین کی رشتہ دار جو پچھلی رات ہی اس کے پاس آئی تھی، سرونٹ کوارٹر میں موجود تھی۔ پروین کا ارادہ پچھلی طرف سے جاکر اسے جگانے کا تھا لیکن جب وہ وہاں پہنچی تو کوارٹر خالی تھا۔ پروین جانتی تھی وہ رات کو اٹھ اٹھ کر بار بار ٹھنڈا پانی پیتی ہے اور اٹھتے ساتھ ہی اسے پھر ٹھنڈا پانی چاہیے ہوتا تھا، یقیناً وہ ٹھنڈا پانی لینے کے لیے کچن کی طرف گئی تھی وہ اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی لیکن موبائل کی ٹوں ٹوں نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔

''تم ایسا کرو جلدی سے بھاگ نکلو۔'' اس کے فون ریسیو کرتے ہی کہا گیا تھا، وہ اسی طرح باہر نکل گئی، کھڑکیوں سے دھواں اٹھتا دکھائی دے رہا تھا، صرف چند ہی لمحوں میں سب خاک ہونے والا تھا۔ وہ چاہتی تھی جب تک آگ پھیلے دوپہر کا ٹائم ہوچکا ہو تاکہ یہی لگے کہ چولہا پھٹنے سے آگ لگی وہ تو جب اسمارا یونیورسٹی کے لیے نکلی تب تک آگ ابھی کچن میں ہی تھی اور پھر اس نے دھیان بھی نہیں دیا تھا، کچن تھا بھی بیک سائیڈ پر اور اس کا کمرہ لان کی طرف تھا، کاش وہ اس روز ناشتہ کرنے ہی کچن کی طرف چلی جاتی اور اسے دھیرے دھیرے پھیلتی آگ کا پتہ چل جاتا اور وہ ماما پاپا کو بچا سکتی، لیکن نہیں وہ کون تھی؟ زندگی اور موت تو اللہ کے اختیار میں ہے، اگر وہ اسے بچا سکتا تھا تو پھر مما پاپا کو بھی بچا سکتا تھا۔ نہیں ان کی موت ایسے ہی لکھی تھی۔ ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی کچھ بھی نہیں کرسکی تھی اس کے ہاتھ پاؤں سب گویا مصلوب کردیئے گئے تھے۔

وہ روئی تھی، تڑپی تھی، سجدوں میں اس نے بس اپنے بچ جانے کی دعا مانگی تھی اور فیاض خان کی صورت میں اسے بچانے والا بھیجا گیا تھا، اسے پناہ دی گئی تھی، وہ سات سال تک دشمنوں سے دور حفاظت میں رہی تھی اور پھر بھی شکوہ کناں تھی؟ بظاہر اس نے سمجھوتہ کرلیا تھا...... اپنے کان، آنکھ، لب سب سی لیے تھے فیاض خان کی بیوی کی گالیاں، بچوں کا روکھا رویہ، فیاض خان کی اس میں عدم دلچسپی، سب قسمت کا لکھا سمجھ کر منظور کرلیا تھا، اس گھر میں صرف ایک شخص تھا جو اس سے محبت کرتا اور عزت دیتا تھا اور وہ تھے گلاب چاچا، فیاض خان کا باپ، اس نے تو پہلے دن ہی اسے دیکھ کر کہا تھا کہ فیاض خان اسے کتنے میں خرید کر لایا ہے، گلاب چاچا کو وقت پر چائے کھانا دینے کی ذمہ داری اس نے از خود اٹھالی تھی فجر سے لے کر عشاء تک وہ ان کے لیے گرم پانی مہیا کرتی، تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ آکر پوچھتی، کبھی چائے، کبھی قہوہ بنا کر دے آتی، رات کے کھانے کے بعد جب سب سونے کے لیے کمروں میں چلے جاتے وہ کچن سمیٹ کر قہوہ بنا کر چاچا کے کمرے میں آجاتی، وہ ریٹائرڈ فوجی تھے، اسے اپنی جوانی کے دلچسپ قصے سناتے رہتے...... پینسٹھ اور اکہتر کی جنگ کے تو بہت سے واقعات انہیں ابھی تک یاد تھے۔ وہ دہراتے تو ان کے چہرے پر عجیب سی خوشی چمک رہی ہوتی۔ بس ایک ہی دکھ تھا انہیں کہ دونوں جنگیں لڑنے کے باوجود وہ شہادت کا رتبہ نہیں پاسکے تھے اور ان کے جاتے ہی یہاں سب کچھ الٹ پلٹ ہونے لگا تھا۔ فیاض نے اسے گھر سے نکالا دیا تھا اور وہ بے سروسامانی کے عالم میں ایک بار پھر اسی طرح کھڑی تھی جیسے آج سے سات سال پہلے وہ چچا کے روبرو کھڑی اپنے بے گناہ ہونے کا ثبوت دینے کے لیے چیخ رہی تھی۔

''ارے سمی، تم ادر کاہے کو بیٹھا روتا ہے؟'' لالے نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سامنے لالے کھڑی تھی، وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم کب آیا لالے جان؟'' اس نے اسی کے لہجے میں پوچھا تھا شاید اس کی توجہ خود پر سے ہٹانے کے لیے...... مگر وہ بھی لالے تھی۔

''مرا داماک (دماغ) مت پھیرو۔'' وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

''اچھا...... بہن......'' وہ ہنس دی۔

''رو نہیں رہی تھی۔'' اس نے دونوں ہتھیلیاں گالوں پر رگڑیں۔

''وہ فیاض خان...... کانا دیو...... کوئٹے جارہا ہے ناں اس لیے۔'' اس نے برآمدے کی بتی جلائی پھر لالے کو تخت پر بٹھا کر چائے پکانے آگئی۔ لالے بھی دو منٹ بعد اس کے پیچھے آگئی۔

''آؤ بیٹھ جاؤ۔'' اسمارا نے کہا۔

''نہیں...... تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔'' وہ راز داری سے گویا ہوئی۔

''دلبر جان کے متعلق؟'' اسمارا نے ہنستے ہوئے چھیڑا تو اس کے گلابی گال اور لال ہوگئے۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''نہیں...... تو مجھے پڑھا دیا کر...... دیکھ آٹھ جماعتیں تو میں نے پاس کی ہیں۔ دسویں تو کرادے، تیرا احسان ہوگا مجھ

پر...... اور انگریزی بھی سکھادے تاکہ میں بھی اس کے ساتھ پٹر پٹر انگریزی بولوں تو اس کو احساس ہو کہ میں بھی کسی شہری لڑکی سے کم نہیں۔"

"تم اپنا موازنہ کسی شہری لڑکی سے کیوں کرتی ہو؟" چائے پک گئی تھی اس نے چولہا بند کیا اور چائے کپ میں ڈال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"پھر کیا کروں......؟" اس نے بے بسی سے کہا اس کے اندر بھی ایک سوئی محبت نے اپنا پھن اٹھایا یہ محبت ہوتی ہی کیوں ہے؟ اس نے فوراً سر جھٹکا اور لالے جان کی طرف دیکھا وہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کے انگریزی سکھاتے ہی دلبر جان خوشی خوشی اسے اپنا لے گا۔

اس نے سمجھانا چاہا۔

"دیکھ لالے اگر اسے تجھ سے محبت ہوئی تو......"

"نہ ہو تو بھی مجھے فرق نہیں پڑتا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بیچ میں بولی۔ "میں ایسے ہی رہ لوں گی محبت کے بغیر۔"

"نہیں رہ سکو گی۔ بہت مشکل ہوگا جینا۔ ابھی تم سے اس کی بے اعتنائی برداشت نہیں ہوتی' اس کی بیوی بن کر کیسے اس کی بے اعتنائی سہو گی اور پھر کیا شرط کہ وہ تم سے شادی کر ہی لے گا؟" وہ اسے سمجھانا چاہتی تھی جو عشق کے سمندر میں سرتاپا غرق ہوچکی تھی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے ماورا۔

"کرے گا ناں......" وہ مچلی۔ کسی بچے کی طرح یا شاید محبت میں سب بچے ہی بن جاتے ہیں...... ضدی' لاپروا...... وہ اس سے چار پانچ سال چھوٹی ہوگی...... لیکن وہ تو چار بچوں کی ماں بنتے ہی (فیاض خان کے) جیسے اپنا آپ بھلا ہی بیٹھی تھی اور محبت تو اس نے بھی کی تھی اور شدید محبت' جو ایک لمحے میں اس کے دل میں آن بسی تھی اور پھر وہ اسے ڈھونڈتی رہ گئی تھی۔ حالات نے اسے کہاں سے کہاں پہنچادیا تھا' وہ فیاض خان کی دلہن بن کر ایک انجان علاقے میں آئی تھی تو سب کچھ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

ہاں راتوں کے پچھلے پہر میں اکثر جب اس کی آنکھ کسی ڈراؤنے خواب کی وجہ سے کھلتی تھی تو اس کے دل میں بے ساختہ جیمس کا خیال آتا تھا' وہ فیاض خان سے خیانت کا مرتکب نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن محبت کو ترستی زمین پر پانی کا ایک قطرہ اسے بنجر ہونے سے روکتا تھا' وہ اپنے آپ کو بنجر نہیں ہونے دینا چاہتی تھی لیکن پھر بھی ہر نماز کے بعد دعا کو اٹھے خالی ہاتھوں میں جیمس کے نام کا ایک قطرہ ضرور گرتا تھا۔ وہ اسے بھولتی نہیں تھی' وہ اسے یاد بھی نہیں کرتی تھی' بس پہلی محبت کی میٹھی کسک کو اس نے دل کی سیپی میں بند کرلیا تھا۔ وہ اسے پا نہیں سکتی تھی' اس سے محبت کرنے کا حق بھی نہیں رکھتی تھی' لیکن پھر بھی چوری چوری اسے سوچنا ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی طرح لگا کرتا تھا۔

"پھر بتاناں سمی؟" لالے نے اس کا گھٹنا ہلایا تو وہ خیالوں کے سفر سے واپس آئی۔

"ہاں پڑھادیا کروں گی' لیکن اس کے بدلے تجھے کچھ روز مجھے اپنے گھر میں رکھنا ہوگا۔" اس نے شرط رکھی' لالے نے حیران ہوکر اس انوکھی شرط پر اسے دیکھا۔

"کیوں...... نہیں رکھ سکتی؟ میں زیادہ نہیں کھاتی۔" وہ شرارت سے ہنسی تو لالے نے نفی میں سر ہلایا۔

"کھانا کون گنتا ہے؟ میں تو حیران ہو رہی ہوں تم اور امارے گھر میں...... فیاض خان کیا کہے گا...... اجازت دے گا؟"

"ہاں...... وہ کچھ دنوں کے لیے بچوں کو لے کر کوئٹہ جارہا ہے' میرا دل نہیں ہے' اتنا لمبا سفر کرنے کا اور پھر میں اس کے رشتہ داروں کو جانتی بھی نہیں ہوں' کیا کروں گی وہاں جاکر' وہ یہاں اکیلا مجھے چھوڑنے پر رضامند نہیں ہے' تو میں نے سوچا کچھ دن تمہارے گھر رک جاؤں۔ اگر تمہیں یا چاچی کو اعتراض نہ ہو تو......" اس نے تفصیل سے بتایا تو لالے نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"قربان جاؤں' یہ تو اماری خوش نصیبی ہوگی' تم امارے گھر مہمان بن کر آؤ اور جب تک مرضی رہو...... اماں کو کیا اعتراض ہوگا بھلا؟" اسمارا کو اس کے جواب سے اطمینان ہوا' جانے وہ کیا سوچے بیٹھی تھی۔ لالے گئی تو وہ رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

فیاض خان رات کو کھانا کھانے ہی کمرے سے نکلا......

آج بچے اور وہ ساتھ ہی کھانا کھا رہے تھے' صبح اسکول سے چھٹی تھی اس لیے کسی کو بھی سونے کی جلدی نہ تھی۔ کھانے کے بعد وہ برتن سمیٹ چکی تو فیاض خان ابھی آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا۔ وہ فیاض خان سے ایک آخری بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتی تھی' اسے پلٹ کر جانا ہی نہیں تھا' اسے وہ سب چاہیے ہی نہیں تھا' جس نے اس سے اس کی عزت تک چھین لی تھی۔ اس کی ساری زندگی ویران کردی تھی۔ اب وہ ان آسائشوں کے بغیر رہنے کی عادی ہوچکی تھی۔ وہ یہیں اپنی زندگی گزارنا چاہتی تھی' اگر فیاض خان اسے طلاق دے دیتا تو بھی وہ اس سے ایک

سودا کرنا چاہتی تھی...... فیاض خان ایک گھنٹے بعد لوٹا وہ قہوہ لیے اس کے کمرے میں آ گئی۔ فیاض خان نے دیکھا شام کی نسبت وہ اب قدرے سکون میں تھی۔ وہ اسے قہوہ تھما کر اسی موڑھے پر آ بیٹھی جہاں وہ شام کو بیٹھی تھی۔ فیاض خان جان گیا تھا وہ اس سے بات کرنے کے موڈ میں ہے۔ اس لیے منتظر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ شاید ہمت مجتمع کررہی تھی۔ فیاض خان نے خود ہی پوچھ لیا۔

"کیا کہنا ہے؟" اسمارا نے ایک ٹھنڈی سانس لبوں سے خارج کی اور اپنے ہاتھوں پر نظریں جمادیں پھر ہولے سے بولی۔

"آپ واقعی مجھے طلاق دینے کا فیصلہ کرچکے ہیں؟"

"میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں۔ کاغذات تیار ہورہے ہیں' کل یا پرسوں میرا دوست لے کر پہنچ جائے گا۔ پھر تم آزاد ہوگی اور میرا خیال ہے تمہارے ماموں بھی کل یا پرسوں پہنچ جائیں گے۔" فیاض خان نے قہوہ کا سپ لیا۔

"شرعی اعتبار سے مجھے عدت اسی گھر میں گزارنے کا حق ہے۔" اس نے ذرا سا سر اٹھا کر کہا۔

"تمہاری مرضی ہے لیکن تمہارے لیے یہ زیادہ بہتر ہے کہ تم اپنے ماموں کے ساتھ لوٹ جاؤ' جا کر ان سے اپنا حق وصول کرو جو تمہاری جائیداد پر عیش کررہے ہیں' اب تمہیں کسی سے خطرہ نہیں ہے' تم چاہو تو عدالت سے بھی رجوع کرسکتی ہو۔" فیاض خان نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

"نہیں مجھے واپس نہیں جانا اور نہ ہی اپنی جائیداد واپس چاہیے۔ آپ اس گھر کو بیچ رہے ہیں کیا؟" وہ ایک دم مضبوطی سے بولی۔

"تم نے خریدنا ہے کیا؟" وہ جواباً سوال کرکے ہنسا۔

"میرے پاس خریدنے کے لیے کچھ نہیں ہے؟" اس کی ہنسی اسمارا کو بری لگی...... "ہاں اگر آپ ایک اور احسان کردیں تو...... میں کچھ عرصہ میں آپ کو پیسے ادا کرسکتی ہوں۔" فیاض خان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا...... اور شاید اتنے عرصے میں پہلی بار ہی اس نے اس کا چہرہ اتنے غور سے دیکھا تھا۔

"میں یہ گھر پہلے ہی تمہارے نام کرچکا ہوں۔ یہ گھر میں نے خضر صاحب کے دیئے پیسوں سے ہی خریدا تھا اور مجھے سکون ہے کہ میں ان کی بیٹی کی حفاظت پر مامور ہوا اور اس میں سرخرو بھی رہا۔ لباجی نے مجھے ایک بات سکھائی تھی جس کے گھر سے ایک نوالہ بھی کھاؤ تو جیتے جی تک اس سے وفا کرو...... اور خضر صاحب نے تو احسانات کی انتہا کردی تھی۔ تمہارے چچا کے دیئے گئے چار لاکھ بھی ابھی تک بینک میں رکھے ہیں' کتنے بڑھے میں نہیں جانتا' کہو تو صبح نکلوا کرلا دوں گا۔ یہ چیک بک ہے۔ (اس نے تکیے کے نیچے سے چیک بک نکالی) سارے چیک میں نے دستخط کردیئے ہیں۔ تم اگر یہیں رہنا چاہتی ہو تو شوق سے رہو...... لیکن میرے خیال سے اپنا حق نہیں چھوڑنا چاہیے' آگے تمہاری مرضی۔" اس نے چیک بک اور کچھ اور کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔

اس نے تھام لیے۔ رب نے اسے بے آسرا نہیں کیا تھا۔

اس کی خاموشی سے مانگی دعا ایک بار پھر قبول ہوگئی تھی۔

"میں کچھ دنوں کے لیے لالے کی طرف چلی جاؤں گی۔"

اس نے بتایا۔ فیاض خان نے سر ہلایا۔ اب دونوں کا ایک چھت تلے رہنا مناسب نہیں تھا۔ فیاض خان کو کاغذات کے آنے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر نکلنے کو تھی کہ فیاض خان کی کہی بات نے اس کے قدم من من بھر کے کردیئے۔ وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ فیاض نے کہا تھا۔

"زندگی کے کسی موڑ پر اگر اسے جیمس مل جائے تو اسے دوبارہ کھونے کی حماقت نہ کرے۔ اسے اپنا لے...... محبت بار بار دروازے پر آ کر دستک نہیں دیتی۔" تو فیاض خان جیمس کے بارے میں جانتا تھا' اس کی وہ رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

❀......❀......❀

وہ کئی ثانیے اس تصویر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ کتنی مشابہت تھی دلبر جان اور جیمس میں...... وہ ایک فارنر اور دلبر جان پاکستانی' بس ایک ہی فرق تھا دونوں میں...... دلبر جان کی آنکھیں اور بال سیاہ تھے اور جیمس کے کافی کلر کے...... دلبر جان کے چہرے سے مونچھیں ہٹادی جاتیں' وہ جیمس بن جاتا۔

"کیا بات ہے' دل آ گیا ناں...... وہ ہے ہی ایسا۔" لالے نے تصویر اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

"فضول نہ ہو تو......" لالے کی بات پر وہ خفا ہوئی۔

"مجھے ایسا لگتا ہے میں نے پہلے بھی اس کو کہیں دیکھا ہے۔" اسمارا نے اپنی محویت کی وجہ بتائی۔

"تو دیکھ لیا ہوگا...... یہیں تو پھرتا ہے سارا دن پہاڑوں پر آوارہ گردی کرتا رہتا ہے۔ ہونہہ...... اور شادی کرے گا کسی شہری لڑکی سے۔ جیسے شہری لڑکیاں تو اسی کے انتظار میں بیٹھی

ہیں ناں کب دلبر جان پہاڑوں سے نیچے اترے اور وہ اسے شادی کا تاج پہنائیں۔" لالے نے کچھ اس انداز سے کہا کہ اسمارا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تو تم بھی تو اسی کے انتظار میں ہو ناں...... آخر کچھ تو ہے ناں اس میں؟" اسمارا نے چھیڑا۔

"ہاں تو میں تو محبت کرتی ہوں ناں اس سے۔ پہلا حق تو میرا ہی ہے ناں اس پر۔" اب کہ اس کے لہجے میں بڑا مان تھا۔

"اللہ تمہاری محبت اور تمہارا مان سلامت رکھے اور اب آجاؤ۔ اس محبت کی کتاب کو رکھ آؤ اور کورس کی کتابیں لے آؤ...... ورنہ ابھی چاچی کی آواز پڑ جائے گی۔" اسمارا سنجیدہ ہوئی تو لالے سر ہلاتی تصویر کو ٹرنک میں چھپانے لگی اور تھوڑی دیر بعد جب کتابیں لے کر آئی تو عصر کی اذان ہو رہی تھی...... وہ وضو کرنے اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے پلٹ کر لالے سے بولی۔

"آ لالے آج مل کر نماز پڑھتے ہیں۔" لالے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر دوبارہ بک کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"آج نہیں کل پڑھ لوں گی۔" وہ تھوڑی دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ گئی' آپ کسی کو بھی زبردستی دو کاموں کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔

ایک محبت...... دوسرا عبادت...... دونوں دل سے ہوتی ہیں۔ اور دونوں کا رشتہ روح سے جڑا ہوتا ہے۔

"تم نماز نہیں پڑھتی ہو کیا؟" جیمس کا جملہ اس کے کانوں میں گونجا اور ہمیشہ کی طرح وہ سر جھٹک کر وضو کرنے لگی۔ ماموں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

فیاض خان نے بڑی کوشش کی تھی لیکن انہیں اللہ کا خوف سے زیادہ خوف زمانہ اور اس سے بھی کہیں زیادہ خوف رضیہ تھا۔ انہوں نے نصیحت کی تھی کہ اب وہ جہاں ہے اسی کو اپنا گھر سمجھے اور باقی زندگی بھی صبر شکر کے ساتھ گزار دے۔

فیاض خان نے طلاق کے کاغذات اور گھر کی چابی اس کے حوالے کی تھی۔ اس نے بچوں کو پیار کیا تو کشمالے اس کے گلے سے لگ کر رو دی۔

"میں نے کبھی آپ کو اچھا نہیں سمجھا...... ہمیشہ اپنی ماں کی سوکن سمجھا لیکن اب اندازہ ہوا کہ اگر آپ نہ ہوتیں تو ہمیں اور ہماری ماں کو کون سنبھالتا' ہمیں معاف کر دیجیے گا۔ ہماری ہر بات کے لیے۔" وہ اس کے ہاتھ چوم کر بولی تھی...... وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

رائیگاں کچھ بھی نہیں جاتا...... بس وقت ہوتا ہے' جب ہر کام خود بخود ٹھیک ہوتا چلا جاتا ہے' آپ کو صلہ مل ہی جاتا ہے' خواہ وہ اشک ندامت کی صورت ہو یا تشکر کے احساس کی صورت...... وہ بلآخر بچوں کو اپنا احساس دلانے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ بے شک وہ اب اس سے دور ہو رہے تھے...... لیکن زندگی میں اس کی اہمیت کا احساس اب ان کے دل میں پیدا ہو چکا تھا اور اس کے لیے یہی کافی تھا۔ وہ اپنا ضرورت کا سامان لے کر لالے جان کے گھر کچھ دنوں کے لیے آ گئی تھی۔ فیاض خان نے بھی گاؤں میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا' یہی کہا تھا وہ چند مہینوں کے لیے ملک سے باہر جا رہا ہے اور بچوں کو ان کے رشتہ داروں کے ہاں چھوڑ رہا ہے کیونکہ اکیلی اسمارا ان بچوں کو سنبھال نہ پاتی۔

وہ آئندہ کی زندگی کی بھی پلاننگ کر چکی تھی۔ اس نے لالے کے بھائی سے کہہ کر اسکول میں ٹیچر کی جاب کا انتظام کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ گھر میں بھی ٹیوشن سینٹر کھولنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ لالے کی ماں نے اس کے لیے ایک بوڑھی عورت کا بھی انتظام کر دیا تھا جو فیاض خان کے آنے تک اس کے گھر میں اس کے ساتھ رہتی...... فیاض خان چلا گیا تو وہ سامان سمیٹنے لگی۔ وہ سوائے بچوں کی چیزوں کے اور کچھ بھی نہیں لے کر گیا تھا بلکہ جاتے ہوئے گھر میں دو ماہ کا راشن اور ضرورت کی دوسری اشیا بھی ڈلوا گیا تھا اور دکاندار سے کہہ گیا تھا کہ اسمارا کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو گھر پہنچا دے...... وہ پیسے اس کو بھجواتا رہے گا۔

لالے جان پڑھتی کم اور دلبر جان کی باتیں زیادہ کرتی تھی' تھوڑی تھوڑی دیر بعد جب اس کی ماں ادھر ادھر ہوتی وہ تصویر اسے دکھانے کے بہانے نکال لاتی۔ اور وہ بھی کسی اور کے بہانے تصویر دیکھتی رہتی۔

"لالے یہ دلبر جان تمہارا سگا خالہ زاد ہے؟" ایک دن اس نے پوچھا۔ وہ ہنسنے لگی۔

"تو اور کیا...... تمہیں کوئی شک ہے؟" اس نے تصویر کو دوپٹے سے صاف کیا۔ پتہ نہیں کون سی انجانی گرد تھی جو وہ ہر وقت صاف کرتی رہتی تھی۔

"نہیں میرا مطلب ہے...... اس کے اور بہن بھائی نہیں ہیں کیا؟"

"ہیں ناں...... یہ پورا خاندان ہے...... ماشاء اللہ چھ بھائی اور چار بہنیں ہیں۔ بہنیں اپنے اپنے گھروں میں ہیں۔ دلبر جان

سے بڑے چار بھائی ہیں اور ایک اس سے چھوٹا۔ وہ ذرا بیمار ہے...... میرا مطلب ہے اس کی ٹانگوں میں مسئلہ ہے۔ پہاڑی سے گر گیا تھا' ٹانگ میں فرق آ گیا۔ ہڈی ٹوٹ گئی...... تھوڑا سا لنگڑا کر چلتا ہے...... تین بھائیوں کی شادی ہو چکی۔ چوتھے کی منگنی ہوئی ہے...... اگلے مہینے شادی ہے پھر دلبر جان کا نمبر آئے گا۔" ساتھ ہی اس کے چہرے پر لالی آ گئی۔

کبھی کبھی اسے لالے جان کی محبت پر بڑی حیرت ہوتی تھی۔ وہ ببانگ دہل اپنی محبت کا اعلان کرتی پھرتی تھی۔ ڈرتی اور گھبراتی بھی نہیں تھی۔ شاید وہ اس کا خالہ زاد تھا' بچپن سے اس کے ساتھ منسوب تھا اس لیے۔ یا ان کے علاقے میں ایسا ہی تھا۔ سب کچھ شدت والا...... وہ شاید جیمس کی ان کے ساتھ کچھ رشتے داری نکالنا چاہتی تھی' لیکن ناکام ہوئی تھی۔ کہاں جیمس اور کہاں دلبر جان اور اس کا خاندان۔

وہ اپنے گھر واپس آ گئی تھی اور اسکول جانا شروع کر دیا تھا۔ زندگی ایک روٹین پر آ گئی تھی۔ اسکول میں اس کا آدھا دن گزر جاتا تھا...... باقی کا آدھا دن بچوں کی کاپیاں چیک کرتے' کھانا پکاتے گزر جاتا' فیاض خان نے کوئی رابطہ نہ رکھا تھا' اسے رابطہ رکھنا چاہیے تھا یا نہیں' اس نے اس پر سوچا ہی نہ تھا' البتہ لالے کی امی کی زبانی اپنی طلاق کا سن کر اسے حیرت ضرور ہوئی تھی' انہیں کس نے بتایا؟ وہ حیرانی سے ان کا منہ تکتی رہی...... وہ اس کے پاس آئیں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا دلاسہ دیا...... وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"مجھے تو پہلے دن سے پتہ ہے سب' فیاض خان مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا...... بھائی بنا ہوا ہے میرا' جس دن وہ تجھے اس گھر میں لایا تھا' اسی دن اس نے مجھے تمہارے بارے میں سب بتا دیا تھا اور اس نکاح کی حقیقت بھی' کہتا تھا اگر اسے اچانک کچھ ہو جائے تو میں تمہیں ساری صورت حال بتا دوں' بہت نیک طبیعت کا ہے میرا بھائی اور اب بھی اس نے مجھے سب بتایا ہے اور تاکید کی ہے جب تک تمہارا کوئی مناسب بندوبست نہیں ہوتا میں تمہارا خیال رکھوں' اور تم اطمینان رکھو میں کبھی اس بات کو کسی پر ظاہر نہیں کروں گی یہ میرے بھائی کی امانت ہے میرے پاس۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے رہے' وہ فیاض خان کا دیا کبھی نہ لوٹا سکتی تھی۔

اس روز اس کی طبیعت صبح سے خراب تھی۔ جسم میں شدید درد تھا' اس نے دوا کھائی' مگر افاقہ نہ ہوا' اس کے باوجود وہ اسکول جانے کے لیے تیار ہو گئی' کاکی اسے روکتی رہیں' آج بچوں کا انگلش کا ٹیسٹ تھا' اس نے جیسے تیسے کر کے ٹیسٹ لیا' اس کا سر درد سے پھٹنے کو تھا' اس نے پرنسپل سے چھٹی لی اور گھر روانہ ہو گئی۔ اسکول نیچے تھا اور گھر پہنچنے کے لیے اسے چڑھائی چڑھنا پڑتی تھی۔ آج تو حد ہو گئی تھی۔ تھوڑی سی چڑھائی چڑھتے ہی اس کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ ذرا سستانے کو ایک گھر کے باہر بنے چبوترے پر بیٹھ گئی۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے سامنے ہی مسجد تھی اور اس کے باہر لگا وضو کے لیے نل بھی نظر آ رہا تھا' لیکن اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ جا کر دو گھونٹ پانی کے پی لے' اسے وہاں بیٹھے دس منٹ ہو گئے۔ اس میں واقعی سکت نہیں رہی تھی' ظہر کی اذان ہونے لگی تھی۔ اس نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا اور اسی وقت اس کی نظر وہیل چیئر پر آتے اس شخص پر گئی' وہیل چیئر کو ایک بچہ دھکیل رہا تھا۔ اس نے چیئر کو مسجد کے دروازے کے سامنے سیڑھیوں کے ساتھ لگا دیا' اس پر بیٹھا شخص اسے ہمارا کو جانا پہچانا سا لگا' لیکن اس وقت وہ خود ایسی حالت میں تھی کہ اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ اس شخص نے چیئر لاک کھولا' اپنے دونوں پیروں سے جاگرز اتارے' پھر دونوں بازو لمبے کر کے سب سے اوپر والی سیڑھی پر ہاتھ رکھے اور اچک کر دوسری سیڑھی پر جا بیٹھا اور اسی طرح وہ کرولنگ کرتا مسجد کے اندر چلا گیا' اسے حیرت ہوئی۔ وہ اس حالت میں بھی مسجد باجماعت نماز ادا کرنے آیا تھا۔ اس کے پاس تو عذر تھا' وہ گھر میں نماز پڑھ سکتا تھا لیکن وہ مسجد تک پہنچا تھا۔

"عمر پڑی ہے نمازیں پڑھنے کے لیے۔" اسے پھر سے وہی بازگشت سنائی دی۔ "ہم جب ذرا عروج پر ہوتے ہیں تو ہر شے کو ٹھوکر پر کیوں رکھ لیتے ہیں؟ کیوں سمجھتے ہیں کہ وقت ہمارا غلام ہے۔ ہمیشہ ایسے ہی رہے گا اور وہ جو اوپر بیٹھا ہے جو ہمیں اتنا نوازتا ہے اتنا نوازتا ہے کہ ہماری اوقات بھی نہیں ہوتی اور ہم اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے حق سمجھ کر لیتے چلے جاتے ہیں۔ حق ادا کرنا تو دور کی بات ہمیں تو کبھی شکر ادا کرنے کا خیال تک نہیں آتا اور پھر بھی اگر ہمیں ایک چیز نہ ملے تو ہم کتنی دور تک جا کر شکوہ کرتے ہیں کہ اے اللہ فلاں وقت مجھے فلاں چیز چاہیے تھی اور تو نے مجھے وہی نہیں دی۔ تجھے کیا پتہ مجھے اس چیز کی کتنی ضرورت تھی' حالانکہ اسے نہیں پتہ تو پھر کسے پتہ ہوگا' وہی تو ہے جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے تو اس سے مانگ دل کھول کر مانگ کہ وہ دینے والا ہے' دینا جانتا ہے اور

احسان بھی نہیں جتاتا۔

نمازی نماز پڑھ کر باہر آرہے تھے اور وہ ابھی تک وہیں بیٹھی اپنی سوچوں میں غرق تھی۔ اسی وقت وہ شخص بھی باہر نکلا۔ اسی طرح سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس نے جوتے پہنے پھر وہیل چیئر پر بازوؤں کا کرا جک کر کرسی پر بیٹھ گیا اور چیئر گھما کر اسی طرف آنے لگا جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے اتنی توجہ سے تک رہی تھی کہ اسے اپنی طرف آتا پا کر پریشان ہی ہوگئی لیکن وہ اسی طرح سر جھکائے اس کے قریب سے گزر گیا اس نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ اس نے سر اٹھایا وہ اس سے چند قدم آگے چلا گیا تھا اب اس کے صرف بال نظر آرہے تھے۔ صرف بال جو کہ کافی کلر کے تھے۔

❁......❁......❁

وہ لالے کے پاس البم کھولے بیٹھی تھی۔ بلکہ لالہ خود ہی لے آئی تھی۔ اسے کچھ دکھانا تھا شاید۔ کسی کی منگنی یا شادی کی تصویریں...... وہ خالی الدماغ ایک کے بعد ایک تصویر پلٹ رہی تھی۔ اس کے تصور میں ابھی تلک وہ کافی کلر کے بال تھے۔ کسی کے بھی ہوسکتے تھے لیکن اس کے ذہن سے وہ سارا منظر نکل ہی نہیں پا رہا تھا۔

''لالے اس روز جب میں اسکول سے آرہی تھی تو مسجد کے باہر مجھے ایک معذور میرا مطلب ہے وہیل چیئر پر ایک شخص نظر آیا تھا۔ وہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے آیا تھا' گورا چٹا تو تھا ہی اس کے بال کافی کلر کے تھے۔''

''انگریز ہوگا......'' اس نے اسمارا کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہاں ہے تو انگریز ہی' مگر یہاں...... میرا مطلب ہے کون ہے؟ ایسا شخص...... جو اس حالت میں بھی مسجد نماز پڑھنے آتا ہے اور......''

''تم کسی کو ڈھونڈ رہی ہوسی؟'' لالے نے البم بند کر کے ایک طرف رکھا اور اسے بغور دیکھنے لگی۔

''نہیں تو......'' اس نے نظریں چرائیں۔ ''میں تو بس ایسے ہی...... اس کی حالت ایسی تھی۔ مجھے ترس آرہا تھا اس پر اور رشک بھی...... نماز نہ پڑھنے کے ہمارے پاس کتنے بہانے ہوتے ہیں' ٹائم نہیں سر میں درد ہے' پڑھنا ہے' صبح پیپر ہے' ہوم ورک بہت زیادہ ملا' کچن میں دیر ہوگئی' کسی کلائنٹ سے ارجنٹ میٹنگ ہے وغیرہ وغیرہ نماز فرض رکن ہے ہمیں ہر حال میں ادا کرنی ہے تو پھر حیل وحجت کیوں؟''

''لگتا ہے اس انگریز نے تمہیں کافی متاثر کیا ہے۔'' لالے کا قیافہ درست تھا۔ ''لیکن ایک بات بتاؤں...... یہاں بستی میں دو ہی لوگ ایسے ہیں جو معذور ہیں اور نماز کے پابند بھی...... ایک غفار خان کا بیٹا صدق اللہ اور دوسرا......''

''لالے...... لالے باہر آ...... تیری خالہ آئی ہے۔'' چاچی کی آواز نے لالے کی بات مکمل نہ ہونے دی' لالے چلی گئی لیکن وہ منتظر ساعتوں سے پیچھا نہ چھڑا سکی۔ شدت سے دل چاہ رہا تھا کوئی کہہ دے' دوسرا جیمس ہے۔ امریکہ سے تعلق ہے آسٹریلا سے اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ادھر آگیا ہے' ہائے یہ دل اور اس کی خواہش...... اس نے طاق پر رکھا قرآن پاک اٹھایا اور تلاوت کرنے لگی۔ بے چین دل کا سکون اسی میں تھا' راحت یہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد لالے اس کو بلانے آئی تھی۔

''آنہ بھی...... خالہ سے مل' اماں کہہ رہی ہے۔''

''ضروری ہے......؟'' وہ استفہامیہ ہوئی۔

''سمجھ لے تو ہے نا سمجھے تو نہیں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''اچھا کاکی آنے والی ہیں آجائے تو آتی ہوں۔'' اس نے دوبارہ قرآن کھولا لالے چلی گئی۔ کاکی کوئی آدھے گھنٹے بعد آئیں تو وہ اسے سالن پکانے کا کہہ کر چادر لے کر نکل گئی۔ شام ہونے کو تھی۔ پہاڑوں پر سرمئی بادل اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے' لگتا تھا آج بارش ہوگی...... اس کا دھیان پورا کا پورا آسمان کی طرف تھا...... اسے خبر ہی نہ ہوئی کب پاؤں رپٹا اور وہ اونچے پہاڑ سے پھسلتی نیچے جانے لگی اس کے لبوں سے ایک چیخ برآمد ہوئی۔ بے ہوش ہونے اور شاید نیچے گرنے سے قبل اس نے کچھ آوازیں سنی تھیں مکھیوں کی طرح بھنبھناہٹ لیے...... پھر کچھ ہوش نہ رہا تھا آنکھ کھلی تو وہ لالے کے بیڈ پر تھی...... لالے اور چاچی پریشان سی اس کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ اس نے کروٹ لینی چاہی تو کراہ کر رہ گئی۔ دائیں بازو میں شدید ٹیس اٹھی تھی۔

''لیٹی رہو آرام سے۔'' چاچی نے سرزنش کی' اس نے لیٹے لیٹے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی' اسے یہاں کون لایا تھا؟ بیرونی دروازے کے پاس رکھی کرسی پر کوئی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''دلبر جان ہے۔'' لالے نے کان میں سرگوشی کی۔ ''یہی لے کر آیا ہے تمہیں' جب تم خودکشی کرنے کے ارادے سے پہاڑی سے نیچے کود رہی تھیں تو اسی نے بچایا تمہیں لیکن بیذرا دیر

سے تم تک پہنچا' اسی لیے تمہارے دائیں بازو کی ہڈی فریکچر ہوگئی......اور...... باقی سب ٹھیک ہے۔"

"لالے کم بولا کر...... جا گرم دودھ میں ہلدی ملا کر لے آ......اور دلبر جان کو بھیج کر دوائیاں منگالے۔ وہ اسی لیے بیٹھا ہے اور اسے کہہ کہ گل جان کا پتہ کرے' کب لوٹے گا شہر سے؟ صبح سے فون بند ہے اس کا۔" چاچی نے اس کی چلتی زبان کو بریک لگانے کے لیے گھر کا...... وہ منہ بسورتی اٹھ گئی۔

اس پر بہت سارے لوگوں کے احسانات تھے' کسی نے اسے موت سے بچنے میں مدد دی تھی۔ کسی نے اسے حفاظت سے رکھا' پناہ دی تھی اور کوئی بنا مطلب کے اس کو پیار اور محبت سے خوش رکھنے کی کوشش کررہا تھا اور وہ شکر کا ایک لفظ منہ سے نہیں نکالتی تھی...... خالی ہاتھ' خالی الذہن...... کھوکھلی نمازیں...... وہ رونے لگی۔ آنسو اس کا تکیہ بھگونے لگے...... چچی نے دیکھ لیا۔

"ارے...... کیوں روتی ہو...... اللہ پاک نے تمہیں بچایا ہے' تمہاری حفاظت کی ہے' یہ چھوٹی موٹی چوٹیں تو جان کا صدقہ ہوتی ہیں۔ ان پر نہیں گھبراتے' ہر حال میں شکر ادا کرتے ہیں رب سوہنے کا' وہ کبھی کسی کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' حوصلہ کر...... تم نے تو بہت کچھ حوصلہ سے سہا ہے' اب کیوں ہمت چھوڑتی ہو' اللہ سوہنے نے آگے بھی تمہارے لیے خیر ہی لکھی ہوگی۔ ہمت کر میری بچی...... جلد ہی ٹھیک ہوجائے گی۔" انہوں نے اس کے آنسو پونچھے۔ لالے گرم دودھ لے آئی تھی۔ وہ پینا نہیں چاہتی تھی' پر چاچی نے پلا کر ہی دم لیا۔

"دیکھ لالے...... دلبر جان دوائی لے آئے تو اسے کھلا دینا اور اس کو سونے دینا اور مالش بھی کردینا' میں دوپہر کے کھانے کا دیکھ لوں۔" چاچی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ دوپہر کے نام پر چونکی...... لالے نے جان لیا۔

"ہاں تم رات بھر نیند کی گولی کے زیر اثر سوتی رہی ہو۔ ڈاکٹر نے کہا تھا تمہیں بیرونی چوٹ تو کم آئی ہے' مگر اندرونی چوٹوں کا پتہ نہیں' اس لیے درد کم کرنے والی دوائی دی تھی۔ اچھا سن ناں...... کل خالہ آئی تھی ناں...... تو کہہ گئی ہے کہ بہروز خان کی شادی کے موقع پر ہی وہ ہماری رسم بھی کر ڈالے گی...... اور مزے کی بات ہے دلبر جان ذرا بھی نہیں بگڑا' خاموش بیٹھا رہا' لگتا ہے میرے وظیفوں کا اثر ہورہا ہے۔" اس نے آنکھیں میچ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

"چلو پھر تو مبارک ہو۔" اس نے بھی خوشی سے کہا۔ "اور یہ تم نے بتایا نہیں کہ دلبر جان کو قابو کرنے کے لیے تم وظیفے بھی پڑھتی ہو؟" اب کہ اس نے شکوہ کیا۔

"لو یہ بتایا تھوڑی جاتا ہے' اگر بتادو تو اثر نہیں رہتا۔ ویسے تمہیں چاہیے کوئی وظیفہ...... کوئی اسم؟ بتادو لے چلوں گی۔" لالے کی آفر بڑی بھلی لگی تھی دل کو' لیکن اس نے ہمیشہ کی طرح دل کو جھڑکا...... اور نفی میں سر ہلا کر آنکھیں بند کرلیں۔

"نہیں...... مجھے کس کے لیے چاہیے...... میرا کون ہے؟" لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چھنک تھی۔

"جس کو ڈھونڈتی پھرتی ہو۔" جتنا اچانک لالے کے منہ سے نکلا تھا' اس نے اتنی ہی سرعت سے آنکھیں کھول کر لالے کو دیکھا اور وہ بھی اتنی تیزی سے اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔

"کیا اس کی تلاش' اس کی طلب اس کے چہرے پر اس قدر نمایاں ہوگئی تھی کہ ہر کوئی اس کو پڑھنے لگا تھا' حتیٰ کہ لالے جیسی لڑکی بھی...... نہیں یہ غلط تھا' بالکل غلط......" اس نے بے ساختہ اپنے چہرے پر ہاتھ رگڑے اور تکلیف کی شدت سے اس کو اندازہ ہوا کہ بازو کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر بھی زخم آئے ہیں۔

❁......❁......❁

"کوک دلاں متاں رب سنے چا دردمنداں دیاں آہیں ہو
سینہ میرا دردیں بھریا' اندر بھڑکن بھاہیں ہو
تیلاں باجھ نہ بلن مشالاں' درداں باجھ نہ آہیں ہو
آتش نال یارانہ لاکے باہو' پھر اوہ سڑن کہ ناہیں ہو"

(اے میرے دل تجھے دکھ ہے تو چیخ وپکار کر شاید وہ رب تجھ دردمند کی چیخ وپکار سن لے میرا دل درد سے بھر چکا ہے اور اندر آگ بھڑک رہی ہے اور جسے تیل ہو تو مشال میں آگ جلتی ہے اور وہ روشن ہوتی ہیں اسی طرح دل میں درد ہو تو ہی دل سے آہیں نکلتی ہیں اور جب آگ سے دوستی کرتے ہیں تو پھر جلنا ہی پڑتا ہے)

نیچے پہاڑی پر کوئی سلطان باہو کا کلام گا رہا تھا۔

"سینہ میرا دردیں بھریا' اندر بھڑکن باہیں ہوں'

آج کل اس کا دل بہت کمزور ہوگیا تھا۔ ہر وقت محبت محبت کی رٹ لگائے رکھتا۔ وہ اس کو ڈانٹتی' دبکتی تھی' لیکن وہ توں توں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہوجاتا...... اس سے لڑنے لگتا۔

عشق اسانوں لسیاں جاتا' بیٹھا مار پتھلا ہو
وچہ جگر دے سنھ چالائیں' کیتیں کم اولا ہو
جاں اندروڑ جھاتی پائی' ڈٹھا یارا کلا ہو
باجھوں ملیاں مرشد کامل باہو' ہوندی نہیں تسلا ہو"

(عشق نے ہمیں کمزور سمجھا اور ہمارے اندر ڈٹ کر بیٹھ گیا ہے۔ اس نے دل کے اندر گھس کر نقب لگائی اور بڑا عجیب کام کیا ہے اور جب اس نے دل کے اندر جھانکا تو اسے محبوب اکیلا ہی نظر آیا۔ اور جب تک کامل مرشد نہ ملے تسلی اور اطمینان نہیں ملتا)

وہ کمزور نہیں تھی...... کمزور پڑنے لگی تھی۔ سفر اب انگلش کا سفر (Suffer) لگنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی' واپس چلی جائے' چچا کے پاس...... چچی کے پاس' جنید سے ملے' اس سے پوچھے' دوستی میں ایسے تو نہیں کرتے' اس نے اس کے ساتھ یہ سب کیوں کیا تھا؟ کیوں اس کو وہاں لا پھینکا تھا جہاں سے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں تھی' دس گیارہ سال پہلے جب وہ ہاسٹل میں تھی اور جنید بی ایس سی پارٹ ون میں...... وہ اس سے ہر بات شیئر کرنے کی اس قدر عادی تھی کہ بعض اوقات وہ خود بھی سوچ میں پڑ جاتی کہ کیوں......؟ رشتوں پر کب دولت کا ملمع چڑھا تھا وہ جان ہی نہ پائی تھی...... نیتوں نے کب کھوٹے سکوں کا بیوپار کیا اسے پتہ ہی نہ چلا...... اور کب وہ جھوٹ کے بازار میں بیچ دی گئی اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا...... اور اتنے سال بعد خاموشی کی بکل سرکنے لگی تھی۔ بغاوت سر اٹھانے لگی تھی۔ اسے یہاں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی' کاش فیاض خان اسے نہ چھوڑتا' ساری عمر' وہ اسی بکل میں گزار دیتی۔ اچھا رہتا...... وہ اپنے وعدے (چچا سے کیا گیا) پر قائم رہتا...... فیاض خان کو بھی کس مقام پر آ کر اسے چھوڑنے کی سوجھی تھی۔

اس کا بازو ٹھیک ہونے میں بہت دن لگے...... شاید علاج صحیح طریقے سے نہیں ہو رہا تھا...... یا وہ دوائیاں وقت پر نہیں لے رہی تھی۔ ابھی تک پٹی اس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ وہ بہت دنوں بعد ہی اسکول آئی تھی...... اور واپسی پر قدم بلا ارادہ ہی مسجد والی سڑک پر اٹھ گئے تھے اور اسی چبوترے پر بیٹھ کر اس نے نظریں سامنے جما دی تھیں...... چبوترہ ایسی جگہ پر تھا کہ وہ تو مسجد میں آنے جانے والے کو دیکھ سکتی تھی لیکن اس پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ اذان ہو گئی تھی اور شاید نماز بھی...... مسجد سے اکا دکا ہی لوگ باہر آ رہے تھے اور اس کی ڈھیل چیئر بھی نظر نہیں آ رہی تھی...... شاید وہ نماز پڑھ کر جا چکا تھا۔ اس کا دل بجھ سا گیا...... وہ سر جھکائے بیٹھ گئی۔

"آج پھر طبیعت خراب ہے بیٹا؟" کسی نے پوچھا...... اس نے سر اٹھایا...... اسی دن والے بزرگ تھے۔

"جی...... جی...... میں بس جا ہی رہی تھی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں سے آتی ہو بیٹا؟" انہوں نے چادر میں لپٹا اس کا وجود دیکھا۔

"جی...... یہ اوپر والی پہاڑی سے۔" اس نے چبوترے پر رکھی اپنی کتابیں اور پرس اٹھایا...... اور آگے کو قدم بڑھائے۔

"فیاض خان کی گھر والی ہو؟" آج وہ جانے کیوں اتنی جرح پر اترے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ جواب نہیں دیا' جلدی سے آگے قدم بڑھا دیے۔ اسے لگا تھا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو...... اس نے خود پر نفرین بھیجی...... اب اس قدر اتاؤلا ہونے کی بھی کیا ضرورت تھی؟

نہیں اب وہ کبھی دوبارہ یہ حرکت نہیں کرے گی۔ وہ کبھی جیمس کو نہیں ڈھونڈنے گی...... وہ اس کے مقدر میں نہیں تھا اسے اس بات پر صبر کر لینا چاہیے اور پہنچتے پہنچتے دل میں مصمم ارادہ کرتے ہوئے وہ ہانپ چکی تھی۔ دروازہ کھولتے ہوئے اس کی نظر پیچھے لالے کے گھر کی طرف اٹھی اور اس نے سوچ لیا تھا اب وہ لالے کی طرف بھی کم ہی جائے گی' اس کی باتیں ہی اس کے اندرونی جذبات کو ابھارتی تھیں۔ وہ اب قطعاً لالے اور دلبر جان کے عشق میں دلچسپی نہیں لے گی اور نہ ہی اسے کوئی مشورہ دے گی۔

عشق اسانوں لسیاں جاتا
تے بیٹھا مار پتھلا ہو

پہاڑی کے نیچے سے پھر آواز آئی تھی۔ اس نے چادر کو زور سے کانوں پر لپیٹا اور اندر گھس کر چٹخنی چڑھا لی تھی۔ جیسے عشق اس کے پیچھے پیچھے ہی گھس آنے والا ہو۔

اور پھر کتنے ہی دن بیت گئے۔ اس نے جیمس کا خیال دل میں آنے ہی نہ دیا (حالانکہ یہ اس کی سوچ تھی) اسکول میں موسم سرما کی چھٹیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ سردی میں بے پناہ شدت آ چکی تھی۔ کئی دنوں سے مسلسل برفباری جاری تھی' لالے اور اس کا رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا اور وہ شکر ہی کر رہی تھی۔ گیس کا سلنڈر کافی دنوں سے ختم تھا اور لکڑیاں بھی اب ختم ہونے کو

تھیں۔اس نے کاکی سے کہا بھی تھا کہ ٹال والے سے لکڑیوں کا کہہ دے۔ ....گھر میں کوئی مرد ہوتا تو پہلے انتظام کرتا اور اسے یہ خیال آیا ہی نہ تھا۔ پہاڑی سے جو آواز آتی تھی وہ بھی بند تھی۔ گھر میں رہ رہ کر وہ اکتا چکی تھی۔ وہ لالے سے رابطہ کرنا چاہتی تھی' لکڑیوں' گیس کے انتظام کے لیے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر یکسانیت ختم کرنا چاہتی تھی' اس نے گیٹ کی طرف نگاہ کی' برآمدے سے گیٹ تک برف ہی برف نظر آرہی تھی۔ کاکی بھی برفباری کے سبب نہیں آئی تھی۔ وہ وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی' کیسے گھر ویران ہوگیا تھا۔ ہائے گلاب چاچا آپ کچھ دن اور جی لیتے اس نے سوچا۔

تبھی گیٹ زور سے بجا تھا۔ روئی کے گالوں کی طرح گرتی برف کے حسن میں کھوئی وہ سن ہی نہ پائی۔ گیٹ دوبارہ بجایا گیا' اب کہ وہ چونکی۔ اس موسم میں کون آیا ہوگا؟ اس نے چھتری اٹھائی اور برف پر دھیرے دھیرے پاؤں رکھتی گیٹ تک پہنچ ہی گئی۔ اسی اثنا میں دروازہ تین بار بجایا جاچکا تھا۔

''کون ہے؟'' قریب پہنچ کر اس نے پوچھا۔

''ارے کھول ناں میں ہوں لالے۔'' لالے کی چہکتی چنگھاڑتی آواز پر اس نے فوراً گیٹ کھولا۔ باہر لالے کے ساتھ اس کا بھائی بھی تھا۔ گیس کا سلنڈر اٹھائے۔ دونوں اندر آگئے۔

''یہ لو....تم نے تو بتایا نہیں آخر فیاض خان کا ہی فون آیا کہ تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہوگی.... پہنچادیں.... صبح لالہ لکڑیاں بھی پہنچادے گا۔ تم غائب کہاں ہو؟'' لالے نے ہاتھ میں پکڑے بڑے بڑے شاپرز اس کے حوالے کیے اور نان اسٹاپ شروع ہوگئی۔ اس نے بھائی کو اشارہ کیا کہ سلنڈر اندر کچن میں رکھ دے اور خود شاپرز میں جھانک کر دیکھنے لگی۔ خشک دودھ' میوہ جات' مونگ پھلیاں' قہوہ کا پیکٹ۔ اس نے نظر اٹھا کر لالے کی سمت دیکھا گویا پوچھ رہی تھی کہ یہ سب کہاں سے آیا؟

''فیاض خان نے بھیجا ہے.....اور کہاں سے؟'' وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی اندر تک آگئی تھی۔

''فیاض خان کی کمائی پر اب میرا کوئی حق نہیں ہے لالے۔'' اس نے شاپرز واپس اس کی طرف بڑھائے۔

''کیوں اس نے دوسری شادی کرلی اس لیے؟'' اس نے مٹھی بھر میوہ نکالا اور پھانکنے لگی۔

''نہیں.....اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے اس لیے؟'' بے دھیانی میں ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔ لالے نے چونک کر دیکھا۔

''کیا.....وہ تو.....کوئٹہ.....تبھی میں کہوں.....وہ اماں سے تمہارا رشتہ طے کرنے کی بات کیوں کررہا تھا۔'' اب چونکنے کی باری اسمارا کی تھی۔

''میرا رشتہ کس سے اور یہ فیاض خان کون ہوتا ہے میرا رشتہ طے کرنے والا۔'' وہ بری طرح بھڑکی۔

''تو اور کون کرے گا۔'' لالے کا اطمینان قابل دید تھا۔

''چل اب قہوہ ہی پلادے۔ اتنی سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے آئے ہیں تمہاری امداد کرنے۔'' اس نے خاموش کھڑی اسمارا کو ٹہوکا دیا۔ اس کا دماغ سلگنے لگا تھا۔ پھر بھی وہ کچن میں آگئی۔ اب اتنی بے مروت تو وہ تھی ہی نہیں' بھائی سلنڈر لگا چکا تھا۔

''میں جاؤں.....تم بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ۔'' اس نے اجازت طلب نظروں سے لالے کو دیکھا۔

''ہاں ٹھیک ہے' آپ جائیں۔'' لالے نے ایک اور مٹھی بھری تھی۔ وہ چلا گیا۔ اسمارا نے چولہا جلا کر قہوے کا پانی رکھ دیا۔ اسے فیاض خان پر بے انتہا غصہ آرہا تھا۔ وہ تھا ہی کون؟ پہلے نکاح کرلیا.....پھر طلاق دے دی' پھر اسے واپس جانے کا مشورہ.....اور اب گھر راشن بھی پہنچا رہا تھا۔ اس کے پل پل کی خبر تھی اس کے پاس اور اب خود ہی اس کا رشتہ بھی طے کرتا پھر رہا تھا۔ اتنے اختیارات دیے کس نے تھے اسے آخر.....جو وہ اس کا حاکم ہی بن بیٹھا تھا۔

''میوہ ہے مزیدار۔'' وہ چپڑ چپڑ چباتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''اب پوچھ بھی لو.....کس سے طے ہورہا ہے تمہارا رشتہ؟'' اس کی خاموشی پر وہ خود ہی بولی۔

''مجھے کوئی شوق نہیں۔'' وہ چڑ کر بولی۔ ''اور بتا دینا اس فیاض خان کو میری فکر کرنا چھوڑ دے۔ اپنے گھر پر دھیان دے۔ مجھے نہیں کرنا شادی وادی۔'' اس نے لگا سا جواب دیا۔

''ٹھیک ہے کہہ دوں گی.....لیکن اس کا کیا ہوگا.....؟''

''کس کا؟'' وہ بے دھیانی سے پوچھ بیٹھی۔

''وہی جس کو تم بری طرح پسند آگئی ہو۔'' اس نے شرارت سے آنکھیں مٹکائیں۔

''تم نکلو یہاں سے فوراً۔'' اس نے پیچھے سے پھکنی اٹھائی اسے مارنے کے لیے۔

''نہیں جارہی.....آج کی رات یہیں رکوں گی تمہارے

پاس۔'' اس پر قطعاً کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

''مروتم لالے۔'' وہ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''دیکھو رونے کی بات نہیں ہے' بلکہ..... چلو میں تمہیں کچھ اور باتیں بھی بتادوں..... تاکہ ان پر بھی اگر رونا آئے تو اکٹھا ہی رولے..... پہلے قہوہ تو ڈال دے۔'' لالے تو جانے آج کیا کھا کر آئی تھی اس کا چہکنا ہی کم نہ ہورہا تھا۔ وہ یونہی روتی رہی.....

لالے نے پیالیاں پکڑ کر خود ہی قہوہ ڈالا..... چولہا بند کیا..... اور اسے کمرے میں لے آئی۔ کمرے میں کھڑکیاں بند ہونے کے باوجود بے انتہا ٹھنڈک تھی' کمبل میں گھس کر اس نے کہنا شروع کیا۔ وہ بول رہی تھی اور اسمارا کو اپنی سماعتیں بند ہوتی محسوس ہورہی تھیں۔

وہ جو دلبر جان ہے ناں' اس کو تم بری طرح پسند آ گئی ہو' اس دن کے بعد سے اس نے اماں سے ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ وہ تم سے ہی شادی کرے گا۔ اماں نے فیاض خان سے بات کی تو اس نے رضامندی ظاہر کردی۔ اب اس جمعہ کو تمہارا نکاح ہے دلبر جان کے ساتھ اور.....''

''بند کرو لالے اپنی بکواس۔'' وہ چیخی۔

''میں کروں بھی کیوں شادی دلبر جان سے۔ اسے شرم نہیں آئی تمہیں چھوڑ کر مجھے پسند کررہا ہے..... اور تم اتنی خوش ہونے کی ایکٹنگ کیوں کررہی ہو..... میرے لیے..... نہیں تمہیں ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' تمہیں اس کے منہ پر تھپڑ مارنا چاہیے تھا کہ اس نے ایسا سوچا بھی کیوں؟ اور..... میرے لیے کوئی قربانی دینے کی ضرورت نہیں..... مجھے اس سے کبھی بھی شادی نہیں کرنا..... کبھی بھی نہیں' سمجھ گئی تم؟'' اس کے تو تن بدن میں دلبر جان کا نام سن کر آگ لگ گئی تھی۔ لالے اطمینان سے بیٹھی اس کا ردعمل دیکھ رہی تھی۔

''اور وہ فیاض خان..... اسے کہنا میرے سامنے بھی مت آئے..... مجھے اس کا کوئی بھی فیصلہ منظور نہیں۔ میں جارہی ہوں واپس' چچا کے پاس۔'' وہ ہذیانی ہورہی تھی۔

لالے نے اسے پانی کا گلاس تھمایا۔ جسے اس نے ہاتھ مار کر گرادیا۔ اس نے گلاس اٹھا کر تپائی پر رکھ دیا۔

''میں نے تو کہا تھا..... کوئی وظیفہ لادوں؟'' وہ اس کے سامنے فرش پر دوزانو بیٹھ گئی۔ اس پر اسمارا کی کسی بات کا اثر نہ ہورہا تھا۔

''ہاں دیکھ لیا تمہارے وظیفے کا اثر..... وہ تمہیں چھوڑ کر.....'' بات ادھوری چھوڑ کر اس نے پھر رونا شروع کردیا۔

''اچھا سنو.....!'' لالے نے اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے۔

''تمہارے پاس جیمس کا کوئی اتا پتا' کوئی تصویر کچھ بھی ہے؟''

''کیا.....؟'' وہ رونا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ ''یہ بھی جیمس کی باتیں کرنے لگی۔ فیاض خان اسے سارے میں نشر کرتا پھر رہا ہے۔'' فیاض خان پر اس کا غصہ سوا ہوگیا۔

''میں کسی جیمس کو نہیں جانتی اور آئندہ اس کا ذکر مت کرنا۔''

اس نے لالے کے ہاتھ پیچھے ہٹائے اور پیروں میں چپل اڑستی باہر نکل گئی۔ لالے نے کندھے اچکائے' کمبل اوڑھا اور سونے کی تیاری کرنے لگی۔

''باقی آئندہ.....'' اس نے آنکھیں میچتے ہوئے سوچا اور مسکرادی۔

❀.....❀.....❀

''میں نے تمہیں کہا تھا' جیمس اگر کہیں مل جائے تو اس سے شادی کرلینا.....'' یہ فیاض خان تھا جو صبح ہی صبح آن وارد ہوا تھا۔ وہ برآمدے میں بیٹھی دھوپ کو آنکھ مچولی کرتے دیکھ رہی تھی۔ کل شام کو برفباری تھم گئی تھی اور صبح سورج نے اپنی ہلکی سی جھلک دکھائی تھی وہ چائے کا کپ لیے برآمدے میں ابھی آئی ہی تھی جب فیاض خان آ گیا تھا۔ اس کے اندر اتنا غصہ تھا کہ اس کے چہرے سے عیاں ہورہا تھا۔ فیاض خان اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ چکا تھا' لیکن نظرانداز کر گیا تھا اور آتے ہی اپنی پٹاری کھول دی تھی۔

''خوشیاں بار بار دستک نہیں دیتیں۔'' (ہاں جی) وہ من ہی من میں بڑبڑائی اور جیمس تو جیسے اس کے دروازے کے باہر اس کا منتظر ہی تو کھڑا تھا۔ اس کو ابھی لالے کی باتوں کا بھی غصہ تھا' اوپر سے اب یہ شروع ہوگیا تھا۔

''لیکن تم بھی..... خیر' میں اب تمہارا رشتہ طے کرنے آیا ہوں۔ اسی جمعہ کو نکاح بھی کرجاؤں گا تاکہ میری ذمہ داری ختم ہو' تم محفوظ ہاتھوں میں چلی جاؤ تو مجھے بھی سکون ہوگا۔''

''کیوں آپ کو کیوں سکون ہوگا؟'' وہ ایک دم بھڑکی۔ فیاض خان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ وہ کس طرح بولی تھی۔

"آپ تو سکون میں ہی ہیں......شادی کے بعد شادی کیے جا رہے ہیں......میرا تماشہ بنادیا ہے۔ کیا ضرورت تھی سب کو سب کچھ بتانے کی......میں ساری عمر گزار دیتی کسی کو پتہ نہ چلنے دیتی۔ بیٹھی رہتی آپ کے نام پر، لیکن آپ کو جانے کہاں سے پتہ چل گیا اور ساری بستی میں آپ نے جیمس کے نام کے ساتھ مجھے جوڑ کر بدنام کردیا۔ ہر ایک مجھ سے جیمس کے بارے میں پوچھتا پھرتا ہے، کیا کیا ہے آپ نے میرے ساتھ، آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے۔" وہ بری طرح پھٹ پڑی تھی۔ فیاض خان کو شاید اس ردعمل کی توقع نہیں تھی اور نہ ہی اس نے اس کو پہلے اس موڈ میں دیکھا تھا۔ وہ حیرانی سے اسے بولتے پھر پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھتا رہا...... وہ یکسر بھول گیا کہ اس سے کیا بات کرنے آیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ چارپائی پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا...... وہ اسی زور و شور سے رونے میں مشغول تھی۔

"میں چلتا ہوں، شام میں دوبارہ آؤں گا...... کچھ لڑکے بھجوا رہا ہوں، صحن کی برف ہٹانے کے لیے...... اور امید ہے شام تک تمہارے دماغ پر جمی برف بھی پگھل جائے گی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بحال ہو جائے گی۔" وہ اس پر ایک نظر ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ اپنی صفائی میں اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

❁......❁......❁

"اماں بتاتی ہیں جب میں پیدا ہوا تو بالکل انگریزوں جیسا لگتا تھا...... ویسے ہی بال، ویسے ہی نین نقش، بالکل ٹام کروز جیسا، یہ مجھے بعد میں پتہ چلا، فلمیں دیکھ دیکھ کر...... مجھے اپنا نام بہت برا لگتا تھا، دلبر جان...... جب ذرا بڑا ہوا تو اپنا نام بدل لیا۔ میں خود کو جیمس کہلوانے لگا، پتہ نہیں کیوں؟ لیکن ایک کہانی میں یہ نام پڑھا تو مجھے لگا وہ ہیرو بالکل میرے جیسا تھا سو میں نے اپنا نام جیمس رکھ لیا۔ ابا نے بہت لعنتیں دیں، اماں نے ڈانٹا لیکن...... سر پھرا تھا...... ایک نہ مانی، پڑھائی میں اچھا تھا، محنت بھی کرتا تھا، اچھے نمبر آتے تھے ابا سے وعدہ لیا کہ وہ مجھے شہر پڑھنے کے لیے بھیجے گا لیکن اس سے پہلے ہی ایک اور حادثہ ہو گیا، اس روز چھٹی کے بعد گھر آتے ہوئے میں نے چچا گل خان کی بھوری بھینس کھول دی...... دو دن پہلے وہ اسے ساہیوال سے لائے تھے۔ وہ ابھی مانوس نہیں تھی۔ اس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ لی، گل خان چچا نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ میں سارے گاؤں میں پھرتا پھراتا جب شام کو گھر پہنچا تو ابا مجھے پیٹنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ٹوکہ تھا جس سے وہ کام کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میرے پیچھے بھاگے۔ میں خوف کے مارے آگے آگے ابا پیچھے پیچھے، ابا کو مجھ پر بہت ہی غصہ تھا۔ بھاگتے بھاگتے ہم نیچے سڑک پر آگئے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہی نہیں کہ ابا میرے پیچھے تھے بھی یا نہیں...... میں نے جمپ لگائی اور سڑک کنارے کھڑی گاڑیوں کی قطار میں چھپ گیا۔ پھر وہم ہوا پکڑا جاؤں گا۔ اس لیے ایک گاڑی میں گھس گیا...... جانے کب تک چھپا رہا...... ابا نہ آئے...... اور مجھے وہیں چھپے چھپے نیند آگئی اور وہی میری زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ قصہ مختصر جس گاڑی میں میں چھپا تھا، وہ گاڑی کسی کرسچن فیملی کی تھی اور وہ فیملی بے اولاد تھی، میری صورت انہیں اولاد مل گئی، بارہ سال کا بچہ جس کا نام بھی جیمس تھا...... وہ عجیب سی عمر تھی، ابا کے خوف سے میں کئی دن چپ رہا، مجھے لگا تھا ابا ٹوکے سے میرے ٹوٹے کردیں گے، مسٹر اینڈ مسز پیٹر نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔ انہوں نے مجھے بہت پیار کیا...... مجھے اسکول میں داخل کروا دیا۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ان کا گھر بھی ہمارے گھر سے مختلف تھا اور بہت خوب صورت بھی...... میں واپس جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ڈھیر سارے بہن بھائی، گھر میں ہر وقت لڑائی...... ابا کا غصہ...... اماں کا چڑچڑا پن...... اور یہاں امن سکون...... مسٹر اور مسز پیٹر اتنے نرم لہجے میں بولتے کہ طبیعت خوش ہو جاتی۔ انہوں نے کئی بار مجھ سے پوچھا تھا کہ اپنے گھر کا پتہ بتا دوں لیکن میں نے ہر بار جھوٹ ہی بولا اور یہی کہا کہ میں ان کا بیٹا بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ وہ خوش اور مطمئن ہو گئے۔ اب سوچتا ہوں، ابا کا ٹوکہ شاید میرے ٹکڑے نہ کرتا لیکن میں نے خود اپنے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔

میں ان کے ساتھ چرچ جاتا...... جیمس جو تھا، پرے کرتا، اور میرے اندر کوئی مجھے کاٹتا رہتا۔ ابا نے ڈھونڈا تو ہوگا لیکن انہیں ملا ہی نہیں۔ میں تو اپنی شناخت خود ہی کھوتا جا رہا تھا۔ میں پڑھائی میں چونکہ اچھا تھا اور شوق بھی تھا اس لیے ہر کلاس میں ٹاپ کرتا رہا۔ مسٹر پیٹر نے مجھے ہائر اسٹڈیز کے لیے امریکا بھجوا دیا۔ میں نے زوالوجی میں ایم ایس سی کیا۔ پہاڑی بندہ تھا نا...... زمین میرے اندر رچی بسی تھی۔ ابھی مزید پڑھنے اور ریسرچ کا ارادہ تھا کہ مجھے ایک آسٹریلوی لڑکی سے محبت ہو گئی۔ وہ چند دنوں کے لیے کسی کورس کے سلسلے میں لندن آئی تھی۔ مجھے اچھی لگی، ہماری دوستی ہوئی اور پھر یہ دوستی محبت میں بدل گئی۔

پھر ایک دن مجھے پتہ چلا کہ وہ لڑکی مسلمان ہے‘ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا‘ میں تو آدھا تیتر آدھا بٹیر تھا‘ سوائے ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے میری اور شناخت ہی کیا تھی......

جیمس پیٹر...... جب میں نے سارہ سے کہا کہ ہم شادی کرلیتے ہیں تو اس نے منع کردیا...... میں نے وجہ پوچھی تو وہ بھی اس نے بتانے سے انکار کردیا۔ وہ کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں تھی۔ مجھے لگا شاید اسے میرے آدھا تیتر آدھا بٹیر ہونے پر اعتراض ہے۔

میں نے اسلامک سینٹر جانا شروع کردیا تاکہ وہ مسلمان جو کھو گیا تھا اسے تلاش کرسکوں...... لیکن میں اسے تلاش نہ کرسکا......

میں ارادے کا کچا تھا‘ مشکلوں سے گھبراتا تھا‘ اسی اثناء میں سارہ کا کام مکمل ہوا تو وہ واپس آسٹریلیا چلی گئی۔ میرے لیے اس کے بغیر وقت کاٹنا مشکل ہوگیا۔ میں نے اسٹڈی ویزہ اپلائی کیا۔ مسٹر پیٹر سے کہہ کر آسٹریلیا میں اپنا ایڈمیشن کروایا اور سارہ کے پیچھے پیچھے یہاں آ گیا لیکن یہاں آ کر جو بات مجھ پر کھلی وہ زیادہ جان لیوا تھی‘ سارہ شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں تھی اور اپنے ہزبینڈ کے ساتھ بہت خوش تھی۔ میرا دل ٹوٹا اور بری طرح ٹوٹا‘ اس روز میں نے پہلی بار اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر معافی مانگی۔ میں نے اپنے ماں باپ کا دل دکھایا تھا۔ خود کو ان سے دور کیا تھا اور سب سے بڑی بات اپنی شناخت اپنا غرور کھویا تھا۔ میں مسلمان تھا‘ اس پیارے نبی ﷺ کا امتی تھا۔ میرے لیے توبہ کے سارے دروازے کھلے تھے۔ سارہ کے ہرجائی پن نے مجھے میرے اصل کی طرف لوٹا دیا تھا۔ میں اب جلد از جلد یہاں سے واپس جانا چاہتا تھا‘ اماں ابا کو ڈھونڈنا چاہتا تھا اور مسٹر اینڈ مسز پیٹر سے معافی بھی مانگنا چاہتا تھا۔ یونیورسٹی میں ہی میری دوستی ایک پاکستانی لڑکے بلال سے ہوئی۔ وہ بہت اچھا بہت نائس لڑکا تھا لیکن تم پر نظر رکھتا تھا‘ بعد میں اس نے بتایا کہ اس کے ابا نے اسے تم پر نظر رکھنے کی خاص تاکید کی ہے اور پھر ایک دن اس نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتایا تھا‘ تمہارے اماں ابا کے جلائے جانے کے متعلق‘ تمہاری جان کو لاحق خطرہ کے بارے میں اس کے ابا تمہاری کسی فیکٹری میں اعلیٰ عہدے پر تھے۔ شاید منیجر وغیرہ اور تمہارے ابا کے نمک خواروں میں سے تھے۔ جب تمہارا ایڈمیشن یہاں ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بطور خاص تمہارا خیال رکھنے کا کہا تھا‘ مگر دور سے تاکہ تمہیں احساس نہ ہو...... وہ یہاں پہلے سے تھا‘ بلال کے ساتھ میں بھی تم پر نظر رکھنے لگا اور اسی نظر رکھنے کے چکر میں پتہ نہیں کب تم مجھے اچھی لگنے لگیں۔ بلال میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں‘ وہ پانچ وقت کا نمازی تھا‘ روزانہ تلاوت کر کے یونیورسٹی آتا اور پھر قرآن کے بارے میں مجھے بتاتا رہتا تھا‘ وہ بھی مجھے غیر مسلم ہی سمجھتا تھا‘ وہ مجھے اچھی اور مذہبی باتیں بتاتا رہتا اور میں سنتا رہتا‘ شاید اسی کی باتوں کا اثر تھا کہ میں اب اپنے آپ کو بدلنے لگا تھا۔ میں نے اپنے کمرے سے سب سے پہلے ام الخبائث کو ہٹایا پھر نماز پڑھوں نہ پڑھوں ہر وقت باوضو رہنے لگا‘ بلال کی صحبت اور دوستی پوری طرح مجھ پر چھا رہی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور اپنے پاپا کی خواہش پر اعلیٰ تعلیم کے لیے یہاں آیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا مذہبی ہونا بری بات نہیں‘ ہمیں اپنی اقدار پر فخر ہونا چاہیے نہ کہ شرمندہ...... پھر تم بھی میرے سامنے تھیں۔ میں نے جو باتیں تم سے پوچھی تھیں اس لیے نہیں کہ میں تمہیں شرمندہ کرنا چاہتا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ ساری باتیں میں نے بلال میں دیکھی تھیں اور اس سے سیکھی تھیں اور میں نے بلال کے کہنے پر اس روز پہلی دفعہ باجماعت نماز پڑھی تھی اور اسی کے کہنے پر میں نے داڑھی رکھنا شروع کی تھی‘ کیونکہ بلال نے ہی مجھے بتایا تھا کہ داڑھی رکھنا سنت رسول ﷺ ہے لیکن اس وقت میں یہ سب قطعاً تمہیں امپریس کرنے کے لیے نہیں کر رہا تھا وہ میرے اندر کی تبدیلی تھی‘ لیکن جب تم نے شور مچا کر وہ سب کیا جس سے میرا سال ضائع ہوا تو مجھے تم پر بہت غصہ اور دکھ ہوا تھا‘ میں نے جان لیا ساری لڑکیاں ہی بدمزاج اور بے وفا ہوتی ہیں۔ بلال اکثر مجھے بلھے شاہ اور حضرت سلطان باہو کا کلام گا کر سناتا اور پھر انگلش میں اس کا ترجمہ بتاتا‘ میری اردو اتنی اچھی نہیں تھی اور پھر مسٹر پیٹر جس لہجے میں مجھ سے بات کرتے تھے اور پھر جس قسم کے اسکول‘ یونیورسٹیز میں پڑھا‘ میرا لب و لہجہ ویسا ہی ہوگیا تھا۔ اب سوچو ایک تو میری شکل اوپر سے نام اور حلیہ اور پھر بولنے کا انداز‘ کون نہ سمجھتا میں انگریز ہوں...... بلال اندر سے پورا مذہبی تھا...... وہ اپنے مذہب اور اپنے رسم و رواج کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا...... میں نے کبھی اس کے منہ سے لڑکیوں‘ فیشن کی یا اور ساری باتیں جو لڑکے کرتے ہیں نہیں سنی تھیں‘ اکثر بیٹھے بیٹھے وہ پنجابی میں گنگنانے لگتا اور پھر میرے پوچھنے پر مجھے اس کا مطلب سمجھاتا‘ جو سیدھا دل میں اتر جاتا...... میرے اندر سے آدھا تیتر نکل گیا تھا۔ اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی باتیں مجھے سمجھ آنے لگی تھیں‘ مجھے ان سے پیار ہونے لگا تھا۔

عشق جھاندے ہڈیں رچیا' اوہ پھر دے چپ چپاتے ہو
لوں لوں دے وچ لکھ زباناں' اوہ پھر دے گونگے باتے ہو
اوہ کردے وضو اسم اعظم دا' تے دریا وحدت رچ نہاتے ہو......!
تدوں قبول نمازاں باہو' جد یاراں یار پچھاتے ہو

(عشق جن کی ہڈیوں میں رچ بس جاتا ہے پھر وہ شور نہیں مچاتے' بس ان کو چپ لگ جاتی ہے' ان کا عشق ان کے ایک ایک عضو سے ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ گونگے بہرے ہوجاتے ہیں' وہ اسم اعظم کا وضو کرکے اللہ کی وحدانیت میں ڈوب جاتے ہیں اور نمازیں بھی تب ہی قبولیت کا درجہ پاتی ہیں جب بندہ اپنے اللہ کو جان جاتا ہے)

میں بلال کے ساتھ واپس پاکستان آیا' میرے دل کے کسی بھی کونے میں نہیں تھا کہ میرا پاکستان آنا تمہارے لیے ہے۔ اس دن کے بعد میں نے تمہارے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا' لیکن ایک روز بیگ کی صفائی کرتے ہوئے ایک پرانی کتاب کے اندر سے تمہاری تصویر نکل آئی' حیران ہوا تصویر کہاں سے لی؟ جب مجھے تم سے عشق ہوا تھا ناں...... میں نے خاموشی سے اپنے کیمرے میں تمہاری تصویر لے لی تھی اور پرنٹ آؤٹ کروا کے اپنے پاس رکھ لی تھی اور تصویر دیکھتے ہی پتہ نہیں کہاں سے وہ کھوئی محبت جاگ اٹھی۔ کچھ بھی تھا' تم نے میرے ساتھ جو بھی کیا تھا' میں نے واقعی تم سے محبت کی تھی' جانے اب کہاں ہوگی' کئی بار سوچا بلال کو فون کرکے پوچھ لوں لیکن ہمت نہ ہوئی' میں نے اس کے ساتھ کبھی لڑکیوں کی بات نہ کی تھی' مسٹر اینڈ مسز پیٹر کو میں اصل حقیقت بتا چکا تھا۔ ان سے معافی بھی مانگی تھی غلط بیانی کی' لیکن وہ بھی اس خوف میں مبتلا ہوگئے تھے کہ میں انہیں چھوڑ جاؤں گا' میں جانا چاہتا تھا اپنے ماں باپ کی تلاش میں' لیکن ان کو چھوڑ دینے کا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ میں نے ان کو تسلی دی کہ میں اب بھی ان کے ساتھ ہی رہوں گا' صرف اپنے ماں باپ کو ڈھونڈوں گا' پھر ایک روز بلال نے مجھے وہ تلخ سچائی بتائی جو اسے اپنے والد کے ذریعے پتہ چلی۔ تمہارے چچا نے یہی مشہور کیا تھا کہ تم اپنے کسی انگریز دوست کے ساتھ بھاگ گئی ہو اور اس سے شادی کرلی ہے۔ میں تمہیں ایسی لڑکی نہیں سمجھتا تھا' اس لیے بہت رنج ہوا۔ محبت ایک بار پھر مجھے دھوکہ دے گئی تھی۔ میں کافی عرصہ افسردہ رہا' پھر میں نے نماز میں پناہ لی' بہت رویا' بے چین ہوا' تڑپا' لیکن بلآخر اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر دے ہی دیا۔

میری جاب ہوگئی تھی اور میں نے پورا دھیان اپنے کیریئر پر لگادیا۔ انہی دنوں سروے کے لیے مجھے شمالی علاقہ جات جانا پڑا' علاقے جانے پہچانے لگے...... سوچا ہوسکتا ہے ماں باپ بہن بھائی مل جائیں' مجھے ابا کا نام یاد تھا' کام یاد تھا' میں نے پوچھنا شروع کیا تو ایک روز میں ان تک پہنچ ہی گیا۔ ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ میں پندرہ سال بعد ان سے آن ملا ہوں' اماں نے تو میری جدائی میں بڑے بھائی کا نام ہی دلبر جان رکھ چھوڑا تھا۔ وہ کچھ کچھ مجھ سے مشابہہ تھا' تو بس وہ مجھے اسی میں کھوجنے لگے' اتنے سالوں بعد کھوئے بیٹے کا مل جانا ان کے لیے بہت بڑی نعمت تھی۔ انہوں نے سارے گاؤں میں مٹھائی بانٹی' شادیانے بجائے اور یوں میں اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا۔ میں نے اپنا نام بھی بدل لیا' فیروز خان' لیکن مسٹر پیٹر کے لیے میں ابھی تک جیمس ہی تھا...... وہ مجھے اسی نام سے پکارتے' اسی نام سے متعارف کرواتے' میں ہفتے کے دو دن ان کے ساتھ گزارتا' وہ اسی پر راضی برضا ہوجاتے' میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ تم مجھے یہاں مل جاؤ گی' اماں نے خالہ کو بڑے بھائی کی شادی کے سلسلے میں بلایا ہوا تھا' میں اپنے کمرے (ابا نے میرے لیے الگ کمرہ بنوایا تھا اٹیچڈ باتھ والا کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ میں کس قسم کی زندگی کا عادی ہوچکا ہوں) اپنے کمرے کی سیٹنگ کررہا تھا' یونیورسٹی کے زمانے کی ساری تصاویر نکال کر اچھی اچھی تصاویر منتخب کررہا تھا دیوار پر لگانے کے لیے' اسی وقت خالہ بھی اندر آگئیں۔

''ارے فیروز بیٹا تم تو دو گھڑی بھی خالہ کے پاس نہیں بیٹھے...... سالوں بعد ملے ہو' کچھ تو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بنو۔'' انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لپٹالیا' پھر حال چال پوچھنے لگیں اور وہیں بیٹھ کر وہ تصاویر اٹھا کر دیکھنے لگیں پھر ایک دم چیخ مار کر اٹھیں۔

''ہائے اللہ...... سمی...... ارے یہ تو فیاض خان کی گھر والی ہے۔ تم اس کی فوٹو کیوں اٹھائے پھر رہے ہو؟'' انہوں نے جن نظروں سے مجھے دیکھا' لگ رہا تھا تم پر سے اعتبار تو گیا' ساتھ ہی میرا کردار بھی مشکوک ہوگیا۔ میں نے جلدی سے تصویر پکڑی۔

''نہیں خالہ...... یہ میری آسٹریلیا میں کلاس فیلو تھی۔ مطلب میرے ساتھ پڑھتی تھی' اسمارا...... نام تھا اس کا۔'' میں نے تعارف کروایا لیکن وہ مان کے ہی نہ دیں۔

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شائع ہو گئی ہے

"ارے نہیں بیٹا' یہ فیاض خان کی گھر والی ہے اور آسٹریلیا تو کیا اس نے تو میرا خیال ہے پورا لاہور بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ ارے اس کو تو فیاض کہیں سے خرید کر لایا ہے' چار پانچ سالوں سے تو میں اس کو دیکھ رہی ہوں ہو بہو یہی ہے۔"
مجھے ایک پل کو لگا شاید وہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ایک ہلکی سی بے چینی نے میرا احاطہ کرلیا۔

"خالہ.....آپ مجھے اس سے ملوا سکتی ہیں؟"

"استغفراللہ!" انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "تم تو سچ میں انگریز ہی بن کر آئے ہو۔ تم اس کی شکل نہیں دیکھ سکتے' ملنے کی بات کرتے ہو' قتل کردے گا فیاض خان اپنی بیوی کو' اگر اسے پتہ چل گیا کہ اس کی تصویر تمہارے پاس ہے۔ لا ادھر تصویر مجھے دے۔" انہوں نے تصویر مجھ سے مانگی مگر میں نے انکار کردیا' ایسا کیسے ممکن تھا' ایک تصویر ہی تو رہ گئی تھی میرے پاس۔

"نہیں خالہ..... یہ فیاض خان کی بیوی نہیں ہے' آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ منہ بناتی اٹھ گئیں لیکن انہوں نے فوراً جا کر اماں کو وہ بات بتادی۔ اماں نے بھی وہ تصویر دیکھ کر تصدیق کردی۔

سب بچھڑے یہیں ملنے والے تھے کیا؟ میں سوچ کر رہ گیا۔ پھر میں نے لالے کو اعتماد میں لینے کا سوچا کیونکہ میں جتنی بار خالہ کے گھر گیا' یہی پتہ چلا وہ فیاض خان کے گھر گئی ہوئی ہے' میں نے بس اتنا ہی پوچھا کیا فیاض خان کی بیوی بہت خوب صورت ہے جو تم ہر وقت اس کے ہاں پائی جاتی ہو؟" وہ نان اسٹاپ شروع ہوگئی۔ فیاض خان کو کانا دیو اور جانے کیا کیا کہتی چلی گئی۔ یہ کہ وہ تمہیں زبردستی کہیں سے اٹھا کر لایا ہے وغیرہ وغیرہ' میرے کہنے پر اس نے تم سے کئی بار پوچھا کہ کیا یہ شادی تمہاری مرضی سے ہوئی ہے اور تمہارے اطمینان کے متعلق بھی بتاتی رہی' کسی طریقے سے اس نے تمہاری تصویر بھی حاصل کرلی تھی اور لا کر مجھے دے دی تھی اور کنفرم ہوگیا تھا کہ تم ہی اسمارا تھیں' دکھ' کرب' بے چینی اور غصہ ایک ساتھ تمہارے لیے میرے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ فیاض خان جیسے شخص کے ساتھ بھاگ کر شادی کرنے کی کیا تک تھی؟ کیا مجبوری تھی۔ میری روح کو کسی طرح بھی چین نہیں تھا۔ میں بس ایک بار تم سے ملنا چاہتا تھا' پوچھنا چاہتا تھا ایسی کیا مجبوری تھی جو تم نے یہ قدم اٹھایا' لیکن میری سب کوششیں رائیگاں گئیں۔

لالے نے میری تصویر بھی تمہیں دلبر جان کے نام سے دکھائی لیکن پھر بھی تم نے کوئی رسپانس نہیں دیا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ تمہارے دل میں میرے لیے نہ پہلے کوئی جگہ تھی اور اب تو کسی صورت نہ ہوسکتی تھی۔ میرا یہاں کام پورا ہونے والا تھا' مجھے شہر واپس جانا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اب جا کر دیر سے واپس آؤں گا اس شام مسجد سے نکلتے ہوئے فیاض خان سے ملاقات ہوگئی۔ میں سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگا تھا کہ فیاض خان نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا' میں نے مڑ کر دیکھا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے آ جاؤ....." اس نے حکمیہ لہجے میں کہا اور میں ہپناٹائزڈ ہو کر اس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔

اس کی بات کا آغاز ہی اس قدر بلاسٹنگ تھا کہ میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ وہ مجھے تم سے شادی کرنے کا کہہ رہا تھا' خالہ نے سب کچھ فیاض خان کو سنا دیا تھا۔ بقول اس کے کہ وہ بہت دیر سے میری یعنی اس انگریز کی تلاش میں تھا۔ اس نے مجھے سب قصہ سنایا' کیسے تم اس کی زندگی میں آئیں..... میں اس کی باتیں سن کر حیران ہی نہیں پریشان بھی ہو رہا تھا' کیا ایسا بھی ہوتا ہے دنیا میں۔

"دیکھو اگر تم مجھ سے پکا وعدہ کرو..... تو میں اسمارہ کو طلاق دے دیتا ہوں..... عدت پوری ہونے کے بعد تم اس سے شادی کر کے شہر لے جانا..... یہاں سوائے تمہاری خالہ اور لالے کے کوئی اس کو شکل سے نہیں پہچانتا..... یہ سب میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کہیں تمہارے ماں باپ اعتراض نہ کریں۔ میں نے تمہاری خالہ کو سمجھا دیا ہے' وہ چپ رہے گی' اسمارا شہری لڑکی ہے' شہری بن کر تمہارے ساتھ واپس آئے گی تو کوئی پہچان ہی نہ پائے گا۔ اس نے بہت سزا کاٹی ہے' میں چاہتا ہوں اب وہ کسی محفوظ ہاتھ میں چلی جائے۔ اس کا سہارا بننے والا اس کو پیار' محبت اور عزت دے۔ وہ دودھ کی مانند پاکیزہ ہے..... میں نے آج تک نہ اس رشتے کی نظر سے اسے دیکھا ہے اور نہ ہی کبھی اس حق کو استعمال کیا ہے' امید ہے تم میری بات کو سمجھ رہے ہوگے' یہ گھر' بینک میں کچھ روپیہ بھی اس کے نام ہے اور اگر مزید ہمت ہو اور دولت چاہیے تو اس کی ساری جائیداد شہر میں موجود ہے' بس ذرا واپس لینی پڑے گی۔" فیاض خان ہولے ہولے بول رہا تھا اور مجھے واقعی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ اس عجیب و غریب کہانی کا کوئی بھی سرا میرے ہاتھ آ کے نہیں دے رہا تھا۔ مجھے اپنا تو یقین تھا لیکن تمہارے بارے میں مجھے کچھ یقین نہیں

تھا۔تم میرا ساتھ چاہتی ہو؟ تمہارے دل میں میرے لیے کوئی سافٹ کارنر ہے بھی کہ نہیں...... اور پھر فیاض خان مجھے ہی کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا...... ان سب سوالوں نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا' میں فی الفور فیاض خان کو کوئی جواب نہ دے سکا اس نے مجھے اچھی طرح سوچ سمجھ لینے کے بعد فیصلہ کرنے کا کہا' میرے پاس تو ایک لالے ہی ذریعہ تھی' میں نے پھر اس کی خدمات حاصل کیں' لیکن نتیجہ اب بھی زیرو ہی تھا۔ بقول اس کے لڑکی منہ سے کچھ بھی پھوٹنے کو تیار نہیں...... اس روز بھی میں لالے کے گھر اس لیے آیا تھا کہ کسی طرح تم سے مل سکوں...... اور تم سے یہ سب ڈسکس کرلوں...... کیونکہ اگلے روز مجھے واپس شہر جانا تھا۔ میری قسمت بری کہ میرا پاؤں پھسلا...... اور میں پہاڑی سے نیچے جاگرا۔ پہاڑی اتنی اونچی نہیں تھی لیکن دباؤ آنے کی وجہ سے ٹانگ کی ہڈی فریکچر ہوگئی...... میں بستر پر پڑ گیا...... میرا بایاں ہاتھ بھی زخمی ہوا تھا' آفس سے بھی لمبی چھٹی لینا پڑی...... اور میں بس گھر کا ہوکر رہ گیا۔ اشارے سے نمازیں پڑھتا...... پھر ایک روز میں نے ٹی وی پر حدیث مبارکہ سنی جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگانے کا کہا تھا جہاں سے لوگ نماز پڑھنے کے لیے نہیں نکلتے۔ میرا رواں رواں کانپ اٹھا...... میں نے ابا سے کہہ کر وہیل چیئر منگوائی اور مسجد جانے لگا...... میں خوش ہوں کہ میں نے اپنی بیماری کو عذر نہیں بنایا...... اور میرے رب نے مجھے سرخرو کیا...... ڈاکٹر نے مجھے تسلی دی تھی کہ چند ماہ تک میں دوبارہ سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوسکوں گا...... فیاض خان نے پھر مجھ سے رابطہ کیا اور اب کہ میں نے حامی بھرلی لیکن اس شرط کے بعد کہ میں ٹھیک ہوجاؤں گا' اس کے بعد اپنا پروپوزل بھیجوں گا۔ فیاض خان نے طلاق کے کاغذات تیار کرالیے اور اپنے فیصلے پر عملدر آمد کرکے یہاں سے چلا بھی گیا...... لالے نے اب تک کوئی حوصلہ افزا رپورٹ نہیں دی تھی۔ سوائے اس کے کہ تم نے ایک دوبار میری فیملی کے بارے میں پوچھا تھا اور یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں تھی۔ میری ٹانگ رفتہ رفتہ ٹھیک ہورہی تھی اور تمہاری عدت پوری ہونے میں بھی چند ہی دن رہ گئے تھے' مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ تم تک کیسے رسائی حاصل کروں کہ فیاض خان کا مجھے فون آگیا' وہ پوچھ رہا تھا کہ میں نے کیا پیش رفت کی ہے' میں کیا بتاتا' میں نے اسے کہا کہ وہ خود ہی تم سے بات کرلے...... اس نے خالہ کو فون کیا اور اس روز انہوں نے تمہیں اماں کے بہانے اسی لیے بلایا تھا کہ تم سے کھل کر بات کرسکیں لیکن اس روز بھی قسمت دغا دے گئی۔ تم سلپ ہوگئیں۔ اتفاق سے اس روز دلبر جان (بڑا بھائی) وہاں سے گزر رہا تھا اس نے تمہیں بچالیا...... بات پھر وہیں کی وہیں رہ گئی اور اس کے بعد کیا ہوتا رہا ہے تمہیں معلوم ہے اسارا...... یہ سب میں نے تمہیں اس لیے بتایا کہ تمہیں کوئی شک نہ رہے۔ یہاں فیاض خان بھی موجود ہے' اور لالے اور خالہ بھی' اپنی ماں اور باپ کو منانا میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ تم فیاض خان کی منکوحہ رہ چکی ہو' یہ بھی قابل ذکر نہیں' میرے لیے اس وقت صرف یہ بات اہم ہے کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو...... تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جذبہ ہے بھی یا یہ محض میری محبت ہی ہے' میں یک طرفہ محبت میں بھی تم کو اپنا سکتا ہوں لیکن اگر...... تمہارے دل میں کوئی اور ہے تم کسی اور کو پسند کرتی ہو تو یقین کرو...... ہم (اس نے فیاض خان کی طرف دیکھا) اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں...... میں زبردستی کے رشتے بنانے کا قائل نہیں...... بہت وقت گزر گیا' برا تھا یا اچھا' پلٹ کر مت دیکھو کس نے تمہارا اعتماد لوٹا' کس نے رشتوں کو داغدار کیا' مت سوچو...... یہ سب جو بھی ہوا اسی طرح لکھا جاچکا تھا' کتاب زندگی کا ایک ایک حرف وہی بولتا ہے جو مشیت ایزدی ہے' کوئی نہیں جانتا کس کے لیے اگلے صفحے پر کیا رقم ہے؟ میرے پاس نہ وعدوں کے خوشنما کھلونے ہیں اور نہ ہی کوئی قسم' لیکن دل یقین کرے تو مان لو...... میں ہر ممکن تمہیں خوشیاں دینے کی کوشش کروں گا اور اتنی خوشیاں دوں گا کہ سارے پچھلے زخم بھر جائیں گے۔ دیکھو...... بڑی مشکل سے دلبر جان نیچے جاکر یہ پھولوں کی باسکٹ لایا ہے' کہتا ہے' پھولوں سے بہتر آپ کے دل کا حال کوئی نہیں بتا سکتا' دل کرے تو ان کی خوشبو کو سمجھ لو ورنہ تمہاری مرضی۔'' فیروز خان بولتے بولتے چپ ہوا تو یوں لگا کائنات تھم گئی ہو' صبح تو فیاض خان چلا گیا تھا لیکن شام میں جب آیا تو فیروز خان عرف جیمس ہمراہ تھا۔ ڈھیل چیئر گھسیٹتا اور اس پل اسے لگا تھا اس کا دل بند ہوجائے گا۔ اس کے دل نے جھوٹ نہیں کہا تھا' وہ اسے یونہی مسجد کے پاس بنے چبوترے کی طرف نہیں لے کر جاتا تھا' اس کا دل یونہی کانی کلر کے بالوں میں نہیں ٹھہرا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا ناں...... جیمس اگر کہیں مل جائے تو اس سے شادی کرلینا۔'' فیاض خان نے پھر دہرایا...... ''اور یہ

میں نے یونہی نہیں کہا تھا' تمہاری آنکھوں میں جیمس کی محبت نور بن کر دمکتی تھی۔ تمہارے دعا کو اٹھے ہاتھوں کو بار بار میں نے بے جان انداز میں گرتے دیکھا تھا۔ تمہارے ٹرنک میں سات کپڑوں میں لپٹی وہ تصویر جیمس کی ہی تھی ناں' میں جانتا ہوں تم نے میرے ساتھ اپنا رشتہ ایمان داری سے نبھایا' بس اباجی نے مجھے شروع میں کہہ دیا تھا کہ تو جس لڑکی کو بیاہ کر لایا ہے اس کا دل اور روح کہیں اور ہے۔ خالی جسم اس گھر میں ہے' میں پھر کہوں گا محبت بار بار دستک نہیں دیتی' تمہیں اگر مجھ پر کوئی غصہ ہے' دکھ ہے' تو مجھ پر نکال لو لیکن خود پر میری ضد میں خوشیوں کے دروازے بند مت کرو' میں نے ہمیشہ تمہاری بھلائی چاہی ہے اور جتنی میری عقل ہے اس حساب سے میں نے تمہارے لیے اچھا ہی کیا ہے' دل سے غصہ اور نفرت نکال دو' میں نے کون سا آئندہ تمہارے راستے میں آنا ہے۔" فیاض خان بات مکمل کر کے باہر نکل گیا..... وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دنیا میں ابھی بھی اچھے اور مخلص لوگوں کی کمی نہیں تھی۔ کچھ لوگ خودغرض ہوگئے تھے' کچھ رشتوں نے چشم پوشی کی تھی لیکن کچھ نہ کچھ تو اس سے بھی سرزد ہوا ہوگا' سزا و جزا کے پیمانے مقرر ہیں۔ فیروز خان نے منتظر نظروں سے اسے دیکھا' جب وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی تو وہ بھی باہر نکل گیا' خالہ نے بھی تقلید کی..... اب کمرے میں صرف وہ اور لالے رہ گئی تھیں۔ لالے نے اٹھ کر اس کے کندھوں کو تھاما۔

"مجھ سے خفا مت ہونا' میں تم سے ڈرتی تھی' اس لیے کھل کر نہیں بتا سکی' لیکن فیروز لالہ کو میں نے ضرور بتا دیا ہے۔"

"کیا.....؟" اس نے یکدم سر اٹھایا۔

"کہ تم بھی اس سے محبت کرتی ہو تب سے....." اس نے ایک دم کہا تو وہ چیخ پڑی۔

"کیا..... تم نے یہ کہا اس سے؟"

"ہاں اور یہ بھی کہا کہ عنقریب تم مجھ سے کوئی وظیفہ منگوانے ہی والی تھیں۔" اب کہ اس کا لہجہ شرارتی ہوا تھا۔

"لالے....." اس نے دانت پیسے۔

"اور یہ کہ..... خالہ سے کہہ دو میرا اور بھی کا نکاح ایک ہی دن ہوگا۔" بات مکمل کر کے فوراً پیچھے ہٹی تھی کیونکہ اسمارا نے جوتا اٹھا کے اسے دے مارا تھا۔

"بدتمیز..... سب کچھ کہنے کے لیے تھوڑی ہوتا ہے۔" وہ خفا ہوئی۔ "کچھ باتیں دل میں چھپا کے رکھنے والی ہوتی ہیں۔"

"بس بس بس....." لالے نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"تم رکھو چھپا کے میں نے تو دلبر جان سے بول دیا کہ اگر اس کے دل میں کسی شہری لڑکی کا خیال آیا..... تو میں اس کو قتل کر دوں گی' میرا مطلب ہے اس لڑکی کو۔" لالے نے ٹوکری سے ٹیولپ کا پھول نکال کر اس کے آگے لہرایا۔

اسمارا کو اپنے دل سے بوجھ سرکتا محسوس ہو رہا تھا' اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی..... ٹھنڈی یخ ہوا کا جھونکا اندر در آیا تھا۔ اس نے باہر جھانکا' آسمان صاف تھا' چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور پہاڑوں پر پھیلی برف اس قدر خوب صورت لگ رہی تھی کہ اس کا جی چاہا باہر نکل کر اس چاندنی میں نہا لے..... پرانی اسمارہ زندہ ہوگئی تھی' موذن نے صدائے اذان بلند کی' عشاء کا وقت ہوگیا تھا۔ اس نے جائے نماز بچھائی' وضو کیا۔

"لالے میں نماز پڑھ لوں..... پھر تم میرے ساتھ باہر واک کرنا دیر تک۔" دوپٹہ کھول کر دوبارہ لپیٹتے ہوئے اس نے بشاشت سے کہا۔

"ناں میں کیوں' اتنی ٹھنڈ میں؟" وہ بدکی۔

"بس تب تک' جب تک فیروز خان کی ٹانگ ٹھیک نہیں ہو جاتی۔" اس نے بے ساختہ کہا اور پھر فٹافٹ نماز کی نیت باندھ لی۔

"کیا.....؟" لالے خوشی و مسرت سے چیخی اور پھولوں کی ٹوکری اٹھا کر اس پر پلٹ دی۔ وہ سجدے میں تھی اس کے اردگرد پھول ہی پھول بکھر گئے تھے۔

"میں ابھی سب کو بتا کر آتی ہوں....." لالے باہر بھاگی اور اسمارہ نے سجدہ طویل کر لیا تھا' اسے بہت کچھ مانگنا تھا اپنے رب سے..... معافی' خوشیاں' سکون اور فیروز خان کا محبت بھرا ساتھ..... اور بے شک وہ دینے والی ذات ہے' کسی کو بھی اپنے در سے خالی نہیں لوٹاتی اور مانگنے والوں کو تو کبھی بھی نہیں۔

یہ کامیابیاں' یہ عزت' یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے وہ مقام' تم سے ہے
تمہارے دم سے ہیں میرے لہو میں کھلتے گلاب
میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے

"ماریہ مجھے لگتا ہے میں لکھ سکتی ہوں۔" اقرأ نے گویا اپنی طرف سے انکشاف کیا۔

ایک منٹ تک جب اقرأ کو تسلی بخش رسپانس نہ ملا تو اس نے دوبارہ ماریہ کو مخاطب کیا اور اس بار باقاعدہ کندھا ہلا کر متوجہ کیا تو ماریہ نے ابرو اچکا کے سوالیہ نظروں سے اقرأ کی جانب دیکھا اسے لگا یہی موقع مناسب ہے دوبارہ سے اپنی پیشن گوئی دہرانے کا۔

"وہ ماریہ مجھے لگتا ہے میں لکھ سکتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ایک بار پھر بے ساختہ اقرأ نظریں جھکا گئی لیکن ایک بار پھر جواب میں خاموشی کا سامنا کرنا پڑا تو اس کا پارہ چڑھ گیا۔

"ماریہ میں تجھ سے کہہ رہی ہوں شاید۔"

"ہاں سن رہی ہوں' لکھ سکتی ہوں' لکھ سکتی ہوں' اس کا تمہیں اب معلوم ہو رہا ہے بی بی' اکیس سال کی عمر میں۔ ماشاء اللہ بھئی بلکہ چشم بددور۔" تاریخ گواہ تھی ماریہ جب بھی بولتی کفن پھاڑ کے ہی بولتی اور آج بھی اسی روایت کو زندہ و جاوید رکھا تھا۔

دوسری طرف اقرأ کا حیرت اور پھر صدمے سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسی وقت سارہ نے اپنا پیدائشی کام کیا یعنی چائے کی ٹرے لیے لاؤنج میں انٹری دی۔

"یہ تمہارا منہ کیوں کھلا ہے اقرأ...... خیر تو ہے' اب تم یہ امید تو نہیں کر رہی کہ میں یہ بسکٹ چائے میں ڈبو کے تمہارے منہ میں بھی ڈالوں تو بہن معذرت کی طلب گار ہوں۔ میں یہ چائے پکا دیتی ہوں ہر وقت' احسان جانو میرا۔ چھوٹے ہونے کا یہ مطلب نہیں ملازمہ ہی سمجھ لو مجھے' صبح سے یہ پانچویں بار چائے کی دیگ چڑھائی ہے میں نے جبکہ ابھی صرف تین ہی بج رہے ہیں اور وہ یاجوج ماجوج بھی نہیں گھر میں۔" سارہ کی نان اسٹاپ گاڑی چھکا چھک دوڑ رہی تھی' ماریہ نے یہ سب سن کے ہاتھ کو ایسے لہرایا جیسے کان سے مکھی اڑائی ہو جبکہ اقرأ کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا یہ دونوں اس کی سگی بہنیں ہیں جو اتنی بڑی بات سن کے بھی کوئی اہمیت دینے پر تیار نہیں تھیں۔ ایک کو اپنی چائے کی گنتی کی پڑی ہے جبکہ دوسری کو کتابوں سے فرصت نہیں۔

"لو پکڑو ناں اب اپنا کپ' توڑ دو اپنا سکتہ اقرأ بی بی۔" سارہ نے گویا تابوت میں آخری کیل گاڑتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"ویسے میں ابھی کمرے کی طرف آ رہی تھی تو مجھے آواز آئی اقرأ تم کو اب معلوم ہوا' تم کو لکھنا آ گیا ہے۔ یہ انکشاف کیسے ہوا' دیکھو کھل کے بتاؤ بلکہ ایسا کرو ذرا تفصیل سے بتاؤ

تا کہ چائے کا بھی سواد آجائے۔'' سارہ کے انگ انگ سے شرارت کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ اقرأ نے ایک سلگتی ہوئی نظر ماریہ اور سارہ پر ڈالی اور پھر جذبات کو کنٹرول کرتے ہوئے سکون سے بولی۔

''میں بکواس کر رہی تھی' مجھے لگتا ہے میں کہانیاں لکھ سکتی ہوں۔''

''کون سی کہانیاں؟''

''وہی جو ڈائجسٹ میں چھپتی ہیں۔''

''اوہووہ ظالم ساس' روتی سسکتی بہو' یتیم بچے' ایک چھاچھا کٹنا شوہر اور ہاں وہ گوانتا موبے سے ٹریننگ حاصل کردہ سسرال کے مظالم والی کہانیاں۔'' سارہ نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے سوال پوچھا۔

''اب ضروری نہیں یہ ہی کہانی لکھی جائے کچھ اصلاحی کہانیاں بھی لکھی جاسکتی ہیں۔'' اقرأ نے رسان سے جواب دیا۔

''اصلاحی......؟ آپ کو نہیں لگتا پہلے اس کی آپ کو کچھ زیادہ ضرورت ہے میڈم اقرأ۔'' اقرأ نے اپنی ساری توجہ اب چائے کے کپ کی طرف کرلی کہ جو بتانا تھا وہ تو بتاہی دیا تھا۔

''اچھا تو اقرأ تم کو لگتا ہے ایک رائٹر آپ کے اندر تڑپ رہا ہے باہر آنے کے لیے۔'' سارہ کے لیے چپ رہنا ممکن ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی تھا۔

''ہاں یہ ہی سمجھ لو۔'' اقرأ نے اس بار کمال بے نیازی سے جواب دیا۔

''اچھا...... اچھا تو ماریہ آپی! سنا آپ نے یہ ہماری اقرأ کے اندر کیا تڑپ رہا ہے۔'' ماریہ جس کی زندگی کا پہلا مقصد صرف ڈاکٹر بننا تھا لیکن جب اسے پریکٹیکل میں اصلی خون سے واسطہ پڑا تو اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کے اس کے پروفیسرز کو لگا ماریہ کو ہی خون چڑھانے کی ضرورت ہے سو وہ اب ڈاکٹر بننے کے خواب سے دستبردار ہو کر ماسٹر پر ماسٹر کیے جارہی تھی۔ اس وقت بھی اپنی ماسٹر کی کتابوں اور نوٹس کو پھیلائے ہوئے تھی جب اقرأ نے اپنے انکشاف کا سلسلہ جاری رکھا اور اب سارہ نے اسے مخاطب کیا تو چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوئی تو اسے معلوم ہوا مستقبل کا عظیم رائٹر ان کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔

''اوہو اچھا یہ والا 'لکھنا' تھا تمہارا مطلب۔'' ماریہ نے بھی کتابیں سمیٹ کے پوری توجہ کے ساتھ اقرأ کی طرف دیکھا اور پاؤں پھیلا کے جیسے تھکن اتاری لیکن اب اقرأ سمجھ گئی تھی کہ اس کی شامت آچکی ہے۔

''تو مس اقرأ بلکہ رائٹر صاحبہ یہ انکشاف کب ہوا آپ پہ......؟'' ماریہ نے رسان سے پوچھا۔ سارہ نے ماریہ کو فارم میں آتے دیکھ کے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر نیچے کرلیا۔ اقرأ نے بھی گویا اپنی ساری کشتیاں جلانے کا ارادہ کر کے ڈھیٹ بننا زیادہ مناسب جانا۔

''میرا خیال ہے......''

''خیال کو چھوڑو یقین سے بات کرو۔''

''اچھا تو مجھے یقین ہے......''

''تمہیں یقین کیسے ہوگیا آخر۔''

''مجھے بھروسہ ہے خود پر......''

''تم پر تو ماسی فرزانہ بھروسہ نہ کرے۔''

''اُف مجھے بات تو پوری کرنے دو۔'' بالآخر اقرأ نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''تو بتا بھی دو اور ڈھنگ سے اسٹارٹ کرو ناں' کسی بے تکے جعلی ڈگری والے سیاستدان کی طرح مجھے یقین ہے' بھروسہ ہے فلاں ہے ڈھمکاں ہے۔ صاف صاف بولو تم کہانیاں لکھ سکتی ہو کیونکہ تم لکھنا چاہتی ہو' بات ختم۔''

''ہاں...... ہاں میں کہانیاں لکھنا چاہتی ہوں اور میں لکھ بھی سکتی ہوں بلکہ لکھ چکی ہوں۔'' جذبات کے گہرے سمندر میں بہتے ہوئے اقرأ نے اپنے پاؤں پر زور سے کلہاڑی دے ماری باقاعدہ کلہاڑی کا اینگل سیٹ کر کے۔

''آہ ہاں...... اچھا' واہ واہ...... یعنی کے کمال ہوگیا یہ تو......'' دو نئی آوازیں سن کے اقرأ کو گویا یقین ہوگیا تھا اس نے اکیس سال کی ننھی سی زندگی کی بھیانک ترین غلطی کرلی ہے ابھی ابھی یہ انکشاف کر کے۔

''سنا تو نے حمزہ...... کب ہمارے آنگن میں مستقبل کا بہت بڑا لکھاری بلکہ عظیم لکھاری پیدا ہوگیا' ہمیں معلوم تک نہ ہو رہا ہے۔''

''ہاں طلحہ...... سنا میرے بھائی سنا اور کمال یہ ہے وہ رائٹر صاحبہ ہماری اپنی سگی بہن ہے یار...... مجھے سنبھال میں بے ہوش ہونے کا سوچ رہا ہوں۔'' اقرأ کو احساس ہوا کہ

اس کی کمزوری اس کے سگے بہن بھائیوں کے ہاتھ آ چکی ہے‘ شیطان کو مات دیتے یہ جڑواں بھائی طلحہ اور حمزہ جو اس سے پانچ سال چھوٹے تھے تو دوسری طرف دو سال بڑی اور تنک مزاج سی بہن ماریہ جو صرف پڑھنے کے لیے زندہ تھی اور ان کا بھرپور ساتھ دیتی ایک سالہ چھوٹی بہن سارہ جس کی زندگی کا مقصد صرف کچن کی حد تک محدود تھا۔ رو پیٹ کے کالج تک آئی تھی وہ بھی اسی لیے کہ امی خود کالج کی پرنسپل تھیں تو پڑھائی پر کوئی بھی کمپرومائز کرنے پر بھی تیار نہیں ہوتی تھیں۔

ساری عمر تینوں بہنیں اور دو بھائی شرافت کے ساتھ پہلے اسکول اور پھر کالج تک جانے پر مجبور رہے‘ ویسے یہ شرافت ڈرائیور کا نام ہے جو اُن سب کو اسکول و کالج لانے لے جانے پر معمور رہا تھا۔ امی کے بعد ابو کا تذکرہ کرنا بھی لازمی ہے سو ابو کا اپنا ذاتی چھوٹا سا میڈیکل اسٹور ہے‘ معاشی لحاظ سے یہ چھوٹا سا علمی گھرانا بہت اچھا نہیں تو برا بھی نہ تھا۔ باقی ماں باپ کی طرف سے دیئے گئے اعتماد نے جہاں شخصیت کو بہترین بننے پر راغب کیا تھا وہاں ایک حد تک پڑھنے کی طرف بھی طبیعت کو مائل کیا تھا۔ کم عمری سے ہی مختلف ڈائجسٹ اور تعلیم کے اکثر میگزین گھر میں آتے تھے‘ ہر ایک بچے کو اجازت تھی کم از کم ایک ڈائجسٹ وہ اپنی مرضی سے منگوا سکتا تھا۔ اب اس پڑھنے والے ماحول میں اگر ایک فرد یہ سمجھتا تھا کہ وہ بھی لکھ سکتا ہے تو حیرانی کی کیا بات تھی بھلا۔

لیکن صرف لکھنا ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا جب تک اپنے قریبی لوگ میں سرفہرست بہن بھائی ہوتے ہیں‘ وہ مان نہ لیں آپ ”لکھ“ بھی سکتے ہیں اور چھپ بھی سکتے ہیں۔“ سو درج ذیل کہانی ان ہی دکھ درد سے وابستہ ہے جن سے ہر رائٹر گزرتا ہے پہلے پہل اس کے بہن بھائی ہی تنقید کر کے اسے اتنا پکا کر دیتے ہیں کہ وہ با آسانی معاشرے کے نقاد کا سامنا کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس کہانی میں ماں باپ کا کچھ ایسا خاص رول نہیں تو آپ لوگ ان کو سمجھ لیں وہ یا تو کسی رشتے دار کی فوتگی میں دوسرے شہر ہیں یا اپنی زندگی میں بہت مصروف ہیں۔ سب سے آسان حال یہ ہی تھا ان کی غیر موجودگی کے جواز دینے کے لیے۔ اب آئیں واپس کہانی کی طرف جہاں رائٹر صاحبہ کی شامت ان کے اپنے بہن بھائیوں کے ہاتھوں آ چکی ہے۔

❁......❁......❁

لاؤنج میں جہاں اقرأ دل ہی دل میں خود کو کوس رہی تھی کیوں زبان پر قابو نہیں رکھ سکی اب بھگتنے کو تیار ہو اقرأ بی بی۔

”لاؤ اقرأ باجی پہلے اپنا لکھا شاہکار پڑھواؤ پھر ہم فیصلہ کریں گے آپ لکھ بھی سکتی ہو یا نہیں۔“ بالآخر طلحہ نے فیصلہ سنایا۔

”میرا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ میرا مطلب تھا میں نے سوچا لکھ لوں پھر میں نے سوچا پہلے سوچ لوں پھر سوچا شاید میں لکھ ہی لوں۔“ طلحہ اور حمزہ نے ایک دوسرے کو دیکھ کے گول گول آنکھیں گھمائیں پھر طلحہ حمزہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”تو نے دیکھا ہماری باجی کتنا سوچتی ہیں‘ ہائے اللہ جی بری نظر سے دور رکھیے گا ان کو۔ پورے گھر کے حصے کا یہ اکیلی چھوٹی سی جان سوچ جا رہی ہیں۔“

”ہاں یار...... میرا دل تو رونے کو چاہ رہا ہے۔“ حمزہ نے بھرائی ہوئی آواز سے بات مکمل کی۔ ”میری باجی پر اتنا بوجھ سوچنے کا اُف...... اب مجھے معلوم ہوا میں صبح سے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہوں اور کوئی سوچ آ کے نہیں دے رہی۔“

”آئے گی کیسے میرے بھائی‘ وہ تو ہماری آپی نے روک رکھی ہے ناں‘ جاؤ سارہ ایک کپ چائے پکا کے لاؤ۔ اس صدمے کی شدت کو چائے کی گرمی سے کم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ سارہ جو ہنسے جا رہی تھی یہ حکم سن کے اچانک اس کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔

”ماسی نہیں ہوں‘ جب دیکھو جاؤ چائے پکاؤ چائے...... جاؤ خود پکا لو اب‘ یہ دیکھو برتن بھی ادھر ہیں‘ ابھی پکا کے لائی تھی۔“

”تو ہمیں ایس ایم ایس کیوں نہیں کیا جب معلوم تھا ہم گلی کے نکڑ پر ہی کھڑے تھے۔“

”تم لوگ ابھی تو نکلے تھے اب مجھے کیا معلوم تھا فوراً واپس آ جاؤ گے۔“

”اچھا‘ تو ہمارے جانے کا انتظار تھا واہ واہ...... سارہ بی بی گویا ہمارے جانے کے پل گنتی ہو۔ کب ہم جائیں اور تم چائے پکا کے انجوائے کرو‘ یہ امید نہ تھی ظالم بہنا...... آہ۔“ حمزہ نے ایک ادا سے دل پر ہاتھ رکھ کے طلحہ کے

کندھے پر سر رکھا۔

"بس کر میرے بھائی بس' ہر گھر میں یہ ہی ہوتا ہے۔ ہم آدمیوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں' ہم بس دہی لانے کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں ورنہ معاشرے میں ٹکے کی عزت نہیں ہماری۔"

"سچی بات بول دی میرے جگر تو نے' اگر دھنیا کی جگہ پودینہ لے آؤ تو وہ طعنے سننے کو ملیں گے کہ کانوں سے دھواں نکل آئے اور بدلے میں ملتا کیا ہے' ہم بے بس ولاچار آدمیوں کو دو وقت کا کھانا حق ہاہ۔"

"بس کر بھائی بس کر' میرا جگر پھٹ جائے گا' نہ سنا اتنا دکھ' صبر کر اللہ دیکھ رہا ہے وہ ہمیں ضرور اجر دے گا ان توری بھنڈیوں کے کھانے کے بدلے اور ہاں یہ ہماری پیاری اقرأ باجی جو مستقبل کی رائٹر بلکہ عظیم رائٹر بننے کے لیے پر تول رہی ہیں بلکہ تول بھی چکی ہیں یہ ہم مردوں کو ہمارے گھریلو حقوق دلائیں گی۔ دلاؤ گی نا اقرأ باجی؟" دو پندرہ پندرہ سال کے مردوں نے آس بھری نگاہوں سے آدمیوں کے حقوق کی علمبردار بننے کی پیشن گوئی کرتے ہوئے اقرأ باجی کو امید سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اقرأ جو ان آفت کے پرکالے بھائیوں کا منہ اپنی طرف سے بدل کے سارہ کی طرف ہوتا دیکھ کے ابھی سکون کی دو سانس بھی نہ لے پائی تھی کہ پھر سے توپوں کا رخ خود کی طرف دیکھ کے بے بسی سے گردن ہلانے پر مجبور ہوگئی۔

"وشملے وشملے...... یاہو۔" طلحہ اور حمزہ نے اقرأ کے گرد لڈی ڈالنا شروع کردی۔

"اقرأ باجی...... آوے ہی آوے
بے بس آدمیوں کی آس کون اقرأ اقرأ
مظلوم آدمیوں کی پکار کون اقرأ اقرأ
ساڈی بہن آوے ہی آوے"

ابھی ان خود ساختہ نعروں کی لائن راستے میں ہی تھی کہ ماریہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"کیا مصیبت ہے مسخروں' دفع ہو جاؤ ادھر سے پڑھنے دو۔"

"اقرأ باجی یہ ہے آپ کا پہلا کیس' ہم دو جوان مردوں کی طرف سے' ہمارے گھر کا خاص کیس۔ یہ ہماری آپی ہیں ماریہ' ہم ان کے خلاف پہلا پرچہ کٹوائیں گے' یاد کرلیں...... ہمیں ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہیں...... سکون کی سانس نہیں لینے دیتیں...... ہٹلر کی جانشین لگتی ہیں...... یہودیوں کی شاگرد بھی ہوسکتی ہیں...... بلکہ مجھے شک ہے یہ آن لائن "بلیک واٹر" سے ٹیوشنز لیتی ہیں۔"

"ہاں یار' آخر ایک بندی میں اتنے تخریبی جراثیم کیسے ہوسکتے ہیں۔"

"طلحہ حمزہ بس......" اب ماریہ کی برداشت جواب دے گئی تھی' نام لے کے بولنا طلحہ حمزہ کو معلوم تھا اب کچھ بھی ہوا میں تیرتا ہوا ان کی طرف آسکتا ہے اور ان کے سر پر پڑ سکتا ہے۔ سو عزت اسی میں تھی شرافت سے باہر نکل جایا جائے۔ دوسری طرف اقرأ نے بھی دل کی گہرائیوں سے ماریہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی وجہ سے آج کا بے عزتی کرانے کا پیریڈ تو ختم ہوا کم از کم۔

"اور تم اقرأ بی بی......" ماریہ نے پہلو بدل کے اقرأ کو مخاطب کیا۔ "آئندہ یہ رائٹر' لکھائی' کہانیوں کے ڈرامے نہ کرنا۔ تمہاری لکھاری تم خود نہیں پڑھ سکتیں دوسرے کہاں سے پڑھیں گے۔ رحم کرو ڈائجسٹ کے اسٹاف پر اور جاکے پڑھائی پر دھیان دو' چلو نکلو تم بھی ادھر سے۔ اتنا وقت ضائع کردیا ایک پورا اسائمنٹ مکمل ہوجاتا میرا۔" اقرأ بھی طلحہ حمزہ کے پیچھے پیچھے نکل گئی جبکہ سارہ پہلے ہی چائے کے برتن اٹھاکے اڑن چھو ہوچکی تھی۔

❁......❁......❁

اقرأ منہ بسورتی ہوئی جیسے ہی لاؤنج سے باہر نکلی اچانک اس پر ہرے ہرے پتے' گلاب کی پتیوں کی طرح برسے' ہکا بکا ادھر ادھر دیکھا تو شش شش کی آواز نے سر اٹھانے پر مجبور کردیا۔ اوپر ٹیرس سے طلحہ حمزہ پڑوس کے درخت کے پتے توڑ توڑ کے اس پر برسا رہے تھے اور اشارے سے اوپر بلا رہے تھے۔

اقرأ حیران ہوتی ٹیرس پر آئی تو حمزہ نے فرضی مائیک بنا کے اس کے آگے کردیا اور کسی ماہر اینکر کی طرح شروع ہوگیا۔

"جی جناب یہ ہیں مستقبل کی رائٹر اقرأ خان' جو ابھی بالکل تازہ تازہ بے عزتی کرا کے فریش فریش سی نظر آرہی ہیں...... تو اقرأ باجی آپ بتائیں گی' ماریہ آپی سے ڈانٹ کھا کے آپ کے کیا تاثرات ہیں' کیسا محسوس کررہی ہیں

آپ۔ کچھ ہمارے ساتھ شیئر کریں' ظالم بہن کے مظالم کے بارے میں' ہمارے حساس ناظرین کو بتا کے ان کی زندگی میں دکھوں کی مزید انٹری کردیں تاکہ وہ بھی اپنے حقوق کی آواز اٹھائیں۔" اقرأ جو ماریہ کی جھاڑ سے دلبرداشتہ ہوکر باہر آئی تھی اس ایکٹ کی بدولت ایک دم کھلکھلا کے ہنس دی۔

"جی میرا موڈ بہت فریش ہے اور میری زندگی کی یہ ہی تو چھوٹی چھوٹی حسرتیں اور خواہشیں ہیں کہ میں ہردم ماریہ کی ڈانٹیں کھاتی رہوں اور روتی بسورتی زندگی کے دن گزارتی رہوں۔"

"یہ دیکھا ناظرین آپ نے' یہ ہے آج کل کی نئی نسل جن کو احترام چھو کے بھی نہیں گزرا۔ توبہ توبہ اقرأ باجی' کیا ہوگیا اگر ماریہ آپی نے آپ کو ڈانٹ دیا تو یقیناً آپ کے بھلے کے لیے ہی ڈانٹا ہوگا ناں۔ اُف...... قرب قیامت کے آثار ہیں جناب' چھوٹے تو معذرت کرتے ہیں تاکہ بڑوں کا مذاق اڑائیں۔" اقرأ جو ایک دم حمزہ کے ٹریک بدلنے پر حیران ہونا شروع ہی ہوئی تھی کہ ایک موٹی سی چیز اڑتی ہوئی آئی اور حمزہ کے سر پر لگی' ساتھ ہی ایک زوردار دھپ بھی پڑی جو یقیناً ماریہ نے ہی لگائی تھی۔

"ہائے ہائے...... اُف مار ڈالا ظالم آپی' دہائی ہے دہائی' دیکھو لوا ے لوگوں اکیسویں صدی میں کیسے ایک جوان جہاں لڑکے کے ساتھ گھریلو تشدد ہورہا ہے۔ لڑکیوں کے ہاتھوں ان کی کوئی عزت نہیں۔" اور پانچ منٹ کے وقفے کے بعد ہی پورا گھران بہن بھائی کے بلند و بانگ قہقہوں سے گونج رہا تھا۔

❀......❀......❀

اب جب کہ اقرأ نے سب کو بتا ہی دیا تھا اور مناسب حد تک بے عزتی بھی ہوگئی تو اس نے ٹھان لی۔ کم ازکم ایک بار وہ اپنی کہانی نہیں تو دو تین باران سب رسائل میں مزید بھیجے گی جو ان کے گھر آتے ہیں لیکن اقرأ کو اندازہ نہیں تھا۔ کہانی لکھنے سے بھی مشکل کام یہ ثابت ہوگا۔ آج تیسرا دن تھا وہ فیصلہ نہیں کرپارہی تھی آخر کون سے ڈائجسٹ کی قسمت جگائی جائے اور وہ کون سا ماہنامہ ثابت ہوگا آخر جو اقرأ جیسی رائٹر کو متعارف کرنے کا سہرہ پہنے گا بالآخر بہت سوچ و بچار کے بعد اور دل پر جبر کرتے ایک کڑا فیصلہ لیا کہ ان ہی میگزین میں کہانی بھیجی جائے جن کے بارے میں سنا تھا۔ اس کی ایڈیٹر معیار پر سمجھوتہ نہیں کرتیں۔ کم ازکم ایک چھوٹا سا افسانہ لگ بھی گیا تو دل کو یہ اطمینان رہے گا' معیاری کام تھا۔

اب دل تھام کے چاروں قل پڑھ کے اپنی کہانی پر دم کیا اور بہت مشکل سے خود کو روکا افسانے پر امام ضامن باندھنے سے۔ آخر پہلا افسانہ تھا اور پہلی باران ڈائجسٹ کو بھیجے جارہی تھی جو عرصے دراز سے اس کے گھر آتے ہیں اور اس کو معلوم تھا' کم ازکم پاکستان کی تین نسلیں ان ڈائجسٹ سے مستفید ہوچکی ہیں۔ لرزتے ہاتھوں سے بہتی آنکھوں سے' ورد کرتی زبان کے ساتھ اپنی کہانی شرافت سے پوسٹ کرادی۔

بالآخر پورے تیس دن کے جان لیوا انتظار کے بعد جب ان ماہنامہ رسالوں کے آنے کا وقت قریب آنا شروع ہوا تو اقرأ کی راتوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ دن رات دعاؤں کے ساتھ امید بھی تھی شاید میرا افسانہ لگ ہی گیا ہو' کسی ایک میں تو لگ جانا چاہیے۔ اتنا بھی برا نہیں لکھا تھا آخر کو عرصہ ہوگیا تھا پڑھتے پڑھتے' اللہ کرے جب میری کہانی کا نمبر ہو' ایڈیٹر صاحبہ کا موڈ اچھا ہو' ان کے گھر میں سب خیریت ہو' ان کی پے مل چکی ہو۔ ان کو سیل سے اچھا سا سوٹ مل گیا ہو' ان کے گھر کی لائٹ نہ گئی ہو دو دن سے' وہ اس دن ٹریفک میں بھی نہ پھنسی ہوں' ان کی ماسی بالکل وقت پر آ گئی ہو۔ یا اللہ میری یہ ساری دعائیں اس دن پوری کردینا جب ایڈیٹر میری کہانی پڑھ رہی ہوں' آمین ثم آمین۔

❀......❀......❀

اور بالآخر اقرأ کا بھیجا ہوا افسانہ چھپ گیا' اقرأ خان کا پہلا افسانہ واقعی......

پہلے تو اسے اپنا نام فہرست میں دیکھ کے یقین نہیں آیا لیکن جب اپنی کہانی پڑھی اور بار بار پڑھ لی تو گھر والوں نے پنجابی اور پختون ڈانس کے بعد ایک نیا ڈانس دیکھا جس کا نام طلحہ اور حمزہ نے باہمی مشورے کے بعد "طالبانی ڈانس" رکھا کیونکہ اقرأ باہر کسی کام سے گی ہوئی تھی جب ڈائجسٹ گھر آیا اور اقرأ نے گھر آنے کے ساتھ ہی رسالے میں تاکا جھانکی کی۔ اپنے نام کو دیکھ کے بے قابو ہوکے جو کچھ کیا وہ ڈانس کے زمرے میں تو نہیں آتا تھا مگر طلحہ حمزہ نے اس کو ایک شاہکار ڈانس سے تشبیہ دے کے طالبانی ڈانس کا نام دے ڈالا کیونکہ وہ تینوں بہنیں باہر آنے جانے کے لیے عبایا

یوز کرتی تھیں اور اقرأ اس وقت بھی عبایا ہی زیب تن کی ہوئی تھی تو عبایا میں ڈانس یقیناً طالبانی ڈانس ہی ہوسکتا تھا خیر جو بھی تھا اقرأ بالآخر رائٹر بن ہی گئی تھی۔

❁......❁......❁

یہ وہی پرانا لاؤنج ہے جہاں اس گھر کے مکین زیادہ تر پائے جاتے ہیں اور یہ ہیں ہماری نئی لکھاری یعنی اقرأ خان، اب جب کہ یہ ملک کے کافی نامور ڈائجسٹوں میں چھپ چکی ہیں تو ان کا دل چاہتا تھا کم از کم ان کے بہن بھائی اب تو مان لیں کہ وہ ''لکھ'' سکتی ہے۔

دوسری طرف بہن بھائی اسے بڑا ہی نہیں مانتے تھے کچھ اسے رائٹر بھی مان لیں، ذرا مشکل کام تھا لیکن ٹرائی اگین ٹرائی اگین تو سنا ہی ہوگا آپ نے۔ وہ اقرأ نے بھی سن رکھا تھا خیر سے تو آج بھی اسی مقصد سے اس نے لاؤنج کی سینٹرل میز پر اپنے افسانوں کی کاپیاں رکھی ہوئی تھیں اور شام کی چائے کے انتظار میں وقت کاٹ رہی تھی کہ آج تو منوا کے ہی چھوڑے گی یہ افسانے اقرأ نے ہی لکھے ہیں اور کسی چھاپہ یا کاپی کی بدولت وجود میں نہیں آئے۔ ویسے تو اقرأ قسمیں کھا کے بھی یقین دلانے کی کوشش کر چکی تھی یہ سب خود اس کے دماغ کے کیڑے اوہ معذرت، دماغ کے شاہکار ہیں جو بڑی محنت سے قلم کے ذریعے کاغذ پر اتارے گئے ہیں لیکن کوئی مانے تب ناں۔ آج پھر ایک طرف ہوں گے دو عدد بھائی اور دو بہنیں، دوسری طرف اقرأ اور بیچ میں موجود ہوں گے اقرأ کے افسانے، آئیں دیکھتے ہیں بے چاری کی درگت۔

''اچھا اقرأ یہ بتاؤ یہ ''خزاں سے پہلے'' تم نے خود ہی لکھی ہے؟ ایک منٹ، ایک منٹ یہ کیسا نام ہوا خزاں سے پہلے..... خزاں سے پہلے تو بہار ہوتا ہے ناں۔''

''کون سی بہار، وہ تو بہار بیگم ہیں۔''

''نہیں نہیں، سردی گرمی بہار پھر جو خزاں ہے ناں وہ والی خزاں ہوگی۔''

''اچھا اچھا، وہ والی۔'' اور ادھر وہ کو ضرورت سے زیادہ لمبا کھینچا۔

لیکن اقرأ بھی کمال ضبط سے بیٹھی اپنی کہانی کا تیا پانچہ ہوتے دیکھتی رہی۔ اس کی تو زندگی کا شاید مقصد ہی یہ بن گیا تھا صرف ایک بار گھر والے مان جائیں یہ سب وہ خود لکھتی ہے کسی فلم یا ترکی، فارسی ڈراموں سے چھاپہ نہیں مارتی اور نا ہی انگلش فلموں سے ٹوٹے کاپی کرتی ہے۔

خیر یہ تو سب کو ہی معلوم تھا انگلش سے کتنی واقفیت ہے اقرأ کی اس کی انگلش ایکٹو سے شروع ہوکے پیسو تک اینڈ تھی اور بہت ہی کمال کیا تو پوری ایک یا دو لائن انگلش کی بول سکتی تھی بقول مار یہ زیادہ انگلش اقرأ کی صحت کے لیے مضر ہے۔

لیکن جو بھی تھا اقرأ کا صبر واقعی اس ایک چیز کے لیے قابل داد تھا کہ وہ ہر نئی کہانی چھپنے کے بعد ڈائجسٹ سمیت اپنے بہن بھائیوں کے سامنے لانا نہ بھولتی تھی اور ابھی بھی ''خزاں سے پہلے'' کا پوسٹ مارٹم ہوتے دیکھ رہی تھی لیکن ''پیوستہ رہ شجر سے'' کے مطابق امید تھی کبھی نہ کبھی تو اس کے بہن بھائی سیریس ہوں گے اور مانیں گے اقرأ ان کی بہن ایک نامور لکھاری بن چکی ہے۔

آئیں ایک بار پھر اسی لاؤنج کی طرف چلتے ہیں جہاں اقرأ کی کہانیاں پاکستان کے وسائل کی طرح بکھری پڑی ہیں اور طلحہ حمزہ کے ساتھ سارہ پاکستان کے ہی حکمرانوں کی طرح جہاں سے مرضی صفحہ کھول کے اس کہانی کا حشر کررہے ہیں۔

''ٹھیک ہے اقرأ باجی، ہم بالکل مان لیں گے یہ آپ نے خود لکھا ہے اگر آپ......'' ایک طویل وقفہ۔

یہ تھا طلحہ کے ساتھ کا جڑواں حمزہ...... جو حمزہ علی عباسی کی طرح بالکل بھی نہ تھا بلکہ کسی ولن کی طرح چالاک و عیار تھا اس نے ایک لمبا وقفہ دے کے گویا بم پھوڑا۔

''آپ بس یہ بتادیں یہ جو عجیب سے نام والی کہانی ہے کیا نام ہے بھلا ہاں یہ ''سسرال مقدس'' اس کے صفحہ نمبر ۳۶ پر کیا لکھا ہے۔'' اور ایسا کمال کا سوال صرف حمزہ کے ہی دماغ میں کلبلا سکتا تھا۔ سب نے باقاعدہ تالیاں بجا کے داد دی تو حمزہ نے بھی سر خم کرکے داد وصول کی۔ اقرأ جو ابھی تک جوش سے بھری بیٹھی تھی اچانک اس کے جوش سے ہوا نکل گئی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟ صفحہ نمبر ۳۶ پر کیا لکھا ہے مجھے کیا معلوم۔'' اس بات پر جو بلند آواز کے قہقہے لگے تو لاؤنج کی دیواروں کو فکر لاحق ہوگئی کہیں آج ان میں شگاف ہی نہ پڑ جائے۔

''بس تو بات ہی ختم ہوگئی ناں اقرأ بی بی......'' سارہ نے

فخریہ اسٹائل سے گردن ہلائی۔
''ہاں لو تم یہ سب خود نہیں لکھتیں بلکہ جو ڈھیر تمہارے کمرے میں دھرا ہے کتابوں کا اور جو تم نے بچپن سے اب تک رسالے گھول گھول کے پیے ہیں' ان سب کی کھچڑی بنا کے تم پاکستان کی معصوم عوام کو تو بے وقوف بنا سکتی ہو ہمیں نہیں۔''
''ہاں مجھے بھی لگتا ہے اقرأ باجی کے یہ موٹے موٹے چشمے' ان ہی رسالوں کی بدولت ہیں۔'' طلحہ نے بھی دور کی کوڑی لانے میں کوئی مضائقہ نہ جانا۔
''میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا اقرأ باجی ایک صفحہ اِدھر سے' دوسرا صفحہ اُدھر سے لے کر کہانی پوری کرتی ہیں ورنہ ایسے کیسے ہوسکتا ہے بندہ اپنا لکھا نہ جان سکے کہ ۳۶ نمبر صفحہ پر کیا لکھا ہے۔'' حمزہ نے گویا انکشاف کیا۔
اقرأ جواب سکتے میں جا چکی تھی یہ سب لن ترانیاں سن کے اسے ایک دم ہوش آیا۔
''اچھا ایسا کرو' تم مجھے میری کہانی کی کوئی بھی لائن بتاؤ اس کے آگے کی لائن میں بتادوں گی۔''
''دیکھ لو باجی ایسا نہ ہو آپ پھر ہار مان لو۔'' طلحہ نے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک چانس دیا۔
''سوچ لو اقرأ' مجھے لگ رہا ہے تم ادھر بھی منہ کی کھاؤ گی۔'' سارہ نے ماتھے پر آنکھیں رکھتے ہوئے اسے ڈرایا۔
''نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا' یہ میری تخلیق ہے میں کیوں نہ جانوں گی بھئی' تم بولو بس پھر دیکھنا۔'' اقرأ جذباتی سی ہوگئی۔
''اچھا بھئی پھر یہ بتاؤ۔'' سارہ رسالے کو کھول کر اقرأ کی کہانی ڈھونڈتے ہوئے بولی۔ ''ہاں تو بتاؤ 'سہیل نے جیسے ہی صوفیہ کو دیکھا تو اس کے کپڑے دیکھ کر دنگ رہ گیا کیونکہ وہ.....' اب بتاؤ وہ سہیل صاحب کیوں دنگ رہ گئے؟'' سارہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور اقرأ اگلی سانس لینے سے بھی پہلے بولی۔
''کیونکہ وہ تین الگ الگ رنگوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔''
''واقعی؟'' طلحہ نے سارہ کے ہاتھ سے ڈائجسٹ لیتے ہوئے کہا جبکہ حمزہ طلحہ کے ہاتھ سے ڈائجسٹ تقریباً کھینچتے ہوئے بولا۔
''واقعی یہ ہی لکھا ہے کیا؟'' دوسری طرف سارہ مسلسل

آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ
حجاب کراچی

شائع ہوگیا ہے

ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ''**حجاب**'' آج ہی ہاکر سے کہہ کر اپنی کاپی بک کرالیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے۔

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

ایک شیطانی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے یک ٹک اقرأ کو دیکھے جارہی تھی اور پھر فخریہ سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
''ختم بھی کرو اقرأ اور بس ہار مان لو یہ والی اقرأ کم از کم تم نہیں ہو جو ڈائجسٹ میں چھپی ہے۔''
''کیا مطلب یہ لائن نہیں ہے کیا؟'' اقرأ بدحواس ہوکر بولی۔
''لو خود دیکھ لو۔'' اقرأ کے سر پر آسمان ہی گر گیا ہو جیسے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی کہانی دیکھ رہی تھی جہاں واقعی یہ لائن نہیں تھی۔
''ایسا کیسے ہوگیا' میں نے خود یہ لکھا تھا' رکو ابھی دکھاتی ہوں میرے پاس اس کی کاپی ہے۔''
''بس بس چھوڑو کاپی۔'' سارہ نے جیسے حجت تمام کی۔
''بات ختم ہو چکی ہے۔''
''قسم سے میں نے یہی لائن لکھی تھی' میرا یقین کرو ایڈیٹر نے شاید ایڈیٹ کردی ہوگی وہ لائن۔''
''چلو جی اب یہ نیا قصا آ گیا۔'' طلحہ بےزار ہوکر بولا۔
اقرأ روہانسی ہوکر پوری کہانی ہی بلند آواز سے پڑھنے لگی اور سب ایک ایک کرکے لاؤنج سے کھسکتے گئے۔

❁......❁......❁

بالآخر لگاتار دو منی آرڈر گھر آنے کے بعد مجبوراً گھر والوں کو یہ سچائی قبول کرنی ہی پڑی کہ ڈائجسٹوں میں چھپنے والی اقرأ خان ان کی گھر والی اقرأ ہے۔ اس کے بعد پورے ایک دو گھنٹے تک اسے ایک خاص پروٹوکول سے نوازا گیا اور دوسرے گھنٹے کے اختتام تک اسے عزت واحترام کے ساتھ یاد دلایا گیا رات کا کھانا اسی نے پکانا ہے اور اگر لکھاری بننے کی خوشی میں وہ کچھ میٹھا بھی بنالے تو ہم بہن بھائی بہت خوشی سے کھائیں گے' ایسی پذیرائی یقیناً کسی اور کی نہ ہوئی ہوگی۔

❁......❁......❁

عزیز قارئین تو یہ پھر وہی پرانا سا لاؤنج ہے جہاں ایک نئی نئی لکھاری صاحبہ فخر سے گردن میں سر یہ ڈالے بیٹھی ہیں اور سارہ صاحبہ اپنا ازلی کام یعنی چائے پکا کے لانے کے علاوہ ایک عجیب سی فرمائش بھی داغ رہی ہیں۔ لگے ہاتھوں آپ کی معلومات کے اضافہ کے لیے بتادیں سارہ نے نیا نیا چائنہ سے تعلقات بہتر بنانے کے لیے ایک چائنہ موبائل بھی خریدا ہے اور اللہ کے فضل سے دنیا کے اعلیٰ ترین بے کار شغف یعنی سوشل میڈیا تک رسائی بھی حاصل کرلی۔

اب جو سوشل میڈیا نامی جن کے کرامات دیکھے تو اللہ جھوٹ نہ بلوائے سارہ کو یقین ہوگیا اس کی زندگی کا اچھا خاصا حصہ بے کار ثابت ہوا لیکن اس کی فیلنگ میں بے تحاشہ اضافہ بھی ہوا۔ اب وہ کبھی فیلنگ ہپی کبھی اینگری کبھی اموشنل تو کبھی کچھ ہو ''محسوس'' کررہی ہوتی تھی۔ یہ الگ بات ہے یہ ساری فلیلنگس کچن کی حد تک ہی تھے تو جناب ہم فیلنگ سے لاؤنج کی طرف آتے ہیں کہ ابھی کی تازہ خبر یہ تھی سارہ نے اقرأ کو چائے کا کپ پیش کرتے ہوئے اس کے اوسان خطا کرنے بھی مناسب جانا تھا۔
''یار اقرأ کیوں ناں تمہارا ایک آفیشل پیج بنایا جائے؟''
اقرأ ہونق ہونے کے ساتھ چائے کی چسکی لینا بھی بھول گئی۔
''یہ کیا ہوتا ہے؟''
''رہی نہ تم جاہل کی جاہل' یہ دو چار لفظ لکھ کے تم نے سوچا تم نے تیر مار لیے ''پینڈو'' کہیں کی۔'' اقرأ کو پینڈو بولتے ہوئے سارہ نے اس حقیقت سے آنکھیں چرانا قطعی اہم نہ جانا کہ دو چار ماہ پہلے وہ بھی اسی پینڈو کے زمرے میں آتی تھی۔
''اوہو تم وہ فیس بک آفیشل پیج کی بات کررہی ہو؟''
بالآخر اقرأ کی یادداشت بحال ہوئی۔
''ہاں ہاں وہی ایک زبردست سا پیج بنا کے تمہاری اونگی بونگی کہانیوں سے لائن لے کے اس کے مزے مزے کے کور بنائیں گے' تفریح رہے گی۔ ماریہ کو بھی بولیں گے اپنی یونی فیلوز کو بولے پیج کو لائک کرے' سات آٹھ سو لائکس تو مل ہی جائیں گے' ہے ناں؟'' سارہ کی تیز گام چلے جارہی تھی لیکن اقرأ لفظ ''اونگی بونگی'' پر ہی اٹک گئی تھی۔
''نام بھی سوچ لیا میں نے ''اقرأ دی رائٹر'' کلاسیکل نام ہونا چاہیے اور ہاں ابھی سن لو میں نے ہی ایڈمن بننا ہے دو تین دن سے میں نوٹ کررہی ہوں یہ جو لاٹ آئی ہے نئی نئی لکھاریوں کی پہلی کہانی لگتے ہی یہ پیج بن جاتا ہے ان کا' وہ بھی آفیشل۔ ساتھ ہی عجیب وغریب قسم کی حرکتیں بھی کردیتی ہیں' پوری کی پوری کہانی ہی ایڈیٹ کرکے کور بنالیے جاتے ہیں ساتھ ہی اپنے رشتہ داروں کو' دوستوں کو ٹیگ کرکے ثواب حاصل کرتی ہیں ویسے یہ ٹیگ ٹارچر کی ایک نئی قسم لگتی ہے مجھے۔''

سارہ کو جواب کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

آج بھی یہ ہی صورت حال تھی' سارہ کو اقرأ کے کسی بھی قسم کے جواب یا تبصرے کی چنداں فکر نہ تھی۔

اقرأ نے ابتدائی جھٹکے سے سنبھل کے جلدی سے اپنے گرتے حوصلے کو تھاما اور اس آئیڈے پر راضی ہو کے داد دی سارہ کو۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں' ایڈمن میری بہن نہیں تو کون ہوگا بھلا' جو دل کرے میرے افسانے کی لائنز لے لینا۔'' اقرأ نے شرماتے ہوئے کسرنفسی سے کام لیا۔

لیکن...... لیکن تاریخ گواہ ہے بے عزتی کبھی بھی اپائنمنٹ لے کے نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ دیکھتی ہے بے عزت ہونے والا ایڈمن ہے یا نئی نویلی رائٹر۔

''آہ ہاں...... واہ اب ہمارے گھر میں لکھاری کے وجود کے بعد ایک عدد ایڈمن بھی پایا جانے لگا۔'' طلحہ نے خوشی سے سرشار آواز میں لہکتے ہوئے آنکھیں میچتے ہوئے کہا اور لاؤنج مین رکھے صوفے پر دھپ کی آواز سے گرتے ہوئے مزید کہا۔

''دیکھ لے او حمزہ' کیسے خوش نصیب بھائی ہیں ہم بس قدر ہی نہیں ہم بے چاروں کی اس بے درد گھر میں۔'' اور جب طلحہ کے ساتھ حمزہ بھی ہو تو ممکن ہی نہیں شغل نہ لگے لیکن ساتھ ہی اقرأ سارہ کو یہ بھی معلوم تھا ان کی شامت کی ابتداء ہونے لگی ہے۔

''تو کون سا نام منتخب کیا آپ جناب نے میڈم ایڈمن عرف سارہ جی۔''

''تم لوگ چائے پیو گے؟'' سارہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کے فوراً پوچھا۔ طلحہ حمزہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بے بسی سے کہا۔

''اتنے سیریس موڑ پر آ کے ایسا حساس نوعیت کا سوال کر کے اچھا نہیں کیا' پی لیتے ہیں چائے۔'' اور سارہ نے مناسب وقفہ جان کے فوراً باہر جانے میں عافیت جانی۔

دوسری طرف اقرأ کا دل دھک دھک کرنے لگا' اسے معلوم تھا کہ ایک پل کی خاموشی کسی بڑے طوفان کے آنے کی پیشن گوئی ہے اور اس کا یقین غلط نہ تھا۔

''اچھا تو اقرأ باجی بلکہ اقرأ دی رائٹر پیج کی آنر ہم غریب مسکین عوام کو یہ بتائیں آپ کا چھٹا یا ساتواں افسانہ جو مقبولیت کے جھنڈے گاڑ رہا ہے' وہ آپ نے کہاں سے چرایا تھا؟'' حمزہ نے فرضی مائیک بنا کے اقرأ کے چہرے کے پاس کیا جواب میں اقرأ نے پاس رکھی کتاب زور سے اس کے ہاتھ پر ماری تو طلحہ نے اس یادگار پل کی پکچر لینے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔

''اس جسمانی تشدد کی یہ پکچر بطور ثبوت آپ کے مستقبل میں بنائے جانے والے پیج پر پوسٹ کی جائے گی مس رائٹر صاحبہ۔''

''ہم اس ظلم و تشدد کی پُرزور مذمت کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں شرافت سے آئس کریم منگالی جائے یا ہمیں پیسے دیئے جائیں تاکہ ہم خود شرافت کے ساتھ جا کے فالودہ کھالیں وہ بھی غوثیہ کا۔ فیصلاً آپ کے ہاتھ میں' رشوت کے نام پر پیسہ دیں گی یا آئس کریم منگوائیں گی وہ بھی صرف چمن آباد کی غوثیہ کی۔'' حمزہ نے کسی شاطر و چالاک سیاستدان کے ساتھ ایک مکار اینکر کا کیچر بنتے ہوئے سکون سے اپنی سازش بے نقاب کی اور ساتھ ہی موبائل بھی لہرایا۔

''ورنہ ہوسکتا ہے ہم دونوں جو آپ کے لاڈلے و چہیتے بھائی ہیں ایک پیاری سی پوسٹ آپ کی وال پر لکھ دیں کہ...... 'ہم معذرت خواہ ہیں اقرأ دی رائٹر نے آخر کار یہ اعتراف کر ہی لیا کہ وہ چھ سات یا آٹھ افسانے وغیرہ جو آپ سب نے دل پر جبر کر کے پڑھے وہ ترکی ڈراموں سے لے کر کچھ انگلش فلموں سے چیدہ چیدہ واقعات تھے۔'' سارہ جو چائے کی ٹرے کے ساتھ ڈرتے ڈرتے لاؤنج میں داخل ہو رہی تھی۔ غوثیہ کی آئس کریم اور فالودہ کا دلنشین نام سن کے اپنی پارٹی بدلنے پر تیار ہوگئی۔

''اور میں جو پیج بنانے کا کہہ رہی تھی اسی پیج پر دو چار جعلی اکاؤنٹ بنا کے پوسٹ کروں گی۔''

''اللہ ہماری اقرأ آپی جان آپ کا ''ایک اداس شام'' فلاں ترکی ڈرامہ سے متاثر لگتا ہے۔''

''دوسری پوسٹ...... اقرأ باجی جان کی ''اداسی بولتی ہے'' دراصل سن ۶۰ء کے زمانے میں ایک ڈائجسٹ آتا تھا ''بہنوں کا دکھ'' اس میں ایک ناول سے چرایا ہوا لگتا ہے۔''

''اور ہاں ''بدلتے رشتے'' بھی رڈی فلم کی بدولت لکھی گئی تھی......'' جب آفیشل پیج پر اس طرح کی دو چار پوسٹ نمودار ہوں گی تو سوچ لیں عوام کس پر یقین کرے گی۔''

"سارہ......" طلحہ نے کسی قدر پریشانی سے اسے مخاطب کیا۔

"جی فرماؤ۔"

"یہ سب عجیب نام کی کہانیاں تم نے پڑھ رکھی ہیں کیا؟"

"نہیں نہیں' یہ نام تو ہماری رائٹر صاحبہ کے ناول افسانوں کے نام ہیں شاید انہوں نے اپنی الماری کے دروازے پر لکھ کے سجا رکھے ہیں' اب آتے جاتے نظر پڑتی رہتی ہے تو ذہن کے کسی گوشے میں رہ گئے۔" سارہ نے جلدی جلدی وضاحت کی تو طلحہ نے سکون بھری سانس لیتے ہوئے گردن ہلائی۔ دوسری طرف اقرأ ہکابکا "بدلتے رشتے" کی عملی تفسیر اپنے آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"تم تینوں ایک معمولی سے فالودہ' آئس کریم کی خاطر اپنی سگی بہن کے ساتھ یہ کروگے؟" اقرأ بے چاری ابھی بھی آس کا دامن تھامے تھی کہ یہ شاید مذاق ہی ہوگا۔

"لو جی' یہ تو ہم پھر ایک پوری آئس کریم کی خاطر اس گھناؤنی سازش کا حصہ بن رہے ہیں ورنہ تو الحمدللہ صرف ایک چائے کے کپ پر بھی یہ سب کرنے پر تیار ہو جائیں۔" انتہائی انکساری برتتے ہوئے طلحہ نے جواب دیا جس کا بھرپور ساتھ گردن ہلا کے حمزہ اور سارہ نے دیا بلکہ ایک ساتھ چائے کے کپ اٹھا کے ہوا میں بھی بلند کیے۔

"اچھا تو پھر اے سفید خون والوں' بہن بھائی' پہلے میرا پیج بناؤ اور کم ازکم پانچ سو لائکس لاؤ پھر آئس کریم تو کیا فوڈ سینٹر کی بریانی بھی حاضر ہے۔" شاہانہ اسٹائل سے بولتی اقرأ نے بالآخر ثابت کیا وہ انہی کی بہن ہے اور وہ بھی بڑی بہن۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں طلحہ' حمزہ اور سارہ نے جیسے فیصلہ کیا اور ڈن کردیا۔

"ٹھیک ہے اقرأ باجی' تو فیصلہ ہوا پانچ سو لائکس کے ساتھ ہی ہم شرافت کے ساتھ شمن آباد جائیں گے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں پانچ سو لائکس تو لاؤ پہلے۔" حمزہ نے فوراً حساب کتاب کیا اور کہا۔

"ڈیڑھ سو لائکس میری طرف سے۔" طلحہ نے بھی یاد کرنا شروع کردیا۔

"فیس بک پر کتنے لوگ اس فضول کام کے لیے ایگری ہوسکتے ہیں' او کے سو میری طرف سے۔" اور سارہ بازی لے گئی۔ "باقی کے میری ذمہ داری۔"

"ہاں اب بتاؤ کب بلانا ہے شرافت کو؟" اقرأ کو اندازہ نہ تھا یہ سب اتنی آسانی سے ہو جائے گا ورنہ کم ازکم ہزار تو بول ہی دیتی' اتنی مسکینیت چھائی تھی چہرہ پر کہ سارہ کو ترس آ گیا۔

"اچھا ایسا کرو کولڈ ڈرنکس میری طرف سے کرلو۔"

"او کے او کے رائتہ میری طرف سے کرلو۔" طلحہ نے بھی حصہ بٹایا۔

"سلاد کے پیسے میں دے دوں گا۔" حمزہ کو بھی جوش آیا۔

"کیا چندہ جمع کر رہے ہو؟" ماریہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آئیں آئیں ماریہ آپی' یہ اقرأ باجی بلکہ اقرأ دی رائٹر اپنی کہانیوں کی کمائی سے ہمیں غوثیہ کا فالودہ اور فوڈ سینٹر کی بریانی کھلا رہی ہیں۔"

"ہیں...... اچھا' تم کو اتنی پے منٹ ہو جاتی ہے کیا ان صفحوں کو کالا کرنے کے باعث۔" ماریہ نے حیرت سے اقرأ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں' میں بلیک میل ہو رہی ہوں اور ان سب کا جتنا بل آئے گا وہ کم ازکم میری تین چار کہانیوں کے چھپنے جتنا اماؤنٹ ہوگا۔" اقرأ نے جلتے بھنتے جواب دیا۔

"اوہ اچھا اچھا' چلو خیر ہے تو کب جانا ہے پھر۔" ماریہ نے سکون واطمینان سے پوچھا۔

جواب میں اقرأ جو ایک ذرا سی آس میں مبتلا ہوئی تھی کہ جب اتنا کھل کے اپنی غربت کے قصے کو سنا دیا تو ہوسکتا ہے بڑی بہن ہونے کے ناطے ماریہ سب کو منع کردے لیکن اس کی آس کا محل بری طرح چکنا چور ہوا۔

"ایکسکیوزی' آپ بھی......" ایک مشہور و معروف کمرشل کا ٹیگ بولتے ہوئے بالآخر اقرأ خود بھی سب کے ساتھ قہقہے میں شامل ہوگئی اور یوں ایک عام سی قاری کا جو پہلے پڑھ کے پھر لکھ کے ایک سفر شروع ہوا تھا' تمام ہوا۔

شب ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی

قسط نمبر 28

ہم جیسے تنہا لوگوں کا‘ رونا کیا‘ مسکانا کیا
جب چاہنے والا کوئی نہیں‘ پھر جینا کیا‘ مرنا کیا
سو رنگ میں جس کو سوچا تھا‘ سو روپ میں جس کو چاہا تھا
وہ جانِ غزل تو روٹھ گئی‘ اب اس کا حال سنانا کیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سین نمبر ۱ میں مریہ عمر عباس کے ساتھ ریستوران میں آتی ہے اور اسے صمید حسن کی دوسری شادی کا بتاتی ہے جس پر وہ اسے کہتا ہے کہ یہ شادی مجبوری کی ہوگی لہٰذا وہ نبھا کی کوشش کرے ساتھ ہی وہ اسے پاکستان میں اپنے بزنس اور گھر کا بھی بتاتا ہے۔ مریہ گھر آتی ہے تو صمید اس سے جھگڑ پڑتا ہے اور تھپڑ مار دیتا ہے جواب میں وہ اس کا گھر چھوڑ کر نکل آتی ہے۔ صمید بچے کو ساتھ نہیں لے جانے دیتا راستے میں اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور دو لڑکیاں اسے ہسپتال چھوڑ کر چلی جاتی ہیں جہاں سے وہ ایک ہفتے کے بعد کرنل صاحب کے گھر آتی ہے تو وہ بھی اس سے صمید حسن کا پوچھتے ہیں اور اپنے گھر واپس چلے جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مریہ دل برداشتہ ہو کر وہاں سے بھی نکل جاتی ہے تو عمر عباس سے اس کا ٹکراؤ ہو جاتا ہے ہوش میں آنے پر وہ عمر کو سب بتا دیتی ہے جواب میں وہ اسے تسلی دیتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے۔ مریہ کا بزنس جمانے میں بھی اسی کا ہاتھ ہوتا ہے اور در مکنون کئی سال تک اسے ہی اپنا باپ سمجھتی ہے مگر بڑی ہونے پر جب اسے اپنے باپ کی حقیقت پتا چلتی ہے تو اسے اپنے باپ سے نفرت ہو جاتی ہے۔

سین نمبر ۲ میں صمید حسن تھکا ماندہ گھر آتا ہے تو سارا بیگم اس کے لیے بے چین ہوتی ہیں وہ انہیں پاس بلا کر بتاتا ہے کہ اس نے وہ گھر اس کے نام کر دیا ہے اور یہ بھی کہ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا ساتھ ہی وہ اسے طلاق کے کاغذات دے کر اپنا سامان پیک کر لیتا ہے تبھی زاویار گھر آتا ہے تو وہ اس سے عائلہ کا پوچھتا ہے جواب میں زاویار اسے بتا دیتا ہے کہ اس نے عائلہ کو گھر سے نکال دیا ہے جس پر صمید ہارٹ اٹیک کا شکار ہو کر ہسپتال پہنچ جاتی ہیں۔

سین نمبر ۳ میں رات گیارہ بجے ملک فیاض حویلی واپس آتا ہے اور عبدالہادی کو میرب سے شادی کرنے پر آمادہ کرتا ہے مگر عبدالہادی کے واضح اور دوٹوک انکار کے بعد برہم ہو کر وہ شیر دل سے اس کا نکاح کر دیتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ میرب کے ساتھ اغوا جیسا پھر کوئی حادثہ پیش آئے۔ میرب کا نکاح شیر دل سے کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آتا ہے اور شراب نکال کر پیتا ہے سامنے ٹی وی اسکرین پر واہیات فلم چل رہی ہوتی ہے اور تبھی اس کی جان پر بن جاتی ہے‘ تڑپ تڑپ کر وہ وہیں گر کر مر جاتا ہے۔ شیر دل اگلے روز اس کے کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوتا ہے تو اس کی لاش کو چیونٹیاں لگی ہوتی ہیں۔

عائشہ بیگم اور عبدالہادی ملک فیاض کی تدفین کے بعد شہزاد کو تہہ خانے سے نکال لاتے ہیں‘ شہزاد حویلی میں لوگوں کی موجودگی کے باعث عبدالہادی کے کمرے میں مقیم ہو جاتی ہے۔ عبدالہادی اور عائشہ بیگم اسے شہر چلے جانے کو کہتے ہیں جب افشین کے گھر جانے کا کہہ کر عبدالہادی کے ساتھ وہ افشین کے گھر چلی آتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

تمہیں میں نے بتایا تھا
شکستہ پا نہیں‘ دیکھو
شکستہ روح بھی ہوں میں

میرے مفلوج ہاتھوں کو حیات نو کا اب
کوئی اشارہ مت دکھا دینا
میری بے نور آنکھوں کو نوید خواب الفت مت سنا دینا
بتایا تھا کہ مدت سے
میرے مفلوج پیروں نے مجھے چلنے
کسی کے ساتھ چلنے کی
اجازت تک نہیں دی ہے
مرے ٹوٹے بدن میں زندگی کا ایک بھی
ذرہ نہیں باقی
تمہیں تو سب بتایا تھا
تمہیں ضد تھی
تمہیں ضد تھی میرے پیروں تلے پلکیں بچھاؤ گے
تمہیں ضد تھی کہ بجھتی روح پر تم زندگی کی آگ رکھو گے
تمہاری ضد کے آگے ہار مانی
پھر سے اک دم توڑتی امید کے دھاگوں سے زخموں کو سیا
خود کو تمہیں سونپا
مگر جو اب کے ٹوٹا ہے
مرے ٹکڑوں کے ٹکڑے ہیں
کبھی بھی جڑ نہ پائیں گے
اگر یہ جڑ بھی جائیں تو نہیں امکان کوئی اب
ان میں میری روح بھی ہوگی

❁......❁......❁

کچی اینٹوں اور گوبر سے بنا کافی کشادہ مگر کچا گھر افشین کی ماں کی ملکیت تھا۔ شہزاد افشین کے گھر کے سامنے رکی تو اس کی آنکھوں سے جیسے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ افشین کی بیمار ماں ہینڈ پمپ پر کپڑے دھو رہی تھی۔

وہ نپے تلے قدم اٹھاتی کشادہ صحن کے بیچ لگے سکھ چین کے درخت کے نیچے آ کھڑی ہوئی۔ گوبر کی لپائی سے بنے اس کشادہ گھر کے کونے میں صرف دو ہی چھوٹے چھوٹے کمرے تھے جن میں سے ایک یقیناً افشین کا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی پیڑ کے نیچے بنٹے کھیلنے میں مصروف تھا جب کہ اس کا سوتیلا باپ جو افشین اور اس کی ماں کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں تھا' کمرے میں دروازے کے بالکل سامنے چارپائی پر پڑا حقہ پی رہا تھا۔ وہ سرسری نظر سے اردگرد کا جائزہ لیتی افشین کی ماں کے قریب چلی آئی جو خود اسے دیکھ کر ہاتھ دھوتے ہوئے کھڑی ہو رہی تھیں۔

"السلام علیکم! یہ افشین کا گھر ہے ناں؟"

"وعلیکم السلام! جی ہاں اسی بدنصیب نمانی کا گھر ہے یہ۔" سر جھکا کر رندھی ہوئی آواز میں بولتی وہ عورت رو دی۔ شہزاد نے بھی اپنے گال رگڑ لیے۔

"میرا نام شہزاد ہے۔"

"مجھ کو پتا ہے جی بڑا ذکر کرتی تھی افشین آپ کا' میں ہی ملک فیاض سے نکاح کے لیے بری کا سوٹ دینے گئی تھی آپ کو۔" اس کا گلہ شاید مسلسل رونے کی وجہ سے بیٹھ گیا تھا' شہزاد نے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔

''کیسے موت ہوئی اَفشین کی؟ میں جاننا چاہتی ہوں۔''
''کیا کریں گی جان کر اس کی جان لینے والا خود بھی نہیں رہا۔''
''ہوں! مٹی سے بنے انسان کی اصل حقیقت یہی ہے وہ چاہے جتنا بھی طاقت ور فرعون بن جائے جانا اسے مٹی میں ہی ہے پلیز آپ بتائیں اَفشن کی موت کیسے ہوئی؟''
''پتا نہیں جی! مرنے سے ایک دن پہلے وہ حویلی سے آئی تو بہت پریشان تھی روری تھی رات کو تنہا اپنی چارپائی پر سونے کے لیے بھی تیار نہیں تھی شاید اسے اپنی موت کا پتا چل گیا تھا مگر اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا۔ اگلی صبح وہ اپنی چارپائی پر مردہ پڑی تھی اور اس کے چہرے پر زخموں کے نشان تھے شاید اسے گلا گھونٹ کے مارا گیا تھا جی۔''
''ہوں! کیا آپ میرے ساتھ شہر چلنا پسند کریں گی؟''
''میں شہر جا کر کیا کروں گی جی؟''
''اپنا علاج کروانا' اَفشین تو نہیں رہی اپنے بیٹے کے لیے زندگی کی ہر خوشی تلاش کرنا' میں جانتی ہوں یہاں تمہاری کوئی زندگی نہیں ہے۔''
''وہ تو ٹھیک ہے جی مگر میں شہر جا کر کام کیا کروں گی' کیسے پیٹ پالوں گی اپنا اور اپنے بچے کا؟''
''اس کی تم فکر نہ کرو' میں اپنے آفس میں کام ڈھونڈ دوں گی تمہیں۔''
''بڑی مہربانی جی! مجھے بس ایک دو دن کا وقت دے دیں جی' سارا گھر یونہی پڑا ہے سو چیزیں رکھنی سنبھالنی ہیں۔''
''میں سمجھ سکتی ہوں' تم تسلی سے سارا کام کر لو میں دو روز بعد آ کر تمہیں ساتھ لے جاؤں گی۔''
''ٹھیک ہے جی' بڑی مہربانی۔''
''اپنا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔''
''اللہ حافظ' مولا سائیں آپ کو لمبی عمر دے اپنی امان میں رکھے دھی رانی۔''
''آمین۔'' اَفشین کی ماں کا گال ہولے سے تھپتھپا کر وہ اپنے ہاتھوں سے اس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے واپس پلٹ گئی۔ جیسے ہی وہ گھر سے نکلی اَفشین کا باپ عقاب کی طرح لپک کر اس کی ماں کے قریب آ کھڑا ہوا۔
''کیا کہہ رہی تھی یہ شہری لڑکی؟''
''صرف شہری لڑکی نہیں ہے' حویلی کی عزت ہے ادب سے بات کر۔''
''او جا' زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں جو پوچھا ہے اس کا جواب دے۔''
''کچھ نہیں کہہ رہی تھی' صرف افسوس کر رہی تھی اَفشین کا۔'' مختصراً جواب دیتی وہ پھر کپڑے دھونے بیٹھ گئی تھی۔ وہ سر کھجاتا کمرے کی طرف چل دیا۔

❁......❁......❁

شہرزاد اَفشین کے گھر سے باہر آئی تو عبدالہادی گاڑی میں بیٹھا اسی کا انتظار کر رہا تھا۔
''مل آئیں؟''
''ہوں۔'' وہ رنجیدہ تھی' ہوں کہہ کر چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔
''چلو اچھا کیا' بہت اچھی لڑکی تھی اَفشین' مجھے خود اس کی ناگہانی موت کا بہت دکھ ہے' بہرحال ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔'' گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے کہا' وہ خاموش رہی۔
''تم کہو تو میں شہر تک ساتھ چلتا ہوں اسی بہانے تمہارا گھر بھی دیکھ لوں گا۔''
''اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ خفا تھی' وہ مسکرا دیا۔
''ٹھیک ہے لیکن زندگی میں جب بھی میرے ساتھ کی یا میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو پلیز صرف ایک بار آواز دینا' تمہیں پکار کر مایوسی نہیں ہوگی۔''

"ٹھیک ہے اب میں جاؤں۔"

"شیور۔" وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کی آنکھیں اداس تھیں شہزادنے آنکھیں بند کر کے سر پیچھے سیٹ سے لگا دیا۔

گاڑی چل پڑی تھی، عبدالہادی موڑ مڑنے تک وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ شہزاد کا دل عجیب سے احساسات کا شکار ہوتا رہا، کبھی مائی جیراں، کبھی عائشہ بیگم، کبھی افشین تو کبھی عبدالہادی، تصور میں آ کر اس کے دل کو عجیب سے احساسات سے دوچار کر رہے تھے۔

یہ اس کا آبائی گاؤں تھا جہاں سے وہ آنسو اور یادیں سمیٹ کر واپس جا رہی تھی۔ سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے وہ پلکیں موندے اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی جب اچانک گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ شہزاد کی سوچوں میں خلل پڑا تھا، چونک کر آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے سامنے دیکھا گاڑی قطعی انجان رستے پر، ایک بڑے سے پرانے محل نما گھر کے سامنے رکی تھی، وہ پریشان ہوگئی۔

"یہ کون سی جگہ ہے، مجھے کیوں لائے ہو یہاں؟" اس نے ڈرائیور سے پوچھا تھا مگر وہ اس کو جواب دینے کی بجائے گاڑی سے نکل کر پرانے محل کی طرف بڑھ گیا، اس کا دل اچانک زور سے دھڑک اٹھا، نجانے اب کون سی ناگہانی آفت اس کے گلے پڑنے والی تھی۔

❀.......❀.......❀

عمارت بے حد شاندار تھی، صیام نے موٹر سائیکل روک کر ایک نظر سامنے سر تانے کھڑی پرشکوہ عمارت کو دیکھا پھر اپنے ڈاکومنٹس کی فائل اٹھا کر سامنے موجود عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

"السلام علیکم! مجھے مس عدینہ صاحبہ سے ملنا ہے۔" ریسپشن پر موجود لڑکی سے اس نے کہا جواباً وہ جو فون پر مصروف تھی، تنقیدی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔

"سوری مس عدینہ ابھی میٹنگ میں مصروف ہیں۔"

"کتنی دیر تک فارغ ہوں گی؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتی آپ کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں ان سے؟"

"جاب کے سلسلے میں۔"

"ٹھیک ہے، میں میڈم تک آپ کا پیغام پہنچا دیتی ہوں تب تک پلیز آپ ویٹ کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" اثبات میں سر ہلا کر کہتا وہ ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اگلے تقریباً پچیس منٹ کے بعد اسے مس عدینہ کے آفس میں طلب کر لیا گیا۔

"السلام علیکم!" نہایت شاندار ڈیکوریٹڈ آفس میں قدم رکھتے ہی اس نے سامنے موجود لڑکی کو دیکھا تھا جو خود مکمل توجہ سے اسے ہی دیکھنے میں مصروف تھی۔

"وعلیکم السلام! آئیے تشریف رکھیے۔"

"شکریہ۔" متوازن قدم اٹھاتا وہ اس کے بالکل سامنے آ بیٹھا تھا۔

"مسٹر صیام! آپ جاب کی طرف سے مکمل بے فکر رہیں، یہ سیٹ کنفرم آپ کی ہے مگر میں یہ جاب آپ کے سپرد کرنے سے پہلے تھوڑا سا آپ کے بارے میں جاننا چاہوں گی، درمکنون کے آفس کی جاب کیوں چھوڑی آپ نے؟"

"میں نے نہیں چھوڑی انہوں نے خود مجھے فارغ کر دیا کیونکہ انہیں میرا کام پسند نہیں تھا۔"

"اوہ..... مگر جہاں تک میں جانتی ہوں آپ نے مریرہ انڈسٹری کو کافی بڑے پروجیکٹس دلائے ہیں اپنی ذہانت اور قابلیت سے۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہو مگر میں نے کام کو ہمیشہ اپنا کام سمجھ کر ایمان داری سے کرنے کی کوشش کی ہے بس۔"

"ہوں فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے آپ کا؟"

"زمین دار ہوں، والد کی وفات کے بعد نامساعد حالات کے باعث آبائی گاؤں چھوڑ کر شہر شفٹ ہونا پڑا۔ گھر میں ایک ماں اور ایک بہن ہوتی ہے اپنے بچے کے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے، فی الوقت میں آپ کو اچھا پیکیج نہیں دے پاؤں گی کیونکہ یہ کمپنی اس وقت بہت زیادہ برے حالات کی شکار ہے، بہت سے قابل ورکر ٹائم پر تنخواہ نہ ملنے کے سبب یہ کمپنی چھوڑ کر جاچکے ہیں ان فیکٹ پچھلے سات آٹھ مہینوں سے ہمیں ایک بھی اچھا کانٹریکٹ نہیں ملا، اس روز اسلام آباد میں آپ نے جیسے اپنی ذہانت سے اپنی کمپنی کے لیے بڑے کانٹریکٹ لیے ہیں میں بہت متاثر ہوئی تھی اس سے آپ سے رابطہ کرکے اپنی کمپنی میں اچھی آفر کرنے کا مقصد بھی یہی تھا۔"

"ہوں، میں کوشش کروں گا آپ کی امیدوں پر پورا اتر سکوں۔"

"شکریہ، اصل میں یہاں میرے فادر ہی آل ان آل ہیں، میری مما میری پیدائش کے وقت ہی اس دار فانی سے کوچ کرگئی تھیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک ماں کے نہ ہونے سے بہت مشکل وقت دیکھا ہے زیادہ مشکل وقت تب آیا جب میرے پاپا نے دوسری شادی کی اور اس عورت نے اپنی ہوشیاری سے میرے پاپا کو بے وقوف بنا کر سب کچھ ہتھیانا شروع کردیا، اس کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی اصل وجہ بھی میری سوتیلی ماں ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے بھائی یہ کمپنی سنبھالیں شاید اسی مقصد کے لیے اس نے میرے پاپا کو غلط ڈوز بھی دی ہیں بہر حال پاپا کی حقیقی وارث میں ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی میرے پاپا کے بزنس پر قابض نہیں ہوسکتا، اس لیے میں نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر یہ بزنس سنبھال لیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں ناں مسٹر صیام۔"

"جی۔" وہ لڑکی بولنے کی بے حد شوقین تھی، صیام بغور اسے دیکھتا رہا تبھی وہ بولی۔

"گڈ، لائیں اپنی یہ فائل مجھے دے دیں، میں آپ کا اپائنمنٹ لیٹر ٹائپ کرواتی ہوں۔"

"جی شکریہ۔" اپنی فائل میز پر رکھ کر وہ ابھی اٹھنا چاہ رہا تھا جب وہ بولی۔

"ارے ہاں، ایک بات تو میں بتانا ہی بھول گئی، آپ کی سابقہ باس درمکنون میری یونیورسٹی فیلو ہے۔ بہت اچھی جان پہچان تھی ہماری پھر ایک چھوٹے سے ایشو کو لے کر ہمارے درمیان فاصلے کھڑے ہونے شروع ہوگئے اور پھر نہ وہ میری شکل دیکھنے کو راضی ہوتی تھی نہ میں اس کی، اب آپ کی یہاں جاب سے ہوسکتا ہے اسے یہی لگے کہ میں آپ کو ورغلا کر اپنی کمپنی میں لائی ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں نے ان کی جاب نہیں چھوڑی انہوں نے خود مجھے نکالا ہے جہاں تک آپ دونوں کی دوستی دشمنی کا معاملہ ہے تو مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔"

"ہوں گڈ...... امید کرتی ہوں آپ کا ساتھ ہماری کمپنی کے لیے بہت مفید رہے گا۔"

"ان شاء اللہ، اب میں جاؤں؟"

"جی جی، میں منیجر صاحب سے کہتی ہوں وہ آپ کو سارا کام سمجھا دیں گے آپ کا لیٹر ابھی ٹائپ ہوجاتا ہے۔"

"بہت شکریہ۔" سنجیدگی سے کہتا وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عدینہ اس کے کمرے سے نکلنے تک اسے دلچسپ نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

صیام جونہی عدینہ کے آفس سے نکلا اس نے ٹیبل پر رکھا اپنا سیل اٹھا کر مسکراتے ہوئے کسی کا نمبر ڈائل کیا، اگلے چند لمحوں کے بعد کسی لڑکی نے اس کی کال پک کی تھی۔

"ہیلو صباء......"

"ہوں بول رہی ہوں، کہو کیسے ڈسٹرب کیا؟"

"ڈسٹرب کی بچی، بڑی بمباسٹک نیوز ہے تمہارے لیے۔"

"کیا؟"

"درمکنون یاد ہے تمہیں، ہماری یونیورسٹی فیلو۔"

"ہوں، اس بدبخت کو کیسے بھول سکتی ہوں میں جس کے منحوس حسن نے میرے جان سے پیارے بھائی کی جان لے لی۔"

دوسری طرف صباء نامی لڑکی کے لہجے میں اداسی کے ساتھ ساتھ تلخی بھی گھلی تھی عدنیہ نے سیٹ کی پشت سے سرٹکالیا۔
"جانتی ہوں سب' تمہارا بھائی میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھا بہرحال اس ناگن سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا ہے ڈیئر......"
"وہ کیسے؟"
"اس کا پرسنل سیکرٹری میرے ہاتھ لگ گیا ہے اب تم دیکھنا عدنیہ کیا کرتی ہے۔" لبوں پر زہر خند مسکراہٹ پھیلائے وہ پلکیں موندے بیٹھی تھی' دوسری جانب صباء نامی لڑکی نے چند لمحوں کے لیے خاموشی اختیار کی۔
"اس کا پرسنل سیکرٹری...... اس سے بدلہ لینے میں تمہاری مدد کیسے کر سکتا ہے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا' تب وہ بولی۔
"یہ آنے والا وقت بتائے گا بس تم خود کو تیار رکھو اس ناگن کو روتے اور تڑپتے ہوئے دیکھنے کے لیے۔"
"ہوں بیسٹ آف لک۔" دوسری جانب موجود لڑکی شاید مصروف تھی' عدنیہ نے کال کاٹ دی۔
وقت پلٹ رہا تھا اور اس بار پلٹتے ہوئے وقت کو اپنی گرفت میں لے کر وہ بہت سے پرانے حساب کلیئر کرنے کا ارادہ کر بیٹھی تھی۔

❁......❁......❁

درمکنون ان دنوں نئی نئی یونیورسٹی میں داخل ہوئی تھی جب فائنل ایئر کا ایک لڑکا حازق اس پر فریفتہ ہو گیا۔ حازق کی بہن صباء اور منگیتر عدینہ بھی اسی یونیورسٹی میں درمکنون کی کلاس فیلو تھیں' دونوں انتہا کی ماڈرن' خود پسند اور مغرور لڑکیاں تھیں تبھی اس کی کبھی ان سے نہ بن سکی۔
حازق صباء اور عدینہ سے کافی مختلف تھا مگر اس کے شوق اچھے نہیں تھے' یونیورسٹی میں جن لوگوں کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا تھا ان لوگوں کو پوری یونیورسٹی میں کوئی بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا تھا۔
دوسرا وہ سگریٹ کا دلدادہ تھا اور درمکنون کو سگریٹ سے نفرت تھی لہٰذا وہ جہاں بھی اسے روک کر بات کرنے کی کوشش کرتا وہ اس کی بے عزتی کر دیتی۔
صباء اور عدینہ کو حازق کی پسندیدگی کا نہیں پتا تھا وہ صرف یہی جانتی تھیں کہ درمکنون ایک مغرور لڑکی ہے اور وہ کسی کے ساتھ بھی گھلنا ملنا پسند نہیں کرتی۔ ایک روز حازق نے ایک خط میں اسے پرپوز کر کے وہ خط درمکنون کی کتاب میں رکھوا دیا' کلاس کے دوران جب درمکنون نے کتاب کھولی اور وہ خط پڑھا اسے بے حد غصہ آیا۔
ساویز اس روز یونیورسٹی نہیں آیا تھا تاہم حازق کی درمکنون کے لیے پسندیدگی اس سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ درمکنون نے جو حازق کی بڑھتی ہوئی جرأت دیکھی اس نے عین کلاس کے دوران سب کے سامنے اپنی کتاب سے وہ خط نکال کر پروفیسر کے ڈاکس پر رکھ دیا۔ پروفیسر آصف وہ خط پڑھ کر بے حد غصہ ہوئے تبھی وہ بولی تھی۔
"سر...... میں ایک شریف ماں کی شریف بیٹی ہوں' میری ماں نے مجھے اچھی تعلیم اور اخلاقیات سکھانے کے لیے اس تعلیمی ادارے میں بھیجا ہے۔ اس لیے نہیں بھیجا کہ یہاں میں اپنی ساری اقدار بھول کر خود اپنی شادی طے کر کے بیٹھ جاؤں مگر فائنل ایئر کے مسٹر حازق ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں پلیز آپ اپنے طریقے سے پرنسپل صاحب تک میری شکایت پہنچا دیجیے نہیں تو مجبوراً مجھے یہ کلاس اور یونیورسٹی چھوڑنی پڑے گی۔" اس کے الفاظ میں بہت برہمی تھی' پروفیسر آصف نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی مدد کرنے کا اشارہ دیا۔
اسی روز یونیورسٹی آف ہونے سے پہلے پرنسپل کے آفس میں حازق کی پیشی ہو گئی' کافی لعنت ملامت اور سمجھانے کے بعد اسے وارن کیا گیا کہ اگر اس نے دوبارہ درمکنون کو تنگ کرنے کی کوشش کی تو اسے یونیورسٹی سے نکال دیا جائے گا۔ حازق نے اس وقت تو معذرت کر لی مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہیں آیا نتیجتاً اسے یونیورسٹی کو خدا حافظ کہنا پڑا' اسی بناء پر عدینہ اور درمکنون میں دشمنی ہو گئی۔ عدینہ کا خیال تھا کہ درمکنون اس کے منگیتر پر جھوٹے الزام لگاتی ہے لہٰذا اس نے پوری یونیورسٹی میں

درمکنون کو بدنام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
عدینہ اور صباء دونوں اس مہم میں برابر کی شریک تھیں‘ اس کی کتابوں میں مختلف فرضی ناموں کے لڑکوں کے خطوط رکھ دیتیں‘ کبھی کلاس کے اور دیگر کلاسز کے لڑکوں کے ناموں سے واہیات خطوط لکھ کر رکھ دیتیں‘ دیواروں اور بورڈز پر جانے کیا کیا لکھ دیتیں۔ درمکنون کے لیے یہ صورت حال کافی پریشان کن تھی اوپر سے حازق نے یونیورسٹی تو چھوڑ دی مگر اس کا پیچھا نہ چھوڑا مجبوراً درمکنون کو ساویز آفندی کی مدد لینی پڑی اور اس نے یونیورسٹی میں مشہور کردیا کہ اس کی اور ساویز کی منگنی ہوگئی ہے۔ ساویز نے بھی اپنے دوستوں کو فرضی پارٹی دے دی‘ یہ بات عدینہ اور صباء کو معلوم ہوئی تو حازق تک بھی پہنچ گئی‘ اگلے ہی روز وہ کافی رف حلیے میں اس کے گھر پہنچ گیا۔
بارش ہورہی تھی‘ مریہ آفس میں تھی جبکہ وہ ٹیرس پر کھڑی تھی جب برستی بارش میں بائیک پر وہ ان کے گھر کے سامنے چلا آیا تھا۔ درمکنون اسے وہاں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی وہ چوکیدار سے الجھ رہا تھا‘ اس سے پہلے کہ کوئی تماشہ بنتا وہ خود گیٹ پر چلی آئی۔
”بولو کیا تکلیف ہے کیوں آئے ہو یہاں؟“
”تمہیں پتا ہے میری تکلیف کا‘ پھر کیوں اتنا ظلم کررہی ہو تم میرے ساتھ۔“
”میں نے کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا۔“
”میرے ساتھ کررہی ہو کسی اور کے ساتھ منگنی کرکے۔“
”یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے تم اپنے مسئلوں پر توجہ دو اور تمہیں تو شرم آنی چاہیے اچھی بھلی منگیتر کے ہونے کے باوجود دوسری لڑکیوں پر آنکھ رکھی ہوئی ہے تم نے۔“
”صرف تم پر رکھی ہے آنکھ بس۔“
”میرا تمہارا کوئی جوڑ نہیں اب جاؤ یہاں سے۔“
”چلا جاؤں گا مگر تمہیں یہ منگنی ختم کرکے میرا پرپوزل قبول کرنا ہوگا‘ نہیں تو......“
”نہیں تو کیا؟“ دونوں بازو سینے پر باندھ کر وہ سامنے آئی تھی جب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔
”نہیں تو میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔“
”سو وہاٹ...... تمہارا ذاتی مسئلہ ہے یہ‘ میری مام میری شادی کررہی ہیں ساویز آفندی کے ساتھ‘ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں مگر میں ہوں۔ تمہیں کوئی تکلیف ہے تو یہ خود تمہارا مسئلہ ہے آئی سمجھ۔“
”میں مذاق نہیں کررہا۔“
”تو کیا میں مذاق کررہی ہوں‘ تم جیسے فلمی ہیرو بہت دیکھے ہیں میں نے‘ جب کھیل جاؤ ناں جان پر تب بتانا۔“ درمکنون کے لہجے میں غصہ تھا چوکیدار چپ چاپ سارا تماشا دیکھتا رہا۔
بارش تیز ہورہی تھی‘ حازق نے کچھ دیر اس کی نگاہوں میں دیکھا پھر پینٹ کی جیب سے پسٹل نکال کر پیشانی پر رکھ لی۔
”ٹھیک ہے‘ تمہیں یقین نہیں ہے ناں میری محبت کا تو یہ لو پھر۔“ کہنے کے ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبایا تھا‘ درمکنون کی چیخ نکل گئی مگر اس سے پہلے کہ وہ یا چوکیدار کچھ کرپاتے حازق زمین پر گر گیا تھا ایک لمحہ لگا تھا اسے جان کی بازی ہارنے میں۔
گھر کے گیٹ پر کھڑی وہ جیسے پتھر ہوگئی تھی‘ اسے ایک فیصد بھی یقین ہوتا کہ وہ ایسا کچھ کرگزرے گا تو کبھی اسے چیلنج نہ کرتی‘ غصہ نہ دلاتی۔ وہ تو اس سے صرف اس لیے بھاگ رہی تھی کہ وہ کسی اور کا نصیب تھا اور وہ کسی کا دل اجاڑ کر اس کی بددعائیں نہیں لینا چاہتی تھی مگر اسے کیا پتا تھا کہ وہ اپنے موت کا سامان اپنی ساتھ لایا ہے۔
کئی ہفتوں تک وہ سنبھل نہیں سکی تھی‘ شادی کے نام سے ہی اسے نفرت ہوگئی‘ حازق کے بعد اس نے کبھی کسی مرد کو یہ موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اسے چاہ سکے تاہم عدینہ اور صباء کے دل میں اس کے لیے نفرت اور دشمنی کا جو الاؤ دہک اٹھا تھا وہ کبھی بجھنے والا نہیں تھا۔ درمکنون صمید حسن کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ وقت اپنی کمان میں ابھی اور کتنے ترکش تیر چھپائے بیٹھا ہے اس کے لیے۔

❁......❁......❁

اس روز بہت دنوں کے بعد وہ آفس آئی تھی‘ عائلہ کو بے حد خوشی ہوئی۔
”صد شکر تمہیں آفس کا خیال تو آیا‘ پلیز اب غیر حاضری مت ہونا۔“
”ہوں‘ کوشش کروں گی‘ ویسے سب ٹھیک چل رہا ہے ناں؟“
”نہیں یار‘ یہاں کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے جیسے ہی یہاں کے اسٹاف اور فیکٹری ورکرز کو مریہ پھوپو کے ایکسیڈنٹ کا پتا چلا ہے سب کی گردنیں تن گئی ہیں۔ پچھلے ایک ہفتے سے ورکرز نے کام روک رکھا ہے‘ کہتے ہیں ان کی پچاس فیصد تنخواہ بڑھائی جائے اور ساتھ بونس میں اضافہ بھی چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے بات کرنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر وہ کسی کی نہیں سن رہے۔ دوسری طرف حامد صاحب ہماری کمپنی سے اپنے شیئرز نکالنا چاہ رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ کمپنی اب ان کے ذاتی مفاد میں نہیں رہی۔ یہ بھی کہ وہ صرف مریہ پھوپو کے ساتھ ہی کام کر کے مطمئن تھے‘ اب وہ مزید اس کمپنی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ میں نے اور منیجر صاحب نے مل کر ان سے بات کی ہے مگر وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ رہے‘ صرف تمہارے آنے کا انتظار تھا انہیں بس۔“
عائلہ نے سارے بم ایک ساتھ ہی گرادیئے تھے‘ وہ چپ چاپ بیٹھی رہ گئی۔
”تم عمر انکل سے بات کرو شاید ان کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل ہو۔“
”ہوں کروں گی‘ فی الحال تم حامد انکل اور ورکرز کے ساتھ میری علیحدہ علیحدہ میٹنگ ارینج کرواؤ پلیز۔“
”ٹھیک ہے‘ حامد انکل کے ساتھ تو تم آج ہی بات کرسکتی ہو‘ ورکرز کے ساتھ میٹنگ کا ٹائم میں تمہیں بتادوں گی۔“
”ٹھیک ہے۔“ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اپنی توجہ لیپ ٹاپ کی طرف مبذول کرلی تھی‘ عائلہ ضروری فائلز اٹھا کر اس کے آفس سے باہر نکل گئی۔ ابھی وہ اپنے کیبن کی طرف بڑھ رہی تھی جب اس نے ریسپشن پر زاویار کو دیکھا اور پھر وہیں ٹھٹک گئی۔ کیا وہ شخص اس کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی بہن کے آفس بھی آ گیا تھا‘ اس نے سنا وہ پوچھ رہا تھا۔
”مجھے درمکنون صمید حسن سے ملنا ہے کیا وہ آفس میں موجود ہیں؟“ پینٹ شرٹ کی جگہ پہلی بار وہ کاٹن کے سفید قمیص شلوار میں ملبوس تھا اور اس کی شلوار ٹخنوں سے اوپر تھی‘ عائلہ حیران ہی تو رہ گئی‘ ریسپشنسٹ اسے بتارہی تھی۔
”جی میڈم ابھی آئی ہیں‘ میں ان سے پوچھ لیتی ہوں آپ کا نام؟“
”زاویار صمید حسن صمید انڈسٹری کا منیجنگ ڈائریکٹر۔“
”اوہ‘ میں ابھی بات کرتی ہوں سر آپ پلیز تشریف رکھیے۔“
”شکریہ۔“ خفیف سا سر ہلا کر وہ جیسے ہی سیدھا ہوا اور اطراف میں نگاہ ڈالی‘ اس کی نظر قطعی بے ساختگی میں عائلہ علوی پر پڑی جو فائلز ہاتھ میں پکڑے یک ٹک اسے ہی دیکھے جارہی تھی‘ اس نے ریسپشنسٹ کی طرف دیکھا تاکہ اس سے پوچھ سکے کہ وہ وہاں کیا کررہی ہے جب وہ بولی۔
”سوری سر‘ میڈم ابھی مصروف ہیں آپ پھر کسی وقت تشریف لاسکتے ہیں۔“
”ایسی کی تیسی تمہاری میڈم کی مصروفیت کی‘ بہن ہے وہ میری‘ سگی بہن۔ مجھے اس سے بات کرنے کے لیے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔“ مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے ریسپشنسٹ کو حیران پریشان چھوڑ کر وہ عائلہ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عائلہ اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر فوراً اپنے کیبن میں چھپ گئی‘ اس کمپنی میں اس کی عزت تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ زاویار جیسا بددماغ شخص یہاں اس کی عزت اور ساکھ برباد کرے تاہم زاویار اس کے یوں بھاگنے پر مسکراتا ہوا اس کے کیبن کی دہلیز پر آ کھڑا ہوا۔
”مجھ سے بھاگنا چھوڑ دو عائلہ علوی‘ کیونکہ میں اب قبر تک تمہارا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں۔“ مسکرا کر مضبوط لہجے میں کہتا وہ اپنے انداز سے درمکنون کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا وہ جو دشتر بی سوچوں کے بھنور میں پھنسی تھی دروازے پر ہلکی سی ناک سے اس کا دل بے ساختہ زور سے دھڑک اٹھا۔ زاویار اگلے ہی پل بنا اس کی اجازت کا انتظار کیے کمرے میں قدم رکھ چکا تھا۔ درمکنون کی آنکھیں اسے دیکھ کر جیسے پلکیں جھپکنا بھول گئیں‘ وہ ہو بہو اس کی محبوب ماں کی تصویر تھا۔
”السلام علیکم! مجھے زاویار کہتے ہیں زاویار صمید حسن آپ کے قیمتی ترین وقت کے فقط چند منٹ درکار ہیں اگر آپ مہربانی کریں

لو پلیز۔" وہ بہت پُراعتماد تھا' درمکنون کو سر جھٹکنا پڑا۔
"میرے پاس کسی زاویار صمید حسن کے لیے کوئی وقت نہیں ہے' بہتر ہے آپ ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جائیں' پلیز۔"
"واپس تو بات کرکے ہی جاؤں گا' جہاں تک وقت کی بات ہے تو مجھے اس کمپنی کی مالک سے نہیں اپنی بہن سے وقت چاہیے اس بہن سے جس کی ذات اور وجود سے میں آج تک لاعلم رہا۔" اس کی آنکھوں میں ہلکی نمی تھی' درمکنون کی آنکھیں ضبط کی ہزار کوشش کے باوجود آنسوؤں سے بھرآئیں۔
"مجھے اپنی ماں کے کسی دشمن سے کوئی بات نہیں کرنی' سنا آپ نے۔" زاویار صمید حسن نے آگے بڑھ کر زبردستی اسے گلے لگالیا۔
"جانتا ہوں میں اپنی ماں کا دشمن ہوں' جب ہی تو میں خود اپنے آپ کو معاف نہیں کرپارہا تو تم کیا معاف کروگی مجھے مگر میں بہت تکلیف میں ہوں میری جان' اپنی ماں کے کردار کی سچائی جاننے کے ساتھ ساتھ اپنی سگی بہن کے وجود سے آشنائی مجھے کسی پل چین لینے نہیں دے رہی تبھی بھٹکتا بھٹکتا یہاں چلا آیا ہوں صرف ایک بار دل بڑا کرکے میری بات سن لو پلیز۔" رندھے ہوئی آواز کے ساتھ کہتا وہ اسے مزید رلا گیا تھا۔ درمکنون روتی رہی' چند لمحے یونہی گزر گئے تھے جب وہ اسے خود سے الگ کرکے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔
"میں نے ہوش سنبھالتے ہی سارا بیگم کو اپنے باپ کے گھر میں ماں کی حیثیت سے دیکھا تھا' ان کی بیٹی پری انہیں ماں کہتی تھی اور میں بھی' ابھی میٹرک کلیئر کیا تھا کہ پاپا نے ابروڈ بھیج دیا' وہاں صرف نیٹ پر ہی گھر والوں سے بات ہوتی تھی۔ میرے لیے سارا بیگم میری ماں اور پریہان میری بہن تھی اور میں اپنے انہی رشتوں میں خوش تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد پاکستان آیا' گھر والوں کے ساتھ بہت وقت گزارا مگر کبھی اس حقیقت کا پتا نہ چل سکا کہ میری سگی ماں سارا منیر حسن نہیں کوئی اور ہے۔ لوگ مجھے کہتے تھے تم اپنی ماں اور باپ دونوں میں سے کسی پر بھی نہیں ہو اور میں ہنس کر ٹال دیتا تھا کہ دنیا میں بہت سارے بچے اپنے ماں باپ سے مختلف ہوتے ہیں۔ مجھے خبر ہی نہیں تھی میں تو اپنی حقیقی ماں کا عکس ہوں' مجھے بہت بعد میں پتا چلا کہ سارا بیگم میری سگی ماں نہیں ہے نہ ہی پریہان میری سگی بہن ہے۔ میں اس حقیقت پر بہت رویا تھا چند' میرا بس نہ چلتا تھا کہ اڑ کر اپنی سگی ماں کے پاس چلا جاؤں اور ان کی گود میں منہ چھپا کر ڈھیر سارا روؤں مگر اس سے پہلے کہ میں اپنی سگی ماں کو ڈھونڈتا مجھے پتا چلا کہ میری ماں ایک بدکردار عورت تھی جو اپنے کسی آشنا کی محبت میں اپنے شوہر اور بچے کو چھوڑ کر فرار ہوگئی۔ تم سمجھ سکتی ہو ناں' ایک بچے کے دل پر اپنی سگی ماں سے متعلق ایسی سچائی جان کر قیامت گزری ہوگی' میں نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنی نفرت نہیں کی جتنی اس وقت میری ماں کے لیے میرے دل میں پیدا ہوگئی تھی۔ نفرت نے مجھے اندھا کردیا تھا اسی لیے بناء اس الزام کی تصدیق کیے' میں بار بار اپنی ماں کو چوٹ پہنچاتا رہا' نتیجتاً وہ مجھ سے بہت دور ہوگئیں' اتنی دور کہ اب رو رو کر بھی ان سے معافی مانگوں تو وہ آنکھ کھول کر نہیں دیکھ سکتیں۔" وہ رو نہیں رہا تھا مگر کاش رو پڑتا' درمکنون خاموش کھڑی آنسو بہاتے ہوئے اسے سنتی رہی۔
"ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں درمکنون' مجھے میری سگی ماں نہیں ملی اور تمہیں تمہارے سگے پاپا۔ بتاؤ کیا اب بھی تمہارے پاس مجھ سے نفرت کرنے کا کوئی جواز باقی ہے۔" اس کے لفظ لفظ سے سچائی کی خوشبو ٹپک رہی تھی۔ درمکنون نے نفی میں سر ہلایا' وہ پہلے والی درمکنون نہیں رہی تھی' پہلے والی درمکنون ہوتی تو شاید کبھی اسے اتنی جلدی اتنی آسانی سے معاف نہ کرتی۔
وقت نے بڑی کاری ضربیں لگائی تھیں اس پر تبھی اس کا مزاج ڈھل گیا تھا' زاویار نے اس کے نفی میں سر ہلانے پر بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا۔
"شکریہ مس درمکنون' اس غریب بھائی پر اعتبار کرکے اسے معاف کرنے کے لیے' اب یہ بتاؤ چائے پلاؤ گی یا کافی؟" بہت دنوں کے بعد وہ اس طرح سے خوش ہوا تھا' درمکنون نے آنسو پونچھ لیے۔
"کچھ بھی جو آپ کہیں۔"
"چلو چائے منگوالو پھر۔" اس کے سامنے دھری کرسی پر وہ ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔
"شکریہ' مما تو ہسپتال میں ہیں تم کس کے ساتھ رہ رہی ہو؟"

"عائلہ کے ساتھ۔"

"اوہ تو وہ شوہر کو چھوڑ کر نند کے ساتھ رہ رہی ہے گڈ۔"

"آپ کو چھوڑ کر نہیں آپ نے خود گھر سے نکالا ہے اسے۔"

"اوہو تو یہ بھی بتادیا اس نے تمہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ہم......اس کا مطلب ہے نند بھابی میں کافی بنی ہوئی ہے ہوں۔"

"بس یہی سمجھ لیں۔"

"چلو اس کا حل بھی نکالتے ہیں کچھ کیا تم پاپا سے ملی ہو؟"

"ہوں۔"

"پھر؟"

"پھر کچھ نہیں میری ماں نے ان کی وجہ سے بہت درد سہا ہے میں انہیں معاف نہیں کرسکتی۔"

"مما زندگی کی طرف واپس پلٹ آئیں تب بھی نہیں؟" زاویار نے پوچھا اور وہ حیرانی سے اسے دیکھ کر رہ گئی پھر بولی۔

"ہوں تب بھی نہیں کیونکہ جب تک مما انہیں معاف نہیں کریں گی میرے معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اور اگر مما معاف کردیں پھر؟"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے ڈاکٹرز مما کی زندگی کے بارے میں پُرامید نہیں ہیں۔"

"میں ڈاکٹرز کی بات نہیں کررہا وہ کچھ بھی کہیں۔ میں صرف اپنے دل کی بات کررہا ہوں۔ میرا دل کہتا ہے وہ زندگی کی بازی جیت لیں گی وہ اتنی بے رحم نہیں ہیں کہ اپنے بیٹے کو معاف کیے بغیر ہی کفن پہن لیں۔ میں زندگی کی طرف واپس آنے پر مجبور کروں گا انہیں یہ میرا وعدہ ہے تم سے وہ جو ڈاکٹروں کا ڈاکٹر ہے ناں وہ میری ماں کو اتنی جلدی بناء کوئی خوشی دکھائے مرنے نہیں دے گا۔ میرا یقین ہے اگر اس نے انہیں مارنا ہی ہوتا تو سڑک کنارے دم توڑ سکتی تھیں وہ مگر ان کا گرم وجود اور سینے میں دھڑکتا دل اس بات کی شہادت ہے کہ انہیں ہمارے لیے واپس آنا ہوگا تم دیکھنا وہ واپس ضرور آئیں گی ان شاء اللہ۔" پچھلے تین ماہ میں وہ واحد شخص تھا جو اس حوالے سے اسے تسلی دے رہا تھا۔ درمکنون کو لگا اس پر سے بُرے دنوں کا سایہ چھٹ گیا ہو مگر ایسا نہیں تھا اس کی زندگی سے بُرے دنوں کا تاریک سایہ اتنی جلدی چھٹنے والا نہیں تھا۔

✿......✿......✿

صمید حسن اپنے بیٹے زاویار کے ساتھ کرائے کے گھر میں شفٹ ہوگئے تھے سارا بیگم کو لگا انہوں نے دنیا میں ہی جہنم دیکھ لی ہو جس گھر میں ہمیشہ رہنے کے لیے انہوں نے کسی کا دل اجاڑا تھا آج اسی گھر کو وقت نے ان کا مقبرہ بنادیا تھا۔ دنیا واقعی مکافات عمل ہے یہاں اپنا بویا ایک دن ضرور کاٹنا پڑتا ہے ان کی شادی جرم نہیں تھی کیونکہ اسلام مرد کی زندگی میں چار شادیوں کی گنجائش نکالتا ہے جرم اگر کچھ تھا تو ان کی سازش خودغرضی کسی کو منہ کے بل گرا کر خود اس کے وجود پر چلتے ہوئے آگے نکلنے کی خواہش۔

وہ جانتی تھیں کہ صمید حسن ان میں انٹرسٹڈ نہیں صرف خوف خدا کے لیے اس شخص نے ایک مرتے ہوئے شخص کی بات رکھی اور اسے نبھایا۔ صرف اپنی محبوب بیوی کو تکلیف نہ دینے کے لیے اس سے وہ رشتہ چھپایا کیونکہ ان کی نیت ہی یہی تھی کہ وہ مناسب موقع ملتے ہی انہیں کسی اور سے بیاہ دیں گے اور یوں ان کا نکاح چھپا رہ جائے گا مگر انہوں نے صمید حسن کو ان کی اس پلاننگ میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

انہوں نے وہ مناسب موقع آنے سے پہلے ہی مریہ اور صمید کی زندگی میں شطرنج کے مہرے بچھا دیئے تھے پھر اب انہیں سکون کیسے ملتا؟ چار چار زندگیوں کو آزمائش اور محرومیوں کی سولی پر لٹکا کر وہ ساری عمر پرسکون کیسے رہ سکتی تھی تبھی یہ وحشت ان کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی۔

بہت دیر تک وہ زور زور سے ہنستی رہی جب تھک گئی تو چپ چاپ آنسو بہہ نکلے۔ آخرت ابھی دور تھی اس کا حساب بھی باقی تھا

ایک مسلمان باکردار عورت کے کردار پر تہمت اور بہتان لگانے کا قرض ابھی ان کی جان پر اٹکا تھا' وہ زور زور سے رونے لگیں۔ کیسے معافی مانگتیں وہ اس عورت سے جو نہ زندوں میں رہی تھی نہ مُردوں میں انہیں لگا جیسے ان کا سانس سینے میں گھٹنے لگا ہو۔ درو دیوار جیسے آسیب بن گئے تھے وہ چیخیں مارتی ایک کمرے سے دوسرے اور دوسرے کمرے سے پھر تیسرے کمرے کی طرف دوڑ جاتیں' رات بھر یہی شغل رہا تھا' صبح اذان کے وقت وہ تیز بخار میں مبتلا ہوگئیں تھیں۔

کوئی ایک گھونٹ پانی پلانے والا بھی نہیں تھا' پرہیان کی کال آئی تو وہ بات کرتے کرتے بے ہوش ہوگئیں تبھی اس نے پریشان ہو کر انہیں اپنے پاس بلانے کا فیصلہ کرلیا۔

سارا بیگم کا پاکستان میں رہ ہی کیا گیا تھا جو وہ پاکستان میں رہتیں للہذا بیٹی کی خواہش پر اپنا سب کچھ اونے پونے بیچ کر انہوں نے ہمیشہ کے لیے پاکستان سے کوچ کا فیصلہ کرلیا۔ ایک واحد چیز جو انہوں نے لندن روانگی سے پہلے پاکستان میں چھوڑی تھی وہ صمید حسن کا گفٹ کیا ہوا گھر اور طلاق نامہ تھا جو انہوں نے ویسے ہی لاک کر کے چھوڑ دیا تھا کہ جیسا خود صمید حسن چھوڑ گیا تھا۔

عجیب کھیل کھیلا تھا زندگی نے ان کے ساتھ کہ مریرہ رحمٰن بھی صمید حسن کی محبت کی قدر نہ کرسکی اور صمید حسن بدلے میں ان کی۔ زندگی بس جیسے یہیں تک تھی' ہمیشہ کے لیے پاکستان چھوڑنے سے پہلے انہوں نے جہاز میں بیٹھے بیٹھے ایک آخری آنسو گرایا اور پھر آہستگی سے پلکیں موند لیں' وقت کے پاس اب انہیں دینے کے لیے کچھ اور رہا بھی نہیں تھا۔

❁......❁......❁

سارا بیگم لندن شفٹ ہوگئی تھیں' زندگی کا جو تھوڑا بہت اثاثہ ان کی ملکیت رہا تھا اس سے وہ اتنا کرسکیں کہ اپنا ایک چھوٹا سا فلیٹ لے کر انہوں نے ایلی چوہان کے ساتھ اس کے بزنس میں دس فیصد کے حساب سے شیئرز خرید لیے تھے۔

اب ان کی اکلوتی لخت جگر کو ایلی چوہان کے گھر رہنے اور اس کی ملازمت کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی' ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ پرہیان کو سب بتادیں اپنی طلاق کا بھی مگر...... نجانے کیوں وہ جب بھی یہ سوچتی تھیں ان کا دل کانپ کر رہ جاتا تھا للہذا انہوں نے اپنی زندگی کا یہ سب سے تاریک باب اپنی بیٹی سے چھپالیا۔ اس بیٹی سے جس نے ابھی پھر سے ہنسنا سیکھا تھا' بہت سارا رونے کے بعد جس کے لبوں پر پھر مسکراہٹ کے پھول کھلنے شروع ہوئے تھے۔ ایلی چوہان کے ساتھ ہی سہی مگر وہ خوش رہنا سیکھ رہی تھی پھر وہ کیسے اسے پھر سے اذیت کی دلدل میں دھکیل دیتیں؟

وہ بے رحم انسان تھیں' بے رحم عورت تھیں مگر...... بے رحم ماں نہیں تھیں۔ ان کی اکلوتی بیٹی نے اگر اپنے زخم چاٹ کر خوش رہنا شروع کردیا تھا تو وہ کسی صورت اسے پھر سے اداس رہنے پر مجبور نہیں کرسکتی تھیں۔

ایلی پرہیان کی بہت تعریف کرتا تھا' وہ شروع سے ہی اسے بہت اچھی اور منفرد لگی تھی یہی بات وہ اکثر سارا بیگم کو بتاتا رہتا تھا۔ آج کل ان دونوں میں بہت دوستی ہوگئی تھی' آفس اکٹھے جاتے' آفس سے واپس اکٹھے آتے' لنچ اور ڈنر ان کا لازمی ایک ساتھ ہوتا تھا اگر کہیں گھومنے پھرنے جاتے تو بھی اکٹھے جاتے' ساویز یہ سب دیکھ رہا تھا اور اپنا خون جلا رہا تھا۔

اسے سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ جس لڑکی کو وہ خود دھتکار کر' چھوڑ کر وہاں چلا آیا تھا وہی لڑکی اب کسی اور کے ساتھ خوش رہنے لگی تھی تو اسے اب اچھا کیوں نہیں لگ رہا تھا۔ جب اس کا اس کے ساتھ اور اس کی زندگی کے ساتھ کوئی لینا دینا ہی نہیں رہا تھا تو بھلا وہ کیوں اسے اتنی اہمیت دے رہا تھا۔ مائی فٹ۔ کہہ کر نظر انداز کیوں نہیں کر پا رہا تھا؟

الجھن تھی کہ بڑھتی جارہی تھی' اس روز وہ ضروری کام سے ایلی کے کمرے میں آیا تو اسے پرہیان کے ساتھ گپ شپ کرتے دیکھ کر کباب ہوگیا۔ بزنس میں بھی اس کی توجہ بٹ گئی تھی اوپر سے در مکنون کے ساتھ بھی اس کا رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ وہ سارا سارا دن فارغ بیٹھ کر سوچتا رہتا اور الجھتا رہتا۔

ایلی نے کتنے مضبوط لہجے میں اس کی ذات اور کردار کی گواہی دی تھی' اس نے اپنے طور سے اس بات کی جانچ پرکھ کی تو ایلی سچا نکلا۔ پرہیان ناجائز نہیں تھی' وہ سارا منیر حسین کے تایازاد بھائی عذیر کے خون کا حصہ ہی نکلی۔ یہ حقیقت سامنے آنے کے بعد اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ خود کو شوٹ کرلے ایک لڑکی جو اس سے محبت کرتی تھی جس سے وہ خود محبت کرتا تھا' کتنی آسانی کے ساتھ بناء کچھ تحقیق کیے اس نے نہ صرف اس کا دل توڑ دیا تھا بلکہ اسے تنہا بھی چھوڑ دیا تھا۔

ٹھیک نہیں کیا تھا اس نے‘ دیر سے ہی سہی مگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا‘ نجانے کیوں اسے لگتا تھا جیسے آج بھی پریہان صرف اسے ہی چاہتی ہے۔ ایلی پریہان کی دل میں اس کی جگہ نہیں لے سکتا تھا‘ اس نے سوچ لیا تھا وہ اس سے معافی مانگ لے گا اور ان کی زندگی ایک مرتبہ پھر پرانی روش پر خوب صورت لمحے بیتاتی بسر ہونی شروع ہوجائے گی۔

ابھی وہ اس کے متعلق سوچ ہی رہا تھا جب پاکستان سے احمد صاحب نے اسے ایمرجنسی گھر بلالیا‘ مسز سعدیہ احمد کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ شدت سے بار بار صرف اسی کو یاد کررہی تھیں۔ ساویز کو اسی رات ایمرجنسی فلائٹ سے پاکستان واپس جانا پڑا‘ گھر پہنچ کر اس نے جس وقت اپنی ماں کو دیکھا حیران رہ گیا‘ وہ بے حد کمزور اور شکستہ حال دکھائی دے رہی تھیں‘ ساویز کا دل تڑپ اٹھا‘ اس نے انہیں دونوں بازوؤں میں بھینچ کر ڈھیر سارا پیار کرڈالا۔ احمد صاحب اپنی بیوی کی صحت کو لے کر بہت پریشان تھے‘ جوان بیٹے کو دیکھا تو خوش ہوگئے۔

"لو بھئی آ گیا تمہارا ڈاکٹر‘ اب تم جانو اور یہ جانے‘ میری ذمہ داری ختم۔" مسز احمد اپنے شوہر کی بات پر مسکرادیں‘ فاریہ ہاسٹل میں تھی اسے سب ٹھیک ہے کی رپورٹ ملتی رہتی تھی۔ رات میں ساویز اپنی ماں کو دوا کھلانے آیا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے ساویز‘ میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔" اندر کو دھنسی آنکھوں میں عجیب سی ویرانی تھی‘ ساویز نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔

"حکم کریں امی‘ میں سن رہا ہوں۔" اس کے دلاسے پر انہوں نے سرد آہ بھری تھی پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولیں۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لیے میں چاہتی ہوں کوئی ایسا ہو جس سے میں اپنے اندر کا بوجھ بانٹ لوں۔"

"ایسا مت کہیں امی پلیز۔"

"مجھے کہنے دو ساویز‘ میں سب کچھ احمد سے شیئر نہیں کرسکتی کیونکہ شادی سے لے کر اب تک میں نے ان سے یہ بات چھپائی ہے۔ اب بتا بھی دوں تو وہ میری کوئی مدد نہیں کرسکیں گے‘ ہوسکتا ہے ان کے اور میرے درمیان محبت اور اعتماد بھی نہ رہے۔ فاریہ بھی بے بس ہے صرف تم ہی میرا کام کرسکتے ہو ساویز‘ اسی لیے میں نے بہت سوچ کر تم سے وہ سب کہنے کا فیصلہ کیا ہے جو اندر ہی اندر گھن بن کر مجھے کھائے جارہا ہے۔" مسز سعدیہ کا لہجہ بے حد دھیما تھا‘ ساویز نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"میں کچھ سمجھ نہیں پارہا امی آپ کھل کر کہیں کیا کہنا چاہتی ہیں۔" احمد صاحب کی طرح وہ بھی ان کی زندگی کی کہانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا‘ مسز سعدیہ نے آہستگی سے پلکیں موند لیں۔

"یہ ایک ایسی عورت کی کہانی ہے ساویز‘ جس نے اپنے محبوب شوہر کی محبت پر مادی چیزوں کو اہمیت دی اور جب وہ شوہر اس کی خواہشات پوری کرنے کی دوڑ میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تو وہ اپنے چھوٹے سے مگر بے حد حساس بچے کو لے کر میکے آگئی جہاں اس عورت کے باپ اور بھائیوں نے اس کی بہتری اور خوشیوں کے لیے اس کی شادی کسی اور امیر مرد سے کردی۔ اس مرد کو اس کے باپ اور بھائیوں نے اس کی شادی کا تو بتایا مگر اس کے بچے کا نہیں‘ یوں اس عورت کو اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کرنے سے پہلے اپنے باپ اور بھائیوں کی عزت کے لیے اپنے معصوم بیٹے کی قربانی دینی پڑی۔ وہ بیاہ کر چلی گئی اور اس کا محرومیوں میں گھرا چھوٹا سا معصوم بچہ جو اپنے باپ اور دادا دادی کے بعد اپنی ماں کی محبت سے بھی محروم ہوچکا تھا اس عورت کے بھائی بھابیوں کے رحم و کرم پر وہیں رہ گیا۔ وہ عورت شادی کے بعد میکے جاتی تو اس کے بچے کو چھپادیا جاتا تاکہ وہ اس کے شوہر کے سامنے ساری حقیقت نہ کھول کر رکھ دے‘ رفتہ رفتہ بچے کو صبر آ گیا اور پھر...... پھر ایک دن نجانے کیوں وہ اس گھر سے بھاگ گیا‘ اس عورت کے باپ اور بھائیوں نے یہ بات چھپالی تاکہ اس کا بنایا گھر نہ خراب ہو اور پھر یوں سالوں پر سال گزرتے چلے گئے‘ وہ عورت دو مزید بچوں کی ماں بن گئی مگر اس کا وہ پہلا بچہ کبھی لوٹ کر نہیں آیا‘ جانتے ہو ساویز وہ عورت کون تھی؟"

"کون؟" سعدیہ بیگم کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اسے الجھا گیا تھا تبھی وہ بولیں۔

"تمہاری ماں۔"

"وہاٹ؟" اسے دھچکا لگا تھا' سعدیہ آفندی نے آنکھیں کھولیں تو کتنے ہی رکے ہوئے آنسو ان کے چہرے کو مزید بھگو گئے۔
"یہ سچ ہے ساویز' وہ اب جوان ہوگیا ہے مگر اپنی ماں کی طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔"
"آپ کہاں ملیں اس سے؟"
"کافی عرصے پہلے مارکیٹ میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اس سے اور قدرت کا اتفاق دیکھو وہ جس بزرگ کے ساتھ تھا میں انہیں بہت سالوں سے جانتی ہوں۔"
"کون ہیں وہ بزرگ؟"
"کرنل شیر علی خان' تمہاری سابقہ فیانسی پریہان کے پاپا صمید حسن کے سرپرست۔"
"اوہ' کیا ابھی بھی وہ انہی کے پاس ہے؟"
"پتا نہیں ساویز' کرنل صاحب کی رحلت ہوگئی ہے' میں گئی تھی ان کی وفات پر مگر وہ کہیں نہیں تھا' وہ پچھلے بہت سارے دنوں سے اس شہر میں کہیں نہیں ہے' میں اس کی مجرم ہوں' مجھے وہ معاف نہیں کرتا اور بناء اس کی معافی کے میری ممتا میں مرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔" سعدیہ آفندی کے آنسوؤں میں شدت آ گئی تھی' ساویز نے انہیں اپنے ساتھ لگالیا۔
"آپ پریشان نہ ہوں میں اسے ڈھونڈ لاؤں گا اور وہ آپ کو معاف بھی کردے گا ان شاء اللہ۔" اس نے کہا تھا وہ خاموشی سے روتی رہیں۔
"نام کیا ہے اس کا؟" اسے اب خیال آیا تھا پوچھنے کا۔
"سدید علوی۔" مسز سعدیہ آفندی نے یوں لبوں کو جنبش دی جیسے وہ اس کا نام لیتے ہوئے بھی ڈر رہی ہوں' ساویز اثبات میں سر ہلا کر انہیں آہستہ آہستہ تھپکتا رہا۔
اگلے روز اس کی آنکھ خاصی لیٹ کھلی تھی' دن اچھا خاصا چڑھ گیا تھا' رات وہ مسز آفندی کے ساتھ ان کے کمرے میں ہی صوفے پر سو گیا تھا' اب جوان پر نگاہ ڈالی وہ چت لیٹی پرسکون سو رہی تھیں۔ اسے اپنی ماں پر ٹوٹ کر پیار آیا' جانے وہ کب سے ایک نادیدہ بوجھ تلے سالوں سے دب رہی تھیں۔
کتنی مشکل زندگی بسر کی تھی اس عورت نے؟ وہ سوچتا رہا اور دل میں ماں کی محبت کے بڑھتے ہوئے گراف کو محسوس کرتا رہا۔
فریش ہونے کے بعد جس وقت وہ دوبارہ وہاں آیا مسز آفندی کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا' وہ ابھی بھی اسی طرح چت لیٹی تھیں' وہ قریب چلا آیا۔
"مما۔" ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے انہیں پکارا تھا مگر جواب ندارد۔ رات جو جسم بخار کی حرارت سے تپ رہا تھا اس وقت برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا تھا' اس کا دل جیسے ڈوب گیا۔
"مما......" اب کے اس نے انہیں دونوں کندھوں سے تھاما تھا تاہم مسز آفندی کی پوزیشن میں کوئی فرق نہ آیا۔ یوں لگتا تھا جیسے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے بعد وہ زندگی کے سفر سے تھک کر سکون کی گہری ابدی نیند سوگئی ہوں۔ ساویز کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی' اس نے انہیں جگانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر انہیں نہ جاگنا تھا سو وہ نہ جاگیں۔ احمد آفندی صاحب کے دل پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی' وہ تو مطمئن تھے کہ ساویز آ گیا ہے اب وہ ٹھیک ہوجائیں گی مگر ان کا یہ اطمینان غلط ثابت ہوا تھا۔ فاریہ بار بار بے ہوش ہو رہی تھی' ساویز کو اپنا غم بھلا کر اسے سنبھالنا پڑا۔
اگلے دو ہفتوں کے بعد مجبوراً جب وہ پاکستان سے لندن واپس جا رہا تھا تو اس کا دل بے حد بوجھل تھا' درمکنون تعزیت کے لیے آئی تھی' ساویز اسے وقت ہی نہ دے سکا۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ صرف دو ہفتوں کے بعد جب وہ لندن واپس جائے گا تو اپنی زندگی کا سب سے انمول سرمایہ کھو چکا ہوگا۔

❁......❁......❁

زاویار اس وقت درمکنون کے ساتھ ڈاکٹر فاروق کے کمرے میں بیٹھا ان سے اپنی ماں کے کیس کی پیچیدگی جاننا چاہتا تھا جب درمکنون نے اسے متعارف کردایا۔

"یہ میرے بھائی ہیں زاویار، مما کے کیس کے متعلق بات کرنا چاہ رہے ہیں۔"
"شیور۔" ڈاکٹر فاروق نے زاویار سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنائیت سے مسکرا کر اسے دیکھا جو ہو بہو اپنی ماں کے نقوش کی کاپی تھا۔
"کیا جاننا چاہتے ہیں آپ اس کیس کے بارے میں؟" وہ اسے دیکھ رہے تھے زاویار نے بھی نگاہیں ان کے چہرے پر فوکس کردیں۔
"میں اپنی ماں کی کنڈیشن کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، کتنے فیصد چانس ہیں ان کی زندگی کے؟" الجھا الجھا سا پریشان وہ انہیں دیکھ رہا تھا جب وہ بولے۔
"دیکھیے آج تک اس طرح کے جتنے کیسز بھی سامنے آئے ہیں ان میں نوے فیصد مریض صحت یاب نہیں ہوسکے۔ یہ کومہ کی سیریس کنڈیشن ہے جس میں سوائے ان کے دماغ کے ایک حصے کے جسم کا ہر عضو سن اور سینس لیس ہے۔ اس حالت میں جب تک مریض کا دل پمپ کرتا رہتا ہے وہ مُردہ لوگوں میں شمار نہیں ہوتا ہاں جس وقت جس پل قلب کی حرکت رک جائے تو ہم لوگ اسے فارغ کردیتے ہیں اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو ان کی زندگی کا کوئی چانس نہیں ہے ہاں مگر ایک بات ہے جو حوصلہ افزا ہے اور گنتی کے دو چار کیسز میں ایک معجزے کے طور پر دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ کہ اس حالت میں مریض کا دماغ صرف چند لمحوں کے لیے بیدار ہوتا ہے اور وہ اپنے کسی بھی قریب ترین رشتے کو پکارتا ہے ایسی صورت حال میں اگر اس کا وہ رشتہ قریب موجود ہو اور اسے رسپانس دے تو اس مریض کی زندگی کی طرف واپس پلٹنے کی امید کی جاسکتی ہے۔"
"ہوں، شکریہ ڈاکٹر۔"
"اور ایک بات، کومہ میں کسی بھی مریض کی زندگی کے چانسز بہت کم ہوتے ہیں مگر اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے وہ اگر کسی کو سانسیں نوازنا چاہے تو کوئی کیسے روک سکتا ہے۔"
"جی بالکل۔"
"اللہ کو یاد کیجیے اس سے اس کا رحم مانگیں ہوسکتا ہے کوئی معجزہ آپ کو بھی آپ کی ماں کی زندگی لوٹادے۔"
"جی شیور۔" ڈاکٹر فاروق سے تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ مریرہ رحمان کے کمرے کی طرف آیا تھا، دل تھا کہ ابھی بھی خشک پتے کی مانند کانپ رہا تھا جبکہ جسم پر الگ لرزہ طاری تھا۔ سامنے برف کی صورت لیٹا مجسمہ اس کی کل کائنات تھا تبھی وہ ٹوٹے قدموں سے چلتا ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ درمکنون ایک سائیڈ پر سینے پر بازو باندھ کر کھڑی ہوگئی، زاویار نے کانپتے ہاتھ مریرہ کے سرد سفید پاؤں پر رکھ دیئے۔
"مما......" بھرپور شدت سے اس نے پکارا تھا اسی کے ساتھ اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہوگئے۔
"میں جانتا ہوں میں معافی کے قابل نہیں ہوں، اس قابل بھی نہیں ہوں کہ آپ آنکھ کھول کر صرف ایک نظر ہی مجھے دیکھیں۔ میں نے بہت دل دکھایا ہے آپ کا مما مگر......آپ تو میری ماں ہیں، چاہے میں جتنا بھی بُرا ہوں آپ کا لخت جگر ہوں۔ مجھے میرے گناہوں کی اتنی بڑی سزا مت دیں مما کہ میں آپ سے معافی بھی نہ پاسکوں، آپ تو آئیڈیل مما ہیں میری، میں جانتا ہوں آپ میری ہر بات سن رہی ہیں پلیز آنکھیں کھولیں مما پلیز......" وہ بچہ بن گیا تھا، درمکنون کی آنکھیں بھیگ گئیں، زاویار مریرہ کے پاؤں پکڑ کر چومتا رہا، روتا رہا۔
اس روز کے بعد جیسے اس کا دل ہی نہیں زندگی بھی بدل گئی تھی، اللہ سے اپنا تعلق مضبوط بنانے کے لیے اس نے تبلیغی جماعت جوائن کرلی۔
جولی اور ایبک اس کا نمبر ڈائل کر کر کے تھک گئے مگر اس کا نمبر ہمیشہ آف ملا، بیٹے کو راہ راست پر دیکھ کر صمید حسن بھی جیسے زندگی کی طرف واپس لوٹ آئے۔ فی الوقت وہ اپنے بیٹے کے ساتھ کرائے کے گھر میں تھے تاہم انہوں نے دو کنال زمین خرید کر اس پر اپنے نئے گھر کی تعمیر شروع کردی تھی جو گھر وہ سارا منیر حسین کو گفٹ کر آئے تھے اس گھر سے بھی زیادہ بڑا اور خوب صورت گھر۔
زاویار نے سنا تھا اللہ رب العزت سے مانگ کر کبھی کوئی محروم نہیں رہا، وہ بھی اب اللہ سے مانگ رہا تھا اور اسے یقین تھا اس کا سچا

ھنی اور عینی

السلام علیکم! کیا حال ہے؟ ہم دونوں دوستیں مل کر اپنا تعارف لکھ رہی ہیں۔ میرا نام ہنی اور میری فرینڈ کا نام عینی ہے' یہ ہمارے نک نیم ہیں۔ ہم نائنتھ کلاس کی اسٹوڈنٹ ہیں۔ ہماری کلاس میں صرف پانچ لڑکیاں اور آٹھ لڑکے ہیں' ہم لڑکیاں مل جل کر رہتے ہیں لیکن آنچل صرف میں اور ہنی پڑھتے ہیں۔ خوبیاں اور خامیاں بھی ہیں' ہمیں کھانے میں سب کچھ پسند ہے بینگن' ٹنڈے' کریلے' بھنڈی' پھول گوبھی ان سب کے علاوہ۔ سردیوں میں آئس کریم اور گرمیوں میں پکوڑے کھاتے ہوئے بہت مزہ آتا ہے۔ ہم دونوں کی فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' عشنا کوثر سردار ہیں۔ ہم نے آنچل ابھی ابھی پڑھنا شروع کیا ہے' ہم دونوں کلاس میں ہمیشہ پوزیشن لیتی ہیں۔ ہمیں صبا آپی' صنم آپی اور کنول آپی اچھی لگتی ہیں جو کہ ہم سے ایک کلاس سینئر ہیں اور ہماری ایک فرینڈ بسماء بھی ہے جو ہمیں اچھی لگتی ہے۔ ہم اپنی یونیفارم بھی ایک جیسی بناتے ہیں اور ہمیں اقصیٰ آپی' مومنہ آپی اور بابرہ آپی بہت اچھی لگتی ہیں' وہ سیکنڈ ائیر میں پڑھتی ہیں۔ میں (عینی) اپنی کزن شگفتہ آپی سے بہت پیار کرتی ہوں' مجھے اپنے کزنز میں سب سے زیادہ ہانی' باسط بھائی اور محسن بہت اچھے لگتے ہیں اور مجھے اپنی فیملی سے بہت پیار ہے اور حذیفہ بہت اچھا لگتا ہے اور فائزہ باجی اور سعدیہ باجی بھی اچھی لگتی ہیں۔ میں (ہنی) ہوں' مجھے اپنی فرینڈز (عینی) بہت اچھی لگتی ہے' اللہ حافظ۔

خالق اسے بھی اس کی دعا کی قبولیت سے محروم نہیں رکھے گا۔

❀......❀......❀

عائلہ نے درمکنون کی میٹنگ کمپنی کے اہم رکن حامد حسین کے ساتھ طے کروادی تھی۔ حامد صاحب مرحومہ کی کمپنی میں چالیس فیصد کے حصہ دار تھے' موجودہ وقت میں اس کی عدم توجہ کے سبب کمپنی کے جو حالات تھے ان حالات میں وہ کسی صورت چالیس فیصد شیئرز نکالنے کی پوزیشن میں نہیں تھی تبھی اس نے حامد صاحب سے ملاقات میں عمر کو بھی کال کر کے بلالیا تھا' زاویار کو البتہ اس نے اپنے حالات سے بے خبر ہی رکھا۔

حامد صاحب نے آنکھیں جیسے ماتھے پر رکھ لی تھیں' ان کا چہرہ کسی اجنبی شخص کے چہرے کی عکاسی کر رہا تھا' عمر نے ان سے خود بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"السلام علیکم حامد صاحب' کیسے ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام ٹھیک ہوں الحمدللہ۔" ان کا انداز لیا دیا سا تھا' عمر جان گیا کہ ان کی نیت ٹھیک نہیں تبھی قدرے سنجیدگی سے بولا۔

"حامد صاحب' آپ اس کمپنی میں چالیس فیصد کے حصہ دار ہیں' پچھلے تقریباً بیس سال سے آپ کا اس کمپنی کے ساتھ تعلق رہا ہے اور آپ کو آج تک کسی قسم کے نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑا اب جبکہ اس کمپنی کی ایم ڈی کومہ کی شکار ہیں اور ان کی بیٹی اپنی ماں کی پریشانی میں اس کمپنی کو ٹھیک سے توجہ نہیں دے پا رہی تو ایسے حالات میں آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ درمکنون کے سر پر اپنا دست شفقت رکھیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں نہ کہ ان کے مشکل وقت میں آپ غیروں کی طرح ساتھ چھوڑ کر انہیں اور پریشان کریں۔"

"دیکھیے عمر صاحب' مجھے آپ کی بات سے اختلاف نہیں آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں مگر وہ کیا ہے کہ کمپنی کی طرح میرے اپنے حالات بھی ٹھیک نہیں ہیں' مجھے رقم کی ضرورت ہے ورنہ میں بھی اپنے شیئرز نکالنے کا نہ سوچتا۔" وہ شخص اپنا کمینہ پن دکھا رہا تھا' کمپنی کی گرتی ہوئی ساکھ سے خوف زدہ ہو کر وقت سے پہلے ہی اپنے پیسے محفوظ کرنا چاہ رہا تھا' عمر نے لب بھینچ لیے۔

"ٹھیک ہے مگر پھر بھی میں چاہوں گا کہ آپ ایک مرتبہ پھر سوچ لیں۔"

"میں نے خوب سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہے عمر صاحب۔" گویا سب طے تھا' اب بحث بے کار تھی لہٰذا وہ اٹھ گیا۔ درمکنون بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اب کیا ہوگا عمر انکل؟ پہلے ہی وہ ڈاکو گھر سے ساری قیمتی اشیاء' بانڈز' رقم سب اٹھا کر لے گئے ہیں' اوپر سے ہمیں کوئی نیا آرڈر

بھی نہیں ملا ہے اور اب یہ حامد صاحب......"

"اللہ خیر کرے گا، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ خود پریشان تھا مگر اسے تسلی دے رہا تھا' درمکنون گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

اگلے روز اس کی ورکرز کے ساتھ میٹنگ تھی ان کے مطالبوں اور نخروں نے اسے مزید پریشان کردیا نجانے ایک دم سے سب کو کیا ہوگیا تھا۔

فی الوقت وہ کسی کا بھی کوئی مطالبہ پورا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی لہٰذا اس نے ان کے سامنے ہتھیار پھینکنے کی بجائے صاف کہہ دیا کہ جن کو جانا ہے وہ جائیں جو کام کرنا چاہتے ہیں وہ کریں وقت آنے پر ضرور ان کی تنخواہ بڑھا دی جائے گی اگلے روز تین سو میں سے صرف ایک سو بیس ملازم فیکٹری آئے تھے باقی سب نے معذرت کرلی۔ درمکنون کو گہرا صدمہ لگا' حالات بھی اتنے گمبھیر ہوجائیں گے اس نے سوچا تک نہیں تھا۔

❁......❁......❁

"میم...... میں آئی کم آن؟" دروازہ ہلکے سے ناک کرکے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا جب عدینہ نے فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ کر فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آیئے مسٹر صیام میں آپ کا ہی انتظار کررہی تھی۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی جبکہ ذہانت سے چمکتی نگاہوں میں ایک عجیب سی شرارت' وہ اثبات میں سر ہلاتا اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"اپنا کام سمجھ میں آ گیا آپ کو؟"

"جی ہاں۔"

"گڈ مسٹر صیام کل دبئی سے ایک اہم وفد آرہا ہے' بہت بڑی کمپنی ہے ہمارے علاوہ ملک کی تقریباً تمام معروف کمپنیز کے چیف اس میٹنگ میں شریک ہوں گے۔ مجھے ہر قیمت پر یہ کنٹریکٹ اپنی کمپنی کے لیے حاصل کرنا ہے اور ایم شیور کہ ایسا ہی ہوگا۔"

"جی میم آپ بے فکر رہیں ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔"

"گڈ مجھے آپ کی صلاحیتوں پر یقین ہے ویسے بھی اس کمپنی میں ترقی کے زینے طے کرنے کے لیے یہ آپ کا پہلا قدم ہے۔"

"جی میں جانتا ہوں۔"

"تو چلیں پھر ٹھیک ہے ان شاء اللہ کل میٹنگ میں ملیں گے۔"

"جی ضرور۔" وہ سنجیدہ تھا' عدینہ اسے رخصتی کی اجازت دے کر پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

اگلے روز شام میں جس وقت وہ تفاخر سے چلتی عدینہ حسن کے ساتھ میٹنگ ہال میں پہنچا وہاں پہلے سے موجود درمکنون صمید حسن کو دیکھ کر اس کا دل بے ساختہ زور سے دھڑک اٹھا۔ مکمل بلیک کپڑوں کے ساتھ بلیک اسکارف لیے وہ بے حد اداس دکھائی دے رہی تھی۔ صیام نے بمشکل نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹائیں۔

عدینہ جس وقت عین اس کے مقابل بیٹھی وہ چونک اٹھی اور پھر عدینہ کے ساتھ صیام کو بھی وہاں موجود دیکھ کر اس کی آنکھیں جیسے ساکت رہ گئی تھیں۔

ان شاء باقی آئندہ شمارے میں

❁

اماں بی

سمیرا سرفراز

کہا اس نے' دعائیں زندگی کی مانگتے کیوں ہو
کہا میں نے' مری اس ذات سے منسوب تم ہو' نا
کہا اس نے' کہ جنت میں خدا سے کس کو مانگو گے
کہا میں نے' میرے ہمدم' مرے محبوب تم ہو' نا

اماں بی کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا تھا' پل میں تولہ پل میں ماشہ...... بیہ حیران ہی رہ جاتی' کبھی غصہ آیا تو بھوک ہڑتال کیے' سر منہ لپیٹے پڑ گئیں' لاکھ مناؤ' نہیں ماننے کی اور جو بھی موڈ بحال ہوا' کوئی خوشی دل کو آن لگی تو اپنے خفیہ خزانوں سے بسکٹ' گڑ اور سوجی کی ٹکی والا حلوہ بیہ جیسے غریبوں کو صدقہ کیا جاتا۔

اللہ بخشے امی مرحومہ کہتی تھیں کہ کسی زمانے میں اماں بی کا وہ دبدبہ تھا کہ سارا خاندان ان کے تیوروں سے ڈرتا تھا' چاق وچوبند (جو کہ وہ آج بھی تھیں) صفائی کا خناس خبط کی حد تک دماغ میں سمائے ہوئے' امور خانہ داری میں طاق اور اس پر اپنی بات کا زعم' بہوؤں کو تو وہ یوں بھی کسی خاطر میں نہ لاتی تھیں' انہیں اپنے جیسا پرفیکٹ کبھی کوئی لگا ہی نہیں' چچی بیگم تو یہاں تک کہتی تھیں کہ اپنی اماں کو بھی اماں بی نے ہی سب کام سکھائے تھے (تھی نا عجیب بات؟)

اپنے ماں باپ کی پہلوٹی کی اولاد تھیں پھر لڑکی ذات اور اس کے بعد جو بیٹیوں کی لائن لگی تو پانچ پہ جا کر ختم ہوئی پھر تین بھائی تھے' والدین بیٹیوں سے ناکوں ناک بھر پائے تھے' پیسے کی تنگی نہ تھی کہ اماں بی کے ابا حضور انگریزوں کے ہاں باورچی

تھے' کوئی عام باورچی نہیں بلکہ انگریزوں کے مرغوب بیکنگ آئٹمز بنانے کے ماہر شیف' اس زمانے میں برصغیر جیسی جگہ پر کسی کا بیکر ہونا بہت بڑی بات تھی سو اچھا کھاتے کماتے تھے مگر بیٹیوں کی تعلیم کا تب بھی بہرحال رواج نہیں تھا سو جب اماں بی کے بھائیوں کو اسکول میں داخل کرایا گیا تو انہیں بھی دل میں دبا برسوں کا شوق تعلیم یاد آ گیا سو چھپ چھپ کر چھوٹے بھائیوں کی کتابیں پڑھنے کی کوشش کرتیں' ایک ماموں خاصے پڑھے لکھے تھے' ان پر مہربان بھی تھے یوں اماں بی نے اردو اور عربی پڑھنا سیکھ لی' پاکستان بنا تو اماں بی شادی ہوکر پہلے بچے کی پیدائش کی تیاری میں مصروف تھیں' ابا میاں بتاتے تھے کہ اس وقت اماں بی کی عمر تیرہ سال تھی۔ پورے دنوں سے تھیں اور ملک میں ہنگامے جاگ اٹھے' ابا میاں اور ان کا سارا خاندان حیدرآباد نکل گیا اور اماں بی اپنے ابا حضور کے کسی قابل اعتماد فوجی افسر کے ساتھ ان کی بکتر بند گاڑی میں شہداد پور لائی گئیں' کسی کو خبر نہ ہوسکی کہ دوران حمل ان کے ساتھ کیا پیچیدگی رہی جو ان کی دونوں ٹانگیں معذوری کی حالت کو پہنچ گئیں' اماں بی بتاتی تھیں کہ ان کے فوجی چچا ان کو کندھوں پر اٹھائے ہسپتال پہنچائے گئے تھے۔ وہاں ان کے ابا حضور اور دیگر خاندان کے افراد پہلے ہی اپنا ٹھکانہ بنا چکے تھے' چند دن گزرے تھے کہ اماں بی نے ایک صحت مند خوب صورت لڑکے کو جنم دیا مگر ساتھ ہی ڈاکٹر نے ان کو ٹی بی جیسے مرض کی بری خبر بھی سنا دی' اماں بی ہسپتال میں زیر علاج' بچہ ان کی اماں حضور کے پاس پلا کہ وہ خود چھ مہینے پہلے ایک بیٹے کی ماں بنی تھیں (اف) انابیہ کو یہ سن کر خوب ہی شرم آتی مگر اس دور میں یہ کوئی بات نہ تھی کہ ماں بیٹی ساتھ ساتھ حاملہ رہیں' بہرحال اماں بی کو اپنے بیٹے کا لمس محسوس نہ ہوا۔ بچہ چھ ماہ زندہ رہا اپنی نانی اماں کے پاس' اماں بی سے بس چند گھنٹے ملاقات کو لایا جاتا اور پھر واپس چلا جاتا' انہیں ایک ماہ بعد بتایا گیا کہ وہ مر چکا ہے مگر شاباش ہے ان کی ہمت پر کہ بڑے دل گردے سے یہ غم سہہ گئیں۔ ابا میاں انہیں لینے تب آئے جب وہ اپنی بیماری سے صحت یاب ہوگئیں' بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ایک باپ نے اپنے پہلے بچے کی صورت تک نہ دیکھی تھی نہ زندہ نہ مردہ وہ شورش کا زمانہ تھا' تار تک نہ بھجوایا جاسکتا تھا' اماں بی آج تک' اپنے اس بچے کو نہیں بھولی تھیں' رات کی تاریکی میں جب جب وہ اور انابیہ اپنے اپنے بستروں پر اپنی اپنی سوچوں سے الجھ رہی ہوتیں تب انہیں وہ ضرور یاد آتا تھا۔

"پتہ ہے بیہ' آخری بار آیا تھا تو ایسے' ایسے میری طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا کہ بس میں اسے لے لوں اپنی گود میں۔" وہ لیٹے لیٹے اپنے ہاتھ ہوا میں بڑھاتیں گویا وہ آ ہی جائے گا ان کی بانہوں میں۔ بیہ کو یہ جذبہ کبھی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بچے کے بعد اللہ نے انہیں پانچ صحت مند زندہ سلامت اولادوں سے نوازا تھا۔ اور یہ کہ اس بچے کے بعد بھی ان کی ایک چار سالہ بیٹی یونہی بے وجہ مرگئی تھی' اماں بی اسے بھی کبھی نہیں بھولیں کہ اس بچی کو تو انہوں نے پروان چڑھایا تھا۔ "میری انوری جیسی ان تینوں میں ایک بھی نہیں۔" وہ برملا کہتی تھیں۔ بیٹیاں پہلو بدل کر رہ جاتیں کہ وہ اپنی زندہ بیٹیوں پر اس مری ہوئی کو ترجیح دیتی تھیں۔ بہرحال یہ غم بھی انہوں نے سہا تھا۔

حیدرآباد ٹنڈری میں بھرے پرے سسرال کے ساتھ انہوں نے بڑا اچھا وقت دیکھا' میل جول' کھانا پینا سب کھلے ہاتھ سے کیا کہ سسر اور سارے دیور اسی جوتے کے کارخانے میں ملازم تھے' گھر بھی ٹنڈری کی کالونی میں ملا تھا...... خوب بڑا اور کشادہ تھا' یہ سنہری یاد بھی اماں بی کے سنگ سدا رہی کہ اس کے بعد جب ٹنڈری ختم ہوئی تو سب کو ہی وہاں سے کوچ کرنا پڑا تھا۔ ساس وہیں وفات پا گئی تھیں' سسر بھی چند مہینے ہی زندہ رہے پھر اماں بی اور ابا میاں کراچی آ گئے۔ ابا میاں مستری تھے' پہلے ٹھیکے پہ کام کرتے رہے' کراچی کے بڑے اور مشہور فلیٹوں کی گارے مٹی میں ان کا پسینہ شامل تھا۔ بیہ کو وہ سارے فلیٹ خوب ازبر تھے کہ ابا میاں نے کبھی بھولنے ہی نہ دیئے پھر اماں بی کی آزمائشوں کا دور شروع ہوا۔ ابا میاں کا کام بیٹھنے لگا تو اماں بی نے ماتھے پر شکن لائے بغیر سلائی مشین سنبھال لی' کپڑے سیتیں' کڑھائیاں کرتیں اس پر پانچ بچوں کا ساتھ اور گھر کی ساری ذمہ داری' بڑی پھوپو بھی ماں کا سہارا بنیں' گھر کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھایا' آٹھ نو سال کی عمر سے صفائی برتن کے بکھیڑوں سے الجھنے لگیں' ننھے ننھے ہاتھوں سے آٹا تو گوندھ لیتیں پر روٹی نہ سنبھالی جاتی تو اماں بی گوندھے آٹے کا تھال بیہ کے ابو جو خود اس وقت دس سال سے زیادہ کے نہ تھے کے حوالے کرتیں اور وہ محلے کے تندور سے روٹیاں پکوا لاتے' پھر ماں کی مشقت نے انہیں بھی مجبور کیا کہ وہ بھی مصیبتوں کے اس بحر بیکراں میں ان کا سہارا بن جائیں' اسی چھوٹی عمر سے چھوٹی موٹی مزدوریاں کرنے لگے

لوگوں کے جوتے صاف کیے' اخبار بیچے' بازاروں میں پتھارے لگا کر کپڑا بیچا مگر ایک چیز اماں بی نے اپنے تجربات سے سیکھ لی تھی اور وہ تھی تعلیم کی اہمیت' انہوں نے اپنی جان پہ ہر مصیبت جھیلی مگر اپنے بچوں کو تعلیم ضرور دلوائی۔ بیہ کو یاد تھا کہ ابو بتاتے تھے کہ وہ شام کے اسکول و کالج میں پڑھے تھے کہ دن بھر نوکریاں بھگتاتے تھے پھر محلے کے چوک کی اسٹریٹ لائٹ میں بیٹھ کر امتحانوں کی تیاریاں کرتے تھے' اسلامیہ کالج کے ہونہار اسٹوڈنٹ' اساتذہ کے منظور نظر' اکنامکس کے ہائیسٹ مارکس ہولڈر اس کے ذہین اور محنتی ابو' ابصار احمد' اماں بی کو ان سے بہت محبت تھی کہ وہ ان کا شیر بیٹا تھا جو ہر مشکل میں ان کے ساتھ کھڑا تھا' ابا میاں معصوم آدمی تھے' مزدوروں والا ہی ذہن لے کر پیدا ہوئے تھے' اماں بی جیسے زیرک اور زمانہ شناس نہ تھے' جلد تھک کر بیٹھ گئے' آگے کا دور اماں بی اور ان کے بیٹے کا تھا۔

بڑی پھوپو تیرویں سن میں بیاہی گئیں تو اماں بی نے سکھ کا سانس لیا' اس قلیل آمدنی کے دور میں بھی وہ بیٹی کا کپڑا لتا کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں' پھر ایک طرف اماں بی کی مشین چلی دوسری طرف ان کے بیٹے کے ہاتھ' جب تک ابصار پچیس کے ہوئے' دونوں ماں بیٹا اپنا گھر خرید چکے تھے' زمین سستی ملی تھی' زمانہ بھی سستا تھا' ابا میاں کا ہنر ایک بار پھر کام آیا' بڑی پھوپو کے شوہر بھی اسی پیشے سے وابستہ تھے' گھر کے لوگوں نے ہی گھر بنا لیا' اماں بی کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے' وہ شہر کے متوسط طبقے کے علاقے میں ایک نسبتاً بڑے اور اچھے گھر کی مالکن بن گئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ اپنے ایک چھوٹے بھائی کے گھر کے نچلے حصے میں بطور کرایہ دار مقیم تھیں۔ رشتہ سگا تھا مگر اماں بی کی خودداری' بھائی کے ہاں بھی کرایہ دیئے بغیر نہ رہتی تھیں۔ ان کی مشقت کا دور اس وقت ختم ہوا جب گھر کے ساتھ ہی ان کے بیٹے کو ایک اعلیٰ ادارے میں بہت اچھی نوکری مل گئی۔ پھر اماں بی نے بڑی شان سے خاندان بھر میں بہترین شادی اپنے بیٹے کی کی اور بیہ کی امی کو اماں بی کی بڑی بہو کا درجہ حاصل ہوا۔ پیسا وافر مقدار میں آنے لگا تھا' جسے بیہ کی امی اپنے مبارک قدموں کا نتیجہ قرار دیتیں اور اماں بی اپنے صبر اور ہمت کا پھل۔ ساس بہو میں ہمیشہ ایک سرد جنگ چلی کیونکہ بیہ کی امی بھی سگھڑاپے اور سلیقے میں اپنی مثال آپ تھیں ادھر اماں بی نے اپنے سامنے کسی کو بھی گردانا ہی نہیں تھا' بہو اپنا ذہن لے کر آئی تھی مگر اماں بی نے ایک نہ چلنے دی' وہ گھر کی سیٹنگ بدلتیں تو اماں بی کا موڈ دنوں خراب رہتا' انہیں گھر کو سجانے سنوارنے کا شوق تھا اس کے لیے پیسہ بھی ضروری ہوتا تھا' وہ طریقے سلیقے کی قائل تھیں' بچوں کو اچھا ماحول رہن سہن دینا چاہتی تھیں' انگریزی میں بات کرتیں تو اماں بی کے دل میں قلق سا جاگ اٹھتا' جان بوجھ کر بہو کی مخالفت کرتیں' بیٹے سے شکایتیں لگاتیں' وہ اپنے زعم میں جیتی تھیں' بہو کا دو قدم آگے بڑھنا انہیں احساس کمتری میں مبتلا کرتا' اتنی منکسر المزاج ہرگز نہ تھیں کہ کھل کر بہو کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتیں بیشک دل سے کتنا بھی صحیح کیوں نہ مانتیں نتیجہ حسب توقع نکلا' وہ اماں بی سے بدظن رہیں اور اماں بی ان سے...... بیچ میں بیہ کے ابو رہ جاتے جو توازن قائم رکھنے کے ہرگز قائل نہ تھے۔ ماں کا درجہ ہر حال میں بلند رکھتے...... بیوی چاہے ان کے لیے سو غلط فہمیاں پالتی رہے۔

''اماں بی دن کو رات نہیں تو رات سمجھو' تمہاری ہر ضرورت پوری کرنے کا ذمہ دار میں ہوں مگر اماں بی سے کبھی ٹکر لینے کا سوچنا بھی مت۔'' ان کا سدا کا کورا جواب تھا۔ اماں بی نے بھی کبھی ان کے معاملات سلجھانے کی کوشش نہ کی' انہیں ہمیشہ لگتا تھا کہ ان کی بہوئیں کچھ بھی کر لیں ان کی ہمت اور کوششوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں' انہوں نے سب کچھ اپنی محنت اور صبر و استقامت کے بل پر حاصل کیا تھا' آج بہوئیں ان کی سجی سجائی راجدھانی پر حکومت کرنے چلی آئی تھیں' ان کے بیٹے اور ان کی کمائی سے خریدا گیا صوفہ اگر وہ لاؤنج سے اٹھا کر ڈرائنگ روم میں رکھ رہی تھیں تو کوئی احسان تو نہ کر رہی تھیں' یہ اماں بی کی اپنی سوچ تھی' ان کی بہوئیں ان کی تکلیفوں والی زندگی سے بھی منکر نہیں ہوئیں حالانکہ وہ سب انہوں نے صرف سنا ہی تھا' آنکھوں دیکھا تو ہرگز نہیں تھا مگر وہ اماں بی کی 'ون مین شو' والی پالیسی کو ہرگز نہ مانتی تھیں' پر اماں بی کون سا ان سے دبتی تھیں' برملا کہتیں۔

''اری کچی پکائی دال میں تڑکا تو کوئی بھی لگا دے دال گلا کر دکھاؤ تو جانوں۔'' بہوئیں جز بز ہو کر رہ جاتیں' کہہ نہ پاتیں کہ آپ کسی کی دال گلنے کب دیتی ہیں...... گھر میں پکنے والے سالن سے لے کر شادی بیاہ میں لینے دینے تک کا ہر فیصلہ اماں بی کی مرضی سے ہوتا تھا' ابا میاں بھلے آدمی تھے بیٹے کی نوکری کے بعد بالکل ہی گھر کے ہو رہے تھے' وقت پر

کھانا پینا مل جاتا‘ وہ خوش رہتے‘ بہوؤں کو سراہتے‘ دعائیں دیتے‘ بیٹا ماہانہ جیب خرچ اماں بی سے چھپا کر ان کو دیتا کہ اماں بی کو یہ بھی فضول خرچی ہی لگتی‘ وہ ابا میاں سے بھی نالاں ہی رہتی تھیں‘ انہیں ہمیشہ اس بات کا قلق رہا کہ ابا میاں نے مشکل وقت میں ان کا ساتھ نہ نبھایا‘ ان کا بیٹا ہی ان کا سہارا تھا‘ وہ اپنے معیار سے نیچے کسی کو سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھیں‘ اور ابا میاں بے شک ان کے معیار کے آدمی نہ تھے‘ جتنی ان کی ذہنی وجسمانی استطاعت تھی وہ اتنا ہی کر پائے تھے‘ مگر اماں بی یہ کبھی نہ سمجھ پائیں۔

"میرے بیٹے کی حلال کی کمائی ان ٹٹ پونجیوں پر لٹانے کے لیے نہیں ہے۔" وہ ابا میاں کی خداترسی اور صدقہ خیرات سے بہت چڑتی تھیں‘ ابا میاں محلے کے غریب گھروں کی امداد کرتے تھے‘ اپنا سارا جیب خرچ وہ اسی طرح ختم کردیتے۔

"میرا بیٹا کماتا ہے‘ تیرا دل کیوں جلتا ہے؟" ابا میاں اس معاملے میں ہرگز نہ دبتے کہ اب وہ بیوی کے رحم وکرم پر کسی طرح بھی نہ تھے‘ بیٹا کماتا تھا اور بہوئیں پکاتی تھیں مگر یہاں بھی اماں بی سب کو حیران کرجاتیں جب ہفتے پندرہ دن میں بہوؤں کو آرڈر دیا جاتا۔

"تیرے ابا میاں اسٹو کے لیے کہہ رہے تھے‘ وہ پکا دینا آج۔" ہر وقت ان سے خار کھانے والی اماں بی‘ شوہر کی پسند بھی خوب یاد رکھتی تھیں‘ بہوئیں آپس میں بات کرکے رہ جاتیں۔

دن اچھے گزر رہے تھے‘ بیٹیاں اپنے گھروں کی ہوگئی تھیں‘ دونوں بیٹے بھی کھونٹے سے بندھے تھے جب اچانک ابا میاں کا بلاوا آگیا‘ وہ اتنی خاموشی سے اپنی جگہ خالی کرگئے تھے کہ مہینوں صبر نہ آیا تھا‘ اماں بی نے کوئی واویلا نہ کیا‘ وہ غموں کو غلافوں میں لپیٹ دینے کی ماہر ہوچکی تھیں‘ بیٹیاں‘ بہوئیں یوں روتی تھیں گویا اب تک ابا میاں کا بے جان وجود ان کی مخصوص سیٹی پر لاؤنج کے کونے میں دھرا ہو۔

انابیہ تب چھوٹی تھی‘ اس کی یادداشتوں میں بھی دھندلا دھندلا وہ منظر تازہ تھا جب وہ سامنے والے گھر کی چھت پر کھڑی سڑک پر دور تک بکھرے ہجوم کو دیکھ رہی تھی‘ جن کے سروں پر سے ابا میاں کا جنازہ تیرتا ہوا گزر رہا تھا۔ نجانے کون کون سے انجان چہرے تھے جنہیں گھر میں کوئی نہ پہچانتا تھا مگر ان کے پاس ابا میاں کو رونے کا حوالہ موجود تھا۔

"خالو میری مدد کرتے تھے۔" شاید وہ واحد چیز تھی جو اماں بی کو خاموش کروادیا کرتی تھی مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اماں بی اپنی جون میں لوٹتی گئیں‘ وہی تنتنا‘ وہی زعم‘ پھر ابا میاں کی یاد بس رمضان میں روزہ افطار کرانے اور غریبوں کو ان کے نام کا کپڑا‘ کھانا دینے تک رہ گئی۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب نئی نسل قد نکالنے لگی اور اماں بی کی کمر جھکنے لگی‘ وہ بوڑھی ہورہی تھیں مگر ان کی اولادوں سمیت ان کی اولادوں کی اولادیں تک ان سے ڈرتی تھیں‘ جو قصے سن کر ان کے بچے جوان ہوئے تھے وہی سن کر ان کے پوتے پوتیاں‘ نواسے نواسیاں بھی بڑے ہوئے‘ اماں بی داد چاہتی تھیں‘ اپنے کیے کرائے کی شہرت چاہتی تھیں‘ یہ سب کا مشترکہ خیال تھا‘ شاید یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ صرف اپنی کہنے والی اماں بی اپنی تعریف کرنے والے کا منہ بھی بند نہ کرتیں انہوں نے بہوؤں کے بری کے جوڑوں سے لے کر پوتے پوتیوں کے گدے لنگوٹ تک اپنے ہاتھوں سے سیے تھے اور نفاست ایسی کہ دیکھنے والا مبہوت رہ جاتا اور جب کوئی کہتا۔

"اس عمر میں ایسا شاندار کام۔" تو اماں بی کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن ہوجاتا۔ بیہ کو ہمیشہ ان کی وہ خوشی ایک معصوم بچے کی خوشی جیسی لگتی جو اپنی تعریف سن کر پھولے نہیں سماتا تھا‘ رشتہ داروں سے بھی خوب ملتی جلتی تھیں سو ہر ایک ان سے ڈرنے کے باوجود ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتا تھا۔

پھر ایک دن عجیب بات ہوئی‘ اماں بی کو سخت بخار نے آلیا۔ دوا دارو کچھ اثر نہ کرسکی اور اماں بی مہینہ بھر کو بستر سے آلگیں‘ انہیں پہلی بار لگا کہ ان کا وقت رخصت آن پہنچا ہے۔ ساری اولادوں کو بلا بھیجا‘ جب سب اکٹھے ہوگئے تو چھوٹی بیٹی سے اپنا قدیم صندوق کھلوایا‘ ایک چھوٹا ڈبہ برآمد کیا اور اس میں موجود سارا زیور بڑے بیٹے ابصار کے حوالے کردیا۔

"میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ ابصار کا ہی دیا ہوا ہے لہٰذا یہ سارا زیور اس کی امانت ہے اور میں اسے ہی سونپ رہی ہوں۔" کمرے میں موجود جملہ نفوس کو سانپ سونگھ گیا۔ چچی بیگم نے چچا میاں کو آنکھیں دکھائیں‘ بیٹیوں میں بھی نظروں کے تبادلے ہوئے‘ بڑا بیٹا بہو بھی بے یقینی سے اماں بی کو تکنے لگے۔ بڑی پھوپو لاڈلی تھیں‘ کہے بنا نہ رہ سکیں۔

"مجھے لگتا تھا اماں بی کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔" اماں بی مسکرائیں۔ انابیہ دروازے کی چوکھٹ سے لگی

یہ منظر دیکھتی رہی۔

"تمہارا جو حق تھا وہ میں نے ساری عمر ادا کیا ہے بیٹی مگر یہ امانت ہے پھر بھی......" بڑی پھوپو کو لب کھولتا دیکھ کر اماں بی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔

"پھر بھی تمہارے لیے میری وصیت ہے کہ ابصار میری ایک عدد بھاری جھمکیاں بیچ کر تم بہنوں کو اس کے پیسے برابر تقسیم کردے گا' بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" بیٹیاں مطمئن ہوئیں یا نہیں مگر مصلحتاً خاموش ضرور ہوگئیں۔ ادھر اصل میں دراڑ چچا میاں اور چچی بیگم کے دل میں آ گئی تھی۔ چچی بیگم خوش تو پہلے بھی نہ تھیں کہ گھر میں سکہ ساس کے بعد جیٹھ کا چلتا تھا' خود چچا میاں بھی بھائی کے زیر بار تھے اور اماں بی کے فیصلے کے بعد تو گویا انہیں کھل کر بولنے کا موقع مل گیا' کیونکہ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ اب اس گھر میں وہ ہمیشہ کے لیے محکوموں والی زندگی گزارنے والے تھے' چچا میاں کا دل تو کھٹا ہو ہی چکا تھا' چچی بیگم کے طعنے اور روز روز کی باتوں سے تنگ آ کر انہوں نے ایک فیصلہ کرلیا۔

"اماں بی آپ نے ثابت کردیا کہ آپ کو کس سے محبت ہے' اب آپ بھائی جان کو ہی اپنے ساتھ رکھیں' میں یہاں سے جارہا ہوں۔" وہ فیصلہ سنا کر چلے گئے۔ اماں بی نے بھر بھر جھولی بددعائیں دیں' چچی بیگم نے کان نہ دھرے' میاں ان کی مان رہا تھا' وہ ساس کو کیوں خاطر میں لاتیں' اپنا مختصر سامان سمیٹا اور چار بچوں کے ساتھ گھر چھوڑ دیا۔ پیچھے ابصار احمد رہ گئے' بے یقین سے' بھائی کے اقدام نے انہیں بھی شاک پہنچایا تھا' فیصلہ اماں بی نے کیا تھا اور ابصار نے انہیں بھی نا کہنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ چھوٹے بھائی کو روک بھی نہ سکے کہ جسے باپ بن کر پالا تھا آج وہ چند سونے چاندی کے ٹکڑوں کے عوض ان سے بھی متنفر ہوگیا تھا۔

ادھر بڑی بہو کو ساس کے فیصلے نے جھنجوڑ دیا تھا۔ انہیں پہلی بار اماں بی کی کوئی بات صحیح لگی تھی' وہ دل سے ان کی منصفی کی قائل ہوگئی تھیں' یک لخت ہی دل سے ان کے لیے پالی گئی ہر غلط فہمی کو مٹا دیا اور نئے سرے سے ان سے تعلقات استوار کرنے کی کوششوں میں لگ گئیں مگر اماں بی اور سخت گیر ہو چکی تھیں۔ بیٹے کے رویے نے انہیں باور کرادیا تھا کہ سب رشتے مطلب کے تھے' وہ صحت یاب ضرور ہوگئی تھیں مگر خود کو کاموں میں مصروف کر کے لوگوں سے الگ کرلیا تھا' بڑی بہو کی کسی بات پر اعتراض نہ کرتیں' یوں بھی اب وہ کون سا جوان رہ گئی تھیں' بیہ سترہ سال کی ہوچکی تھی' پھر ایک دن وہ ہوگیا جس کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا' بیہ کے امی اور ابو عید کی خریداری کرنے بازار گئے تھے مگر وہاں اچانک ہونے والے خودکش حملے میں دونوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ضعیف العمری میں اپنے صحت مند جوان بیٹا اور بہو کی لاشوں نے اماں بی کی کمر توڑ دی تھی' روتی بلکتی انابیہ کو سینے میں چھپائے وہ بے آواز رو رہی تھیں' ابصار ان کا چہیتا' دایاں ہاتھ' ان کا سہارا تھا...... ان کی قابل فخر اولاد تھا' وہ ابا میاں کی جدائی' چچا میاں کی بے وفائی' اپنے پانچ بہن بھائیوں اور دو بچوں کی اچانک اموات' کسی نے بھی تو انہیں ان کے مقام سے ہلنے نہ دیا تھا مگر ابصار کی موت ان کے لیے دھچکا تھی' انہیں کئی ہفتوں بعد یقین آیا تھا کہ وہ اب اس گھر میں اکیلی تھیں اور اس عمر میں اللہ نے ان پر کیسی بھاری ذمہ داری ڈال دی تھی' بیہ کسی پکے ہوئے پھل کی طرح بلا خواہش و رغبت ان کی جھولی میں آن گری تھی' انہیں پھر ہمت پکڑنا تھی' تنہائی میں چھپ چھپ کر رونے والی اماں بی نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور ایک بار پھر خود کو حالات سے نمٹنے کے لیے تیار کرلیا۔

اور تب سے اب تک بیہ اور اماں بی ایک دوسرے کا سہارا بنی ہوئی تھیں' بیہ حساس لڑکی تھی' ماں باپ کو رو کر اس نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا' گھر کا اوپری حصہ اماں بی نے کرائے پر دے دیا تھا' بیہ کے کالج کے دو سال رہتے تھے' اماں بی نے زور زبردستی اسے بی اے کرایا کہ وہ اب اماں بی کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی مگر اماں بی نے ایک نہ سنی اور اب ایم اے پرائیویٹ کی تیاری بھی وہ ان ہی کی خواہش پر کررہی تھی۔ دو نفوس کے لیے اتنا بہت تھا' عزت سے گھر بیٹھے اپنا دانا پانی چلا رہی تھیں' محلے کی کچھ لڑکیاں اماں بی سے سلائی کڑھائی سیکھنے آتی تھیں' صبح کے وقت بچے قرآن پاک پڑھنے آجاتے' محلے میں بہت عزت تھی' سب جھک کر اماں بی کو سلام کرتے تھے' پھر ان کاموں کا ایک پائی پیسہ اماں بی کسی سے نہ لیتی تھیں شاید ابا میاں کی خدا ترسی اماں بی میں بھی حلول کرگئی تھی' بیہ دن بھر گھر کے مختلف کاموں میں خود کو الجھائے رکھتی' گزرے برسوں میں اماں بی کی قربت میں اس نے ان کا ہر ہنر چرالیا تھا' نماز روزے کی پابندی' اپنی عصمت کی حفاظت' خودداری اور عزت نفس کا ہر سبق اس نے اماں بی سے سیکھ لیا تھا' اماں بی

کے لیے بھی اب ایک وہی تھی ان کی پوتی' ان کا خون' اس کے آگے اپنا دل ہلکا کرنے میں وہ ذرا نہ ہچکچاتیں' دن بھر دونوں خود کو مصروف رکھتیں مگر جب رات کی تاریکی اپنے پر پھیلاتی اور اماں بی کی بوڑھی آنکھوں سے نیند روٹھ جاتی تو وہ بیہ کو اپنے دل کے سب زخموں سے آگاہ کرتیں' ان کی شادی' ان کے بچوں کی پیدائش' قیام پاکستان کے وقت کی مشکلات' حیدرآباد ٹینڈری کا سنہرا دور اور پھر وہ پُرمشقت زندگی جو انہوں نے گزاری' بیہ کو سب قصے ازبر ہوچکے تھے مگر ان کی دلجوئی کے خیال سے سنے جاتی' پھر بیچ میں اماں بی کہتے کہتے سوجاتیں تو بیہ بھی کروٹ بدل لیتی' ان کی زندگی میں اب صرف یادیں' تنہائی اور خاموشی تھی' مستقبل کوئی نہ تھا۔

کھٹکے کی مانوس آواز پر بیہ نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا' وہ معظم تھے' اماں بی کے بھتیجے...... ان کی دستک صرف توجہ کی متقاضی ہوتی تھی کہ اجازت لینے کی تو انہیں اس گھر میں ہرگز ضرورت نہیں تھی اور وہ توجہ بھی صرف بیہ کو دلانے کے لیے ہوتی تھی کہ اس کے سوا کون تھا یہاں جوان کی آمد پر اپنے حواس درست کرتا؟ بیہ کے والدین کی وفات پر وہ اچانک ان کی زندگی میں شامل ہوگئے تھے' اماں بی بتاتی تھیں کہ وہ بچپن میں یہاں بہت آیا کرتے تھے...... ان کی ماں ان کی پیدائش کے تیسرے سال وفات پاگئی تھیں' باپ نے فوراً دوسری شادی کرلی اور اپنی زندگی میں مگن ہوگئے' پیسہ بہت تھا' معظم کو دسویں برس بورڈنگ بھیج دیا گیا اور پھر وہ ملک سے باہر چلے گئے' جس سال بیہ کے والدین کی وفات ہوئی اسی سال وہ اپنی تعلیم مکمل کرکے لوٹے تھے' بیہ نے تو انہیں تبھی پہلی بار دیکھا تھا مگر اماں بی کا ان کے لیے دلار دیکھ کر بیہ کو ماننا پڑا کہ ان کا یقیناً گزرے برسوں میں بھی تعلق رہا تھا' پھر معظم کو ایک بہترین نوکری مل گئی' وہ باپ کے گھر میں ضرور رہتے تھے مگر ان کے ساتھ نہیں' لڑکے تھے اور وہ بھی کماؤ' سوتیلی ماں بال بھی بیکا نہیں کرسکتی تھیں' سو گزر رہو رہی تھی' ہفتے کے تین چکر وہ اماں بی کے پاس ضرور لگاتے' سودا سلف لانا' بل جمع کروانا' بیہ کے کالج کے فارم وغیرہ کا سب ٹھیکا انہوں نے ہی اٹھایا ہوا تھا۔

"بیہ چائے......" ہمیشہ کی طرح نظریں جھکائے' سر اٹھائے وہ کچن کے پاس سے اپنا مخصوص جملہ بولتے ہوئے گزر گئے اور سیدھا اماں بی کے کمرے میں جاکر دم لیا اور بیہ ہمیشہ کی طرح سوچ رہی تھی کہ انہیں جھکی آنکھوں سے کیسے علم ہوجاتا تھا کہ بیہ کچن میں ہی ہوگی؟

بیہ چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی تو وہ اماں بی کے گھٹنے سے لگے دھیمے دھیمے کچھ بولنے میں مصروف تھے' بیہ کی آمد پر وہ دونوں ہی خاموش ہوگئے' گندمی رنگت' کھڑے نقوش اور دراز قد والے معظم نصیر اپنے بردبار انداز کے سبب اپنی عمر سے کچھ بڑے ہی لگتے تھے' بیہ نے چائے ان کے سامنے رکھی اور پلٹ کر جانے لگی۔

"خالی چائے بیہ تجھے کب عقل آئے گی؟ بچہ نوکری بھگتا کر سیدھا یہیں آگیا ہے۔ اب خالی پیٹ یہ کڑوا شربت معدے میں اتارلے' کچھ کھانے کو ہی لے آتی۔" اماں بی اپنے مخصوص انداز میں اسے لتاڑنے لگیں' نہ ہی بیہ کے لیے اور نہ ہی معظم کے لیے یہ جھاڑ نئی تھی مگر پھر بھی بیہ ہر بار نئے سرے سے معظم کے سامنے بے عزتی محسوس کرتی مگر اماں بی کو کون روک سکتا تھا۔

"رہنے دیں اماں بی مجھے بھوک نہیں۔" معظم ہمیشہ اس کا چہرہ پڑھ لیتے تھے سو دلجوئی کے خیال سے کہتے۔

"ارے کیسے بھوک نہیں' کون سا تیری ماں بیٹھی ہے جو تر نوالے کھلاتی رہے' جا بیہ رات کے لیے مرغی بھون لے' معظم کھانا یہیں کھائے گا۔" انہوں نے پھر آرڈر جاری کیا اور اپنے پاس رکھا اپنا خفیہ خزانے والا تھیلا ٹٹولنے لگیں پھر ایک زیرے کے بسکٹ کا پیکٹ برآمد کرکے معظم کے آگے رکھ دیا' وہ الگ بات کہ یہ خفیہ خزانے والا تھیلا اکثر معظم ہی بھر کر جاتے تھے' جب تک بیہ کے ابو زندہ رہے تبھی ان کا تھیلا خالی نہیں ہونے دیتے تھے کہ اماں بی کو زیرے اور کھوپرے کے بسکٹ سدا سے مرغوب تھے اس کے علاوہ گڑ اور موم پھلیاں بھی ان کے پاس کبھی ختم نہ ہوتی تھیں اور اب جیسے بن کہے یہ ذمے داری معظم نے سنبھال لی تھی' بیہ کو یہ تحفے لینا اماں بی کے اصولوں کے خلاف لگتا مگر اماں بی کے لیے یہ معظم کی محبت تھی جسے وہ بخوشی وصول کرتی تھیں۔

اس رات معظم کھانا کھا کر رخصت ہوئے تو کافی دیر ہوچکی تھی' صبح بیہ کی آنکھ بھی دیر سے کھلی مگر اسے شدید حیرت ہوئی جب صبح خیز اماں بی کو بستر پر آنکھیں موندے پایا' بیہ نے انہیں جگانے کو ہاتھ لگایا تو وہ شدید بخار میں تپ رہی تھیں' گزرے برسوں میں انہیں اکثر اسی طرح بخار ہوجایا کرتا تھا

مگر وہ اپنی ہمت اور دل پاور سے دوبارہ صحت یاب ہو جاتی تھیں بیہ نے ان کے زیر استعمال دوائیوں کا جائزہ لیا تو بخار کی دوائی ختم ہو چکی تھی۔

''اماں بی کو بخار ہو گیا ہے دوائی ختم ہو گئی ہے۔'' اگلے پل اس نے بنا سوچے سمجھے معظم کو فون ملایا۔

''گھبراؤ نہیں بیہ مجھے دوا کا نام لکھواؤ' میں ابھی بھجواتا ہوں۔'' وہ اپنے آفس میں تھے بیہ نے ان کی تسلی پر نام لکھوا دیا اور پھر اماں بی کے پاس آ بیٹھی' آنسو خود بخود اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

''معظم کو فون کر دیا؟'' اماں بی نیم غنودگی میں بھی جو نام لے رہی تھیں وہ معظم کا تھا' بیہ نے اثبات میں سر ہلایا مگر سوچ کی رو بھٹک کر دوسری سمت جا چکی تھی۔ اماں بی نے جیسے اب ہر امید معظم سے باندھ لی تھی' وہ بھولے سے بھی چچا میاں کو یاد نہ کرتی تھیں بیہ کو یاد تھا جب وہ اس کے والدین کی وفات پر آئے تھے' تو بہت دیر اماں بی کے پاؤں پکڑے معافی مانگتے رہے مگر اس کے برعکس چچی بیگم کے چہرے پر شرمندگی کے کوئی آثار نہیں تھے' بیہ دعوے سے کہہ سکتی تھی کہ اماں بی نے کوئی ایک بددعا بھی انہیں دل سے نہیں دی تھی کہ آج وہ خوب پھل پھول رہے تھے' چچا میاں کے مختصر سرمائے سے شروع کیا گیا کاروبار خوب پروان چڑھ رہا تھا' دونوں بیٹے بھی اچھی نوکریوں پر لگ گئے تھے' بڑی بیٹی کا رشتہ بھی طے ہو گیا تھا' جو عمر میں بیہ سے سال دو سال چھوٹی ہی تھی۔

''بے شک انسان بڑا بے صبرا ہے۔'' اماں بی نے چچا میاں کے ہاتھ پرے کرتے ہوئے کہا تھا۔ چچا میاں ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''تمہارے نصیب میں جو کچھ اور جتنا کچھ تھا وہ تمہیں ملنا ہی تھا انصار' بس اس کا وقت اللہ نے مقرر کر رکھا تھا اور دیکھو مل گیا ناں سب' ان چند سونے چاندی کے ٹکڑوں کے پیچھے تم نے اپنا گھر' اپنے رشتے سب چھوڑ دیئے اور وہ بھی ناحق' جو چیز تمہاری تھی ہی نہیں اس کے لیے تم لڑے بھی تو کیوں؟ خیر جو گزر گیا سو گزر گیا' میرا بیٹا جا چکا اور میں اس کے بغیر جینا بھی سیکھ لوں گی' تمہیں تو میں بہت عرصہ پہلے رو چکی۔'' اماں بی نے تحمل سے کہتے ہوئے بات سمیٹی تھی۔ چچا میاں بے یقینی سے انہیں دیکھتے رہے۔

''کیا میں یہ سمجھوں کہ اب آپ کے دل میں میرے اور میری اولاد کے لیے کوئی گنجائش نہیں؟'' ان کی آواز ڈوب گئی تھی۔

''نہیں اولاد ہو تم میری' ہاتھ اٹھاتی ہوں تو دعا بھی ضرور دیتی ہوں مگر تم پر اب اپنا حق نہیں سمجھتی' پھر بھی میرے کہنے سے تمہاری تسلی ہوتی ہے تو معاف کیا میں نے تمہیں۔'' اماں بی نے کہتے ہوئے اپنا پاندان کھول لیا گویا اب وہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھیں۔ چچا میاں چند لمحے سر جھکائے یونہی بیٹھے رہے پھر اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد وہ عید بقرعید ملنے ضرور آتے تھے مگر اماں بی کا رویہ ان کے ساتھ گھر آئے مہمان جیسا ہوتا تھا' ان کے کئی بار اصرار کے باوجود بھی اماں بی نے ان سے ایک پائی لینا گوارا نہیں کیا تھا' اور اب معظم..... بیہ کو حیرت ہوتی وہ کیونکر ان پر اتنا بھروسہ کرنے لگی تھیں کہ اپنی سگی اولادوں پر انہیں ترجیح دیتی تھیں۔ بڑی چھوٹی سب پھوپیوں کے بچے جوان تھے مگر کوئی بھی یوں منہ اٹھا کر ان کے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا' کبھی کبھی بیہ کو لگتا کہ صرف وہی معظم کو نہیں جانتی تھی ورنہ چچا میاں سے لے کر تینوں پھوپیوں تک کسی کو بھی تو ان کی آمد پہ اعتراض نہ تھا۔

گھنٹہ بھر بعد ہی معظم کے آفس کا ایک لڑکا اماں بی کی دوائی بمعہ پھل ان کے گھر دے گیا تھا' معظم شام تک آئے تو اماں بی کا بخار کم ہو گیا تھا۔

''اماں بی چلیں میں ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے آیا ہوں۔'' چائے ختم کرتے ہی معظم اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بیہ میرا پرس لے آ۔'' اماں بی نے چادر اوڑھتے ہوئے پاس کھڑی بیہ کو بلایا۔ بیہ پرس پکڑ کر ان کے ساتھ باہر نکلنے لگی۔

''اری تو کہاں چلی آ رہی ہے' گھر میں بیٹھ۔'' اماں بی نے پرس اس سے لیتے ہوئے اسے اندر دھکیلا۔

''آپ اکیلی کیسے جائیں گی اماں بی' میں ساتھ چلوں گی۔'' وہ منمنائی۔

''اری اکیلی کہاں ہوں' معظم ہے ناں ساتھ' تو اندر جا بس۔'' اماں بی کے تحکمانہ انداز پر اس نے ایک ناراض نگاہ معظم پر ڈالی' وہ خلاف معمول اسی کو دیکھ رہے تھے' بیہ منہ ہی منہ میں بدبدا کر کواڑ بھیڑ گئی۔ اماں بی کی واپسی دیر سے ہوئی تھی۔ معظم انہیں اندر چھوڑتے ہی واپس ہو لیے تھے۔

دو دن بعد اماں بی کو پھر بخار نے آ لیا اور پھر جیسے یہ معمول

بن گیا۔ ہر ہفتے انہیں دو دن کے وقفے سے بخار ہو جاتا اور ایسی سردی چڑھتی کہ تین تین کمبل بھی کم پڑ جاتے اور تلوے ایسے مانو جیسے برف کی سل' بیہ سہلائے جاتی مگر حرارت آ کر نہ دیتی' ساتھ ہی ساتھ اماں بی کا پیٹ جو ساری زندگی باکی کنواری لڑکیوں کی طرح کمر سے لگا رہا تھا' اب بہت نامحسوس انداز میں بڑھتا چلا جا رہا تھا' بیہ بولائی پھرتی مگر نہ اماں بی نہ ہی معظم اسے کچھ بھی بتاتے' اس کا کام بس اماں بی کو وقت پر دوائیں اور کھانا کھلانا رہ گیا تھا' اماں بی کی ساری مصروفیات ترک ہوگئی تھیں اور مستقل بستر سے آ لگی تھیں' بخار نے اس عمر میں ان کی ساری توانائی نچوڑ لی تھی' مرجھایا ہوا چہرہ' لاغر انداز' بے خواب و بے نور آنکھیں' دنوں میں اماں بی خزاں رسیدہ درخت کی مانند ہوگئی تھیں۔

''اماں بی کیا ہوتا جا رہا ہے آپ کو' ڈاکٹر کچھ کرتا کیوں نہیں؟'' بیہ کی برداشت کبھی کبھی جواب دے جاتی تو وہ اماں بی کے بستر سے لگ کر رو پڑتی۔

''اری عمر دیکھ میری' اب کیا ساری زندگی ایسے ہی بھاگی پھروں گی' بہت محنت کر لی بیٹا' اب ہمت نہیں رہی۔'' اماں بی اسے بہلاتیں' وہ جھوٹے دلاسے بیہ کی تسلی کو نا کافی ہوتے کہ وہ اماں بی کا ہر رنگ پہچانتی تھی' یہ مایوسی اور کم ہمتی اماں بی کا شیوہ ہی نہ تھی۔

''بیہ نماز پڑھ کے مجھے سورہ الرحمٰن کا پانی دم کر کے پلا دے اور سن تلاوت یہاں میرے پاس بیٹھ کر کریو۔'' وہ عشاء کی نیت باندھتی بیہ کو متوجہ کرتیں اور پھر خود ہی لیٹے لیٹے سورہ رحمٰن کی تلاوت کرنے لگتیں۔ اماں بی نے قرآن اتنا پڑھا تھا کہ بعض طویل صورتیں انہیں زبانی یاد تھیں۔ اب بستر سے لگ کر ان کا نماز قرآن سب چھوٹ گیا تھا' وہ رہ رہ کر اس کا افسوس کرتیں اور روتی جاتیں' بیہ نماز ادا کر کے قرآن پاک لیے ان کے پاس آ بیٹھتی اور ان کی حسب خواہش تلاوت کرنے لگتی فبای الاء پر آ کر اماں بی ہمیشہ اسے ٹوک دیتیں کہ وہ اس آیت کا تلفظ بھی ان کے حسب منشاء ادا نہ کرتی تھی' وہ قرآن کی استاد تھیں' غلط پڑھنا انہیں غصہ دلا دیتا تھا۔

بیہ تلاوت روک کر پھر وہیں سے شروع ہو جاتی جہاں سے انہوں نے ٹوکا ہوتا تھا' بعض اوقات اماں بی کی اسی دوران آنکھ لگ جاتی اور پھر اس کے دم کرنے تک کھل بھی جاتی' ان دنوں اماں بی ساری ساری رات جاگتیں' کسی پہر ذرا دیر کو سوتیں اور پھر اچانک اٹھ جاتیں۔

''بیہ..... پانی.....'' بیہ کو لگتا ابھی اس نے پلکیں جھپکائی تھیں اور ابھی اماں بی نے پکار لیا۔

''پتہ ہے بیہ جب مغل اعظم سنیما میں لگی تھی تو ہمارے سسر ہم سب کو مطلب ہم بہوؤں کو دکھانے لے گئے تھے اور جب وہ گانا آیا تھا' جب پیار کیا تو ڈرنا کیا' تو سارے ہال میں شور مچ گیا تھا۔'' اماں بی جاگتی آنکھوں سے انڈیا پہنچ جاتیں۔

''واہ اماں بی آپ کے سسر تو بڑے ماڈرن تھے۔'' بیہ ہنس دیتی۔

''ہاں تو اور...... بڑے کھلے دل کے تھے ہمارے سسر' دلیپ کمار کے بڑے دیوانے تھے۔'' اماں بی بھی کھل اٹھتیں۔

''اور یہ جو تو گلاب جامن اتنے شوق سے کھاتی ہے ناں' یہ پتہ ہے کون کھاتا تھا؟'' اماں بی کو نئی سوجھتی۔

''کون اماں بی؟'' بیہ ہر بار انجان بن کر پوچھتی۔

''تیری انوری پھوپو' ہائے میری انوری' کوئی ایک نہیں اس جیسی' ایسی نفاست پسند' گھر کے دروازے کے باہر ایک پتلی سی نالی بہتی تھی اس پر سے بھی فراک کے کونے اٹھا کر نکلتی تھی اور جو ذرا ایک بھی دھبہ کپڑوں پہ لگ گیا تو طوفان اٹھا دیتی تھی' سب کام چھوڑ کر پہلے اس کے کپڑے بدلنے پڑتے تھے۔'' اماں بی اس چار سالہ بچی کا ذکر یوں کرتیں گویا وہ کوئی جوان جہان لڑکی تھی۔ ہائے ری بلکتی ممتا' بیہ اداسی سے اماں بی کو دیکھتی مگر وہ اس وقت پوری طرح اپنے ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہوتیں۔

''جب حبیب الرحمٰن آخری بار مجھ سے ملنے آیا تھا تو پتہ نہیں کیوں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اسے آخری بار دیکھ رہی ہوں' یہ اب کبھی نہیں آئے گا' حالانکہ بستر مرگ پر میں تھی مگر دیکھ...... میری آئی اس کو آ گئی۔'' اماں بی بھرائی آواز میں کہتیں اور کچھ پل کے لیے چپ سی ہو جاتیں۔

''جب ابو پیدا ہوئے تھے تب تو آپ کے سسر نے خوب جشن منایا ہوگا؟'' بیہ ان کا دھیان بٹاتی۔

''ارے جشن...... ایسا لگتا تھا شادی ہو رہی ہے' ایسا تندرست' گورا چٹا بچہ کہ سارے خاندان میں کسی کا نہ ہوا تھا' ہفتوں گانے گائے جاتے تھے گھر میں' دیگیں چڑھتی تھیں' مسکینوں کو بلایا جاتا تھا' صدقے خیرات تو روز کی بات تھی' گھر میں ایک بکری بس تیرے باپ کے لیے مخصوص تھی جس کا

قرآن پڑھنا آسان سمجھنا سب کے لیے آسان
معروف قلمکار مشتاق احمد قریشی کی عام فہم قرآنی تفسیر پر مبنی کتابیں
الاخلاص
الفاتحہ
معوذتین
معاذ اللہ
منگوانے کا پتہ
0423-7116257
0213-5620771/2

دودھ وہ اکیلا پیتا تھا' اس کی چچیاں جل جل جاتیں کہ یہ ایک انوکھا پیدا ہوا ہے' ہمارے بچے نہیں ہیں کیا؟ مگر میرے سسر ساس کے آگے بولنے کی مجال نہیں تھی کسی کی' اس کے منہ سے نکلی کوئی بات رد نہ ہوتی تھی مگر کیا ہوا؟ اتنا لاڈ سمیٹ کر میرا بچہ حالات کی چکی میں ایسا پسا کہ سارے نخرے ایک طرف ہوگئے' مزدوریاں کرتے کرتے بڑا ہوا' کیسا فرماں بردار' محنتی' سارے خاندان میں اس جیسا کوئی نہیں پر اس نے یہ اچھا نہیں کیا' ساری عمر میرا ساتھ دیا اور میرا بڑھاپا خوار کر گیا' تو نے دیکھا بیہ' ایک بار پھر میری آتی میری اولاد کو آ گئی۔'' ابصار کا غم ان کے دل کا ناسور تھا جو ان کی جان کے ساتھ ہی جانا تھا' بیہ کا دل دھوئیں سے بھر گیا' اماں بی پھر سو گئی تھیں۔

اگلی صبح ایک نئی مصیبت لے کر طلوع ہوئی تھی' اماں بی کو الٹیاں لگ گئی تھیں' معدہ کھایا پیا کچھ نہ جھیل رہا تھا' ڈاکٹر نے ان کا ڈائٹ چارٹ تبدیل کر دیا' چائے کی وہ شوقین تھیں جسے ڈاکٹر نے ایک ٹائم کے لیے مخصوص کر دیا' پھر فروٹ صرف نرم اور رسیلے جو وہ نگل لیں' چبانا نہ پڑے' دلیہ اور جوس...... روٹی کی ایک پرت اتار کر شوربے میں ڈبو کر کھانے کے لیے بتایا تھا۔

اماں بی دنوں میں بیزار ہوگئیں مگر مجبوری تھی اس کے سوا انہیں کچھ ہضم نہ ہوتا تھا' سخت تنا ہوا پیٹ جسے وہ اکثر پکڑے پکڑے رو پڑتیں اور بیہ کو دیکھ کر اپنے آنسو چھپانے لگتیں' معظم اسی طرح ہر دوسرے دن آ جاتے' اماں بی کی دوا دارو سے لے کر گھر کے دیگر ضروری امور بھی نمٹا جاتے' اس دن وہ آئے تو وہ حسب عادت بیہ سے چائے کے لیے بھی نہ کہا اور سیدھا اماں بی کے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا' بیہ راہداری سے گزر رہی تھی' وہ بغل میں کاغذات کا ایک پلندہ دبائے ہوئے تھے' ناک کی سیدھ میں اسے مکمل نظر انداز کرتے ہوئے وہ گزر گئے تھے' بیہ بے مقصد بند دروازے کے باہر ٹہلتی رہی مگر دروازہ نہ کھلنا تھا نہ کھلا' وہ تھک کر اپنے کمرے میں آ گئی' ٹھیک دو گھنٹے بعد معظم جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔

یہ اس سے ایک ہفتے بعد کی بات تھی' اماں بی کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی' پچھلے دنوں وہ ہاسپٹل بھی رہ کر آئی تھیں' ڈرپس لگی تھیں' کچھ ضروری ٹیسٹ ہوئے تھے' بیہ کو اس بار بھی گھر پر چھوڑ دیا گیا تھا' بڑی پھوپو البتہ اس کے پاس گھر آ کر ٹھہری تھیں' معظم ہی ہر جگہ اماں بی کے ساتھ گئے تھے' بیہ شام کی چائے لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی تھی جب کھٹکے کی مانوس آواز پر اس نے دوپٹہ سر پر جمایا' آنے والے ہمیشہ کی طرح معظم ہی تھے مگر ان کی معیت میں آنے والے کی صورت دیکھ کر بیہ کو کھڑا ہونا پڑا۔

''بیہ میرے ابو آئے ہیں' ابو یہ بیہ ہے' ابصار بھائی کی بیٹی۔'' بیہ انہیں پہچانتی تھی پھر معظم کا بطور خاص متعارف کرانا اسے سمجھ میں نہیں آیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ جھکی نظروں سے سلام کر کے ایک طرف ہوگئی۔

''وعلیکم السلام! خوش رہو بیٹا۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اماں بی کے کمرے کی راہ لی' معظم بھی پیچھے چل دیئے۔

''بیہ چائے......'' وہ دوبارہ صوفے میں دھنسنے لگی تھی جب عقب سے معظم کی آواز آئی' وہ یک لخت پلٹی مگر وہ جا چکے تھے۔

''معظم آپ کا ہی بیٹا ہے آپا بی' کیا میں نہیں جانتا کہ اسے ماں کا پیار بس آپ سے ملا ہے' آپ کو پتہ ہے لندن سے یہ پہلا فون آپ کو کرتا تھا اور دوسرا مجھے' میں جانتا ہوں آپ اس سے کبھی بے خبر نہیں رہیں۔'' چائے کی ٹرے تھامے کچن سے نکلتے ہوئے نصیر صاحب کی آواز بیہ کے کانوں میں پڑی۔

''تو کیا میں یہ سمجھوں کہ تم میری خواہش کا مان رکھو گے نصیر؟'' اماں بی کی آواز میں آس تھی۔

''آپا بی آپ میری بڑی ہیں' میری اولاد کے لیے مجھ سے بہتر سوچیں گی' میں جانتا ہوں' یوں بھی یہ آپ کی بات زیادہ مانتا ہے۔'' نصیر صاحب اماں بی کے ہاتھ تھامے محبت سے کہہ رہے تھے' اماں بی کے گرد بانہیں ڈالے بیٹھے معظم کی آنکھیں چمک رہی تھیں' لب بے وجہ ہی مسکرا رہے تھے۔

''تم نے مجھے پُرسکون کر دیا نصیر' میری فکر ختم کر دی۔'' اماں بی فرط جذبات سے آبدیدہ ہوگئیں۔

''فکر کیسی آپا بی' میں تو آپ کے اشارے کا منتظر تھا ورنہ جو بات ابصار کی زندگی میں ہوگئی تھی اس سے میں مر کر بھی نہ مکرتا' معظم آپ کا ہی ہے' ہمیشہ سے۔'' اماں بی کے کمرے کی دہلیز پار کرتے ہوئے یہ آخری جملہ بیہ کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا' اسے پھر بھی سمجھ میں نہ آیا کہ بات کس کے بارے میں ہو رہی تھی۔

''آ ؤ بیہ یہاں بیٹھو میرے پاس۔'' اسے آتا دیکھ کر نصیر

صاحب نے اس کے لیے اپنے پاس جگہ بنائی وہ اماں بی کی آنکھ کا اشارہ سمجھ کر بیٹھ گئی۔ اماں بی کتنے دنوں بعد اسے خوش دکھائی دے رہی تھیں نصیر صاحب اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور تھوڑی دیر بعد واپس چلے گئے ان دنوں اماں بی کی طبیعت بڑی اچھی رہی بنا منہ بنائے پھیکے سالن اور دلیہ بھی چپ چاپ کھاتی رہیں ایک ہفتہ خیریت سے گزرا بیہ مطمئن تھی کہ چلو کسی بہانے بھی سہی اماں بی خوش تو تھیں خیریت سے تو تھیں مگر یہ اطمینان ہفتہ بھر سے زیادہ برقرار نہ رہ سکا۔ ایک صبح اماں بی پھر بخار میں تپ رہی تھیں غنودگی اتنی تھی کہ انہیں احساس نہ ہوسکا اور ان کا بستر گندا ہوگیا۔ بہت اچانک کسی احساس سے ان کی آنکھ کھلی تھی اور وہ بے اختیار چیخی تھیں۔

''بیہ اری او بیہ جلدی آ بیٹی۔'' بیہ واش روم میں تھی اماں بی کے یوں چیخنے پر جلدی جلدی باہر نکلی تو سامنے کا منظر اس کے لیے بھی ایک جھٹکا تھا' ہمیشہ صاف و پاک رہنے والی اس کی اماں بی گندگی میں بے بس پڑی تھیں' باآواز رو رہی تھیں' پیٹ کے بڑھتے وزن سے اتنی سکت ہرگز نہ رہی تھی کہ خود اٹھ بیٹھ جاتیں' بیہ اپنے اچانک امنڈ آنے والے آنسوؤں کا گلا گھونٹتی آگے بڑھی اور اماں بی کو سہارا دے کر واش روم لے گئی' شدید بخار سے ان کے حواس بار بار گم ہو رہے تھے' اوپر سے وہ اپنا وزن سہارنے کے بھی قابل نہ تھیں' بیہ جیسی دھان پان کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہوگیا' انہیں صاف ستھرا کر کے اپنے بستر پر لٹایا اور ان کا بستر صاف کرنے میں جت گئی۔ اماں بی عقیدت مندی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''تجھے دونوں جہانوں کی خوشیاں ملیں میری بچی' مالک تجھے اتنا دے کہ تو رکھ رکھ بھولے۔'' اماں بی کی دعائیں اس کا حصار کرنے لگیں' پھر یہ بھی معمول بن گیا' ہر دوسرے دن ایسا کچھ ہوجاتا' اماں بی ہر ممکن کوشش کرتیں کہ خود اٹھ کر چلی جائیں اور اس کوشش میں وہ ایک بار واش روم کے دروازے پر گر بھی گئیں مگر ان کا بڑھا ہوا پیٹ ان کے لیے کسی سزا جیسا بن چکا تھا۔ ان کے کپڑے ٹائٹ ہونے لگے' بیہ نے وقت نکال کر جلدی جلدی ان کی دو تین قمیصیں ڈھیلی سی ڈالیں تاکہ وہ آرام سے پہنی جاسکیں' کوئی اسے چاہے کچھ نہ بتاتا مگر وہ سمجھ چکی تھی کہ اماں بی کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوچکا تھا جس کا علاج تمام تر احتیاط اور دواؤں کے باوجود ممکن نہیں ہو پا رہا تھا۔

اس دن بہت دنوں بعد تینوں پھوپیاں آئی ہوئی تھیں' اماں بی کی حالت دن بدن بگڑتی جارہی تھی' وہ کسی بھی حاجت کے لیے بستر سے اٹھنے کے قابل نہ رہی تھیں' چچا میاں بھی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے' ان کی بڑی بیٹی کی شادی کے دن قریب تھے' وہ کارڈ لے کر آئے تھے' مگر اماں بی کی حالت دیکھ کر کسی خوش خبری کو سنانے کا منہ نہیں پڑ رہا تھا۔ اماں بی بہت چڑچڑی اور بیزار ہو رہی تھیں۔ مسلسل بخار اور پیٹ کی بڑھتی تکلیف نے انہیں ادھ موا کردیا تھا' بیہ انہیں دوا کھلا کر کچن میں آگئی' بڑی پھوپو اماں بی کے پاس اندر بیٹھی تھیں' خود بیہ کے آج کل دن رات ایک جیسے ہوگئے تھے' تھکن سے اس کا جوڑ جوڑ دکھتا تھا' اس پر اماں بی کو دیکھنے آنے والوں کا ہر روز تانتا بندھا رہتا' ان کی مہمان نوازی اسے اور تھکا دیتی' ابھی بھی وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کے خیال سے ہی آئی تھی' مگر کچن میں چچا میاں کی بڑی بیٹی ماریہ کے ساتھ منجھلی پھوپو کی رمشا اور چھوٹی پھوپو کی عفرہ موجود تھیں وہ لوگ یقیناً چائے بنا رہی تھیں۔

''لاؤ میں پکا دوں' وہ اماں بی کو دوائی کھلانے میں دھیان ہی نہیں رہا۔'' وہ شرمندہ سی ہوتی آگے بڑھی۔

''کوئی بات نہیں یار' اماں بی تو خود ایک فل ٹائم جاب ہیں' ہمت ہے تمہاری' ورنہ مجھ سے تو یہ سب بھی نہیں ہوسکتا۔'' ماریہ نے عجیب انداز میں اسے داد دی۔ بیہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''واقعی یار بیہ کی ہمت ہے کہ سارا دن یہی سب کرتی رہتی ہے۔ میری تو میڈیکل کی پڑھائی ہی اتنی ٹف ہے کہ اماں بی کو دیکھنے بھی آجاتی ہوں تو یہی بہت ہے۔'' رمشا نے بھی اس کی تائید کی۔ بیہ خاموشی سے ابلتی ہوئی چائے کو دیکھتی رہی۔ ''اور مجھ سے تو ابھی گھر کے کام ہی نہیں ہوتے تو اور کچھ کیسے ہوگا۔'' عفرہ بی بی نے بھی ہاتھ جھاڑے۔ اسی پل دستک کی آواز پر وہ چاروں چونکیں۔ معظم دروازے پہ کھڑے تھے۔

''السلام علیکم معظم بھائی۔'' ان تینوں نے یک زبان ہوکر کہا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہیں آپ سب؟'' معظم نے بردباری سے جواب دیا۔ بیہ انجان بنی کھڑی رہی۔

''ہم تو ٹھیک ہیں مگر آپ کافی تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔'' جواب ماریہ کی طرف سے آیا۔

''غلط فہمی ہے آپ کی' میں بالکل ٹھیک ہوں ویسے عدیلہ

بھابی آپ لوگوں کو بلا رہی ہیں۔'' معظم سنجیدہ ہی تھے۔
''تم لوگ جاؤ میں چائے لاتی ہوں۔'' بیہ نے رخ موڑے ہی جواب دیا۔ وہ تینوں آگے پیچھے باہر نکل گئیں۔ بیہ چائے نکال چکی تھی، معظم اب تک کھڑے اس کے پلٹنے کے منتظر تھے۔
''آپ کو کچھ چاہیے؟'' انہیں مسلسل دروازے میں ایستادہ دیکھ کر بیہ کو پوچھنا پڑا۔ معظم نے ایک نظر ٹھہر کر اس کا چہرہ دیکھا' آسمانی رنگ کا ملگجا شکن آلود لباس پہنے' پتہ نہیں کب کے بنائے بال جواب بکھر کر چہرے اور کندھوں پر پھیلے تھے۔ سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتے رت جگے' زمانے بھر سے زیادہ معصوم اس کا چہرہ' اماں بی کی بیماری نے اس کا رنگ وروپ کملا گیا تھا۔
''رات کو کھانا مت پکانا' میں بازار سے لا دوں گا۔'' وہ جو بہت دیر سے کہنا چاہ رہے تھے ایک دم کہہ گئے۔ بیہ حیرانی سے ان کی بات سننے لگی۔
''اتنے سارے لوگ ہیں اور پھر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ بمشکل کہہ پائی' اسے درحقیقت حیرت ہورہی تھی کہ وہ اس کی مشکل کا سراغ پا گئے تھے' وہ بھی تو اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ اتنے سارے لوگوں کے لیے کیا پکائے گی اور کیسے؟ کیونکہ اماں بی اسے زیادہ تر اپنے آپ سے دور نہیں رہنے دیتی تھیں' اور اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود اس کا ہاتھ بٹانے والا یہاں کوئی نہیں تھا اور آج بھی ہمیشہ کی طرح اس کی مشکل اگر کوئی سمجھ پایا تھا تو وہ وہی ایک شخص تھا' کیا اماں بی ان پر یوں ہی بھروسہ کرتی تھیں؟
''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے' تم بس اماں بی کے ساتھ رہو باقی سب میں کرلوں گا۔'' اس نے معظم کو کہتے سنا' شاید پہلی بار وہ اس سے اتنے حق سے بولے تھے۔
''جی اچھا۔'' وہ مشکور سی ہوتی باہر نکل گئی۔ معظم چند لمحے کھڑے اسے دیکھتے رہے' کچن میں ہونے والی سب گفتگو انہوں نے بھی سنی تھی اور بیہ کی خاموشی بھی محسوس کی تھی' اس کی عمر کی سب لڑکیاں' بچیاں بنی ہوئی تھیں اس کا کیا قصور تھا؟ جو اپنی عمر سے بڑھ کر صبر اور حوصلے کا مظاہرہ کررہی تھی' اس لڑکی میں اماں بی کی جان تھی اور انہیں اماں بی کی خوشبو تک عزیز تھی' بیہ کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ بھی باہر نکل گئے تھے۔

❀......()......❀

اماں بی کے پیٹ میں شدید درد تھا' وہ باقاعدہ چیخیں مار رہی تھیں' سارے گھر میں ان کی آہ وبکا گونج رہی تھی' بیہ کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا' گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا' اماں بی کے سسرال اور میکے کے کئی رشتہ دار تھے' نصیر صاحب اور معظم بھی یہیں تھے' بیہ کی ننھیال میں کوئی تھا ہی نہیں' امی اکلوتی تھیں' نانا نانی عرصہ ہوا مر چکے تھے' اس نے ددھیال ہی دیکھا تھا' تینوں پھوپیاں' ان کے شوہر' چچا میاں' چچی بیگم' غرض گھر میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی' بیہ کو وحشت سی ہورہی تھی' وہ بے سبب ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بولائی پھر رہی تھی۔ سب لوگ کھانا کھا چکے تھے' مگر پھر بھی پتہ نہیں کس انتظار میں یہاں بیٹھے تھے۔ بیہ کو لگتا تھا یہ اس کی زندگی کی طویل ترین رات تھی' جس کا اختتام ہو کر نہیں دے رہا تھا' ایک طرف لوگوں کا ہجوم' دوسری طرف اماں بی کی چیخیں...... بیہ کو ڈھیر سارا رونا آرہا تھا مگر کوئی کندھا میسر نہ تھا' جس پر سر رکھ کر وہ اپنا دل ہلکا کرسکتی۔ اس ہجوم میں وہ اکیلی تھی۔ تھک کر بڑے کمرے میں آبیٹھی۔ یہاں بہت سی خواتین اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بیہ کے کان کھڑے ہوگئے۔
''یہ رات بھی نکال لیں آپا بی تو بڑی بات ہے' مجھے تو لگتا ہے بس یہی چند گھنٹے ہیں۔'' وہ اماں بی کی کوئی سسرالی رشتہ دار تھیں' بیہ پہچانتی نہیں تھی۔
''صحیح کہہ رہی ہیں پھوپو کان کی لوئیں تک تو مڑ چکی اماں بی کی۔'' یہ چچی بیگم تھیں...... بیہ کو شدید غصے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا' وہ سب اسی کے گھر میں بیٹھ کر اسی کی اماں بی کے مرنے کا انتظار کررہی تھیں۔
''اماں بی بالکل ٹھیک ہوجائیں گی چچی بیگم' آپ پریشان مت ہوں۔'' وہ چبا چبا کر بولتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔
''اسے کاہے کو برا لگ رہا ہے بی بی؟'' وہ انجان خاتون تیوری چڑھا کر چچی بیگم سے بولیں۔
''ارے سب اماں بی کے لاڈ کا نتیجہ ہے' زیادہ ہی سر پر چڑھا رکھا ہے اسے۔'' چچی بیگم نے تنفر سے سر جھٹکا' کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی بڑی پھوپو نے سب دیکھا اور سنا تھا' وہ جب سے آئی تھیں' بیہ کو پھرکی کی طرح پورے گھر میں گھومتا دیکھ رہی تھیں' ان کے چہرے پر سوچ کی واضح پرچھائیاں تھیں۔ صبح کے پہلے پہر اماں بی کی آنکھ لگی تھی یعنی انہیں درد

میں آرام آ گیا تھا۔ وقفے وقفے سے سارے مہمان بھی مایوس ہو کر رخصت ہوگئے تھے صبح کا ناشتہ لے کر جب بیہ اماں بی کے پاس آئی تو وہ اٹھی ہوئی تھیں اور بڑی پھوپو سے آہستہ آواز میں باتیں کر رہی تھیں بیہ کو آتا دیکھ کر ان کی بوڑھی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے اماں بی مجھے سچ میں بہت خوشی ہوئی سن کر۔'' بڑی پھوپو نے آخری جملہ بیہ کو دیکھتے ہوئے ادا کیا تھا۔

''کیا اماں بی لے کے سب کو پریشان کردیا آپ نے' سب سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا تو مجھے ویسے ہی کہہ دیتیں' میں بلا لیتی سب کو۔'' اماں بی اس کے انداز پر مسکرا دیں' بیہ انہیں سہارا دے کر بٹھانے لگی۔

''پتہ ہے کل کتنا چیخی ہیں آپ' اف...... سارا محلہ اکٹھا ہو گیا تھا' یہاں۔'' وہ پھر بولنے لگی۔ اماں بی جانتی تھیں کہ وہ انہیں بہلانے کے لیے یہ سب کہہ رہی تھی۔

''معظم آیا تھا؟'' اماں بی کا وہی ایک سوال اسی ایک شخص کے لیے۔

''جی آئے تھے رات بھر یہیں تھے فجر کے بعد گئے ہیں۔'' بیہ نے مختصر اً بتادیا۔

''ناشتہ دے گیا تھا اسے؟'' اماں بی کا اگلا سوال۔

''منع کردیا تھا انہوں نے' بس چائے پی کر گئے تھے۔'' وہ اماں بی کو ناشتہ کرواتے ہوئے بتانے لگی۔

''ارے ہاں اماں بی' کل انصار اور عدیلہ بھی آئے تھے ماریہ کی شادی کی تاریخ ٹھہر گئی ہے۔'' بڑی پھوپو اماں بی کو بتانے لگیں۔

''اچھا......'' اماں بی نے یک لفظی جواب دیا اور بیہ کے ہاتھ سے نوالہ کھانے لگیں۔

''کہہ رہی تھیں کہ ہم تو اماں بی کو ساتھ لے جانے آئے تھے تاکہ ہمارے گھر میں بھی تھوڑی رونق ہو۔'' بڑی پھوپو نے چچی بیگم کے الفاظ دہرائے تو اماں بی اور بیہ نے ایک ساتھ نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''چھوڑیں اماں بی اب تو انہیں معاف کردیں' عرصہ ہوگیا اس بات کو' انصار کتنا شرمندہ ہے آپ سے اور اب تو انصار بھائی بھی نہیں رہے' کب تک اس جوان بچی کے ساتھ' یہاں اکیلے رہیں گی۔'' بڑی پھوپو ان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر بولیں تھیں' انداز مصالحانہ تھا' اماں بی آپوں آپ مسکرائیں۔ ''کہہ رہا تھا انصار کہ آج پھر چکر لگائے گا۔'' بڑی پھوپو مزید گویا ہوئیں۔ اماں بی نے کوئی جواب نہ دیا بس خاموشی سے ناشتہ کرتی رہیں۔ بڑی پھوپو اور خود بیہ بھی اماں بی کی خاموشی سمجھنے سے قاصر رہی تھیں۔

⁂......()......⁂

عصر سے ذرا پہلے چچا میاں اور چچی بیگم آئے تھے۔ سب اماں بی کے کمرے میں جمع تھے' بڑی پھوپو بھی رکی ہوئی تھیں۔ بیہ چائے لے آئی۔

''اماں بی ماریہ کی شادی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں' میں چاہتا تھا آپ میرے ساتھ میرے گھر چلتیں' وہاں رونق میلے میں آپ کی طبیعت بہل جائے گی۔'' چچا میاں کہہ رہے تھے اماں بی اسی پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''میاں چلنے کو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر یہ بتاؤ تمہاری بیوی یا بیٹیاں میرا بستر صاف کریں گی؟ اگر کریں گی تو میں ابھی چلی چلتی ہوں۔'' اماں بی بولیں تو لہجہ بالکل الگ تھا' مقابل کو چیلنج کرتا ہوا۔ چچی بیگم کھٹک گئیں۔

''ارے تو آپ اکیلی تھوڑی جائیں گی' یہ بیہ چلے گی ناں ساتھ؟'' اماں بی نے خونخوار نظروں سے انہیں گھورا۔

''بیہ تمہارے باپ کی نوکر لگی ہے' کیا سمجھ لیا تم نے اسے۔'' اماں بی اپنے ازلی انداز میں دہاڑی تھیں۔ چچی بیگم لمحے بھر کو دبک کر رہ گئیں مگر پھر فوراً ہی انداز نرم کرتے ہوئے بولیں۔

''میں تو یوں کہہ رہی تھی اماں بی کہ بیہ سے آپ مانوس ہیں اور اسے پتہ بھی ہے آپ کو کیسے ہینڈل کرنا ہے۔'' ایک پل کو تو بیہ بھی ان کے پینترا بدلنے پر حیران رہ گئی۔ چچا میاں خاموش بیٹھے یہ مذاکرات دیکھ رہے تھے کہ انہیں اچھی طرح اپنی بیوی کی طبیعت اور بیٹیوں کے نکمے پن کا علم تھا۔

''بی بی اصول کی بات کرو' میں بیہ کے باپ کے گھر میں رہتی ہوں تو بیہ میرا کرتی ہے' ماریہ کے باپ کے گھر میں رہوں گی تو ماریہ ہی کرے گی ناں۔'' اماں بی کا لہجہ ہنوز کڑک تھا۔ بیہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ آخر اماں بی کی باتوں کا مقصد کیا تھا۔

''میری بیٹیاں کب آپ کے اتنا قریب رہی ہیں کہ انہیں ان سب کی عادت ہو۔'' چچی بیگم بالآخر کہہ گئیں۔

''اب وہ تو تم اپنے آپ سے پوچھو کہ ایسا وقت آخر آیا کیوں؟ میں نے تو اپنی پوتیوں میں کبھی فرق نہیں کیا۔'' اماں بی

نے آرام سے طنز فرمایا۔

"رہنے دیں اماں بی! میری بیٹیوں میں اور اس بیہ میں آپ نے ہمیشہ فرق کیا ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ آپ نے بیہ کے لیے......"

"بس......" اماں بی نے ہاتھ اٹھا کر چچی بیگم کی بات کاٹ دی۔ "اب سنو بیچ بی بی! تمہاری ساری اولاد تم پر گئی ہے، بے وفا، بدمزاج اور احسان فراموش، جن کی ماں میری نہ بن سکی اس کی اولاد سے میں کیا امیدیں رکھوں گی، بیہ جیسی تو تمہاری بیٹیاں مر کر بھی نہیں بن سکتیں۔" اماں بی کی ازلی صاف گوئی، بیہ کھسکنے کا سوچنے لگی کہ موضوع اب اس کی ذات بننے لگی تھی مگر چچی بیگم کی بات نے اس کے قدم روک لیے۔

"ہنہ ماں تو آپ کو بیہ کی بھی پسند نہیں تھی پھر اس کے لیے اتنا دلار کیوں؟" وہ دو بدو بولیں۔ اماں بی نے چند لمحے توقف کیا۔

"تمہاری بدزبانی نے مجھے مجبور کردیا ہے عدیلہ کہ آج میں یہ اعتراف کرلوں کہ بیہ کی ماں ایک بھلی عورت تھی، میں نے اس کی جب اور جتنی بھی مخالفت کی وہ اس کی نہیں میری بچی تھی، کیونکہ میری انا نے مجھے کبھی یہ تسلیم کرنے نہیں دیا کہ وہ مجھ سے زیادہ سلیقہ شعار تھی۔ اپنے ہر رنگ میں، اپنے سلیقے میں اور طریقوں میں اور مجھ سے اس کا دو قدم آگے ہونا برداشت نہیں ہوا، میں برملا کہتی ہوں کہ آج وہ ہوتی تو اس گھر کا رنگ ہی اور ہوتا، اس میں ماحول بدلنے کی صلاحیت تھی بس زندگی نے وفا نہ کی۔" ان کے انداز میں اداسی گھل گئی۔ اماں بی کے اعتراف نے کمرے میں موجود تمام نفوس کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا تھا، بیہ کے لب مسکرائے اور دل فخر سے بھر گیا تھا۔

"چلیں جی، یہ قصیدے سننے نہیں آئی تھی میں یہاں۔" چچی بیگم کی برداشت کی حد ختم ہوچکی تھی، چچا میاں کو مخاطب کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"وہ تو مجھے خوب پتہ ہے کہ تم یہاں کس لیے آئی تھیں مگر مجھ سے تو اب تمہیں دعائیں ہی مل جائیں تو شکر ادا کرنا۔" اماں بی نے پھر ان کا دل جلایا۔

"تو کیا چچی بیگم پھر کسی لالچ کی آس میں آئی تھیں؟" بیہ سوچ کر رہ گئی۔

"رسی جل گئی پر بل نہیں گئے اماں بی آپ کے۔" چچی بیگم دہلیز پر پہنچ کر پھر چیخی تھیں۔

"ارے جلیں میرے دشمن۔" اماں بی نے حقارت آمیز انداز میں ناک سے مکھی اڑائی۔ "جاؤ میاں کہیں ایسا نہ ہو تمہیں بھی یہیں چھوڑ جائے تمہاری بیوی۔" چچا میاں کی بزدلی اماں بی کو ایک آنکھ نہ بھائی تھی، سو انہیں بھی چلتا کیا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئیں گویا اب بات ختم، بڑی پھوپو اور بیہ تو یوں بھی خاموش سامع تھیں، اماں بی نے ثابت کردیا تھا کہ وہ اس حالت میں بھی کسی سے دبنے والی نہیں تھیں۔

"اری مجھ جیتی جاگتی کو مرا سمجھ لیا انہوں نے، وہ تو اللہ کا کرنا ہوا جو ابصار کی زندگی میں ہی میں نے یہ فیصلہ کرلیا ورنہ یہ مگرمچھ کھا جاتے میری بچی کو۔" اگلے دن معظم آئے بیٹھے تھے اور اماں بی ان سے بھی یہی موضوع چھیڑے بیٹھی تھیں، بیہ کچن کے روزمرہ کے کام نمٹا رہی تھی، بڑی پھوپو نے اماں بی کی فرمائش پر ان کی پسند کا قورمے والا دلیہ بنایا تھا، بیہ کو اماں بی کے انداز دیکھ کر یقین ہو چلا تھا کہ اب وہ مرتے دم تک چچی بیگم اور چچا میاں کی شکل دیکھنے والی نہیں تھیں۔

"بیہ برتن دھو کر اس میں بگھار لگا دینا بیٹا، مجھ سے اب کھڑا نہیں ہوا جارہا۔" بڑی پھوپو پسینے میں شرابور دیوار کا سہارا لیے کھڑی تھیں۔

"میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ رہی تھی پھوپو کہ میں کرلوں گی سب آپ کی بھی اب کہاں ہمت رہ گئی ہے یہ سب کرنے کی آپ جائیں اندر بیٹھیں، میں لگادوں گی بگھار۔" بیہ نے فوراً انہیں سہارا دے کر کچن سے باہر نکالا۔

"بس بیٹا، اماں بی کا دل چاہ رہا تھا تو مجھ سے انکار نہیں ہوسکا، ویسے بھی ہم کیا کررہے ہیں ان کے لیے، بیٹیوں کا فرض تو تم نے نبھایا ہے۔" وہ بیہ کا ہاتھ تھامے راہداری سے گزرتے ہوئے کہنے لگیں۔

"یہ تو میری خوش نصیبی ہے پھوپو کہ مجھے ان کی خدمت کا موقع ملا ہے، ورنہ تو وہی اس عمر میں مجھ یتیم کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔" اس کا انداز نارمل ہی تھا مگر بڑی پھوپو کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ انہیں کیوں اچانک اس چھوٹی سی لڑکی سے محبت محسوس ہونے لگی تھی۔

"یوں نہ کہو بیہ، کیا ہم تمہارے اپنے نہیں۔" وہ کمرے کی چوکھٹ پہ رک کر اسے ٹوکنے لگیں، بیہ پھیکا سا مسکرائی۔

"اچھا نہیں کہتی، اب آپ جائیں نہالیں۔" وہ انہیں کمرے تک چھوڑ کر واپس ہولی۔ آج کا دن ایک لحاظ سے

اچھا ہی تھا' اماں بی کو بخار بھی نہیں تھا' پیٹ میں بھی درد نہیں ہوا تھا اور آج وہ تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں' باتیں کررہی تھیں' بہت دنوں بعد کچھ کھانے کی فرمائش کی تھی۔ بیہ اماں بی اور معظم کے لیے کھانا نکال کر ان کے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔

''ابصار نے انصار کو پڑھانا چاہا' یہ پڑھ کر نہ دیا' کاروبار کرایا ٹھپ کردیا' گاڑی لے کردی بیچ ڈالی' اس کی بیوی کے ہاتھ میں پڑی سونے کی چوڑیاں تک میرے ابصار کی کمائی کی ہیں اور اس پر بھی اس کے لالچ کا ٹوکرا نہیں بھرتا' بیٹے خوب کمارہے ہیں مگر اس کے دل میں پھانس گڑی ہے اس زیور کی۔ میں تجھے وصیت کررہی ہوں معظم کہ میری بچی کی کوئی حق تلفی نہ ہو میرے بعد ورنہ میں روز حشر تیرا گریبان پکڑوں گی۔'' اماں بی کہتے کہتے ہانپ گئی تھیں' بیہ نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے گھبرا کر معظم کو دیکھا' یہ اماں بی کیا کہہ رہی تھیں ان سے۔

''آپ بے فکر رہیں اماں بی' آپ کی بچی کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا پھر بھی آپ میرا گریبان پکڑنا چاہیں تو میں ابھی بھی حاضر ہوں۔ روز حشر کا انتظار ہرگز نہ کریں۔'' وہ حسب عادت دھیما سا مسکراتے ہوئے اماں بی کے آگے جھک کر کہنے لگے۔ اماں بی مسکرادیں۔

''اللہ تجھے لمبی عمر دے میرے بچے' جیسا تو نے میرا خیال رکھا ہے' میری روح تک تجھے دعائیں دے گی۔'' اماں بی آبدیدہ ہوگئیں۔

''اچھا رونا دھونا نہیں ہے' چلیں آج میں آپ کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں گا' بیہ تم جاؤ۔'' ان کے انداز بدلنے لگے تھے' بیہ سوچتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ بڑی پھوپو نہا کر آئیں تو ان دونوں نے لاؤنج میں ہی کھانا کھالیا۔ معظم اماں بی کے کمرے سے نکلے تو لاؤنج میں رک گئے۔

''اماں بی سوگئی ہیں' میں ذرا ایک کام سے جارہا ہوں' تھوڑی دیر میں آجاؤں گا' اچھا پھوپو اللہ حافظ۔'' وہ کہتے ہوئے نکل گئے۔ بیہ برتن سمیٹ کر کچن میں گئی تو بڑی پھوپو اماں بی کے کمرے میں جا کر لیٹ گئیں۔ اماں بی چادر اوڑھے سورہی تھیں' ان کا تنا ہوا پیٹ ہولے ہولے ہلتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ بیہ ایک نظر دیکھ کر کچن میں چلی گئی۔ اپنے سب کام نمٹا کر وہ لاؤنج میں ہی آبیٹھی اس کے ایم اے کے امتحان نزدیک تھے مگر اس نے نام کو تیاری نہیں کی تھی' وقت ہی نہیں ملا تھا مگر اسے کوئی افسوس نہیں تھا کہ اماں بی سے بڑھ کر اس کے لیے کچھ بھی اہم نہیں تھا۔ عصر کے وقت معظم لوٹ آئے تھے۔

''اماں بی ٹھیک ہیں؟'' انہوں نے بیہ کے سامنے ہی بیٹھتے ہوئے اسے مخاطب کیا' ایک بھینی بھینی مسحور کن خوشبو اس کا حصار کرنے لگی' وہ لاشعوری طور پر سمٹ گئی۔

''جی سورہی ہیں۔''

''تمہارے امتحان نزدیک ہیں بیہ' تیاری کررہی ہو ناں۔'' وہ سامنے پڑا اخبار اٹھاتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھنے لگے۔

''اماں بی کی بیماری میں وقت ہی نہیں ملتا' سوچ رہی ہوں اس سال نہ دوں امتحان۔'' اس نے جھکی نظروں سے جواب دیا۔

''سب ہوجائے گا' امتحان چھوڑنے کی غلطی مت کرنا' میں اماں بی کے کمرے میں جارہا ہوں' چائے لے آؤ۔'' وہ اخبار بغل میں دبائے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ان کے جاتے ہی بیہ بھی کچن میں آگئی۔ چائے پکا کر کپوں میں نکالتے ہوئے اسے لگا اس کے ہاتھ کانپ رہے ہیں' دل کی دھڑکن اچانک ہی بہت تیز ہوگئی تھی۔

''کیا ہورہا ہے مجھے۔'' اس نے ٹرے اٹھاتے اٹھاتے واپس رکھ دی۔ گھڑی پانچ بجے کا عندیہ دے رہی تھی۔

''یہ اماں بی اب تک اٹھی کیوں نہیں' اتنا تو وہ کبھی نہیں سوتیں۔'' اسے اپنی کیفیت سمجھ میں نہیں آرہی تھی' ایک بے سکونی اسے اپنے حصار میں لینے لگی' وہ بے اختیار اماں بی کے کمرے کی طرف بھاگی' وہاں کا ماحول پُرسکون تھا' معظم کرسی پر بیٹھے تھے۔ بڑی پھوپو آنکھیں موندے دوسرے بستر پر لیٹی تھیں اور اماں بی سر تک چادر تانے سورہی تھیں' بیہ غور سے دیکھنے لگی' سارے جسم کی مجموعی سطح سے بہت اونچا اٹھا ہوا ان کا پیٹ......نہیں ہل رہا تھا......وہ آنکھیں گاڑے دیکھتی رہی اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں' کمرے میں ملگجا اندھیرا تھا' کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے لائٹ بند تھی۔

''معظم......اماں بی؟'' اس کی خوف سے لرزیدہ آواز نے معظم کو سر اٹھانے پر مجبور کردیا۔

''سورہی ہیں بیہ' کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ اس کا پیلا پڑتا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئے۔

''امابی کی سانس نہیں چل رہی دیکھیں...... دیکھیں اماں بی کو۔'' وہ اندر آ گئی اور اماں بی سے قدرے فاصلے پر کھڑی اشارہ کرنے لگی۔ معظم اس کی حالت دیکھ کر آگے بڑھے اور اماں بی کی چادر ہٹادی۔ بڑی پھوپو بھی اٹھ بیٹھیں۔ اماں بی کا چہرہ سوئے ہوئے شخص کا چہرہ تھا مگر معظم کے اندر بھی خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی' انہوں نے اماں بی کی ناک کے آگے ہاتھ رکھا' وہاں کچھ نہیں تھا...... اماں بی کی سانسیں تھم چکی تھیں' نبض ساکت تھی' انہوں نے جس طرح واپس چادر ڈالی' بیہ کی چیخ نکل گئی۔ بڑی پھوپو بھی اماں بی سے لپٹی رونے لگیں۔

''اماں بی اٹھیں' اماں بی آپ کی بیہ اکیلی ہے اماں بی' میرے ساتھ ایسا مت کریں' اماں بی' میں آپ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔'' بیہ دیوانہ وار چیخ رہی تھی مگر اماں بی نے اب نہیں اٹھنا تھا' وہ جو تکلیف سے چیختیں تو سارا محلہ اکٹھا کر لیتی تھیں' آج جب وقت نزع آیا تو یوں چپ چاپ گزر گئیں کہ پاس بیٹھے افراد کو بھی خبر نہ ہو سکی تھی۔ بیہ کا تڑپنا دیکھا نہ جاتا تھا' بڑی پھوپو اپنا غم بھول کر اسے سنبھالنے میں ہلکان ہو رہی تھیں۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر سب قریبی رشتہ دار جمع ہو چکے تھے' ہر ایک افسردہ تھا مگر اماں بی کی طویل بیماری کے سبب ان کی موت کسی کے لیے بھی غیر متوقع نہیں تھی۔ اماں بی کے غسل کا وقت آیا تو بیہ کی حالت ایک بار پھر غیر ہونے لگی' بڑی پھوپو کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی وہ بضد تھی کہ اماں بی کو غسل وہی دے گی' گھر کے پچھلے حصے میں چادریں ڈال کر اماں بی کے غسل کا انتظام کیا گیا تھا۔ بیہ چوکھٹ پہ کھڑی برف ہو گئی۔ اماں بی کا ساکت وجود تخت پر دھرا تھا اور خاندان کی چند بزرگ خواتین ان کا لباس ان کے وجود سے جدا کرنے کی کوشش میں تھیں' ایک خاتون اماں بی کی ناک کی لونگ جو ساری زندگی ان کی ناک کا حصہ رہی تھی' تیز دھار قینچی سے کاٹ کر ان کی ناک سے الگ کر رہی تھیں' بیہ الٹے قدموں واپس بھاگی اور بڑی پھوپو سے لپٹ گئی۔

''آپ نے دیکھا پھوپو' میری ایسی حیا والی اماں بی جن کا کبھی دوپٹہ سر سے نہیں اترا' آج یہ لوگ ان کا لباس کاٹ کر اتار رہے ہیں اور وہ ایسی بے بس پڑی ہیں کہ کسی کا ہاتھ نہیں روک سکتیں' پھوپو مجھ سے نہیں دیکھی جا رہی ان کی یہ لاچاری۔'' شدت سے روتے ہوئے اس نے بات پوری کی تھی' بڑی پھوپو کا دل کٹنے لگا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا بیہ کہ تم سے برداشت نہیں ہوگا' صبر کرو میری بچی۔'' وہ اسے بانہوں میں بھرے اندرونی کمرے میں لے آئی تھیں۔ غسل کے بعد ایک عجیب معاملہ ہو گیا تھا' اماں بی کے منہ سے اچانک خون نکلنے لگا تھا' ان کا کفن تیزی سے خراب ہونے لگا' باہمی مشاورت سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ جلد از جلد اماں بی کی تدفین ہو جائے اور مزید کسی کے آنے کا انتظار نہ کیا جائے ویسے بھی ان کی سب اولادیں یہاں موجود تھیں' عشاء تک اماں بی کا جنازہ اٹھ گیا' بیہ پتھر بنی اندر بیٹھی رہی' اس میں ہمت ہی نہ تھی کہ اماں بی کو کفن میں لپٹا دیکھتی' وہ ہمیشہ کے لیے اپنی یادداشتوں میں اماں بی کا وہی روپ بسائے رکھنا چاہتی تھی جو اس نے ساری عمر دیکھا تھا' صاف ستھرے بے شکن لباس میں ملبوس' اپنی ٹانگوں پر کھڑی' کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتی ہوئی اس کی لاکھوں میں ایک اماں بی' ایک بار پھر اس کا ضبط کھونے لگا تو اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دے دیا' اماں بی جا چکی تھیں۔

❁......()......❁

''اماں بی کو پیٹ کا کینسر ہو گیا تھا' وہ ڈاکٹروں کی تشخیص سے پہلے ہی اپنا مرض پا چکی تھیں مگر ان کی خاص تاکید تھی کہ تمہیں کچھ نہ بتایا جائے کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ تم یہ برداشت نہیں کر پاؤ گی' ان کی ضعیف العمری کی وجہ سے ڈاکٹروں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ کسی بھی قسم کی سرجری یا تھراپی کی تکلیف برداشت کرنے کی حامل نہیں ہو سکیں گی اور اگر ایسا کیا جاتا تو ان کے بچنے کے چانس یوں بھی کم ہی تھے اس لیے اماں بی نے ہاسپٹل میں رہنے سے بھی انکار کر دیا تھا اور گھر پر علاج کرانے کو ترجیح دی تھی تاکہ وہ سارا وقت تمہارے ساتھ گزار سکیں' انہیں تمہاری بہت فکر رہتی تھی بیہ۔'' اماں بی کے سوئم والے دن اس کے آنسو تھمے تھے تو بڑی پھوپو نے اسے یہ سب بتایا تھا۔ بیہ کی آنکھیں پھر بھرنے لگی تھیں' بڑی پھوپو کچھ دیر اس کے جھکے سر کو دیکھتے رہنے کے بعد گویا ہوئیں۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں بیہ' جب اماں بی نے اپنا سارا زیور ابصار بھائی کو سونپا تھا تو وقتی طور پر ہم بہنوں کو بھی انصار کی طرح برا لگا تھا' میں اوروں کا نہیں کہہ سکتی مگر میری نیت بس یہ تھی کہ میری ماں کی کوئی نشانی میرے پاس رہتی اس میں لالچ کا کہیں دخل نہیں تھا مگر پھر وقت کے ساتھ مجھے اماں بی کا فیصلہ

سمجھ میں آ گیا اور آج تمہیں دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اماں بی کی پرکھ بالکل صحیح تھی' دیکھو تو ہم سب اولادوں میں سب سے زیادہ ابصار بھائی نے اماں بی کی خدمت کی اور ان کے بعد ان کی اولاد نے ہی اماں بی سے وفا کی تو اگر وہ تمہیں اپنا وارث سمجھتی تھیں تو کچھ غلط تو نہ کرتی تھیں۔" بڑی پھوپو کی آواز کھوئی کھوئی سی تھی۔ بیہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ "میری ایک بات مانو گی بیہ؟ ابصار بھائی اور اماں بی نہیں رہے مگر تمہاری یہ پھوپو ابھی زندہ ہے' جب بھی خود کو تنہا محسوس کرو' بلا جھجک میرے پاس آ جانا' میرے دل اور گھر کے دروازے تمہیں ہمیشہ کھلے ملیں گے۔" وہ بیہ کا گال سہلاتے ہوئے کہہ رہی تھیں' بیہ ایک بار پھر روتی بلکتی ان کی بانہوں میں سما گئی۔

❁......()......❁

سوئم والی شام معظم ایک وکیل کے ساتھ آئے تھے' سب لوگ بڑے کمرے میں جمع ہو گئے' تو وکیل نے ایک خاکی لفافے سے کاغذ نکال کر سب کو متوجہ کیا۔

"میں معین احمد وکیل مرحومہ کنیز بانو صاحبہ آپ سب کی توجہ ان کی وصیت کی طرف دلانا چاہتا ہوں' مرحومہ کی وصیت کے مطابق ان کا یہ گھر ان کی پوتی انابیہ ابصار کے نام کیا جاتا ہے' وصیت کی رو سے اس گھر کا اوپری حصہ ہمیشہ کرایہ داروں کے لیے مخصوص رہے گا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے گھر کے نچلے حصے میں لڑکیوں کے لیے ایک ووکیشنل سینٹر کھولا جائے گا' جس میں انہیں مختلف ہنر اور قرآن پاک کی تعلیم دی جائے گی' ابصار احمد کا تمام جمع شدہ اثاثہ جس کی آج تک وہ نگرانی کرتی آئی تھیں وہ بھی انابیہ ابصار کے نام منتقل کیا جاتا ہے مگر ابصار احمد کی ایک ذاتی وصیت کی رو سے ان کے تمام بہن بھائیوں کو ان کے پیسے سے پچیس پچیس ہزار روپیہ بطور تحفہ ادا کیے جائیں گے' معظم نصیر ان تمام امور کے منتظم و نگران مقرر کیے جاتے ہیں اور مرحومہ کنیز بانو صاحبہ کے زیر استعمال ان کی ذاتی اشیاء ان کی بیٹیوں کی ملکیت میں دی جائیں گی۔" انہوں نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "اور ایک آخری وصیت ان کی اولادوں کے لیے یہ ہے کہ ان کے انتقال کے ایک ہفتے بعد انابیہ ابصار کی شادی کر دی جائے۔"

وکیل صاحب کی آخری بات پر انابیہ نے تڑپ کر ان کا چہرہ دیکھا' وہ لفافہ تہہ کر کے معظم کے حوالے کر رہے تھے' اماں بی کی سب اولادوں کے چہرے پر سکون تھے' اس نے بڑی پھوپو کو دیکھا کہ وہ ہی کچھ کہتیں مگر وہ مطمئن سی مسکرا کر اس کا شانہ تھپک رہی تھیں' چچی بیگم کے تیور البتہ کچھ ٹھیک نہیں تھے' ان کی کھوجتی نگاہیں بیہ کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں' انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کتنی چالاکی سے اماں بی نے اتنے سالوں تک سادگی و مفلسی کا لبادہ اوڑھے رکھا اور ابصار بھائی کا سارا پیسہ چھپا کر بیٹھی رہیں اور آج جاتے جاتے سب کچھ اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو سونپ گئیں۔

"کیا آپ میں سے کسی کو کچھ کہنا ہے آپا بی کی وصیت کے حوالے سے؟" یہ نصیر صاحب تھے جو ایک طرف رکھی ابا میاں کی سیٹ پر براجمان تھے' ساتھ ہی چچا میاں بیٹھے تھے۔

"اماں بی کے زیور کا کیا ہوا' اس کی کوئی وصیت نہیں کی انہوں نے؟" چچی بیگم نے بنا کسی کی طرف دیکھے بول دیا۔ ایک پل کو سب ہی چونکے۔

"اماں بی کا سارا علاج اسی زیور کو بیچ کر ہوا ہے' وہ بہت خوددار تھیں' کسی سے ایک پیسہ اپنی جان کے لیے نہیں مانگا' ابصار بھائی کا سارا اثاثہ بینک میں محفوظ ہے اور بھابی بیگم کا سارا زیور بھی بیہ کی ملکیت جان کر اماں بی نے پہلے ہی معظم کے ذریعے محفوظ کروا دیا تھا۔" بڑی پھوپو نے اطمینان سے جواب دیا گویا وہ بے خبر نہیں تھیں' انابیہ کی آنکھیں بھرنے لگیں' کتنی خوددار تھیں اس کی اماں بی۔

"کیا سارا ہی زیور بیچ ڈالا اماں بی نے؟" چچی بیگم کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ لالچ میں اندھی ہو کر وہ بھول گئی تھیں کہ وہ کہاں بیٹھی ہیں اور کتنے لوگ ان کو دیکھ اور سن رہے ہیں۔ چچا میاں نے ایک ملامتی نگاہ ان پر ڈالی۔

"تم بھول رہی ہو عدیلہ' اماں بی کا زیادہ تر زیور ابصار بھائی کی کمائی سے بنا تھا اور یقیناً اماں بی نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہوگا۔" چچی بیگم کو شوہر کی مداخلت پسند نہ آئی۔

"تم صحیح کہہ رہے ہو انصار' وہ زیور بھی بیہ کی امانت ٹھہرا' اپنے علاج کے لیے بھی معظم کے لاکھ کہنے کے باوجود بھی انہوں نے اس سے ایک پیسہ نہ لیا۔" نصیر صاحب نے بھی بات واضح کی۔

"پھر بھی اماں بی کو وصیت کرتے وقت اپنی اولادوں کا خیال کرنا چاہیے تھا' یہ کیا کہ سارا کچھ اس اکیلی لڑکی کو تھما گئیں جو پہلے ہی لاکھوں کی مالک ہے اور شادی کر کے مزید لاکھوں کی مالکن بن جائے گی۔" چچی بیگم نے ایک نفرت

بھری نگاہ بیہ پر ڈالی۔
"اولاد کا حصہ اس کے باپ کی جائیداد میں نکلتا ہے اور ابا میاں کا کوئی جمع جتھہ نہیں تھا' عدیلہ جو ان کی اولادوں کو ملتا' اس گھر کی ہر شے ابصار بھائی کی کمائی سے خریدی گئی ہے' اماں بی کی اپنی آمدنی سے صرف گھر کا خرچہ چلتا تھا وہ بھی تب تک جب تک ابصار بھائی کو نوکری نہیں ملی تھیں' سو اس حساب سے یہ سب کچھ ابصار بھائی کا ہے اور ان کے بعد ان کی اولاد کا۔" منجھلی پھوپو نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"مگر پھر بھی......"
"بس......اب تم ایک لفظ نہیں بولوگی عدیلہ' اپنی نہیں تو میری عزت کا خیال کرلو۔" چچا میاں انہیں دوبارہ منہ کھولتا دیکھ کر دہاڑے۔ "مجھے اماں بی کا ہر فیصلہ منظور ہے انہوں نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک کیا' ان کی اصل وارث بیہ ہی ہے۔" چچا میاں تھکی تھکی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ "بیہ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں بیٹا' میں ابصار بھائی سے بھی شرمندہ تھا مگر قسمت نے موقع ہی نہیں دیا کہ ان کے پیر پکڑ کر معافی ہی مانگ لیتا' تمہارا سگا چچا ہونے کے ناطے مجھے تمہارا سرپرست بننا چاہیے تھا مگر میری ازلی کم ہمتی آڑے آتی رہی اور کچھ اس عورت نے میری مت ہی ماردی تھی مگر اب میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا' ماریہ کے ساتھ ہی تمہاری شادی بھی اسی دھوم دھام اور عزت سے ہوگی جیسے ابصار بھائی اور اماں بی کی زندگی میں ہوتی' اپنے چچا میاں کو یہ موقع دوگی بیٹا؟" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھے پوچھ رہے تھے' بیہ کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو بہنے لگے' سر کو خفیف سی جنبش دے کر اس نے ان کا بھرم رکھ لیا۔ "اٹھو عدیلہ' بیہ کے سر پر ہاتھ رکھو' ابصار بھائی کا کچھ تو احسان مانو۔" چچا میاں نے شاید پہلی مرتبہ چچی بیگم سے اس انداز میں بات کی تھی' کچھ چچا میاں کے تیور اور کچھ سب کی موجودگی کا لحاظ چچی بیگم مشینی انداز میں اٹھیں اور بیہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا' سب کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی' بیہ نظریں نیچی کیے روتی رہی۔

"پھوپو میری شادی کی اتنی جلدی کیا ضرورت ہے؟ اماں بی نے یہ وصیت کیوں کی؟ ابھی تو مجھے ان کی جدائی پر ہی صبر نہیں آیا اور اب آپ لوگ مجھے اس گھر سے بھی جدا کردینا چاہتی ہیں۔" رات کو وہ سب کے جانے کے بعد بڑی پھوپو سے کہہ رہی تھی' وہ اس کی شادی تک یہیں رک گئی تھیں' بے اولاد تھیں اور اب سسرال کے جھنجٹوں سے بھی آزاد ہوگئی تھیں سو آرام تھا۔
"اماں بی تین دن سے زیادہ کا سوگ نہیں مانتی تھیں اور جہاں تک تمہاری شادی کا سوال ہے تو وہ اس لیے کہ ان کے بغیر تمہیں یہاں اکیلا نہ رہنا پڑے آج ہم ہیں مگر کل کو سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے تب تم کیا کروگی بیہ اکیلے کیسے رہوگی؟"
"اکیلی کیوں موز......" وہ معظم کہتے کہتے خاموش ہوگئی۔ دل بہت زور سے دھڑکا تھا' وہ حیران رہ گئی کہ کیوں بے اختیار وہ بھی اماں بی کی طرح معظم کو پکارنے لگی تھی بھلا وہ اب یہاں کیوں آئیں گے' وہ تو اماں بی کی وجہ سے آتے تھے' اس کا دل اداس ہونے لگا' بے وجہ' پھوپو اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر مطمئن ہوگئی تھیں۔

"ویسے یہ ایک ہفتے کی شادی کا جو شوشہ چھوڑا گیا ہے تو لڑکا کیا آسمان سے ٹپکے گا؟" یہ عفرہ تھی۔ وہ سب لاؤنج میں بیٹھی تھیں ابھی ابھی چھوٹی اور منجھلی پھوپو بیہ کے لیے کچھ اچھے سلے سلائے جوڑے لے آئی تھیں' سب ہی تبصرے کررہے تھے جب عفرہ کو دور کی سوجھی۔
"آسمان سے کیوں ٹپکے گا' زمین سے ہی کھود کر نکالیں گے' کیا پتہ نکال بھی لیا گیا ہو؟" رمشا نے پاس بیٹھی ماریہ کو ٹہوکا دیا۔
"ویسے دیکھا جائے تو وہ ٹپکا آسمان سے ہی ہے' لندن سے سیدھا اماں بی کے گھر میں۔" ماریہ نے اسے آنکھ ماری تو دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔
"مطلب معظم بھائی؟" عفرہ کے لیے یہ انکشاف ہی تھا۔ "لیکن یہ ہوا کب؟" عفرہ کی حیرت ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔
"ان دونوں کے بچپن میں......" اندر آتی چھوٹی پھوپو نے جواب دیا۔ وہ تینوں متوجہ ہوگئیں۔ "اصل میں معظم اپنی ماں کی وفات کے بعد سے ہی اماں بی سے بہت اٹیچ ہوگیا تھا اس کا زیادہ تر وقت ہمارے ہی گھر میں گزرتا تھا' اس وقت ہم ماموں نصیر کے گھر میں ہی نیچے کے حصے میں کرائے دار تھے پھر بھائی جان نے اپنا گھر خرید لیا تو ہم یہاں آگئے' مگر معظم

نے اماں بی کونہیں چھوڑا' یہاں بھی اس کا ایسے ہی آنا جانا تھا پھر بھائی جان کی شادی ہوئی اور پھر بیہ کی پیدائش تو اماں بی کے دل میں یہ خواہش پنپنے لگی۔ ماموں نصیر نے معظم کی اماں بی سے وابستگی دیکھتے ہوئے بیہ کو معظم کے لیے مانگ لیا۔ ابصار بھائی اور بھابی بیگم کو بھی اعتراض نہ تھا مگر حتمی بات ان کے بڑے ہونے تک ملتوی کردی گئی کہ بھابی بیگم بچپن کے رشتے ناطوں کا ڈھنڈورا پیٹنا پسند نہ کرتی تھیں' ان کے خیال میں بیہ کو لاعلم رکھنا ہی بہتر تھا پھر معظم پڑھنے کے لیے باہر چلا گیا تو بات دب گئی مگر اماں بی شاید یہ بات دل میں رکھ کر بیٹھی تھیں جبھی معظم کی واپسی پر یہ ذکر پھر چھڑا اور ماموں نصیر تو جیسے تیار بیٹھے تھے' یوں یہ رشتہ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا۔'' چھوٹی پھوپو نے کپڑے سمیٹتے ہوئے بات بھی سمیٹ دی۔

''بیہ کو واقعی نہیں پتہ تھا اس بات کا؟'' ماریہ نے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں اماں بی نے اسے کبھی نہیں بتایا اور نہ ہی رشتہ داروں کو خبر تھی ورنہ معظم کے یہاں آنے پر اعتراضات اٹھتے۔'' وہ تینوں جیسے متفق ہوتے ہوئے سر ہلانے لگیں۔ ٹھیک اسی وقت نصیر صاحب اور معظم کی آمد سے محفل برخاست ہوگئی۔

''وعلیکم السلام! تیاریاں ہو رہی ہیں' بہت اچھی بات ہے۔'' ان سب کے مشترکہ سلام کا جواب دے کر وہ خوش دلی سے لاؤنج میں بکھری اشیاء کو دیکھتے ہوئے اماں بی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ اندر بیہ بڑی پھوپو کے ساتھ لگی اماں بی کا صندوق خالی کروا رہی تھی' ان کے اچھے اور نئے جوڑے بڑی پھوپو ایک طرف رکھوا رہی تھیں جو ان کے کسی غریب سسرالی عزیز کو دینے تھے اور پرانے جوڑے محلے میں ہی ایک عورت کو دینے کے لیے الگ کرلیے تھے۔ نصیر صاحب کی آمد پر دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''آیئے ماموں بیٹھیے۔'' بڑی پھوپو نے بستر خالی کیا اور خود دوسری طرف بیٹھ گئیں۔

بیہ کمرے سے نکلنے لگی تو چوکھٹ پر معظم سے ٹکراؤ ہوگیا' ان پر نظر پڑتے ہی دل میں دھواں بھرنے لگا' وہ خلاف عادت اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے گئے' بیہ سے کھڑا رہنا مشکل ہوا تو کترا کر باہر نکل گئی۔ معظم زیرلب مسکراتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئے' بیہ دھڑکتے دل کو سنبھالتی کچن میں آگئی۔

''اب کیوں آئے ہیں یہاں؟'' اسے شکوہ سا ہوا۔ ''اب تو میں بھی یہاں سے چلی جاؤں گی معظم' پھر اس دروازے پر آپ کا کھٹکا سن کر کوئی متوجہ نہ ہوگا' کوئی آپ کی آہٹ پر آپ کی آمد کا سراغ نہیں پائے گا۔'' اسے رونا آنے لگا' وہ اپنی کیفیت پر خود حیران ہونے لگی' بھرے دل کے ساتھ اس نے چائے پکائی اور واپس اماں بی کے کمرے میں آگئی۔ معظم سامنے ہی نصیر صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ بیہ نظریں نیچی کیے چائے میز پر رکھنے لگی۔

''جب تم لوگ کہو ہم تیار ہیں۔'' وہ دوبدو بولے۔ ''ہماری تو تیاری مکمل ہے' جہیز وغیرہ تو ویسے بھی آپ نے منع کردیا ہے باقی جو کچھ بھی ہے وہ بیہ کا ہی ہے۔'' واپس پلٹتے بیہ کے قدم سست سے ہوگئے' کان خودبخود ان لوگوں کی گفتگو کی جانب لگ گئے' وہ کیا کہہ رہے تھے؟ کیا اس کا ذہن اپنی مرضی کی باتیں سن رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر یہ جمعہ مبارک رہے گا' ہم سادگی سے اپنی بیہ کو معظم کی دلہن بنالیں گے' رخصتی ماریہ کے ساتھ ہوگی۔'' نصیر صاحب کا آخری جملہ بیہ کو سب کچھ سمجھا گیا' اس کے لب بے اختیار کھل اٹھے' شکر ہے کہ اس کی پشت ان لوگوں کی طرف تھی اور چہرہ دروازے کی جانب' لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے چوکھٹ پار کی اور اپنے کمرے کی جانب دوڑ لگائی۔ پیچھے بیٹھے معظم نے سب دیکھا اور سمجھا تھا' اگلے پل وہ بھی اس کی تقلید میں باہر نکل گئے تھے۔ بیہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ابھی سنی جانے والی ساری باتوں کو ذہن میں دہرا رہی تھی' اس کے لبوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی' معظم نے اسے اپنے آپ میں مگن دیکھا اور اندر آگئے...... دروازہ احتیاط سے بھیڑ دیا۔ آہٹ پر بیہ نے رخ موڑا تو نظریں اٹھانا مشکل ہوگیا۔ وہ سدا کے احتیاط پسند بھرپور حق سے نظریں گاڑے اسے دیکھ رہے تھے' لبوں پر تبسم رقصاں تھا۔ وہ بیہ کے بالکل سامنے اسی کی طرح کھڑکی سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے۔ چند لمحے بیہ اپنی دھڑکنیں شمار کرتی رہی پھر معظم کی آواز ابھری۔

''انابیہ ابصار بنت ابصار احمد آپ کا نکاح معظم نصیر ولد نصیر الدین سے طے کیا جاتا ہے' آپ کو قبول ہے؟'' وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکے' بیہ کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔

''آپ یہاں کیوں آئے؟'' وہ بے ربط سا بول گئی۔

''اور کہاں جاتا؟ میری سب مسافتیں اسی ایک دہلیز پر

آ کر تمام ہوتی ہیں بیہ......“ بیہ نے چونک کر دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہے تھے وارفتہ سا انداز بیہ نے جھٹ نظریں جھکالیں۔

”تمہیں پتہ ہے بیہ تم ایک حصار ہو جس نے مجھے تا عمر باندھے رکھا ایک وعدہ ہو جسے مجھے نبھانا ہی تھا ایک اعتماد کی ڈور ہو جو اماں بی نے میرے ہاتھوں میں تھمائی تھی اور جس کے سہارے میں وہیں لوٹ آیا جہاں سے چلا تھا۔“ وہ اسی انداز سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے اور بیہ ناسمجھی سے انہیں...... معظم اس کی آنکھوں کی تحریر پڑھ گئے۔

”تین سال کی تھیں تم جب میں بورڈنگ گیا تھا چھوٹی سی موٹی سی بچی اور پھر میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔“ وہ کھو سے گئے۔ ”مگر اماں بی نے ہمیشہ تمہارا ایک ایک نقش تمہاری ایک ایک عادت مجھے ایسے سمجھائی کہ میں تمہیں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا ہاں تمہارے ٹوٹل ویٹ لوسٹ پر مجھے بہت افسوس ہوا“ وہ بیہ کی اسمارٹینس پر چوٹ کر گئے۔ بیہ آنکھوں میں حیرانی لیے بس انہیں سن رہی تھی۔ ”ہائی اسکول کے بعد جب ابو نے مجھے لندن بھیجا تو جاتے وقت مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا۔“

”کیسا وعدہ؟“ بیہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

”خود کو تمہارا پابند سمجھنے کا وعدہ...... اماں بی کی محبت کا قرض چکانے کا وعدہ...... میں کہیں اور بھٹکتا بھی تو کیسے؟“

”میں بھٹک جاتی تو؟“ بیہ نے خود کو کہتے سنا۔

”تمہاری بھٹکنے کی عمر تک میں تمہیں سنبھالنے کے لیے آ گیا تھا ناں؟“ وہ دوبدو بولے تھے۔ بیہ لاجواب ہوگئی۔ ”اور پھر تم نہیں جانتی تھیں تو کیا؟ یہ اماں بی اور میرا معاملہ تھا میں جانتا تھا انہوں نے میری امانت کو سات پردوں میں چھپا کر رکھا تھا۔“ وہ بھرپور استحقاق سے بولے۔

”اماں بی نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ بیہ کو قلق ہوا۔

”تم بہت معصوم تھیں بیہ اور شاید صحیح وقت آنے پر سب ہی تمہیں بتا دیتے مگر ابصار بھائی اور بھابی بیگم کی ناگہانی اموات نے اماں بی کو سنبھلنے پر مجبور کر دیا وہ کسی بھی حتمی بات سے پہلے تمہارا ذہن آلودہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔“ وہ رسان سے کہنے لگے۔

”پھر بھی اماں بی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا یہ گھر میرے امی ابو اور اماں بی کی یادوں کا مسکن ہے میرا سارا بچپن اسی گھر میں گزرا اور اماں بی نے اسے ووکیشنل سینٹر بنا دیا۔ میرا میکہ ختم کر دیا اماں بی نے۔“ وہ کہتے ہوئے رو پڑی۔ معظم ہنس دیئے بیہ نے خفگی سے ان کی ہنسی کو دیکھا۔

”اماں بی تمہیں بالکل صحیح پہچانتی تھیں بیہ وہ جانتی تھیں تم یہ سوال ضرور کرو گی اسی لیے ایک وصیت صرف تمہارے لیے کی تھی انہوں نے۔“

”وہ کیا؟“ اس نے فوراً کہا۔

”وہ یہ کہ اماں بی کا کمرہ تمہارے سوا کسی کی ملکیت نہیں ہوگا اس کی چابی تمہارے پاس رہے گی تاکہ تم جب چاہو یہاں آ کر انہیں یاد کر سکو اپنی یادوں کو جی سکو انہوں نے اپنی خوشبو تک تمہیں سونپی ہے۔“ معظم کے انکشاف پر بیہ رونے لگی۔ ”اور جہاں تک سوال ہے ووکیشنل سینٹر کا تو یہ اماں بی کا ذاتی فیصلہ تھا اپنی زندگی کے تجربات سے انہوں نے یہ نچوڑ نکالا تھا کہ لڑکیوں کو ہنر مند ضرور ہونا چاہیے تاکہ وہ ہر برے بھلے وقت میں اپنا سہارا آپ بن سکیں اور پھر کیا پتہ ان ہی میں سے کوئی لڑکی اماں بی جیسی بن جائے اور اپنی نسلیں سنوار دے۔“ معظم کی بات بیہ کے دل میں ترازو ہوگئی اس کے آنسو تھمنے لگے۔

”میرا پہلا سوال اب بھی جواب طلب ہے محترمہ؟“ معظم ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔

”قبول ہے۔“ بیہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنا نازک ہاتھ ان کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

”ویسے اگر ابھی اماں بی ہمیں یوں ہاتھوں میں ہاتھ دیئے ساتھ کھڑا دیکھ لیتیں تو کیا کہتیں؟“ معظم نے اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔ بیہ نے ایک نظر ان کے پُرشوق چہرے کی طرف دیکھا اور مصنوعی انداز میں منہ پکا کر کے بولی۔

”ارے دیدوں کا پانی ڈھل گیا آج کی نسل کا ذرا جو حیا شرم ہو۔“ اس کے یوں قدرے بلند آواز میں اماں بی کا فقرہ دہرانے پر معظم نے گھبرا کر جھٹ اس کا ہاتھ چھوڑا اور دروازے کی سمت دوڑ لگا دی جیسے واقعی اماں بی نے انہیں دیکھ لیا ہو۔ پیچھے بیہ کی ہنسی کی جھنکار ہر سو بکھر گئی تھی۔

حصہ 4

ٹوٹ جائے نہ کہیں ضبط کی خواہش میری
نہ کر میرے ہمسفر اس قدر آزمائشیں میری
گہنا گیا میرے روپ کا جادو غزل بتا مجھے
یا پھر دل سے کم ہونے لگیں چاہتیں میری

گزشتہ قسط کا خلاصہ

افگن شہرینہ کو سخت ناپسند کرتا ہے' افگن خاندان میں سب سے زیادہ تند مزاج اور سخت دل انسان ہوتا ہے۔ شہرینہ بگڑی ہوئی لڑکی نہیں تھی لیکن افگن کے رویوں پر وہ جس طرح کا ردعمل ظاہر کرتی ہے وہ تند مزاجی اور بگڑی ہوئی طبیعت کے ساتھ ساتھ حد سے زیادہ منتقم مزاج فطرت کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ افگن کے کمرے کی توڑ پھوڑ کرنے کے بعد شہرینہ مطمئن ہوتی ہے' شہرینہ لان میں واک کر رہی ہوتی ہے تب اس کی نظر افگن پر جاتی ہے وہ پورچ میں گاڑی کھڑی کرتا شہرینہ کو دیکھ چکا ہوتا ہے۔ رات بھر گھر میں نہ ہونے کے باعث شہرینہ اس کے عتاب کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف اماں بی پر شہرینہ اور افگن کے رویے واضح ہو جاتے ہیں تب ہی وہ افگن اور شہرینہ کی شادی کا فیصلہ کر لیتی ہیں۔ فرح شہرینہ سے افگن کے کمرے کی حالت کے مطابق پوچھتی ہے جس پر وہ صاف انکاری ہو کر اسے حیران کر دیتی ہے تب فرح افگن کے کمرے سے ملنے والا بریسلیٹ اس کے سامنے کرتی ہے۔ جس پر شہرینہ غصہ میں آ جاتی ہے۔ بارات والے دن فائقہ' عثمان اور ٹیپو آ جاتے ہیں فائقہ خاتون کو ہر کوئی اہمیت دے رہا ہوتا ہے۔ رخشندہ سے یہ برداشت نہیں ہوتا' رخشندہ وہاں موجود خواتین کو شہرینہ کے ڈانس کے بارے میں بتاتی سب حیران کر دیتی ہے۔ یہ بات فائقہ تک بھی پہنچ جاتی ہے تب وہ اس بات کی اماں بی سے تصدیق کرتی ہے اماں بی رخشندہ کی سازش سمجھ کر فائقہ کو سمجھا لیتی ہیں۔ فائزہ (فرح کی والدہ) شہرینہ کو شایان کے کمرے سے رقم لانے کے لیے بھیجتی ہے تب افگن شایان کے کمرے میں موجود شہرینہ پر چوری کا الزام لگا دیتا ہے۔ جس پر شہرینہ تلملا جاتی ہے اور اسے غصہ سے باتیں سناتی حد پار کر جاتی ہے تب افگن اسے تھپڑ مار کر خاموش کرا دیتا ہے' شہرینہ شادی میں جانے کا ارادہ ترک کرتی کمرے میں بند ہو جاتی ہے۔ فائزہ افگن سے ان معاملات کی باز پرس کرتی اسے اماں بی کے ارادوں سے آگاہ کرتی حیران کر دیتی ہے۔ وہ شہرینہ سے شادی کا خواہش مند نہیں ہوتا اس لیے فائزہ کو انکار کر دیتا ہے' دوسری طرف اماں بی فائقہ سے شہرینہ کی رضا مندی جاننے کی بات کرتی فائزہ افگن کا انکار اماں بی تک پہنچا دیتی ہے۔ شہرینہ بھی اس رشتے سے اماں بی کے سامنے انکاری ہو جاتی ہے اور ساری باتیں ان کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ افگن شہرینہ کی باتیں سن لیتا ہے اسے اپنا رد ہونا قبول نہیں ہوتا تب وہ معافی مانگ کر رشتہ جوڑنے کی بات کرتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

گھر آتے ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ عثمان اس کا رویہ دیکھ رہے تھے لیکن وہ مصلحتاً خاموش تھے ویسے بھی وہ بے انتہا مصروف تھے واپس آتے ہی کئی مسائل تھے جو اُن کے منتظر تھے۔ وہ کچھ وقت گھر گزار کر فائقہ سے چند ایک امور پر بات کرتے ہی گھر سے رخصت ہو گئے تھے۔ ٹیپو تھکا ہوا تھا وہ آتے ہی کمرے میں گھس گیا تھا۔

فائقہ نے بھی گیارہ بجے کے قریب لیڈیز کلب کی ایک میٹنگ میں جانا تھا جہاں وہ بطور گیسٹ مدعو تھیں۔ وہ تیار ہو کر شہرینہ کے کمرے کی طرف آئیں۔ انہوں نے اب رات کو آنا تھا ان کا خیال تھا کہ جانے سے پہلے وہ ایک بار شہرینہ سے بات کریں گی تاکہ اس کا موڈ فریش ہو جائے۔ انہوں نے شہرینہ کے کمرے کے دروازے پر ناک کیا لیکن جواب ندارد تھا۔ شہرینہ گھر آ کر کمرے میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ باہر

نہیں آئی تھی انہوں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا اندر کمرے کی حالت دیکھ کر تو وہ بھونچکا ہی رہ گئی تھیں۔ کمرہ تو جیسے کسی تباہی عظیم کا نقشہ پیش کر رہا تھا' ہر چیز تہس نہس ہو چکی تھی۔ تمام کشن نیچے پھینکے ہوئے تھے' شوپیش قالین پر بکھری حالت میں اپنی حالت پر ماتم کناں تھے' ہر چیز اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی اور لاوارثوں کی طرح اِدھر اُدھر لڑھکی پڑی تھی۔

فائقہ نے بے چینی سے کمرے میں دیکھا اور پھر پُرسکون ہوئیں شہرینہ کمرے کے ایک کونے میں رکھے ون سیٹر صوفے پر گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔

''شہرینہ......'' وہ فوراً اس کی طرف بڑھیں۔

''مائی سویٹ ہارٹ' مائی ڈارلنگ سوواٹ از دز؟'' بکھرے کانچ سے بچتے بچاتے وہ اس کے پاس جا کر کھڑی ہوئیں' شہرینہ نے سر اٹھا کر ان کو دیکھا اور فائقہ کو لگا کہ جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو' وہ فوراً اس کے پاس بیٹھیں۔ شہرینہ کا چہرہ نہ صرف سوجھا ہوا تھا بلکہ اس کی آنکھیں بھی سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

''یہ سب کیا ہے میری جان؟'' انہوں نے محبت سے شہرینہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔ فائقہ کے لیے یہ ایک اور بڑا جھٹکا تھا۔

''شہری میری جان......'' انہوں نے پھر اس کا بازو پکڑنا چاہا تو وہ ایک دم ہائپر ہو کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ڈونٹ ٹچ می' یو آر ریسو پیوپل فار دس آل۔'' وہ چلائی۔

''شہرینہ کیا بدتمیزی ہے' یہ کیسے بات کر رہی ہو تم؟'' انہوں نے اب کی بار سختی سے کہا تو وہ تو پھٹ پڑی۔

''چلی جائیں آپ یہاں سے' آپ دونوں نے میرے پیرنٹس ہو کر مجھے چیٹ کیا ہے اور آپ......'' وہ کچھ دیر رکی۔

''آپ نے مجھے سب کے سامنے ڈی گریڈ کیا' میں نے صاف اور واضح انکار کیا تھا لیکن آپ سب نے بابا کو مس گائیڈ کیا اپنی خواہشوں کے لیے آپ نے میری بھینٹ دے دی۔''

''ڈونٹ مس بی ہیو شہری' تم آرام و سکون سے بیٹھ کر مجھ سے بات کرو۔'' انہوں نے پھر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا لیکن وہ اور پیچھے ہوئی تھی۔

''سوری مجھے اب آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ حد سے زیادہ بدگمان ہو چکی تھی۔ اس کا انداز قطعی تھا تبھی فائقہ کے موبائل پر کال آنا شروع ہوگئی تھی انہوں نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا اور پھر شہرینہ کو۔

''میں تم سے واپسی پر بات کروں گی' اس وقت مجھے کسی اہم میٹنگ میں جانا ہے۔'' شہرینہ نے طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی تھیں۔

''میں ملازمہ کو کہتی ہوں وہ یہ سب سمیٹ دے گی۔ تم اپنے آپ کو نارمل کرو' میں ناشتے کا کہہ دیتی ہوں' ناشتا کر لینا اس وقت جلدی میں ہوں آئی پرامس میں جلدی آنے کی کوشش کرتی ہوں پھر اس موضوع پر ڈسکس کریں گے۔'' انہوں نے حتی الوسیع اپنے لہجے کو نرم رکھتے مسکرا کر کہتے شہرینہ کے گال پر ہاتھ رکھا تھا جبکہ وہ لب بھینچ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

وہ دو تین منٹ مزید اس کے پاس رکی لیکن شہرینہ کا ہنوز وہی انداز دیکھ کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔ انہیں فیل ہو رہا تھا کہ وہ بڑوں کی خواہشات کی تکمیل کی خاطر شہرینہ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر چکی تھیں۔

شہرینہ کا ردعمل' اس کے کمرے کی حالت' اس کی روتی سوجھی سرخ آنکھیں۔ ان کا دل کوئی اندر ہی اندر مسل رہا تھا' ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا میٹنگ میں جانے کے لیے لیکن یہ میٹنگ بھی ضروری تھی۔ عثمان فاروق کی پولیٹیکل ساکھ کا سوال تھا۔ اگلے سال الیکشن ہونے والے تھے ان کی اس طرح کی ایکٹیوٹیز عثمان کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتی تھیں۔

ان کے بچے ہمیشہ ملازمین کے ہجوم میں گورنس کے ساتھ پلے بڑھے تھے لیکن وہ پھر بھی بچوں پر خصوصی توجہ دیا کرتی تھیں لیکن اب کچھ عرصے سے جب سے وہ ان سرگرمیوں میں کچھ زیادہ ہی انوالو ہوئی تھیں' ان کا وقت گھر پر کم ہی گزرتا تھا۔ وہ ہر روز کہیں نہ کہیں مدعو ہوتی تھیں' ایسے میں وہ گھر پر توجہ نہیں دے پاتی تھیں۔ آفاق اور ٹیپو شروع سے ہی بورڈنگ میں رہے تھے اس لیے ان پر فائقہ کی ان سرگرمیوں کا کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا۔ جبکہ شہرینہ اسکول ایج تک بورڈنگ میں رہی تھی اس کے بعد کالج گوئنگ ایج میں وہ فائقہ کی نگرانی میں رہی تھی۔ وہ اس پر خصوصی توجہ دیا کرتی تھیں' اس کی فیلنگز' پسند ناپسند ہر چیز کا خاص خیال رکھا کرتی تھیں' انہوں نے اس سے بڑا دوستانہ سلوک روا رکھا تھا لیکن جب سے ان کی یہ سوشل سرگرمیاں بڑھی تھیں تو شہرینہ کی طرف توجہ کم ہوگئی تھی اور آج ان کو شدت سے فیل ہو رہا تھا کہ شہرینہ حد سے زیادہ ایگریسو

ہوچکی ہے۔ وہ اس کی بہت سی منفی عادتوں کو نظرانداز کردیا کرتی تھیں لیکن شہرینہ کے متعلق نظرانداز کیے جانے والی یہ پالیسی ان کو لگ رہا تھا کہ اب بہت خطرناک ثابت ہونے والی تھی۔ انہوں نے ملازمہ کو شہرینہ کے کمرے کی صفائی کرنے اور ناشتا اس کے کمرے میں پہنچانے کا کہا اور خود اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئیں جہاں ڈرائیور ان کی آمد کا منتظر تھا' انہوں نے موبائل پر عثمان کے پرسنل نمبر پر کال کی تھی' کال ان کے سیکرٹری نے ریسیو کی۔

''میم...... سر تو میٹنگ میں بزی ہیں' میں ان کو پیغام دے دوں گا جیسے ہی وہ فری ہوئے کال بیک کرلیں گے۔'' سیکرٹری کا انداز مؤدب سا تھا۔

''اٹس او کے۔'' انہوں نے کال بند کرکے اپنے بیگ سے اپنے سیاہ گاگلز نکال کر اپنی آنکھوں پر لگالیے تھے۔ ان کا چہرہ بظاہر پُرسکون تھا لیکن اندر ہی اندر ان کے دل و دماغ میں شہرینہ کو لے کر ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔

❀......❀......❀

فائقہ کے جانے کے بعد اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے وجود سمیت اس کمرے کو آگ ہی لگادے' اس کے پیرنٹس کو اس کی قطعی پروانہ تھی۔ وہ کس حال میں تھی کسی کو کوئی خبر نہ تھی' اس سے بے پناہ محبت کرنے والے اس وقت مکمل طور پر بے حس بنے اس کے احساسات و جذبات سے قطعی نابلد آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے یا تو اس کمرے کو آگ لگادے یا پھر اپنے وجود کو ملیامیٹ کردے۔ ملازمہ اس کے کمرے کی صفائی کرنے آئی جسے اس نے ڈانٹ کر بھگادیا تھا اس کے بعد دوسری ملازمہ ناشتہ لے کر آئی تو اس نے اسے بھی ڈانٹ کر بھگادیا تھا۔ بیڈ پر پڑا اس کا موبائل بہت دیر سے بج رہا تھا' اب کی بار بجا تو وہ بہت غصے سے بستر کی طرف آئی تھی جہاں موبائل پڑا ہوا تھا لیکن رستے میں بکھرے کانچ پر اس کا پاؤں پڑا تھا۔

''سی......'' وہ لڑکھڑا کر قالین پر وہیں ٹک گئی تھی۔ اس کے پاؤں سے خون کی ایک تیز دھار بہنا شروع ہوگئی' اس نے لب دانتوں تلے دبا کر پاؤں میں چبھ جانے والے شیشے کو نکالا' خون کی تیز دھار اسکن کلر کے قالین کو ایک دم رنگین کرنے لگی تھی' شہرینہ نے ضبط سے لب بھینچ لیے تھے' اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور پھر اس میں سے ٹشو کا رول نکال کر اس میں سے کافی بڑا ٹشو پھاڑ کر اپنے پاؤں کے زخم پر رکھ کر اسے دبالیا تھا۔

تکلیف کی لہریں اٹھی تھیں لیکن وہ ضبط کرگئی تھی' اس وقت جو بھانبھڑ اس کے اندر جل رہے تھے ان کے سامنے یہ تکلیف تو کچھ بھی نہ تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی ٹشو سرخ رنگ سے رنگین کرتی رہی لیکن خون تھا کہ رک ہی نہیں رہا تھا اس کا موبائل بج بج کر خاموش ہوگیا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر بستر پر دھرے اپنے موبائل کو اٹھایا۔ اسکرین پر زین شاہ کا نام دیکھ کر اس کے اندر جلنے والے بھانبھڑ میں کچھ مزید شدت در آئی تھی۔ اس نے لب بھینچ کر موبائل بیڈ پر واپس اچھالا اور خود کھڑی ہوگئی تھی۔ اب کی بار وہ ٹوٹی ہوئی چیزوں اور کانچ سے بچتے بچاتے کمرے کے دروازے تک آئی تھی۔

''زبیدہ...... زبیدہ......'' وہ حلق پھاڑ کر چیخی تھی' وہ لڑکھڑا کر چلتے کچن کی طرف آئی تھی۔

''جی جی...... چھوٹی بی بی جی......'' اس کی اس قدر خوفناک آواز پر زبیدہ فوراً بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی تھی۔

''فرسٹ ایڈ باکس لے کر آؤ۔'' وہ لڑکھڑاتی کچن میں داخل ہوئی تھی۔ زبیدہ اس کی لڑکھڑاہٹ اور پھر فرش پر بننے والے سرخ نشان دیکھ کر ایک دم بوکھلا گئی تھی۔

''ہائے بی بی جی......! یہ کیا ہوگیا؟''

''شٹ اپ۔'' وہ زبیدہ کو ڈانٹ کر کچن میں موجود ڈائننگ چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔ ''جو کہا ہے وہ کرو' باکس لے کر آؤ۔'' اس نے کافی سرد پن سے کہا تو زبیدہ کو ایک دم پسینے لگ گئے تھے غالباً شہرینہ نے اپنا دایاں پاؤں ڈائننگ ٹیبل کی دوسری کرسی پر رکھ دیا تھا۔ اس نے زخم دیکھا' زخم بہت زیادہ گہرا نہیں تھا لیکن لمبا ضرور تھا شاید کانچ نے کسی نس کو چھوا تھا جو خون رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

زبیدہ باکس لے آئی تھی' اس نے باکس ٹیبل پر رکھ کر فوراً کھولا' شہرینہ کافی تندمزاج تھی لیکن آج تو اس کا غصہ سوا نیزے پر تھا اس نے ڈرتے ڈرتے روئی نکال کر شہرینہ کو دی اور پھر تیزی سے باؤل میں پانی بھر کر لے آئی تھی۔ شہرینہ نے روئی لے کر زخم صاف کیا' اب زخم واضح تھا' زخم کافی لمبا تھا اگر ٹانکے نہ بھی لگتے تو بھی چند دن لگ جاتے ریکور ہونے میں۔ اس نے پائیوڈین کے کچھ قطرے پانی میں ملائے اور پھر پاؤں باؤل میں ڈال دیا۔

''بی بی جی...... اگر زیادہ زخم ہے تو بیگم صاحبہ کو کہیں وہ

ڈاکٹر کو بلا لیتی ہیں۔'' زبیدہ نے اسے مشورہ دیا جبکہ شہرینہ نے اسے گھور کے دیکھا تو وہ زبان دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

''سوری بی بی جی۔'' اس سے پہلے کہ شہرینہ کچھ برا بھلا کہتی اس نے عجلت میں فوراً کان پکڑ لیے تھے۔ شہرینہ نے سر جھٹکتے اپنے پاؤں کی طرف توجہ دی۔ اس نے کچھ دیر بعد پانی سے پاؤں نکال کر دوبارہ دیکھا پاؤں سے خون رسنا اب بند ہو چکا تھا جبکہ زبیدہ نے پریشان نظروں سے کچھ خون اور کچھ پائیوڈین ملے پانی کی سرخی کو دیکھا تھا۔ شہرینہ نے پاؤں خشک کرکے اس پر آئنٹمنٹ لگا کر پٹی باندھ لی تھی۔ وہ سامان ویسے ہی بکھرا چھوڑ کر کھڑی ہوئی تو زبیدہ نے فوراً ہاتھ تھاما۔

''میں کمرے میں چھوڑ آتی ہوں۔'' اس نے کہا لیکن شہرینہ نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''میں سہاروں سے چلنے کی عادی نہیں۔'' لہجے میں ایک زعم تھا' زبیدہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر چلتے دروازے سے نکلنے لگی تھی جب زبیدہ کی زبان پھر چلی۔

''آپ نے ناشتا بھی نہیں کیا' بیگم صاحبہ دوبار کال کرکے پوچھ چکی ہیں۔ میں کچھ کھانے کو لے آؤں۔'' شہرینہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا' وہ زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گئی تھی۔ ملازمین کے ساتھ اس کا رویہ کبھی بھی اس قدر برا نہیں ہوتا تھا لیکن آج چونکہ وہ بہت غصے میں تھی تو وہ حد سے زیادہ بدتمیز بھی ہو رہی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تھی' بستر پر پڑا موبائل پھر زور و شور سے بج رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا' زین شاہ کا نمبر تھا' اس نے موبائل اٹھالیا۔

''ہیلو'' اس نے کال پک کرلی تھی۔

''کہاں ہو تم؟ جانتی ہو میں کب سے کال ملا رہا ہوں۔'' کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولا' شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' وہ کسی بھی بات پر جھوٹ نہ بولنے والی اس وقت جھوٹ سے کام لے رہی تھی' ویسے بھی اس جھوٹ میں کافی حد تک سچائی تھی۔ اس وقت اس کے دل و دماغ کا جو موسم تھا اس نے سب کچھ خراب کر رکھا تھا ورنہ اس وقت کمرے کی جو حالت تھی وہ کسی عقل مند انسان کے سبب نہ تھی۔

''کیا ہوا؟'' دوسری طرف وہ متفکر سا پوچھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ افسردہ سی بولی۔

''پریشان لگ رہی ہو؟'' اس نے مزید پوچھا' وہ ایسا ہی تھا فوراً اس کی پریشانی بھانپ جاتا تھا۔

''تم سناؤ کیا کر رہے ہو؟'' اس نے بات ٹالی۔

''کالج آیا ہوا تھا۔'' اس کی یہ اچھی بات تھی کہ وہ بات کے پیچھے نہیں پڑتا تھا' مخالف اگر نہیں بتانا چاہتا تھا تو وہ بھی بات پلٹ دیتا تھا۔

''تم کب واپس آ رہی ہو اپنے کزن کی شادی سے۔'' اس نے مزید پوچھا۔

''ہم آج صبح ہی اسلام آباد آ گئے تھے۔'' اس نے بتایا۔

''آمیزنگ' تو پھر کالج کیوں نہیں آئیں؟''

''کہاناں طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''اوہ..... شادی کی مصروفیات میں انسان ویسے بھی تھک ہی جاتا ہے خیر ٹیک یور ریسٹ۔ کل پھر کالج میں ملتے ہیں کیا خیال ہے؟''

''ہمم.....'' اس نے صرف ہنکارا بھرا تھا۔

''اوکے بائے۔'' اس نے کال کاٹ دی تھی۔ شہرینہ نے بھی ایک گہرا سانس لیتے موبائل بستر پر پھینک دیا تھا' وہ اسی طرح کھڑی تھی۔ پاؤں کے درد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن اسے قطعی پروا نہ تھی' وہ واپس کمرے سے باہر آئی تھی۔

زبیدہ اسے کہیں دکھائی نہ دی تھی وہ شاید اپنے کوارٹر کی طرف جا چکی تھی۔ وہ لاؤنج میں آ بیٹھی اور ایل سی ڈی آن کیا' مختلف چینلز اسپیڈ سے بدلتے بھی اس کے اندر کی کڑواہٹ نہیں ختم ہو رہی تھی۔ غصے میں آ کر اس نے ریموٹ کنٹرول قالین پر پھینک دیا۔ وہ واپس کمرے میں آئی الماری سے اپنا شولڈر بیگ نکالا' کی اسٹینڈ سے گاڑی کی چابی کھینچی اور جوتوں والے ریک سے اس نے فلیٹ جوتوں میں سے ایک آرام دہ جوتا نکال لیا کیونکہ یہ جوتا اس کے پاؤں کے زخم کو زیادہ تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔

وہ کمرے سے نکل کر باہر آئی تو لان میں زبیدہ دکھائی دی تھی' وہ لان میں جھاڑو لگا رہی تھی' اسے دیکھ کر رکی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کرتے اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ اگنیشن میں چابی گھماتے اس نے زبیدہ کو دیکھا تھا' وہ شش و پنج میں گھری اسے دیکھ رہی تھی' اس نے انگلی سے اشارہ کیا تو وہ قریب آ گئی۔

''کیا بات ہے ایسے کیوں گھور رہی ہو؟'' اس کا انداز تحکم آمیز تھا۔

''وہ کچھ نہیں بی بی' ویسے ہی.....'' وہ گھبرا گئی۔ ویسے بھی وہ

شہرینہ سے ہمیشہ خائف ہی رہتی تھی' شہرینہ کے تیوروں کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا پل میں تولہ پل میں ماشہ۔

"تو ہٹو راستے سے۔" شہرینہ کا انداز ابھی بھی ڈانٹنے والا تھا۔ وہ فوراً بدک کر راستے سے ہٹی تھی۔ وہ گاڑی گیٹ کے پاس لے آئی تھی چوکیدار نے اس کے اشارے پر گیٹ کھول دیا تھا وہ زن سے گاڑی گیٹ سے نکال کر لے آئی تھی۔

✿......✿......✿

فائقہ اس لیڈی کلب کی میٹنگ میں آ تو گئی تھیں لیکن ان کا ذہن ابھی بھی گھر میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ شہرینہ کی ناراضی کی وجہ ایسی تھی کہ وہ اس معاملہ میں اب کچھ بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ انہوں نے دو بار گھر کال کی تھی' زبیدہ نے بتایا تھا کہ نہ ہی اس نے کمرا صاف کرنے دیا اور نہ ہی ناشتا کیا تھا۔ ان کی پریشانی مزید بڑھی تھی' انہوں نے اردگرد موجود خوش باش چمکتے دمکتے ہر فکر و ٹینشن سے فارغ البال چہروں والی ان خواتین کو دیکھا' یہ ایلیٹ کلاس کی خواتین تھیں جن سے اپنے گھروں کے مسائل تو حل نہیں ہوتے تھے لیکن خواتین کے حقوق کے تحفظ کا ایجنڈا لیے اس کلب میں جمع تھیں۔

فائقہ کی بیزاریت بڑھنے لگی تھی' اس کلب میں عثمان فاروق کے کہنے پر وہ آج رکی تھیں۔ عثمان فاروق اور مسز فاروق کو ایز آ گیسٹ انویٹیشن ملا تھا' عثمان تو اپنے ٹف اور بزی شیڈول کے سبب نہیں جاسکتے تھے لیکن انہوں نے فائقہ کو جانے کا کہہ دیا تھا انہوں نے اپنے موبائل پر انتہائی بیزاریت سے ٹائم دیکھا یہاں آئے انہیں تین گھنٹے ہوچکے تھے انہوں نے انتہائی کوفت زدہ نگاہوں سے کلب کی کرتا دھرتا کو دیکھا تھا' وہ بڑی روانی سے اپنے کلب کے اغراض و مقاصد بیان کررہی تھیں۔ ان کا دل ایک دم اوب گیا تھا' انہوں نے موبائل پر شہرینہ کا نمبر ڈائل کیا لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی ناٹ رسپانڈنگ تھا انہوں نے گھر کے نمبر پر کال کی' زبیدہ نے کال ریسیو کی تھی۔

"سب ٹھیک ہے؟" وہ چاہ کر بھی مکمل طور پر ایک سیاستدان شوہر کی سیاسی بیوی نہ بن پا رہی تھیں۔ ایسی محافل اور تقریبات میں آ کر بھی ان کا دھیان اپنے گھر اور اپنے بچوں میں ہی اٹکا رہتا تھا' ان کے اندر کی گھریلو عورت ابھی زندہ تھی۔

"جی بیگم صاحبہ۔"

"شہری نے ناشتا کرلیا ہے کیا؟" ساتھ والی عورت نے انہیں دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"نہیں بیگم صاحبہ۔"

"اوہ۔" فائقہ کے دل میں ہوک اٹھی تھی۔ شہرینہ جب بھی ناراض ہوتی تھی ان کے ضبط کو اسی طرح آزماتی تھی۔

"کہاں ہے وہ؟ بات کرواؤ مجھ سے' کال پک نہیں کررہی وہ میری۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔

"لیکن وہ تو جاچکی ہیں۔" زبیدہ نے کہا۔

"کہاں؟"

"پتا نہیں۔"

"کیوں تم نے پوچھا نہیں۔" ان کے لہجے میں ترشی شامل ہوئی تھی۔

"وہ جی ہماری کب سنتی ہیں۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"اوہ......" فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اپنی ناراضی اور ضدی پن میں وہ اپنے حقیقی رشتوں تک کی نہیں سنتی تھی یہ تو پھر ملازم تھے۔

"بیگم صاحبہ' شہری بی بی کا پاؤں زخمی ہوگیا تھا' اتنا خون بہا تھا اتنا بڑا کٹ لگا تھا۔" وہ بتارہی تھی اور فائقہ ایک دم پریشان ہوئیں۔

"مائی گاڈ' کیسے زخم لگا؟" ان کی آواز قدرے بلند ہوئی۔

"پتا نہیں مجھے تو انہوں نے ڈانٹ دیا تھا پھر خود ہی مرہم پٹی کرلی تھی میں نے کہا بھی تھا کہ آپ کو کال کردوں یا ڈاکٹر کو بلالیں تو بھی ڈانٹ دیا تھا۔"

"اُف...... ایک تو یہ لڑکی بھی ناں۔" ان کے دل پر بوجھ بڑھا۔

"کب آئے گی کچھ بتایا اس نے؟" انہوں نے دھیمے سے پوچھا۔

"نہیں بی بی جی۔"

"ٹھیک ہے' اس کی کمرے کی اچھی طرح صفائی کروادو' احتیاط سے اور خیال رکھنا کمرے میں قالین پر کوئی کانچ بھی باقی نہ رہے' نئے پردے نکال کر لگا دینا اور بیڈ شیٹس بھی بدل دینا۔" ان کے اندر کی ٹیپیکل گھریلو عورت پھر ایک دم بیدار ہوئی تھی۔

"جی بی بی جی۔" انہوں نے زبیدہ کو چند ایک اور ہدایات دیں اور پھر کال بند کردی۔ ساتھ براجمان خاتون نے انہیں پھر دیکھا تھا۔

معروف صحافی ادیب اور مفسر مشتاق احمد قریشی ایک اور معرکۃ الآرا تالیف

امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ اہل سنت اور فقہ حنفی کے بانی ہیں
حنفی فقہ کے بانی: امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کی سیرت، حیات اور ان کی فقہی زندگی اور کام کے بارے میں ایک مختصر جائزہ

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ

حیات فقہی کارنامے

تلخیص و تالیف: مشتاق احمد قریشی ◆ ہدیہ: ایک سو پچاس روپے

منگوانے کا پتہ

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز، 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ، کراچی 74400 فون: 021-35620771/2

اسلامی کتب خانہ الحمد مارکیٹ غزنوی روڈ لاہور۔ فون: 042-37116257

"کیابات ہے؟"

"کچھ نہیں، بس میری بیٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں تو گھر کال کی تھی۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا اور اپنا رخ دوسری خواتین کی طرف کرلیا' ان کا ارادہ اب کچھ منٹ بعد یہاں سے روانہ ہونے کا تھا۔

❁......❁......❁

وہ مارکیٹ آئی اور اس نے وہاں سے کافی سارا سامان خریدا تھا' کچھ کھانے پینے کی چیزیں' کچھ کپڑے اور کچھ کھلونے لیے تھے۔ وہ یہ سارا سامان لے کر گاڑی میں آ بیٹھی پھر گاڑی ڈرائیو کرتے ایک خاص سمت کی طرف آ گئی۔ کافی رقبے پر پھیلی نئی اور جدید طرز کی بنی دو منزلہ بلڈنگ کے سامنے اس نے گاڑی روکی تھی۔

"دارالاطفال" یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں آ کر وہ ہمیشہ بہت سکون محسوس کیا کرتی تھی۔ یہاں کے بچے اس سے بہت مانوس تھے' چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی مسکرا کر سلیوٹ کیا اور گیٹ کھول دیا' شہرینہ اندر چلی آئی۔ وہ مہینے میں ایک دو بار یہاں ضرور آتی تھی' یہاں کی انتظامیہ اس کے آنے جانے سے بہت خوش ہوتی تھی۔ بچے لان میں کھیل رہے تھے۔

"شہری آپی آ گئی......شہری آپی آ گئی......" وہاں ہر طرف شور بلند ہوا' بچے بھاگ بھاگ کر اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ وہ محبت وشفقت سے سب بچوں سے شیک ہینڈ کر رہی تھی۔

لاسٹ سمسٹر میں اسے سوشل ورک کے حوالے سے ایک پراجیکٹ ملا تھا وہ کل پانچ ممبرز تھے جن میں ایک زین شاہ بھی تھا۔ انہوں نے چیریٹی شو کا انعقاد کیا تھا اور کافی ساری رقم جمع کی تھی بہت سے لوگوں نے تعاون کیا تھا' کچھ مخیر حضرات نے پبلسٹی کے لیے کافی رقم دی تھی کچھ نے واقعی اللہ کے خوف سے رقم دی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے وہ تمام رقم کالج کونسل کے تحت مختلف اداروں کو دے دی تھی' جن میں سے ایک دارالاطفال بھی تھا۔

جب وہ رقم دینے کے لیے اپنے گروپ کے ساتھ یہاں آئی تھی' مختلف تحائف اور پیکٹس لے کر تو یہاں کی انتظامیہ نے ان سب کا کافی پُرجوش انداز میں خیر مقدم کیا تھا۔ باقی اداروں ان کا سوشل ورک شہرینہ کو قطعی متاثر نہ کرسکا تھا لیکن اس ادارے میں موجود بچوں اور ان کے لیے کیا جانے والے کام نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ یہ ادارہ دو بوڑھے میاں بیوی کا تھا ان کے پاس کافی رقم تھی اور کچھ زمین بھی لیکن بڑھاپے کا سہارا اولاد نہ تھی۔ انہوں نے ایک یتیم خانے سے دو بچوں کو اڈاپٹ کیا تھا لیکن بڑا ہونے کے ساتھ اپنی زندگیوں میں سیٹل ہونے کے بعد وہ دونوں ان بوڑھے میاں بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے ان دونوں کے ردعمل نے ان کے دل کو توڑ تو ضرور دیا تھا لیکن ان کے عزم کو نہ توڑ سکے تھے۔ انہوں نے اپنی دولت و جائیداد کسی نیک کام میں لگانے کے لیے اس ادارے کی ابتدا کی تھی' شروع میں انہوں نے صرف چند یتیم بچوں سے آغاز کیا تھا اس کے بعد ایک چین سی بنتی گئی اور بھی مخیر حضرات نے تعاون کرنا شروع کیا تو بہت سے مستحق بچے اس ادارے میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ لوگ صرف خدمت خلق سمجھ کر ثواب کی نیت سے یہ خدمت سرانجام دے رہے تھے اور شہرینہ کو ان کی یہی بات سب سے زیادہ اچھی لگی تھی۔ شروع شروع میں وہ محض مدد کے خیال سے آتی تھی' وہ پاپا کی ہیلپ سے ان لوگوں کو کافی کچھ ڈونیٹ کرچکی تھی پھر جیسے یہاں آنا اس کے لیے ذہنی سکون کی وجہ بنتا چلا گیا تو وہ اکثر جب بہت زیادہ ڈپریسڈ ہوتی تو یہاں آ جایا کرتی تھی۔

اس وقت بھی وہ بچوں سے مل کر کچھ ریلیکس ہوئی تھی' اس نے بچوں کو چیزیں بانٹنا شروع کردی تھیں کھلونے' کپڑے' کھانے پینے کی چیزیں بچے بہت خوش تھے۔ وہ کچھ دیر انتظامیہ کے پاس رہی پھر بچوں کے ساتھ بلڈنگ کے احاطے میں ہی بنے پلے گراؤنڈ میں آ گئی تھی۔ بچوں کے ساتھ مل کر چھوٹی موٹی سرگرمیاں سرانجام دیتے اس نے اپنے ذہن کو مصروف رکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہاں وہ عصر تک رہی تھی' اس کا موبائل بند حالت میں اس کے بیگ میں پڑا ہوا تھا۔

وہ گزرے واقعات کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن لاہور میں گزرے دن' فنکشن کے ساتھ ہونے والی جھڑپیں اور خصوصاً نکاح کا واقعہ بار بار ذہن کی سطح پر جگمگانے لگا تو اس کے لیے اپنے احساسات وجذبات پر قابو رکھنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

عثمان فاروق تو اس کے آئیڈیل انسان تھے اس کی جز چھوٹی بڑی بات کو اہمیت دینے والے چھوٹی بڑی بات کو خیر مقدم کرنے والے اس وقت مکمل طور پر بے حس انسان بن گئے تھے جن کے نزدیک صرف اور صرف اپنے بڑوں کی خواہشات اور فیصلے اہم تھے۔ وہ عثمان فاروق کے اس دوٹوک انداز کو لے کر ابھی تک بے یقین تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عثمان

فاروق اس کی ناراضی سے بہت اچھی طرح باخبر تھے۔ اس کے اندر کی توڑ پھوڑ انہیں صاف دکھائی دے رہی تھی اس کے باوجود انہوں نے دوبارہ اس سے اس معاملے پر کچھ کہنا تو دور کی بات اس سے ہم کلام ہونا بھی گوارہ نہ کیا تھا۔

وہ بہت تکلیف میں تھی اس کی مرضی و خواہش کے برعکس اسے ایک ایسے شخص سے منسلک کردیا گیا تھا جسے پسند کرنا تو دور کی بات وہ اسے اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ساری دنیا کو تہس نہس کردے۔ اپنے وجود سمیت ہر چیز کو آگ لگادے۔

عصر کے بعد بچوں کو اللہ حافظ کہتی وہ دوبارہ گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ گھر واپس جانے کا اس کا دل نہیں کررہا تھا۔ اس نے اپنا موبائل نکال کرآن کیا تو فائقہ کے لاتعداد میسجز تھے۔

''ڈیئر آر یو شہری؟...... آئی ایم سوری پلیز شہری پک مائی کال...... آر یو اوکے؟...... پلیز آن یور نمبر۔'' اس نے غصے سے سب میسجز ڈیلیٹ کردیئے۔ وہ اس وقت کسی سے بھی رابطے میں نہیں رہنا چاہتی تھی اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور ایک انجانی سمت کی طرف گاڑی موڑدی تھی۔

❁......❁......❁

فائقہ ازحد پریشان تھیں ٹیپو اپنی روٹین کے مطابق اٹھا اور وہ دوستوں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ فائقہ شدت سے شہرینہ کی منتظر تھیں۔ انہوں نے کئی بار اس کے نمبر پر ٹرائی کی لیکن اس کا نمبر ہی بند تھا۔ انہوں نے میسجز سینڈ کیے اور پھر شہرینہ کے آنے کی منتظر رہیں لیکن جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا اس کی آمد کے کوئی آثار دکھائی نہ دے رہے تھے۔ انہوں نے چند بار عثمان سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ بہت بزی تھے اور کال ان کے سیکریٹری نے ریسیو کی تھی۔ ان کی طرف سے ناامید ہوکر انہوں نے لاہور کال کی۔ فائزہ سے بات کی اور پھر اماں سے اماں بی ابھی بھی وہیں تھیں انہوں نے کچھ دن مزید وہاں رکنا تھا۔

''شہری بیٹی کیسی ہے؟'' انہوں نے پوچھا تو فائقہ نے تمام بات انہیں بتادی۔ شہرینہ کے تمام ری ایکشن اور ردعمل سمیت۔

''اچھا......!'' وہ دوسری طرف افسردہ ہوئی تھیں۔ انہوں نے تو یہ سب افگن اور شہرینہ کی بہتری کے لیے کیا تھا۔

''تم کہو تو میں بات کروں شہری بیٹی سے۔''

''وہ ہم سب سے بے حد بدگمان ہوچکی ہے اسے کچھ بھی کہنا سننا بے کار ہے وہ جذباتیت کی جس سطح پر ہے وہاں وہ ہمیشہ اپنا نقصان کرتی ہے کسی کی ایک بھی نہیں سنتی۔''

''لیکن میں نے تو یہ سب دونوں کی بہتری کی خاطر ہی کیا تھا۔''

''مجھے نہیں علم افگن اور اس کے درمیان ایسا کیا ایشو ہوا ہے جو وہ اس قدر ہائپر ہورہی ہے اماں بی عثمان سے تو وہ ویسے بھی کچھ نہیں کہے گی لیکن اس کی ناراضی کا سارا نزلہ مجھ پر ہی گرے گا۔''

''میں آجاؤں کچھ دن کے لیے مجھ سے تو وہ ویسے بھی بڑی محبت کرتی ہے پاس رہ کر پیار و محبت سے بات کروں گی تو شاید سمجھ ہی جائے۔''

''آپ پلیز آجائیں ان حالات میں وہ مجھ سے تنہا ہینڈل نہیں ہونے والی۔ عثمان کا اتنا ٹف شیڈول ہے وہ گھر پر ہی اتنا کم رہتے ہیں اس سے بات کرتے وقت بھی دوٹوک انداز ہوگا جواباً شہرینہ سمجھنے کی بجائے مزید بگڑے گی۔''

''تسلی رکھو شایان اور زوبیہ کے مکلاوے کی رسم کل ہوگی وہ ہوجائے تو میں ایک دو دن میں آجاؤں گی۔'' فائقہ نے ایک سکون بھرا سانس لیا۔

انہوں نے کچھ دیر اور بات کی پھر کال بند کی تو وقت دیکھا مغرب کا وقت ہورہا تھا مغرب کے بعد گیٹ پر گاڑی کا ہارن گونجا تو اپنے کمرے میں موجود فائقہ کو لگا کہ جیسے ان کی سانس میں سانس آئی ہو۔ وہ عجلت میں کمرے سے نکلی اور فوراً باہر آئی تھیں۔ شہرینہ گاڑی کھڑی کرکے اندر آرہی تھی اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔

''کہاں تھیں تم؟'' فائقہ نے اسے رستے میں ہی روک لیا۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے ماں کو دیکھا اور پھر جواب دیئے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

''شہری واٹ از دس؟'' انہیں اس کا رویہ بہت کھل رہا تھا شہرینہ رکے بغیر لڑکھڑا کر چلتے اپنے کمرے کی طرف آگئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے صاف ستھرا سمٹا سمٹایا کمرہ منتظر تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی فائقہ بھی پیچھے ہی تھیں۔

''پاؤں کو کیا ہوا ہے؟'' اس نے کی چین اور بیگ بستر پر اچھالا اور خود بھی بستر کے کنارے گرنے والے انداز میں بیٹھی تو

فائقہ نے پوچھا۔
''مجھے آپ سے بات نہیں کرنی سو پلیز ڈونٹ ویسٹ یور ٹائم۔'' اس نے جواباً غصے سے کہا۔
''شہری ڈونٹ مس بی ہیو ودمی' واٹ ازآ ور ریلیشن ڈونٹ فارگیٹ اٹ۔'' انہوں نے سختی سے کہا تو شہری نے بیگ اٹھا کر قالین پر پٹخ دیا۔
''آپ سب لوگ دھوکے باز اور چیٹرز ہیں' میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیا اور پاپا مجھے ان سے یہ امید نہ تھی اس قدر ایجوکیٹڈ ہو کر خواتین کے حقوق وفرائض کی بات کرنے والے اپنے ہی گھر میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتے ہیں' ان بلیوایبل۔ پاپا ڈپلومیٹک ہیں' پکے پولیٹیشن اپروچ رکھنے والے سیاسی انسان لیکن انہوں نے تو رشتوں میں بھی سیاست شروع کردی۔ میں ان کو آئیڈیل مانتی تھی اور انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا' میری رضامندی جاننا تو دور کی بات مجھے بتانا تک گوارا نہ کیا۔ میں گاؤں کی پلی بڑھی' ایک جاہل سا بیک گراؤنڈ رکھنے والی بھیڑ بکری نہ تھی جسے مرضی سے کھونٹے سے باندھ دیا اور جواباً وہ میں میں تک نہ کرے' ان بلیوایبل۔''
وہ بولی نہیں پھٹی تھی' فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اس کے پاس بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔
''ایم سوسوری بیٹا...... اماں بی کی خواہش تھی یہ اور تمہارے پاپا بھی راضی تھے' مجھے علم ہوتا کہ تم اس معاملے میں اس قدر سیریس ہو تو میں کوئی اسٹینڈ لے لیتی۔ اماں بی نے کہا کہ بس چھوٹے موٹے اختلافات ہیں' افگن نے تم سے سوری کہا تو بات ختم ہوگئی تھی پھر آپس میں جب رشتہ داری ہو تو اتنی لمبی چوڑی لڑائی یا اختلاف نہیں ہوتے۔ مجھے اندازہ ہی نہ تھا ورنہ میں یہ سب نہ ہونے دیتی۔'' انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر ندامت سے کہا تو شہرینہ کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے لیکن وہ کبھی بھی کسی کے سامنے نہیں روئی تھی۔
وہ سمجھتی تھی کہ جو لوگ دوسروں کے سامنے روتے ہیں' وہ اپنی کمزوریاں ان کے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں اور وہ بھی کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اس وقت بھی لب بھینچ کر اپنے ضبط پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی۔
''ایم سوری بیٹا......'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
''مجھے اماں بی سے بھی شکوہ ہے وہ سب جان کر بھی انجان بن گئی تھیں' انہوں نے آپ دونوں کو اس طرح قریب کیا' میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں جو سمجھ نہ سکوں۔ مجھے پاپا سے ایسے بی ہیو کی امید نہ تھی ان کا ایٹی ٹیوڈ بالکل روایت پسند والا تھا' میں ان کی پڑھی لکھی بیٹی تھی کوئی گاؤں کی ان پڑھ جاہل عورت نہ تھی۔''
''اب جو ہونا تھا ہوگیا' افگن اب اس گھر کا داماد ہے تمہارے پاپا کو وہ ویسے بھی بہت پسند ہے۔ اماں بی عجلت کا مظاہرہ نہ کرتیں تو بھی انہوں نے تمہاری شادی افگن سے ہی کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔'' فائقہ نے کہا تو شہرینہ نے غم وغصے سے انہیں دیکھا۔
''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ہر مصیبت و تکلیف کو نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کر کے بالکل مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ پاپا اور اماں بی کو اپنا یہ فیصلہ واپس لینا ہوگا ورنہ......'' اس ''ورنہ'' کے بعد شہرینہ کے انداز میں ایک فیصلہ کن کیفیت اور سفاکی تھی' فائقہ اس کے چہرے کا اٹل پن دیکھ کر اندر ہی اندر خوف زدہ ہوگئی تھیں۔
''تم ٹینشن نہ لو میں تمہارے پاپا سے بات کروں گی۔'' انہیں شہرینہ کو اس وقت سمجھانے سے زیادہ نارمل کرنا زیادہ بہتر لگا تھا۔ جو فیصلہ بڑے کرچکے تھے اس کو اب بدلنا ناممکن ہی تو تھا لیکن شہرینہ کو سمجھا لینا اس سے بھی زیادہ ناممکن تھا' فی الحال وہ اسے ذہنی طور پر پُرسکون رکھنا چاہتی تھیں۔ نکاح ہوچکا تھا اور اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا سو انہوں نے شہری کو ہی ذہنی طور پر ہینڈل کرنے کی کوشش کی تھی۔
شہرینہ نے خاموشی سے انہیں دیکھا اور پھر اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شہرینہ کو سمجھانا جان جوکھوں کا کام تھا' اپنے باپ کی طرح وہ بھی حد سے زیادہ انتہا پسند طبیعت کی مالک تھی۔
''نجانے یہ اونٹ اب کس کروٹ بیٹھنے والا ہے۔'' انہوں نے واش روم کے دروازے کو گھورتے بڑی اذیت سے سوچا تھا۔

❁......❁......❁

عثمان رات گئے گھر لوٹے تھے' انہوں نے شہرینہ کا سرسری سا پوچھا تھا۔ شہرینہ اپنے کمرے میں ہی بند تھی' صد شکر کہ اس نے کھانا کھالیا تھا۔ ملازمہ اس کا کھانا اس کے کہنے کے مطابق کمرے میں ہی دے آئی تھی۔ عثمان لیٹ آئے تھے' ڈنر وہ

کر کے آئے تھے۔ وہ سخت تھکے ہوئے تھے وہ سیدھا کمرے کی طرف آ گئے تھے کچھ دیر بعد وہ بستر پر لیٹے تو فائقہ بھی شب خوابی کا لباس پہن کر ان کے پاس آ بیٹھی تھیں۔

"میں نے آج سارا دن کئی بار آپ کو کال کی تھی۔" انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"ہاں سیکرٹری نے بتایا تھا۔"

"کم از کم کال بیک ہی کر لیتے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو عثمان نے سرسری نگاہ سے اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی خوب صورت سی بیوی کو دیکھا۔ اس قدر خوب صورت بیوی ہونے کے باوجود نہ کبھی ان کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور نہ ہی ان کے جذبات میں تلاطم برپا ہوا تھا۔ وہ فائقہ کے معاملے میں خود کو بہت سرد سا محسوس کرتے تھے اس وقت بھی انہوں نے ایک پل دیکھنے کے بعد آنکھیں موند لی تھیں اور فائقہ نے بے بسی سے شوہر کو دیکھا۔

دنیا ان کو ایک آئیڈیل کپل کہتی تھی' اس میں کوئی شک بھی نہ تھا نہ ہی ان کی وجاہت میں کوئی کمی تھی اور نہ ہی فائقہ کی خوب صورتی و سوبر پن میں۔ وہ دنیا کے سامنے ایک محبت کرنے والے کپل کے طور پر آئے تھے لیکن اندر سے دونوں کیا تھے یہ کبھی کوئی بھی نہیں جان سکا تھا۔ نہ بہت زیادہ محبت کرنے والے والدین اور نہ ہی فائقہ سے بروقت رابطے میں رہنے والے۔

"میں بزی تھا میرے پاس وقت نہیں تھا۔" کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔

"کوئی اہم کال بھی ہو سکتی تھی۔" فائقہ نے پھر پتھر سے سر پھوڑا۔

"اس وقت میں بہت تھک چکا ہوں' تم اپنی ان شکایت کا پنڈورا باکس پھر کبھی کھول لینا۔" وہ کروٹ بدل گئے انداز قطعی تھا۔

"میں شکایات لے کر نہیں آئی' اپنی ذات سے متعلق کچھ کہنا تو میں نے سیکھا ہی نہیں۔" ان کے اندر بھی ایک ابال اٹھا تھا۔ کروٹ بدل کر لیٹے عثمان فاروق کی آنکھیں کھل گئی تھیں تاہم کروٹ ابھی بھی برقرار تھی۔

"تو پھر؟"

"آپ کی اولاد سے متعلق کچھ بات کرنی ہے۔" فائقہ کا ضبط کمال کا تھا' عثمان فاروق نے پلٹ کر دیکھا' فائقہ ازحد سنجیدہ تھیں۔

"کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"شہری کے بارے میں کہنا ہے۔"

"کیا ہوا ہے شہری کو۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے انداز اب بھی سنجیدہ ہی تھا۔

"وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے اس نے صاف کہہ دیا ہے مجھ سے اور نہ ہی اس رشتے کو قبول کرتی ہے بلکہ وہ اس رشتے کو ختم کرنے کا کہہ رہی تھی۔"

"تو آپ نے اسے سمجھایا نہیں؟" ان کا انداز طنزیہ تھا۔ فائقہ کے اندر ان کے طنز نے جیسے ایک بھانبڑ سا جلا دیا تھا۔

"وہ اس عمر سے نکل چکی ہے جب میرے لالی پاپ دینے سے بہل جایا کرتی تھی۔" انہوں نے چند ثانیے فائقہ کو دیکھا۔

"کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے؟" فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ افگن جیسے ہر لحاظ سے مکمل انسان کے رشتے سے انکار وہ کیا کوئی بھی یہ سوچ سکتا تھا۔

"میری شہرینہ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"تو کریں' فائنل بات کریں اس سے۔ خوامخواہ کوئی بھی ایسے اچھے رشتے سے انکار نہیں کر سکتا جب سامنے کوئی وجہ نہ ہو۔" عثمان کے الفاظ میں پھر کوئی طنز تھا' فائقہ کے اندر جلنے والے بھانبڑوں میں ایک دم شدت آ گئی تھی۔

"میں اس سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟" وہ خاموش رہیں عثمان طنزیہ مسکرائے۔

"شاید آپ کو اپنی تربیت پر شک ہے جو اس سے اس سلسلے میں بات کرنے سے کترا رہی ہیں۔"

"پلیز عثمان۔" عثمان کے اس طنز پر ان کے اندر کی عورت ایک دم شدت سے چیخی تھی' وہ ایک دم پرسکون ہوئے تھے۔ فائقہ کو اس طرح اذیت پہنچانے میں شاید ان کی کسی اندرونی حس کو تسکین ملتی تھی۔

"یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں شہری سے آپ سے بھی زیادہ محبت کرتی ہوں' اتنی محبت تو میں نے کبھی آفاق اور ٹیپو سے بھی نہیں کی۔ آپ شہری سے میری محبت پر شک نہیں کر سکتے۔" انہوں نے مطمئن نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔

"تو پھر شہرینہ سے اس سلسلے میں بات کریں' اس سے افگن کو رد کرنے کی وجہ پوچھیں اور ہاں یہ اچھی طرح سمجھا دیں کہ افگن اب اس کا شوہر ہے۔ ہم نے دونوں کا رشتہ ساری عمر

کے لیے جوڑا ہے یہ ہمارے کسی ایک لمحے کی بھول نہیں ہے اور نہ ہی ہم نے جذبات میں آ کر یہ رشتہ طے کیا ہے۔ اماں بی اور فائزہ بھابی دونوں نے ہمیں کسی پردے میں نہیں رکھا' افکن اور شہری کے درمیان ہونے والی تمام جھڑپوں کے متعلق تفصیل سے بتایا تھا اور یہ بھی کہ رخشندہ خاتون کا بغور جائزہ لیا تھا اور فیصلہ کیا تھا۔ افکن اور شہرینہ کا رشتہ طے کرنا ہم سب کا آج یا کل کا نہیں بلکہ کافی سال پہلے کا فیصلہ تھا۔ اماں جی نے مجھے اعتماد میں لیا تھا' ان کا خیال تھا کہ اس سے پہلے کہ دونوں کے درمیان بدگمانیاں یا اختلافات مزید بڑھیں' ہمیں دونوں کا نکاح کردینا چاہیے۔'' عثمان صاحب نے تفصیلاً بتایا۔ وہ اپنے فیصلے' اپنے دل کی باتیں یا اپنے طے کردہ فیصلے کسی سے ڈسکس نہیں کیا کرتے تھے حتیٰ کہ فائقہ سے بھی نہیں لیکن وہ ابھی انہیں بتارہے تھے۔ فائقہ نے ایک گہرا سانس لیا تبھی وہ شہرینہ کے رویوں پر اس قدر خاموش تھے ورنہ بیٹی کی چھوٹی سے چھوٹی بات اور حرکت کو وہ ضرور نوٹ کیا کرتے تھے۔

''آپ یہ سب مجھے بھی بتاسکتے تھے؟'' فائقہ کے دل میں عجیب سی خلش پیدا ہوئی۔

دونوں بظاہر بہت خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے لیکن دونوں کی زندگی ندی کے دو پاٹ تھے جو کبھی مل نہیں سکتے تھے۔

''تو آپ کیا کرلیتیں؟ نکاح کی جگہ ان کی رخصتی کروا دیتیں۔'' ان کا انداز اب پھر طنزیہ ہوا۔

فائقہ نے شکوہ کناں نظروں سے عثمان فاروق صاحب کو دیکھا لیکن شاید وہ ان نظروں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے یا سمجھ کرانجان بن جاتے تھے۔

''بہرحال اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ شہری کو اس رشتے کے لیے قائل کریں' ہم نے یہ رشتہ توڑنے کے لیے نہیں جوڑ کے لیے بنایا ہے اور یہ بات شہری کو بھی اچھی طرح سمجھادیں میں بار بار وضاحتیں پیش کرنے کا عادی نہیں ہوں یہ آخری اور فائنل گفتگو تھی اب شہرینہ آپ کا ہیڈک ہے اس سلسلے میں کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گا۔'' وہ قطعی انداز میں کہہ کر بستر پر دراز ہوگئے تھے۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ اب اس ٹاپک پر قطعی بات نہیں کریں گے۔

''اگر شہرینہ نہ مانی تو.....'' وہ خائف تھیں۔ شہری کے رویوں سے اس کے ضدی اور دوٹوک انداز سے۔

''حیرت ہے آپ تو اس سے بے پناہ محبت کی دعویدار ہیں' محبت تو بڑے بڑوں کو رام کرلیتی ہے وہ تو پھر نرم و نازک احساسات و جذبات والی ایک عام سی بچی ہے۔'' فائقہ نے ان کے اس طنزیہ انداز پر لب بھینچ لیے تھے' وہ کروٹ بدل کر آنکھیں بھی بند کرچکے تھے' اب ان سے کچھ بھی کہنا سننا بے فائدہ تھا۔ وہ پُرسوچ نظروں سے ان کو بس دیکھے گئی تھیں۔

''مجھے نیند آرہی ہے پلیز لائٹ آف کردیں۔'' انہوں نے کہا تو فائقہ ایک گہرا سانس لیتے لائٹ آف کرتے بستر سے اتر گئی تھیں۔

❁......❁......❁

شہرینہ دس بجے تک کمرے سے نہ نکلی تو فائقہ اس کے کمرے کی طرف آ گئی تھیں کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا' کھڑکیوں پر پڑے پردے اسی طرح برقرار تھے۔ انہوں نے کمرے میں داخل ہوکر کمرے کے گھٹے گھٹے سے ماحول کو محسوس کیا تو آگے بڑھ کر لائٹس آن کردی تھیں۔ کھڑکیوں سے پردے ہٹائے تو چمکتے سورج کی تیز روشنی سے کمرے کی تاریکی ایک دم ختم ہوئی تھی۔ فائقہ شہرینہ کی طرف آئیں وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی انہوں نے جھک کر اسے پکارا تو وہ نہ بولی۔ انہوں نے بہت آوازیں دیں تو اس نے آنکھیں کھول کر ان کو دیکھا۔

''کیا بات ہے ابھی تک اٹھی نہیں؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھے گئی' اس کی آنکھیں ابھی بھی سوجھی ہوئی تھیں یقیناً وہ رات بھر روتی رہی تھی۔ فائقہ کے اندر شدید قسم کا افسوس پیدا ہوا تھا' انہوں نے شفقت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے ان کا ہاتھ پیچھے کردیا۔

''اتنی دیر تک تم کبھی نہیں سوتیں ناں اور آج سنڈے بھی نہیں تو سوچا دیکھ لوں۔'' شہرینہ اٹھ کر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''پاپا گھر پر ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں وہ تو صبح صبح ہی نکل گئے تھے۔''

''رات کو کب آئے تھے؟''

''کوئی گیارہ بجے کے قریب آئے تھے۔''

''آپ نے ان سے بات کی؟'' اس نے بغور دیکھتے پوچھا تو فائقہ نے نگاہیں چرائیں۔

''وہ کافی تھکے ہوئے تھے ڈنر بھی باہر سے ہی کرکے آئے تھے' موقع ہی نہیں مل سکا بات کرنے کا۔'' شہرینہ نے بغور

دیکھا۔اس کے اندر شدید تلملاہٹ سی پیدا ہوئی تھی۔

"وہ واقعی اتنے بے حس ہیں یا بن گئے ہیں‘ میں ادھر شدید ٹینشن میں تڑپ رہی ہوں اور ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ آ کر مجھے پوچھ ہی لیں۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے‘ ان کے لیے اپنی سیٹ‘ اپنی میٹنگز‘ اپنے غیر ملکی دورے اور نجانے کیا کیا اہم ہے سوائے اپنی اولاد کے۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ میں حد سے زیادہ ڈیمانڈز کرتی ہوں‘ وہ بزی انسان ہیں‘ ہمیں پریکٹیکل ہو کر سوچنا چاہیے۔ اس طرح کے ایجوکیشنز اس کی طرح فیلنگو ایک قابل سیاستدان کی اولاد کو سوٹ نہیں کرتے۔ آج سے پہلے تک میں ان کے اسٹیٹس کو اپنے لیے باعث فخر استعمال کرتی تھی لیکن اب نہیں کروں گی۔ انہوں نے افگن سے میرا رشتہ بھی اپنے انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے کیا ہے ناں لیکن میں ان کے کسی بھی خواب کی تعبیر نہیں بنوں گی۔" وہ اگر جذباتی ہونے میں دیر نہیں لگاتی تھی تو بدگمان ہونے میں بھی دیر نہیں لگاتی تھی۔ فائقہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں‘ انہیں تمہاری بہت پروا ہے۔ صبح جاتے وقت مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے‘ تم سوئی ہوئی تھی سو تم سے مل نہیں سکے۔" انہوں نے کہا تو شہرینہ نے سر جھٹکا۔ انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما لیکن اگلے ہی پل ٹھٹک گئی تھیں۔

"شہری تمہارا ہاتھ تو بہت گرم ہو رہا ہے۔" شہرینہ کا ہاتھ بہت تپ رہا تھا وہ فوراً محسوس کر گئی تھیں۔

"تمہیں بخار ہے کیا؟" انہوں نے مزید کہا‘ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیتے فائقہ کے ہاتھ سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔" اس نے ٹالا۔

"میں ناشتا بنواتی ہوں‘ تم فریش ہو جاؤ ٹیپو تو کالج چلا گیا ہے‘ ہم دونوں بیٹھ کر مزے سے ناشتا کرتے ہیں۔"

"آپ کے پاس بھی بھلا کہاں ٹائم ہوگا کسی کی پاس بیٹھ کر ناشتا کرنے کے لیے۔ ابھی آپ کو کہیں سے کال آ جائے گی اور آپ چلی جائیں گی۔" وہ ماں سے بھی بدگمان تھی۔

"نہیں آج میں کہیں نہیں جاؤں گی‘ اٹھو فریش ہو جاؤ پھر ناشتا کرتے ہیں۔" انہوں نے کہہ کر پھر اسے اٹھایا۔

پتا نہیں شہرینہ کا کیا موڈ تھا تاہم اس نے ناشتے سے انکار نہیں کیا تھا‘ فائقہ اسے فریش ہونے کا کہہ کر خود کچن میں آ گئی تھیں۔ زوبیدہ کو فٹافٹ اچھا سا ناشتا بنانے کا کہا۔ کچھ دیر میں ناشتا تیار تھا تب تک شہرینہ بھی آ گئی تھی‘ دونوں نے مل کر ناشتا کیا۔

"تمہارے پاؤں کا زخم اب کیسا ہے؟" انہوں نے ناشتے کے بعد پوچھا۔

"اچھا ہے۔"

"ڈاکٹر کو بلوا لیتی ہوں ایک بار اسے دکھا لیتے ہیں۔"

"اٹس اوکے۔" آج اس کا مزاج قدرے بہتر تھا۔ خود ہی گھر میں موجود ٹیبلٹس میں سے بخار درد اور زخم کیور کرنے کی ٹیبلٹس نکال لائی تھیں۔ شہرینہ کے انکار کے باوجود انہوں نے زبردستی اسے میڈیسن دی تھی۔ وہ کچھ دیر شہرینہ کے ساتھ بزی رہیں پھر ایک دوست کی کال آ گئی تو سننے چلی گئی تھیں‘ شہرینہ لاؤنج میں آ گئی تھی۔ اس نے ٹی وی آن کر لیا تھا‘ ٹی وی کے ساتھ ساتھ وہ تیزی سے موبائل کے ساتھ بھی بزی تھی‘ کچھ دیر بعد فائقہ بھی اس کے پاس صوفے پر آ بیٹھیں۔

فائقہ نے نوٹ کیا کہ شہرینہ کی ساری توجہ موبائل کی طرف تھی ٹی وی تو وہ بس برائے نام دیکھ رہی تھی‘ انہوں نے یونہی سرسری سا اس کے موبائل کی طرف دیکھا۔ وہ میسجز پر کسی سے بات کر رہی تھی میسج کے ذریعے۔ انہوں نے تھوڑا سا دھیان دیا اسکرین پر جگمگاتا نام زین شاہ‘ انہوں نے شہرینہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر خوب صورت سے مسکراہٹ تھی ایک ایسی مسکراہٹ جو انہوں نے کم ہی شہرینہ کے چہرے پر کبھی دیکھی ہوگی۔

"کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے؟" عثمان کا سوال ایک دم ان کے ذہن کی سطح پر جگمگایا تھا۔

وہ زین شاہ سے کئی بار مل چکی تھیں‘ ایک اچھے بیک گراؤنڈ والا سلجھا ہوا لڑکا تھا‘ وہ کئی بار شہرینہ کے ساتھ گھر بھی آیا تھا۔ آج سے پہلے کبھی بھی ان کے اندر نے انہیں نہیں الجھایا تھا اور نہ ہی انہوں نے کبھی سوچا تھا کہ یہ لڑکا کلاس فیلو سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔

"یہ زین شاہ تمہارا کلاس فیلو ہے ناں؟" انہوں نے خود ہی بات کا آغاز کیا تو تیزی سے میسج ٹاپ کرتی شہرینہ کی انگلیاں ایک سیکنڈ کو تھمی تھیں۔

"ہوں...... کیوں‘ کیا ہوا؟" اس نے ماں کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنا چاہا۔

"ہی از نائس گائے‘ فیملی بیک گراؤنڈ بھی بہت اچھا ہے۔"

وہ تعریف کررہی تھیں، شہرینہ مسکرادی۔
"یس آف کورس۔"
"اسٹڈی کے علاوہ کیا کرتا ہے؟"
"کچھ نہیں، اپنا بزنس ہے، باقی کا سارا وقت وہ وہیں ہوتا ہے۔"
"ہیکسی لینس۔" فائقہ نے سراہا۔
"انگیجڈ ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"آئی ڈونٹ نو، کبھی اس سلسلے میں بات نہیں ہوئی۔"
"لڑکا تو اچھا ہے لیکن افکن کے مقابل کچھ کم ہے۔" انہوں نے اپنی طرف سے بڑا سرسری سا انداز بنا کر کہا تھا لیکن شہرینہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔
"وہ بھلا زین شاہ اور افکن کا مقابلہ کیوں کررہی تھیں؟" اس کے اندر شدید خیال نے انگڑائی لی اور فائقہ وہ جو شہرینہ کے چہرے کے تاثرات نوٹ کررہی تھیں وہ شہرینہ کے رک جانے پر ٹھٹک گئی تھیں یعنی شہرینہ زین شاہ میں انٹرسٹڈ تھی۔
"افکن کا بھلا یہاں کیا ذکر؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔
"کچھ نہیں ویسے ہی زبان سے پھسل گیا تھا۔" شہرینہ نے خاموشی سے ان کو دیکھا وہ ریموٹ کنٹرول اٹھا کر چینل سرچنگ میں لگ گئی تھیں اور کوئی ٹاک شو لگا کر بیٹھ گئی تھیں ان کی ساری توجہ ٹی وی کی طرف تھی۔
"کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو شہری؟" وہ ان کو مسلسل دیکھ رہی تھی جب ایک دم ٹی وی کی آواز دھیمی کرتے انہوں نے اس سے پوچھا۔
"کیا مطلب؟"
"یہی کہ کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو کیا؟" انہوں نے سنجیدگی سے سوال دہرایا۔
"آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" اس نے الٹا ان سے ہی پوچھ لیا۔
"افکن کی پرسنالٹی، اخلاق، کردار، فیملی بیک گراؤنڈ کسی بھی چیز میں کوئی کمی نہیں ان سب خصوصیات کے باوجود وہ تمہیں پسند نہیں تو اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ یا تو تمہاری زندگی میں کوئی اور ہے جسے تم افکن کی جگہ لانا چاہتی ہو پھر یہ کہ افکن ان سب معیارات پر پورا نہیں اتر رہا جو تم نے تیار کررکھے ہیں۔"
"ایسی کوئی بات نہیں ہے ماما...... فی الحال اس لحاظ سے میں نے کچھ نہیں سوچا، افکن کو رد کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھے دونمبر لڑکی سمجھ رہا تھا۔ اس نے کئی بار براہ راست میرے منہ پر مجھے دونمبر لڑکی ہونے کا طعنہ دیا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ مجھے سخت ناپسند کرتا ہے اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ جو انسان مجھے پسند نہیں وہ انسان میری گڈ بک سے پھر نکل جاتا ہے چاہے وہ پھر کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔" قطعی انداز تھا، وہ پسند والی بات بڑی صفائی سے ٹال گئی تھی۔
"بہرحال اب یہ عمر بھر کا ساتھ ہے، عمر بھر کے ساتھ یوں ایک دم نہیں توڑے جاتے۔" انہوں نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو شہرینہ کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔
"لیکن مجھے افکن سے کوئی ری لیشن نہیں رکھنا۔"
"مجھے سولڈ ریزن بتاؤ تاکہ میں تمہارے پاپا کے سامنے تمہارا دفاع کرسکوں۔ اس طرح انکار کی کوئی وجہ نہیں بنتی، وہ یہی کہیں گے کہ ابھی تم افکن کو پسند نہیں کرتی کچھ وقت گزر جانے کے بعد حالات و رویے بدلنے سے تم پسند بھی کرنے لگ جاؤ گی۔" وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی۔
"اچھی طرح سوچ لو اگر تمہاری زندگی میں کوئی اور ہے، پسند و سند کا معاملہ بھی ہے تو صاف کہہ دو آئی پرامس پھر جہاں تک ہوسکا میں تمہیں سپورٹ کرنے کی کوشش کروں گی۔" وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر کہہ کر اٹھ کر اندر کی طرف چلی گئی تھیں اور شہرینہ وہ خاموش اور پُرسوچ نگاہوں سے ان کو اندر جاتا دیکھتی رہی تھی۔

✿......✿......✿

شایان اور زوبیہ کے مکلاوے کی رسم تھی، وہ لوگ جا کر شایان اور زوبیہ کو گھر لے آئے تھے۔ گھر میں ایک خوب صورت سی رونق لگی ہوئی تھی، افکن کل گاؤں واپس جانے کے انتظامات میں تھا۔ اماں بی نے اسے بلوایا، اس وقت فرح، شایان اور زوبیہ بھی وہیں تھے۔
"کل ہم اسلام آباد جارہے ہیں۔" وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے اطلاع دی۔
"کیا مطلب کون کون؟" وہ ہم کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ "فائقہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی کوئی بخار وخار تھا، اب تمہاری وجہ سے دہرا رشتہ بنتا ہے سوچ رہی ہوں گاؤں کے جھمیلوں سے تو نکلی ہی ہوئی ہوں کیوں نہ کچھ دن ادھر بھی رہ آؤں۔ عثمان بھی شکوہ کررہا تھا کہ اماں آپ میری طرف چکر نہیں لگاتیں۔"

''تو چلی جائیں' اسد کو ساتھ لے جائیں فرح بھی فارغ ہے اسے بھی ساتھ لے لیں' اسلام آباد کا موسم ویسے بھی آج کل کافی اچھا ہے یہ لوگ انجوائے کریں گے۔'' اس نے فوراً کہا' اماں بی مسکرائیں۔

''اشفاق سے میں نے بات کی ہے' شایان اور زوبیہ نے گھومنے پھرنے تو کہیں جانا ہی ہے تو میں نے سوچا یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ چلیں اس کے بعد جہاں بھی جانا ہو نکل جائیں۔''

''اچھا خیال ہے' میرا تو خیال ہے شایان کو مری' سوات کی طرف ضرور چکر لگانا چاہیے۔'' افکن کا موڈ اس وقت بالکل فریش تھا' سو اس نے مسکرا کر مشورے دیئے۔

''وہ تو ہم لوگوں نے ڈیسائیڈ کرلیا ہے' ہم اماں بی کے ساتھ اسلام آباد جائیں گے۔'' شایان نے بھی بتایا۔

''تم تیار رہنا' تم نے بھی ہمارے ساتھ ہی چلنا ہے۔'' اماں بی کا ایک اور حکم نافذ ہوا تو افکن چونکا۔

''میں......!'' اس نے اپنی طرف انگلی اٹھائی۔ ''ایم سوری۔'' وہ فوراً معذرت خواہ ہوا۔ ''میرے پاس اس قدر ایکسٹرا وقت نہیں ہے' دو تین کیسز ہیں ان کو ہینڈل کرنا ہے۔ آپ لوگ جائیں انجوائے کریں' میں پھر کبھی سہی۔''

''نہیں بھائی' ایسے مزہ نہیں آئے گا' آپ بھی چلیے گا بہت مزہ آئے گا۔'' فرح تو فوراً اصرار کرنے لگی۔

''لیکن میں نہیں جاسکتا۔''

''کچھ نہیں ہوتا افکن بھائی' ہم سب جارہے ہیں ناں چند دن کے لیے چلیے پھر آ کر کام بھی دیکھ لیجیے گا۔'' زوبیہ نے بھی کہا تو اس کے بعد سبھی اس کے سر ہوگئے تھے' اماں بی بھی اصرار کررہی تھیں' سب کے اصرار کے سامنے افکن کی ایک نہ چلی تھی مجبوراً اسے حامی بھرنا ہی پڑی' اس کے مان جانے پر سبھی بہت خوش ہوئے تھے۔

❀......❀......❀

افکن کا خیال تھا کہ بائے پلین جایا جائے لیکن زوبیہ اور فرح کا خیال تھا کہ بائے روڈ چلنا چاہیے افکن کو ان کی بات ماننا پڑی تھی۔ وہ لوگ بائے روڈ آئے تھے تھکن تو بہت ہوگئی تھی۔ کئی جگہ رک کر کھایا پیا جارہا تھا' جگہ جگہ رک کر تصاویر بنوائی تھیں' وہ لوگ تو خوب انجوائے کررہے تھے بہت ہی مزے کا سفر تھا جو افکن بھی انجوائے کررہا تھا۔ اماں بھی کبھی سوجاتی تھیں

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

شائع ہوگیا ہے

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

اور کبھی جاگ جاتیں‘ فرح اور زوبیہ ایک دوسرے کو بھرپور کمپنی دے رہی تھیں۔

شایان اور افگن تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈرائیور کو ریلیف دینے کے لیے خود بھی گاڑی ڈرائیو کررہے تھے۔ افگن کا ارادہ اگلے دن واپس جانے کا تھا سو اسے نہ کوئی فکر تھی اور نہ ہی ٹینشن‘ وہ لوگ بخیریت گھر پہنچ گئے تھے۔

فرح کا خیال تھا کہ وہاں کسی کو بھی اطلاع نہ دی جائے‘ وہ لوگ جاکر سرپرائز دیں تو زیادہ بہتر ہے‘ افگن نے بات مان لی تھی سو وہاں اطلاع نہ کی گئی تھی تاہم فائقہ اماں کی آمد کی منتظر تھیں‘ ان کا خیال تھا کہ آج کل میں وہ کسی بھی وقت آسکتی ہیں لیکن جب یہ سب لوگ وہاں پہنچے تو فائقہ سب کو دیکھ کر ایک دم حیران رہ گئی تھیں۔

ان کے لیے ان سب کی آمد انتہائی خوشگوار بات تھی‘ شہرینہ کالج گئی ہوئی تھی اور ٹیپو بھی جبکہ بائے چانس آج وہ گھر پر ہی تھیں۔ وہ تو فوراً سب کی آؤ بھگت میں لگ گئی‘ زوبیہ بہت کم اسلام آباد آئی تھی۔ اسے اسلام آباد‘ یہاں کا موسم‘ اس شہر کی قدرتی خوب صورتی اور پہاڑ بہت اٹریکٹ کررہے تھے‘ اس نے سارا رستہ خوب انجوائے کیا تھا اور بہت ساری تصاویر بھی بنائی تھیں۔ زوبیہ بہت ہی فرینڈلی طبیعت کی مالک لڑکی تھی‘ وہ بہت جلد سب میں گھل مل گئی تھی۔ خصوصاً فرح سے اس کی بہت بنتی تھی‘ افگن بھی اسے کزن اور پھر بھابی کی حیثیت سے بہت عزت دے رہا تھا۔ ٹیپو کو شایان نے کال کی تو وہ فوراً گھر آگیا لیکن شہرینہ کو فرح نے ایک دو بار کال کی لیکن اس نے ریسیو ہی نہ کی تھی‘ فرح ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی تھی یعنی وہ ابھی بھی اسی مقام پر تھی۔ اماں بی بیٹے کے گھر آکر بہو سے مل کر خوش تھیں۔

سبھی تھکے ہوئے تھے فائقہ نے کمرے کھلوائے اور سبھی نہا دھو کر کپڑے بدل کر فریش ہوگئے تھے۔ فائقہ نے ملازمین کے ساتھ مل کر بہت جلد مزے دار سے کھانے کا انتظام کرلیا تھا‘ وہ لوگ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام چاہتے تھے‘ زوبیہ اور شایان کے لیے گیسٹ روم کھول دیا تھا۔ افگن کے لیے آفاق کے کمرہ میں انتظام کیا گیا اور شہرینہ کے کمرے میں فرح نے رکنا پسند کیا تھا‘ اماں بی کو بھی انہوں نے ایک کمرہ دے دیا تھا وہ بھی دو تین گھنٹے سوئے تھے جبکہ اماں بی فائقہ کے ساتھ افگن اور شہرینہ کے رویوں کو ہی ڈسکس کررہی تھیں۔

عصر کا وقت قریب آرہا تھا‘ شہرینہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی‘ فائقہ نے اسے کال کی تھی۔ اول تو اس نے کال ہی ریسیو نہ کی لیکن دوسری بار کال کرنے پر اس نے کال ریسیو کی تو فائقہ نے اس کے گھر آنے کے بارے میں پوچھا‘ جس پر اس نے بتادیا تھا کہ وہ کالج سے نکل چکی ہے اور کچھ دیر میں آجائے گی۔ فائقہ نے اسے اماں بی اور باقی لوگوں کی آمد سے متعلق اطلاع نہ دی تھی کہ خوانخواہ اس کا موڈ خراب نہ ہوجائے۔ وہ گھر آئی تو لان میں ایک اور گاڑی کھڑی دیکھ کر چونکی۔

”یہ کس کی گاڑی ہے؟“ گاڑی تو اسے تایا کے گھر کی لگ رہی تھی لیکن وہ پھر بھی تصدیق کرنا چاہتی تھی اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

”لاہور سے مہمان آئے ہیں۔“

”کون کون ہے؟“

”یہ تو مجھے پتا نہیں لیکن چار پانچ لوگ ہیں۔“ شہرینہ نے سر ہلایا۔ وہ اندر آئی‘ وہاں تو کوئی بھی نہ تھا‘ زبیدہ کاریڈور سے گزری تو اس نے اسے روک لیا۔

”کون کون آیا ہے لاہور سے؟“

”ایک تو وہ بھائی صاحب ہیں جن کی شادی ہوئی ہے ان کی بیگم تو بڑی پیاری ہیں بی بی جی۔“ وہ بڑا خوش ہوکر بتارہی تھی۔

”اوہ اچھا شایان اور زوبیہ بھی آئے ہوئے ہیں۔“

”ایک آپ کی دادی ہیں‘ ایک اور بھائی صاحب ہیں ایک فرح بی بی ہیں۔“ اس نے تفصیلاً بتایا۔

وہ سمجھی کہ اماں بی کے ہمراہ شایان‘ زوبیہ‘ فرح اور اسد آئے ہوں گے۔ افگن کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاسکا تھا‘ ویسے بھی افگن آئے روز اسلام آباد آتا رہتا تھا۔ کبھی لاہور‘ کبھی اسلام آباد اس کے چکر لگ رہے ہوتے تھے‘ کبھی کبھار وہ فائقہ سے ملنے گھر بھی آجایا کرتا تھا لیکن پچھلے دو تین سالوں سے وہ گھر آنے کی بجائے کسی نہ کسی ہوٹل میں ٹھہر جاتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیگ اور بکس رکھ کر واپس باہر آگئی تھی‘ فرح کمرے میں نہ تھی اس کا موڈ کسی سے بھی ملنے کا نہیں تھا سوائے زوبیہ اور شایان کے۔ زبیدہ نے بتایا تھا کہ وہ دونوں گیسٹ روم والے دو کمروں میں سے کسی ایک میں تھے‘ دوسرے میں شاید اسد تھا۔ وہ ان کی تلاش میں ان کے کمرے تک آئی تھی‘ ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا‘ اس نے اندر داخل ہوکر دیکھا‘ بستر تو

خالی تھا بلکہ کمرے میں تو کوئی موجود ہی نہ تھا۔ وہ چلتے ہوئے کمرے کے بالکل درمیان میں آرکی تھی۔

"شایان......" اس نے آواز دی تھی جبھی واش روم کا دروازہ کھلا اور وہاں سے برآمد ہونے والے شخص کو دیکھ کر شہرینہ ایک دم ساکت ہوگئی تھی' شیر افگن اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بے یقین ہوئی' وہ اس کمرے میں تو کیا اس گھر میں بھی اس شخص کو قبول نہیں کررہی تھی لیکن وہ مجسم حقیقت بنا کھڑا تھا' وہ ایک دم پلٹی' افگن اسے سرد نگاہوں سے بس دیکھ رہا تھا' نہ سلام نہ دعا' وہ فوراً کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"مائی گاڈ...... یہ شخص یہاں کیا کررہا ہے۔" اس کے اندر ابال سے اٹھنے لگے تھے عین اسی لمحے ساتھ والے کمرے سے فرح بھی نکلی۔

"ارے شہری...... تم کالج سے آگئیں۔" وہ والہانہ انداز میں کہتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ شہرینہ اسی طرح ساکت وہ جامد ہی رہی تھی' افگن کو دیکھ کر اب اس کا کسی سے بھی ملنے کو جی نہیں کررہا تھا۔

"کیسی ہو؟" اس نے محبت سے پوچھا۔

"تمہاری توقع سے بھی زیادہ بہت بری۔" وہ تلخی سے کہہ کر واپس شایان اور زوبیہ سے ملے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی' فرح بھی ہمراہ ہوگئی تھی۔

"بڑا اچانک چھاپہ مارا ہے تم لوگوں نے۔"

"بس اماں بی کا اچانک پروگرام بنا تو سب نے بھی فوراً رخت سفر باندھ لیا۔ زوبیہ بھابی اور شایان نے ہنی مون کے لیے جانا تھا ان کا خیال تھا کہ ایک دو دن میں یہاں سے ہی وہ مری اور پھر کاغان ناران کی طرف چلے جائیں گے۔" وہ اس کے ساتھ چلتی اس کے کمرے میں آگئی تھی' اماں بی سے تو وہ ویسے بھی ملنے والی نہ تھی' انہوں نے جس طرح دھوکہ دہی اور عجلت میں اس کا نکاح کروایا تھا' اس کے بعد اس کا دل ان کی طرف سے بالکل اچاٹ ہوگیا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس سب کی ذمہ دار اماں بی ہیں بلکہ وہ تو سب سے زیادہ پیش پیش تھیں بلکہ سب کچھ انہی کے کہنے کے مطابق ہوا تھا۔ وہ ان سے حد سے زیادہ بدگمان ہوچکی تھی۔

"اماں بی بھی آئی ہیں' زوبیہ بھابی اور شایان بھی آئے ہوئے ہیں اور پتا ہے کون آیا ہے؟" وہ خاموشی سے بستر پر جاگری' دوسری طرف فرح بھی بیٹھ گئی تھی۔

"پتا ہے میرا اتنا دل کررہا تھا تم سے ملنے کو' اماں بی کا آنے کو دل کررہا تھا افگن بھائی تو آنے پر راضی ہی نہ تھے زبردستی ہم نے منایا اگر افگن بھائی آنے پر راضی نہ ہوتے تو ہم نے ایک دو دن بعد خود ہی آجانا تھا' میرا' شایان بھائی اور زوبیہ کا پروگرام طے تھا۔"

"بڑے پاپا اور بڑی ماما کیسے ہیں؟" فرح مسلسل بول رہی تھی جواباً اسے پوچھنا پڑا۔

"بالکل اے ون' فرسٹ کلاس' اپنی بڑی بہو کے لیے انہوں نے ڈھیر سارا پیار بھیجا ہے' قبول کرو۔" وہ ہنس کر بولی تو شہرینہ نے گھور کر دیکھا تو وہ ہنسی۔

"کہتی ہو تو ان کے حصے کا پیار بھی کردیتی ہوں' ویسے افگن بھائی بھی یہ کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔" فرح کا انداز شرارتی ہوا۔

"شٹ اپ' تم جانتی ہو مجھے اس طرح کے بے ہودہ مذاق قطعی پسند نہیں۔" فرح کھلکھلا کر ہنس دی۔

"میں مذاق نہیں کررہی سیریس ہوں یار۔" جبکہ اس کی نگاہوں میں بھرپور شرارت تھی۔ شہرینہ نے اسے خاموشی سے دیکھا اور بستر پر دراز ہوئی' فرح خاموشی سے اسے دیکھنے لگی یعنی وہ ابھی تک اسی مقام پر تھی۔

"میں سونے لگی ہوں پلیز مجھے اب ڈسٹرب مت کرنا۔" اس کا انداز قطعی تھا' فرح اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی۔

❀......❀......❀

عثمان صاحب گھر جلدی آگئے تھے وہ داماد بھتیجے ماں اور بچیوں سے مل کر بہت خوش ہوئے' شہرینہ کو بھی بادل ناخواستہ سب سے ملنا پڑا تھا' عثمان نے کمرے سے پیغام بھیج کر بلوایا تھا' لاہور سے واپس آنے کے بعد عثمان فاروق سے اس کا یہ پہلا سامنا تھا۔ اس کا رویہ سب کے ساتھ بڑا مس فٹ تھا۔ انہوں نے بطور خاص اسے اپنے پاس بلوایا' وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھے۔

"ہم نے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ آپ کو اہمیت و فوقیت دی ہے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہم نے آپ کو کچھ بھی کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ آپ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہیں' یہ لوگ میرے قریبی اور خونی رشتہ دار ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اماں بی بتارہی تھیں کہ آپ ان سے ملی تک نہیں' جائیں ان سے سلام دعا کریں سب

کے ساتھ ملیں' گپ شپ لگائیں' میں آپ کو اپنے کمرے میں مقید نہ پاؤں اب' اوکے۔'' شہرینہ نے بہت شکایتی نظروں سے باپ کو دیکھا تھا' وہ کچھ بھی کہے بغیر ان کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔ لاؤنج میں سبھی موجود تھے پاپا بھی ان کے پاس چلے گئے تھے' وہ اندر ہی اندر جلتی' کڑھتی باہر لاؤنج کی طرف آگئی تھی۔ کتنی عجیب سی بات تھی وہ اپنے ہی گھر میں مس فٹ سی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ وہاں ٹہل رہی تھی جب فرح اور زوبیہ بھی وہیں آگئی تھیں۔

''واک ہو رہی ہے وہ بھی اکیلے اکیلے۔'' زوبیہ نے کہا۔

''یار ہم تمہارے گھر آئے ہیں کچھ تو خاص الخاص پروٹوکول دو ہمیں۔'' فرح نے کہا تو اس نے گہرا سانس لیا تھا۔

''ماما پاپا پروٹوکول دے تو رہے ہیں ناں۔''

''اس میں شک نہیں چھوٹے ماموں از دا بیسٹ' وہ کہہ رہے تھے وہ میری خاطر ساری میٹنگز وغیرہ چھوڑ کر آئے ہیں۔''

''ان کے پاس تو اپنی اولاد کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا' اس بات کے لیے تمہیں واقعی ان کا ممنون ہونا چاہیے۔'' اس نے طنزاً کہا جبکہ فرح ہنس دی۔

''بھئی اب ہم اسپیشل مہمان ہیں خصوصاً تمہارے لیے تمہارے حوالے سے پروٹوکول تو خاص الخاص تو ہوگا ہی ناں۔''

''تم تو میرے ددھیال والوں کی طرح سسرالی رشتے کو لے کر اس طرح اترا رہی ہو' کوئی حال ہی نہیں تمہارا تو۔'' زوبیہ نے دھپ لگائی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی' وہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگی ہوئی تھیں جب شایان آگیا۔

''ہمارا آؤٹنگ پر جانے کا پروگرام بن رہا ہے' جلدی کرو تیار ہو جاؤ تم لوگ۔''

''ارے واؤ۔'' فرح اور زوبیہ تو فوراً ایکسائٹڈ ہوئیں جبکہ شہرینہ نارمل ہی رہی تھی۔

''ہری اپ۔'' وہ فوراً اندر کی طرف بڑھیں جبکہ وہ اسی طرح اپنی جگہ پر قائم تھی' شایان نے اسے دیکھا۔

''چلو یار تمہیں نہیں جانا کیا؟''

''نہیں' میرا موڈ نہیں۔'' وہ اب قطعی انداز لیے ہوئے تھی۔

''موڈ بنانے سے ہی موڈ بنتا ہے' چلو جلدی کرو۔ تمہاری ایک نہیں سننی اب۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس اندر کی طرف بڑھا۔

''شایان پلیز زبردستی مت کرو۔'' لیکن وہ شایان ہی کیا جو سن لیتا اس نے لا کر عثمان صاحب کے سامنے کھڑا کر دیا۔

''ہم سب آؤٹنگ کے لیے جا رہے ہیں لیکن یہ مان ہی نہیں رہی۔'' انہوں نے بغور شہرینہ کے بگڑے تیوروں کو دیکھا۔

''جائیں شہرینہ تیار ہو جائیں۔'' اس وقت افگن بھی وہیں موجود تھا دونوں کوئی ٹاپک ڈسکس کر رہے تھے۔

''لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔'' افگن نے اسے ایک سنجیدہ نگاہ سے دیکھا۔

''ضد مت کریں جائیں۔'' قطعی انداز تھا۔ وہ خون کے گھونٹ پیتی پلٹی تھی' وہ لباس تو بدل آئی تھی لیکن لباس بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ ضد میں پہنتی تھی' فائقہ نے اسے بغور دیکھا۔

''شہری کوئی اور لباس نہیں تھا کیا؟'' افگن کی نگاہ میں اس کو دیکھتے ہی ایک دم ناگواری چھائی تھی اور دونوں کو دیکھتی فائقہ نے فوراً نوٹ کیا تھا۔

''نہیں ہے اگر اب کسی نے مجھے کچھ کہا تو میں اس سے بھی برا لباس پہن کر آؤں گی۔'' وہ دھیمی آواز میں پھنکاری تھی۔ وہ پاپا کے سامنے آرگومنٹ نہیں کرتی تھی لیکن ماما کے سامنے اس کے پر نکل آتے تھے۔

فرح' زوبیہ' شایان' ٹیپو اور فائقہ کے علاوہ عثمان اور افگن بھی ساتھ تھے' وہ سب لوگ دو گاڑیوں میں روانہ ہوئے تھے۔ اماں بی نے تھکاوٹ کا کہہ کر گھر پر رہنے کو ترجیح دی تھی۔ وہ لوگ پہلے ''لوک ورثہ'' گئے تھے اس کے بعد مونامنٹ اور دامن کوہ اور دامن کوہ میں ایک طرف اوپن ایریا میں موجود کیفے سے انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ وہ اس شہر میں عثمان کے مہمان تھے وہ ایک دن تو ان کو بطور خاص دے ہی سکتے تھے' وہ ان کو لے کر اسمبلی ہال آئے تھے اس کے علاوہ بھی چھوٹے موٹے مقامات ان کو دکھائے تھے سبھی بہت انجوائے کر رہے تھے سوائے شہرینہ کے۔ وہ سب سے لاتعلق خاموشی سے سر جھکائے بس اپنے آپ میں مگن ہر جگہ ساتھ موجود تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

پشیمانی

خدیجہ جلال

آنکھوں میں رہا، دل میں اُتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا
پتھر مجھے کہتا ہے میرا چاہنے والا
میں موم ہوں، اس نے مجھے چھوکر نہیں دیکھا

یونیورسٹی میں سالانہ تقریبات ہورہی تھیں۔ اردو، انگریزی کا تقریری مقابلہ، مشاعرہ...... کتاب میلہ...... جامعہ کے پرانے اسٹوڈنٹس طلبہ کی عدالت میں...... سب فنکشن شام کے تھے اور رات بیت جاتی...... وہ اسی یونیورسٹی میں صحافت کے شعبہ میں تھی۔ یہیں سے تعلیم حاصل کی اور پھر جرنلزم میں ٹاپ کرکے ایک ریکارڈ قائم کیا، جامعہ کی اس ہونہار طالبہ کو اپنے ہی شعبہ میں لیکچرر شپ آفر ہوئی اور اس نے اسے اپنا اعزاز جانتے ہوئے جوائن کیا اور اپنی پی ایچ ڈی کی تیاری بھی کی...... اور ایک رسالہ کے ساتھ اعزازی طور پر کام کررہی تھی...... اپنے ڈیپارٹمنٹ کی تو ہر دل عزیز طالبہ بھی رہی اور اب طلبا کی ہر دلعزیز استاد تھی...... اس کے اندر پارا بھرا تھا۔ وہ کچھ کرگزرنے کے جذبے سے سرشار تھی...... وسیع مطالعہ اور پُرتاثیر گفتگو کا ملکہ رکھتی۔

جامعہ کا پرانا طالب علم جواد احمد جواب مشہور صنعت کار اور سیاستدان تھا جب جامعہ میں بزنس ایڈمسٹریشن کھلا تو اس پہلے بیچ کا ذہین طالب علم رہا۔ آنر بورڈ پر اس کا نام سب سے اوپر تھا اور مادر علمی کو اس پر فخر تھا...... اپنے شعبہ کے فنکشن پر اکثر بلایا جاتا اور وہ بھی کتنا ہی مصروف ہوتا ضرور وقت نکالتا...... طالب علمی کا زمانہ کتنا خوب صورت اور ہم جماعت کے ساتھ رشتہ اور تعلق کتنا مضبوط ہوتا ہے کہ جب کوئی کہے کہ ہم اکھٹے پڑھتے تھے تو یوں لگتا ہے کہ اس سے زیادہ قربت کا رشتہ کوئی نہیں۔

جامعہ کا ہال بھرا ہوا تھا...... زندہ دل، پُرجوش اور ذہانت وفطانت سے بھرپور چمکدار چہرے لیے جب ہوٹ کرتے تو بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے وہ آیا اور محفل لوٹ لی۔ ہر طرف پن ڈراپ سائلنس وہ سننے والوں پر جادو کرگیا اس کو اسمبلی میں بولتے سنا وہ بزنس چیمبر کا عہدیدار تھا...... پریس کانفرنس کرتا تو لفظوں کا جادو جگاتا مگر ہال میں اس نے سحر طاری کردیا، اس نے سیاست پر مقالے لکھے...... معاشیات واقتصادیات پر بین الاقوامی میگزین میں لکھا تو اپنی قابلیت کا سکہ جمایا اور پھر ڈاکٹر مریم منصور احمد کو میگزین کے لیے اس کا انٹرویو لینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس کا اپنا اسلوب تھا۔

اس نے انٹرویو لینے کی نئی طرح ڈالی...... وہ جس کا انٹرویو لیتی اس سے پہلے وہ اس کے بارے میں معلومات اکھٹی کرتی اور پھر سیر حاصل بحث کرتی اس کے انٹرویوز کو پسند کیا جاتا تھا...... جواد علی سے انٹرویو کا وقت طے تھا۔ ابھی گفتگو کے ابتدائی مراحل تھے کہ وہ حیران رہ گئی جواد علی نے اس کی ہر تحریر کو پڑھ رکھا تھا، لکھاری کے لیے یہ بہت خوشی اور فخر کی بات ہوتی ہے کہ اس کی تحریر کو پڑھا گیا...... یاد رکھا اور تبصرہ کیا۔

دو اور دو کے چکروں میں پھنسا تاجر دنیا میں صنعتی انقلاب اور معاشی ترقی کے رموز سے آشنا صنعت کار...... سیاست کی بساط میں الجھا کامیاب سیاستدان کا ہر روپ پُرکشش اور حیران کن تھا۔ بہترین ادبی ذوق کا مالک ملکی اور بین الاقوامی ادب پر اس کی گہری نگاہ تھی۔ وہ تو کتابوں کا رسیا نکلا' سفر میں ہو تو کتاب اس کی ہم سفر ہوتی۔ قلم و قرطاس میں لمبی مسافتوں کا پتہ بھی نہیں چلتا اور رات بستر پر جانے سے پہلے جب تک کچھ نہ پڑھے نیند نہیں آتی' وہ اسے اپنی لائبریری میں لے گیا' نایاب کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

''ہر ملک کے بک اسٹال پر میں نے کتابوں کو دیکھا اور خرید لیا' کتابوں سے مجھے سچا عشق ہے۔'' مریم منصور احمد کو حیران کردیا...... وہ اپنی پاکٹ منی کو سنبھال کر رکھتی اس کے دو شوق تھے' اچھا لباس اور اچھی کتاب۔

پہننا اوڑھنا اس پر ختم تھا لیکن جب معاملہ چوائس کا آتا کپڑا یا کتاب...... تو ہمیشہ کتاب کو ترجیح دیتی...... بچپن سے اسے پڑھنے کا شوق تھا' جو وقت کے ساتھ پروان چڑھتا رہا...... اس نے دل میں جواد احمد کی ستائش کی...... ایسے لوگ تو اہل دل ہوتے ہیں...... سراپا دل' حساس اور غم گسار...... دل ہی دل میں سراہا۔

''تم دل اور دماغ دونوں کو کیسے یکساں کرلیتے ہو؟'' اس کی شخصیت پر اثر بھی لگی اور ہر دل عزیز بھی۔ وہ گرم جوش اور پرتپاک تھا۔

گفتگو کے سلیقے سے آگاہ...... لفظوں کے انتخاب کے ہنر سے آشنا۔ مسحور کردینے والے ذومعنی فقرے

وہ جامعہ کی تقریب کا بھی منفرد کردار تھا اور طویل نشست نے اسے مزید متاثر اور گرویدہ کیا' وہ ذہین تھی اچھا ذہن اسے متاثر کرتا تھا۔

خوب صورت گفتگو اس کی کمزوری تھی۔ حاضر جوابی اور پُراثر جملہ اس پر جادو کردیتا۔ بزلہ سنج اور سخن فہم۔

''اوہ جواد احمد تم تو کمال کی چیز نکلے۔'' اسے زندگی میں بہت سے لوگ جن کی کسی نہ کسی خوبی نے متاثر کیا مگر ایک شخص کے پیکر میں اکٹھی دیکھ کر وہ بے خود اور سحر زدہ رہ گئی۔

☆......☆......☆......☆

اسے اپنا کالج کا زمانہ یاد آیا' جب اس نے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں بورڈ میں پانچویں پوزیشن اور کالج میں ٹاپ کیا تو تھرڈ ایئر میں داخلے کے لیے مضامین کے انتخاب کا مرحلہ درپیش تھا۔ انگریزی لٹریچر اور سیاسیات کو تو آنکھیں بند کرکے لے لیا لیکن جب آپشن میں عربی' فارسی میں سے کسی ایک کو چننے کا وقت آیا تو وہ کشش و پنج میں تھی...... پھر اس نے عربی اور فارسی کے پریڈ لینے کا فیصلہ کیا' دونوں کلاسز ایک وقت میں تھیں' پہلے عربی کی کلاس میں گئی' قرآن مجید کو اس نے تجوید اور ترجمے کے ساتھ پڑھ رکھا تھا۔

عربی سے ابتدائی شد بد تھی مگر وائے بدنصیبی کہ عربی کی استاد اسے متاثر نہ کرسکی اور پھر اس سے اگلے دن فارسی کے پیریڈ میں جا بیٹھی اس نے کلاس میں کھڑے ہوکر میڈم سے کہا۔

''میں نے کبھی فارسی نہیں پڑھی' ایں آں' ہست' گو' است' چست کے علاوہ کچھ نہیں جانتی اور یہ معقولہ بھی سن رکھا' پڑھو فارسی بیچو تیل...... اور یہ تیل عرب ممالک زیادہ بیچ رہے ہیں۔''

دوسری جنگ عظیم میں ایک سپاہی جنگ میں شریک ہوا' اس کے ساتھ ترک سپاہی بھی تھے اور فارسی بولنے والے بھی۔ لمبی لام نے ٹی بی کا مریض بنادیا اور اسے پینشن دے کر گھر بھیج دیا...... وہ کمزوری غنودگی اور عالم بے ہوشی میں آب آب کرتا رہتا اور جاہل ان پڑھ ماں اس کے سرہانے بیٹھی دعائیں کرتی اور اس کا سر دباتی آخر وہ زندگی کی بازی ہار گیا اور ماں بین کررہی تھی۔

''آب آب کردا مرگیا بچہ اں فارسیاں گھر کھالے''
(پانی پانی کردا مرگیا بچہ اس فارسی نے گھروں کو تباہ کیا)

وہ جان نہ پائی یہ تھی دوسری بڑی عالمی جنگ بڑی طاقتوں کی اقتدار فتح عالم اور جنون کی لڑائی تھی کسی فارسی زبان کا قصور نہ تھا۔

میڈم نے اس کی بذلہ سنجی کو سراہا اور کلاس فیلو نے تالیاں بجا کر مرعوب کیا۔ وہ تو اتنی اہمیت پاکر خوش ہوئی بلکہ انتخاب کا مرحلہ بحسن خوبی طے پاگیا۔ اسے سعدیہ حماد علی کے پیریڈ کا بے چینی سے انتظار ہوتا۔

وہ کورس میں شامل شیخ سعدی کی گلستان اور بوستان کی حکایتیں کتنی سبق آموز تھیں اور میڈم کا تدریس کا انداز آخری وقت تک انتہائی دلچسپ اور یہ کہ لیکچر میں یہ دلچسپی آخری وقت تک برقرار رہتی...... وہ اپنی کلاس کی طالبات کو سوال پوچھنے اور بحث و مباحثہ کی پوری آزادی دیتیں' کبھی بیت بازی ہورہی ہے کبھی کوئی موضوع دے کر تقریری مقابلہ کررہی ہیں...... کسی

دن لطیفے سنانے کا پروگرام ہوتا سو فیصد حاضری ہوتی اور کوئی طالبہ غیر حاضر نہ ہوتی...... پیریڈ گول کرنا اور کھسکنے کا پروگرام کوئی نہ بناتا اور نہ ہی کوئی کسی کی پراکسی لگواتا حالانکہ بہت بڑی کلاس تھی...... گلہ بان اچھا ہو تو گلہ ساتھ لے کر چلتا ہے۔

ایک دن میڈم نے سوال کیا محبت میں پہل کون کرتا ہے پوری کلاس کا جواب تھا وہی جو عاشق بنا پہل اسی نے ہی کی...... ہر لڑکی تیر اور تلے سے لیس اپنے جواب کو دلیلوں سے ثابت کر رہی تھی مگر میڈم کسی کے نتیجے کو پاس نہیں کر رہی تھیں...... اب پوری کلاس ہم آواز ہو کر پوچھ رہی تھی میڈم نے کل تک سوچنے کا کہہ کر پیریڈ آف ہونے پر اسٹاف روم کی راہ لی۔

اب ہر طالبہ نے اگلے دن پیریڈ تک ہر لمحہ ہر پہلو پر سوچا مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا...... دوسرے دن بھی دلچسپی اور گرما گرمی رہی اور آخر انکشاف کر کے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ پہل محبوب کی طرف سے ہوتی ہے‘ اس کی چاہت کی گرمی محبت کی تپش اسے عاشق بنا دیتی ہے۔

☆......☆......☆......☆

عشق کا تیر کیسے چلتا ہے...... کیوپڈ کا وار کیا ہوتا ہے...... پہل کون کرتا ہے...... جو بھی ہو مگر جو زد میں آیا ہوش و مت کھو دیتا ہے۔ اسے اس جذبے کا کچھ احساس تو اس دن ہوا جب اس نے جامعہ کی طلبہ کی عدالت میں اسے دیکھا‘ سنا اور پھر اس نے جانا بس وہ ایک لمحہ صدیوں پر بھاری ہوتا ہے۔

ایک پل قرنوں کا وزن لیے ہوتا ہے۔ وہ کیوپڈ کا تیر جو وار کرتا ہے تو ہوش و حواس کو لے ڈوبتا ہے۔

نہ ماننے پہ آؤ تو صدیاں بیت جائیں
ماننے پہ آؤ تو بے خبری میں لٹ جاؤ!

آج کی اس طویل نشست نے تو اس کی مت مار دی...... ساری رات نیند کی دیوی روٹھی رہی اور وہ اپنے خوابوں کے شہزادے کے ساتھ ساتھ کہاں کہاں نہ بھٹکی۔

اس نے اس کی سنگت کی دعا کی اور دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی شورش نے اسے پسینہ پسینہ کر دیا‘ اف یہ میں کیا کر بیٹھی۔

دو بولتے نینوں نے گھیراؤ کیے رکھا۔ زبان گنگ ہوگئی‘ جذبے لفظوں کے محتاط نہیں ہوتے۔ خاموشی زبان بن جاتی ہے۔

☆......☆......☆......☆

دوسرے دن انٹرویو کا بقایا حصہ مکمل کرنے وہ پہنچی تو لگا کہ ادھر بھی آگ برابر لگی ہے...... وہ جو بہت حاضر جواب تھی لفظ اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے۔ زبان لڑکھڑا رہی تھی اور دوسری طرف بھی زبان میں لکنت...... کہاں سے آ گئی...... انٹرویو مکمل ہوا تو وہ ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ جب وہ انٹرویو چھپا تو ایک ایک لفظ موتی کی طرح جڑا تھا اور تہلکہ مچا کر رکھ دیا...... جواد احمد نے فون کر کے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس انٹرویو نے مجھے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا جس کے لیے میں نے سالوں عرق ریزی کی اور میں اس پیک کو نہیں پا سکا وہاں تک تم نے مجھے پہنچا دیا اور انٹرویو لینے والے کا کمال بھی اپنی اوج کو چھو رہا تھا۔ سب اس کی تعریف کر رہے تھے اخباروں میں تبصرے...... الیکٹرانک میڈیا پر تعریفیں...... میگزین کے دفتر میں رابطوں کا طویل سلسلہ اور وہ رسالہ کے لیے ناگزیر بن گئی۔ ریٹنگ نے سیلری بھی بڑھا دی اور اس کی عزت و توقیر بھی۔

اپنے پہ جبر اب بس میں نہ تھا...... طویل فون...... ملاقاتیں مسیجز اور پیغامات...... سائنسی ترقی نے دلوں کے فاصلوں کو کم کر دیا۔ وہ جو گھر والوں سے کوئی بات نہ چھپاتی تھی...... اسے لگا ان کی مجرم ہے۔

پاپا کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ مثالی تھی وہ ہر بات شیئر کرتی باپ اور بیٹی میں اعتماد اور مان کا رشتہ تھا۔ ہر بات بتاتی پھر مشورہ لیتی۔ پاپا جنہوں نے برسوں پہلے کہا تھا۔

”مجھے تم پر اعتماد ہے اور پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں خاندان کی شرافت اور میرے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچانا۔“

باپ کا اعتماد بیٹی کو بااعتماد بناتا ہے۔ وہ اسی تحفظ اور یقین کے سہارے سرفراز رہی۔ پاپا اس کی ہر بات سمجھ جاتے اور جب وہ اس مقام پر تھی کہ نہ صرف خاندانی وقار اور شرافت کی بات تھی اس کا معاشرے میں اپنا مقام تھا‘ اس کا نام عزت سے لیا جاتا‘ وہ معتبر بھی تھی اور محترم بھی۔ اپنے کولیگز میں سرخرو اور سربلند۔

نام بھی تھا شہرت کی روشنی بھی...... مگر اندر جو آگ لگی تھی اس نے اندر ہی اندر اسے راکھ کر دیا‘ مگر اس راکھ میں دبی چنگاریوں کو سب سے چھپا رکھا۔ اندر چور ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی گڑبڑ ضرور تھی کہ وہ کسی کو اعتماد میں نہ لے سکی اور بے خبری میں اس نے جواد حسن کے ساتھ کتنی مسافتیں طے کر لیں......

ساتھ جینے اور مرنے کا عہد کیا...... وہ لمحہ لمحہ زندگی
ہاں کشید کر رہے تھے۔

ن دنیا کے کسی خطے میں ہوتا اس کے ساتھ رابطے میں رہتا۔ اس کی شادی شدہ زندگی اور تین بچوں کا باپ ہونا ے میں ڈالتا، مگر وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائی۔

محبت مصلحت کو نہیں سمجھتی...... محبت اندھی ہوتی ہے نڈر اور بے باک۔ خطروں میں کود جانا اسے اچھا لگتا ہے۔

محبت بے خوف ہوتی ہے انجام سے لاتعلق...... محبت کچے گھڑے میں چناب عبور کراتی ہے...... آگ کے تنور میں کود جانے کا کہتی ہے۔

اس نے لمحہ لمحہ کا حساب لگایا...... تین سال بیت گئے۔ اسے لگا پیچھے مڑے گی تو پتھر کی ہو جائے گی۔ اس نے اسیر کر رکھا تھا اس اسیری پر لاکھوں آزادیاں قربان۔

رہائی ملی تو مر جائیں گے

ہر انسان اہمیت چاہتا ہے۔ چاہنے اور چاہے جانے کا جذبہ فطری اور ازل سے ہے۔ کسی کی نظروں میں رہنا، سما جانا اچھا لگتا ہے۔

اس کی عمر اٹھائیس سال تھی اور...... اور جواد احمد پینتالیس سال کے لپیٹے میں گرے بال، گریس فل شخصیت...... وہ جب بزنس ٹور پر ملک سے باہر ہوتا ہر روز...... فون...... ہر جگہ کے ویو کارڈ...... قیمتی پرفیومز اور خوب صورت تحائف اس نے ہر لمحہ اسے اپنے سنگ رکھا۔

اس کی بیوی اس کی چچازاد تھی...... میٹرک میں تھے شادی ہوگئی، دونوں بھائیوں کا سانجھا کاروبار تھا بٹوارے اور تقسیم سے بچ گیا...... فاریہ بچوں اور گھر داری میں لگ گئی اور جواد احمد نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، ان کا جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ پورا خاندان شیر و شکر تھا۔ خاندان میں مثالی اتفاق تھا۔

اگر مرد سمجھدار ہو اور بیلنس کرنا جانتا ہو عورت کے حقوق پامال نہ ہوں اور اسے اہمیت دی جاتی ہو، بچے نظر انداز نہ ہوں اور مرد کی خوشی اور خوشنودی کے لیے عورت سب کچھ نثار کر سکتی ہے۔

زندگی گزر رہی تھی...... جو حاصل تھا دونوں راضی بہ رضا تھے...... انہوں نے بزرگوں کے فیصلے کو مقدر کا لکھا سمجھ کر سر جھکا دیا تھا۔ مگر ذہنی مطابقت انڈر اسٹینڈنگ نہ تھی۔ وہ زندگی کے ہمسفر میں جن خصوصیات کا متلاشی تھا نہ مل پائی ہر بڑے آدمی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے وہ پارے کی طرح بیقرار...... اسے ایسے گرم جوش ساتھی کی ضرورت تھی جو قدم بہ قدم ساتھ ہو...... شانہ بشانہ شاہراہ حیات پر ساتھ دے...... مگر اونچے طبقے کی دولت مند خواتین کی طرح وہ فیشن کی دلدادہ اور پارٹیوں وتقریبات میں گم تھی۔

”میں نے تم جیسی عورت کے خواب دیکھے تھے۔ تم کو دیکھا تو لگا یہی میری تعبیر ہے...... تم جیسی عورت کی ہمیشہ ہی خواہش کی...... ہم عورتیں بھی کتنی بے وقوف ہوتی ہیں...... کچے گھروندوں سے بہل جاتی ہیں۔ وعدوں پر اعتبار کر لیتی ہیں...... خوب صورت گفتگو سے بنے جال میں پھنس جاتی ہیں۔ اس حد تک خودغرض بن جاتی ہیں کہ خاندان کے وقار اور رشتوں کے ساتھ جڑی نسبتوں کو بھول جاتی ہیں۔

آنے والی نسلوں کے لیے طعنہ بن جاتی ہیں...... باپ کا سر جھکاتی اور بھائیوں کے مان کو توڑ دیتی ہیں...... اپنی ہی صنف کے حق پر ڈاکہ ڈال دیتی ہیں۔ اپنی صنف کو خطا کار گردانتی ہیں۔ وہ عورت قصوروار اور مرد بے قصور اور مظلوم بن جاتا ہے، خطا کار بے خطا بن جاتا ہے۔ ہرجائی مظلوم کا روپ دھار لیتا ہے۔

پل پل رنگ بدلنے والا گرگٹ ہمدردی کا مستحق بن جاتا ہے۔ مرد جس نے مسابقت اور مقابلے کی دنیا کا سامنا کرنا ہوتا ہے اسے مخلص اور دردمند عورت کا ساتھ چاہیے...... تھکا ماندہ گھر پہنچے تو ساری تھکن اپنے ہاتھوں میں لے لے اور اسے اگلے دن کے لیے تازہ دم بنائے۔ تسخیر کائنات اپنا حق سمجھتا ہے۔ اور جب محفل اور پارٹیوں میں جائے تو خوب صورت ذہین عورت اس کے سنگ سنگ ہو جس کا ہر روپ متاثر کن اور لوگ اس کو سراہیں۔ انسان کو جو حاصل ہوتا ہے اس پر قانع اور خوش نہیں ہوتا اور جو نہیں ملا اس کے لیے کڑھتا رہتا ہے۔

اس نے مرد، معاشرے کو دیکھا اور صحافت کا شعبہ کا انتخاب کر کے عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑنے نکلی...... اور ایک مرد نے اپنے من کا پھریرا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اسے بھی ایسے مرد کی تلاش تھی۔ جو زندگی کی راہ میں اس سے آگے آگے ہو بہادر اور ذہین...... جو اسے تحفظ اور خوشی دے۔

جس کا ساتھ اسے معتبر بنا دے۔ جس کی شناخت اس کی پہچان بنے۔ جس کا نام اسے معتبر بنائے اور تحفظ دے۔ جس کا ساتھ اسے نازاں کرے۔

وہ اپنی ذات کے حوالے اور شناخت کے ساتھ کسی اور کے نام میں پناہ چاہتی تھی۔

جب معاملہ گھر تک پہنچا تو طوفان آ گیا۔

اس میں کسی چیز کی کمی تھی...... خوب صورت، اعلیٰ تعلیم یافتہ، باپ کا اونچا اسٹیٹس اعلیٰ خاندان، اونچی سوسائٹی...... بھائیوں کے اونچے عہدے...... سب کچھ موجود تھا اور پھر رشتوں کی کمی نہ تھی...... ایک سے بڑھ کر ایک خاندان میں موجود اور طلب گار...... وہ ہی کسی کے لیے مان کر نہ دے رہی تھی۔ خاندان سے باہر جان پہچان والے کتنے لوگ اس خاندان کے ساتھ رشتہ جوڑنا چاہتے تھے۔

"اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو جو طوفان چڑھا ہے اتر جائے گا۔" گھر کا ہر فرد ایک دوسرے کو الزام دے رہا تھا۔

"پاپا نے اس کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ اتنی آزادی نے گل کھلانا تھا۔"

"ماں بیٹوں پر کڑی نظر رکھتی ہیں...... ماں نے اسے ڈھیل دی تھی اور وہ بے لگام ہوئی۔"

"بھائیوں نے اس پر نظر نہیں رکھی اور بے جا پیار کیا اور ہر بات مانی اس طرح سر چڑھایا اور وہ بے لگام ہوتی گئی۔"

ہر کوئی ایک دوسرے کو الزام دے رہا تھا، اور کوئی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہ تھا...... اور پھر اپنے طور پر سب نے اپنے اپنے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ، جس نے زندگی بھر اپنی ضدوں کو بہت نازوں اور لاڈوں سے منوایا...... اسے خود سر اور ضدی بنا دیا...... اب بھی اسے یقین تھا کہ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارنے کا اسے حق ہے...... تھک ہار کر سب اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے...... مگر یہاں تو ایک طوفان اٹھا...... لوگ کیا کہیں گے، ہمارا ایک مقام ہے گھر گھر ہماری بے عزتی ہوگی...... برادری والے کیا کہیں گے...... رشتہ دار طعنے دیں گے، بہنوں نے منت سماجت کی کہ جب بیاہی بیٹی کے پیچھے میکے والوں کی سپورٹ نہ ہو تو وہ سسرال میں بہت بے وزن ہو جاتی ہے۔

بھائیوں نے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کی...... اس کی دوستوں سے رابطہ کیا گیا کہ اسے آپ لوگ سمجھائیں کہ یہ بٹے ہوئے مرد کے ساتھ کیسے زندگی گزارے گی...... تقسیم شدہ مرد تمہیں اتنی اہمیت نہیں دے پائے گا...... عشق و عاشقی بہت پُرکشش اور پُراثر ہوتی ہے اور جب محبوبہ بیوی بنتی ہے تو پھر اس

غزل

بے قرار تم بھی ہو بے قرار ہم بھی ہیں
منتظر تم بھی ہو، سراپا انتظار ہم بھی ہیں
کیا سوچ کے کیا تم نے ہم سے ترکِ تعلق
مانتے ہیں اپنے جرم کہ گناہ گار ہم بھی ہیں
ہمیں بے وفا نہ کہہ دل پر اپنے ہاتھ رکھ
تجھے بھی اک پل چین نہیں، سوگوار ہم بھی ہیں
چلے آؤ کہ اپنی انا کے بت توڑیں
تمہیں بھی چاہیے محبت، طلب گار ہم بھی ہیں
جو ملے سر راہ تو یہ راز بھی کھلا
نم ہے تیری آنکھ اشکبار ہم بھی ہیں

فصیحہ آصف خان...... ملتان

سے ڈیمانڈ مختلف ہوتی ہے...... تم بکھر جاؤ گی...... تم بہت حساس ہو ان کچوکوں کو سہہ نہ سکو گی۔

زندگی تلخ حقیقت ہے...... اس میں قدم قدم آزمائشیں ہیں...... وہاں خوابوں اور تصورات کے سہارے زندگی نہیں گزرتی...... کڑوی سچائیاں تم پر سنگ باری کریں گی اور تیرے پیچھے کوئی ایسا رشتہ نہ ہوگا جو اس وار کو روکے۔

سوتن کے ساتھ تپتے صحرا میں آبلہ پائی تمہیں زخمی کرے گی رستے خون پر کوئی رشتہ پھایا رکھنے والا نہ ہوگا...... وہ ان کے خاندان کی بیٹی ہے اور بڑے ارمانوں سے لائی گئی ہے...... خاندان ہمیشہ اسے فوقیت دے گا اور تمہاری زندگی نہ صرف بے توقیر ہوگی بلکہ آنے والے تمہارے بچے ان کے سامنے درجہ دوم شہری کی حیثیت سے پلیں گے...... اپنی آنے والی نسل کی مجرم کیوں بنتی ہو۔

ایثار...... وفا اور چاہت جیسے ملائم لفظ ازدواجی زندگی سے بھک سے اڑ جائیں گے۔ صرف حسد...... جلن، تڑپ، مسابقت اور مقابلہ رہ جائے گا۔

"محبوبہ اور بیوی میں فرق ہے جب یہ فرق تم پر سنگ باری کرے گا تم لہولہان ہو جاؤ گی۔" تمام دلائل بے معنی رہے۔

ہر منطق ناکام ہوگئی...... ہر محبت ہاری، ہر رشتہ اس جفا جو کے سامنے بے وقعت ہوگیا۔ کائنات میں چار سو وہی رہ گیا۔

اس نے ساری کشتیاں جلانے کا حوصلہ پیدا کیا۔

"جواد حسن تم شاہراہ حیات پر شانہ بشانہ ہوئے اور سنگ

سنگ چلے تو مجھے کبھی کوئی پچھتاوا نہ ہوگا۔ تمہارا ہاتھ تھامے میں زندگی کے ہر طوفان کا رخ موڑنے کا حوصلہ رکھتی ہوں...... تمہارا قرب مل گیا...... تو کوئی دوسری نہ ستائے گی۔''

☆......☆......☆......☆

جواد حسن کی محبت پر اعتماد تھا' اس نے آسمان سے تارے توڑنے کا عہد نبھایا ہو یا نہیں اس کو پانے کے لیے خاندان سے ٹکرا گیا۔ پہلی بیوی بپھری شیرنی بن گئی۔

''پہلے مجھے طلاق دو پھر کوئی دوسری اس دہلیز پر قدم رکھے گی۔'' ڈیڈی اور چچا دیوار بن کے سامنے آ گئے۔

''تم بچوں کو ساری زندگی مل نہ سکو گے' تمہیں نہ صرف یہ گھر چھوڑنا ہوگا بلکہ ہر تعلق توڑنا ہوگا۔'' ممی اور آنٹی بپھری شیرنیاں بنیں دوہائی دے رہی تھیں۔

''خاندان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ ٹوٹے رشتے پھر کبھی نہ جڑ سکیں گے۔''

''شیشہ دل میں ایک بار دراڑ پڑ جائے تو کبھی نہیں جڑ سکتا...... خاندان جس کے اتفاق وایثار کی مثال دی جاتی ہے...... وہ تماشا بن جائے گا۔''

''جواد حسن خاندان کو بے توقیر نہ کرو......'' ہر تعلق توڑنے کی دھمکی دی...... سب کا خیال تھا۔ معاملے کو طول دو وقت کے ساتھ جذبے ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

چڑھی ندی شور مچاتی اتر جائے گی۔ نشہ وقت کے ساتھ ہرن ہو جائے گا۔ مگر جو ایک بار نہ کی وہ پھر ہاں میں نہ بدلی۔

اسے اپنے زور بازو پر یقین تھا۔ اسے دنیا میں اپنے آپ کو منوانے کا حوصلہ تھا۔ پانے کے لیے کھونے کا وقت تھا۔

وہ اس کے لیے سب کچھ لٹانے کو تیار تھا محبت کرنے والوں کی ہر ریت دہرائی تھی...... بادشاہوں نے تاج وتخت کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا...... اور...... ادھر رشتوں کو محبت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے آتے ہیں۔ یہ ٹین ایج کی جذباتی شوریدہ سری تھی۔ یہ پختہ عمر کے جانے مانے باوقار مرد کا فیصلہ تھا۔

وہ اس کے لیے سب کچھ لٹانے کو تیار تھا۔ وہ پیچھے لوٹ کر اسے تنہا کیوں کرتی...... وہ جو اس کے لیے دنیا سے لڑنے نکلا تھا' اس پر ہر رشتہ وار دینے کو تیار تھا۔ وہ اسے تسلی دے رہا تھا تمہارا ساتھ ملا تو میں دنیا سے ٹکرا جاؤں گا' اگر تم نے قدم پیچھے ہٹائے میں کہیں کا نہ رہوں گا...... تم میرا حوصلہ ہو اور میری طاقت بھی...... اسی لیے تو کہتے ہیں۔

''محبت اندھی ہوتی ہے''

صرف اندھی ہی نہیں ہوتی گونگی اور بہری بھی ہوتی ہے۔ اپنے لفظوں اور فیصلوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا اور اور نہ کسی کا سنائی دیتا ہے۔ جواد حسن تم سے بہتر لاکھوں ہوں گے مگر تم جیسا کوئی دوسرا نہیں......

''پھر گھر والوں نے اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے آگے ہار مان کر فیصلہ سنا دیا کہ'' اسے کہو مولوی اور دو گواہ لے آئے اور تمہیں لے جائے' اب ہمارا تم سے کوئی تعلق نہ ہوگا تم ہمارے لیے مرگئی ہو اور ہم تمہارے لیے۔''

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والا معاشرہ جہالت میں کچھ ایسا ہی ہوگا...... اسلام نے تو نکاح کو آسان کیا ہے اور ہم اس راستے کو بند کر کے غلط راستے کی طرح بھٹکا دیتے ہیں...... اسلام تو چار شادیوں کی اجازت اسی لیے دیتا ہے اور بیٹی کو پسند کرنے کا حق اس نے دیا ہے' ہم اتنے تنگ نظر کیوں ہیں۔

انی عزت...... خاندانی وقار جس کی اتنی دہائی دی جاتی ہے اسے عقلمندی اور مصلحت سے بچایا بھی جا سکتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

دونوں کا نام تھا...... شہرت تھی...... عزت تھی مگر وہ میڈیا کی بریکنگ نیوز بن گئی...... یونیورسٹی فنکشن...... اخبار' محلہ گھر گھر یہی موضوع تھا۔

جواد حسن چند دوستوں کے ساتھ آیا اور وہ خاموشی سے اس کی زندگی میں آ گئی۔ نہ اس کے نام کی مہندی لگی۔ نہ سکھیوں کے گیت گائے...... نہ ڈھولک بجی...... نہ شور نہ ہنگامہ......

اس خاندان کی شادیاں تو ایسی کبھی نہ ہوئیں جیسے مرگ ہوگئی ہو...... یہاں تو ہر شادی بہت دھوم دھام سے ہوتی...... پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا تاکہ نام اور ناک اونچی رہے...... وہ جو گھر میں سب سے چھوٹی تھی اس نے بھی ارمان پالے تھے...... مگر سب کچھ سہہ لیا' ہونٹوں کو سی لیا' زبان پر تالہ لگا دیا...... شکوہ کرتی بھی تو کیسے اور کس سے...... سارا دوش تو اس کا اپنا تھا۔

ہائے کاش گھر والے ہی مان جاتے...... میری چاہت' میری محبت اور میری خوشی سمجھ کر۔

انہوں نے اپنے آپ کو منوانا تھا...... بزنس دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا...... کسی کی حوصلہ افزائی آگے بڑھنے کی امنگ پیدا کرتی ہے اور کبھی کسی کو نیچا دکھانے کے لیے

توانائیاں ابھرتی ہیں......یہی ولولہ جوش اور امنگ تھی جوان کے اندر پارے کی طرح موجود تھی۔

مریم کو جواد حسن کے ساتھ نے زیادہ معتبر با اعتماد اور متحرک بنا دیا۔ اس کے تحقیقی مقالے باہر چھپنے لگے۔ شہرت کو پر لگ گئے۔ جب جواد حسن کے گھر والوں نے دیکھا کہ وہ ہارا نہیں تو ٹوٹا رشتہ جوڑنے کی کوششیں ہونے لگیں......انسان اپنی جڑ اور بنیادوں کے بغیر زیادہ دیر دور نہیں رہ سکتا......اس کی جڑیں بھی وہاں تھی اس کی نسلیں اور آئندہ آنے والا کل بھی۔ بچے اسے بہت یاد آتے۔

مرد کو ہمیشہ عورت دوسرے کی اچھی لگتی ہے اور اولاد اپنی۔

محبت صرف ایک سے وابستہ ہونے کا نام نہیں محبت تو سب سے رشتوں نسبتوں اور تعلق سے ہوتی ہے......وہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی۔ حذیفہ جواد جسے وہ پیار سے کیٹو کہتی کہ انگریزی ادب میں کیٹس اس کا پسندیدہ شاعر ہے۔ گھر مکمل ہے......مگر جواد حسن نامکمل تھا کہ اس کے دو بیٹے اس سے دور تھے......جن میں اس کی جان تھی۔

"مانا مریم میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن جو چیز ہماری دسترس میں ہوتی ہے وقعت کھو دیتی ہے اور جو ہم سے دور ہوتی ہے اس کی قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔"

اب اسے اپنے بیٹوں کی یاد ستانے لگی۔ بچوں کا کوئی نعم البدل نہیں میں نے ان کے بغیر اتنا عرصہ کیسے گزارا......یہی تو آزمائش اور امتحان ہیں۔ میری تکمیل ان کے ساتھ ہے ورنہ نامکمل اور ادھورا رہوں گا۔"

خلا میں معلق جس کے پاؤں زمین پر نہیں ہوتے۔ وقت نے بہت سے گھاؤ پر پھاہا رکھ دیا۔ بہت سے زخم مندمل ہو گئے۔ سمجھوتہ کرنے اور مصلحت سمجھنے کا خیال آ گیا۔

دونوں کے علیحدہ علیحدہ گھر ہیں......کوئی نہیں......اس کے پاس پیسہ تھا اور پیسے سے توازن اور مساوات رکھنا مشکل نہ تھا۔ مگر پیسہ ہر چیز نہیں خرید سکتا......جذبات کی قدر و قیمت پیسہ نہیں......وہ حذیفہ کو لے کر جاتا......اپنا خون......دادی دادا اور بھائیوں نے اسے نہ صرف قبول کیا بلکہ اہمیت بھی دی کہ آخر وہ جواد کا ہی بیٹا تھا مگر مریم مانی ہی نہیں۔

جب آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو مریم نے جانا محبت بٹوارے گوارا نہیں کرتی۔

سوتن سے حسد اور جلن عورت کا فطری حق ہے۔ یہ ازل سے ہے ابد تک رہے گا......

بٹے ہوئے تقسیم شدہ مرد کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا مشکل ہے ہر دم دھڑکا' بے نام سا خوف اپنے بے اعتبار ہونے کا خدشہ اسے کتنا بے امان کر گیا۔ ایثار وفا جیسے لفظ کتابوں میں اچھے لگتے ہیں۔ تو جب عمل کا وقت آتا ہے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

وہ تو بلا شرکت غیر اس کی مالک تھی۔ اسے ناز تھا کہ اسے پانے کے لیے اس نے کتنی بڑی قیمت ادا کر کے انمول بنا دیا مگر یوں لگ رہا تھا کہ وہ تو بے مول ہے۔ گھر میں ہر وقت چخ چخ اور بک بک ہونے لگی۔

روز روز لڑائی جھگڑے اور طعنہ تشنہ اس دن تو قیامت ہی آ گئی جب وہ اپنا سب کچھ بھلا کر اسے طعنے دینے لگا کہ تم نے اپنے خاندان والدین بہن بھائیوں کی پروا نہیں کی تمہیں میری کیا پروا ہو گی......اور اسے چھوڑ کر چلا گیا......اس کا تو دوسرا

کبھی کبھی

کچھ پتا نہیں کہاں تک ساتھ
دے یہ زندگی
کبھی کبھی نا امیدی کا سامنا
کرنا پڑتا ہے
کبھی کبھی حوصلے بڑے بلند
سے لگتے ہیں
کبھی کبھی ٹھوکر لگنے سے پہلے
انسان سنبھل جاتے ہیں
اور کبھی کبھی رسوائیاں مار دیتی ہیں
کبھی کبھی سوچیں وسیع سے وسیع
تر ہوتی جاتی ہیں
تو کبھی کبھی نا سمجھی میں ایسے فیصلے
کر جاتا ہے انسان
کہ تمام عمر دکھوں میں بیت جاتی ہے
کبھی کبھی انسان جو چاہتا ہے
وہ ہو بھی جاتا ہے
لیکن......
انسان خوش بھی
کبھی کبھی ہوتا ہے

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

ٹھکانہ نہ تھا' وہ تو ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی...... پوری رات اس نے روتے گزار دی...... ماہی بے آب کی طرح تڑپی وہ نشتر زنی کر کے جا چکا تھا۔ وہ بے سدھ پڑی نصیبوں کو کوس رہی تھی......

تین دن تین راتیں اسی طرح روتے تڑپتے گزار دیں...... اس جفا جو نے پلٹ کر نہ پوچھا۔

سرما کی ٹھنڈی یخ بستہ راتوں میں اندر اٹھتے جوار بھاٹوں کو ٹھنڈے پانی سے سرد کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر وہ تو اور بھڑک رہے تھے۔

"میرا تو خیال تھا جواد حسن تم ہمیشہ میرے ممنون احسان مند رہو گے' میں نے تمہارے علاوہ کسی کا سوچا تک نہیں اور جب معاملہ انتخاب اور چناؤ کا آیا تو...... سارے جہاں کو چھوڑ کر تمہارا انتخاب کیا اور پھر جو راستے میں آیا میں نے کسی قیمت پر قبول نہ کیا......" لیکن مرد کی فطرت ہے کہ محبوبہ کو پانے کے لیے بیوی کی قربانی دے دیتا ہے' اور پھر اسے پہلی بیوی یاد آنے لگتی ہے' تو دوسری کو ٹھکرا دیتا ہے۔ کسی حالت میں راضی اور قانع نہیں ہوتا' شاید دنیا کے مقابلے اور مسابقت کے لیے اس نے جون بدلنی ہوتی ہے۔

"میرے اس ایثار اور قربانی کو یاد کرو گے اور قدر کرو گے...... میں ساری زندگی تم پہ نازاں رہوں گی' کوئی پشیمانی نہ ہوگی مگر تم مرد بھی کیا ہوتے ہو۔"

پھر اسے لگا اس کم ظرف کے ساتھ ایک پل گزارنا محبت کی توہین ہے اور پھر خلع کے لیے درخواست دے دی۔

آج جج کے سامنے پیشی تھی۔ اس نے نامور وکیل کر رکھا تھا...... جواد حسن اس کی دوست زوبیہ کے پاس جا پہنچا۔

"اسے روکو زندگی کے فیصلے اس طرح جذبات میں آ کر نہیں کیے جاتے۔" مگر دونوں کی ہر کوشش ناکام ہوئی......

تاریخوں پر تاریخیں چل رہی تھیں...... جج نے دونوں کو بٹھا کر سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ جو فیصلہ کر بیٹھی تھی جو اپنے ذہن میں نقشہ بنا بیٹھی تھی اس سے سر مو انحراف کے لیے تیار نہ تھی...... اور اس کی ضد کے آگے ایک بار پھر سب ہار گئے......

اور اس کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔

اس نے یونیورسٹی سے چھٹی لی اور امریکہ چلی گئی۔ وہاں حذیفہ کو داخل کرا دیا اور اس کے لیے ملازمت کچھ مشکل نہ تھی۔ بین الاقوامی جریدوں میں اس کے مقالے پبلش ہوتے رہے' اس کا جانا پہچانا نام تھا۔ اس نے مڑ کر پیچھے نہ دیکھا' وہاں تھا بھی کون سب سے تو اس نے خود تعلق توڑا تھا۔

تعطیلات میں حذیفہ پاکستان جانے کی ضد کرتا اور وہ اسے روک بھی نہ سکتی...... ددھیال میں سب اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے...... بڑے بھائی اس کے دست و بازو تھے...... انہوں نے سگے سوتیلے کا بھی احساس تک نہ دلایا...... یہ خونی رشتے کتنے خوب صورت ہوتے ہیں۔ پردیس میں نمبر دو شہری بن کر رہنا اسے بھی پسند نہ تھا...... یہ مٹی یہ ملک ہماری شناخت اور پہچان ہے...... جب اس نے اپنی تعلیم مکمل کی تو وہ بضد تھا کہ پاکستان واپس چلیں۔ مگر وہ کسی صورت مان نہیں رہی تھی۔

"میری مٹی کا مجھ پر قرض ہے...... اچھے ذہن اگر ملک سے باہر چلے گئے تو ہمارا ملک پیچھے رہ جائے گا۔ آپ نے اپنا کام کر لیا...... اب ہم یہاں نہیں رہیں گے۔" لیکن وہ کسی صورت وہاں جانے کو تیار نہ تھی۔ سوائے ٹوٹے خوابوں...... اور شکستہ زندگی کے اس کے لیے کیا تھا۔

سچ کہتے ہو حذیفہ میں نے اپنی ضد اور انا کے ہاتھوں ہمیشہ اپنا نقصان کیا ہے' تو شکستہ' ٹوٹی پھوٹی اور لٹی پٹی وہاں نہیں جا سکوں گی...... جہاں سے بہت ہی محبتیں اور اعتماد ملا ہے......

اور اس کی ضد کے آگے ہار کر حذیفہ پاکستان چلا گیا اس نے وہاں سروس کر لی اور چھٹیوں میں اس کو ملنے ضرور آتا...... وقت کی دھول نے اسے بھی متاثر کیا تھا...... ہر وقت بخار رہتا اور کوئی کھانا ہضم نہیں ہو رہا تھا...... اس کا چیک اپ ہوا تو وہ معدے کے کینسر میں مبتلا تھی...... اب جب بستر مرگ پر پڑی تو حذیفہ اس کی پٹی کے ساتھ لگا اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب تو پاکستان چلی جائیں' مگر اس کی وصیت ہے کہ اسے دیار غیر میں ہی سپرد خاک کر دینا کہ میں اسی کی سزاوار ہوں۔

قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

دیوار پر آویزاں گھڑیال نے جونہی ایک بجایا میں دبے پاؤں کمرے کے اندر داخل ہوا‘ کمرے میں پھیلی سنہری مدھم روشنی خواب ناک ماحول کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ حسینہ نرم بستر پر ہر شے سے بے نیاز نیند کی وادی میں کھوئی بے خبر سو رہی تھی‘ میں نہایت آہستگی سے دروازہ بند کرکے قالین پر قدم جما کر چلتا ہوا اس کی جانب بڑھنے لگا‘ اس کے قریب جا کر نہایت خوب صورت اور خوش رنگ پھولوں سے مزین بکے میں نے آہستگی سے اس کے سرہانے رکھا‘ ان پھولوں کی مسحور کن خوشبو شاید اسے نیند میں بھی محسوس ہوئی تھی تبھی اس نے دھیرے سے اپنے چہرے کا رخ بدلا۔ میں کچھ پل کے لیے ساکت ہوگیا‘ اب میں یہ تو ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ وہ گہری نیند سے جاگ کر میرے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دے‘ اس کے خوب صورت ریشمی بال بار بار اس کے چہرے پر چھیڑ خانی کرنے میں مصروف تھے۔ میں نے نرمی سے اس کی آوارہ لٹوں کو اس کے چہرے پر سے ہٹایا‘ کمرے میں پھیلی ایئر کنڈیشن کی ٹھنڈک کو محسوس کرتے ہوئے میں نے اسے احتیاط سے چادر اوڑھائی اور اپنے ساتھ لے آئی پھولوں کی پتیاں بستر اور کارنر ٹیبل پر سجانے لگا۔ پھولوں کی پتیوں کی سجاوٹ کے بعد چھوٹی چھوٹی کٹوریاں جن میں شمعیں روشن تھیں‘ انہیں احتیاط سے کارنر ٹیبل پر رکھنے لگا۔ تمام سجاوٹ سے فارغ ہوکر ایک طائرانہ نگاہ کمرے میں ڈالی‘ کچھ دیر قبل کا خواب ناک ماحول اب رومانیت کے حسین رنگوں میں ڈھل چکا تھا۔ اپنی کارکردگی سے مطمئن ہوکر اس سے قبل کہ میں کمرے سے باہر نکلتا مجھے یاد آیا کہ ایک انتہائی اہم کام کرنا تو میں بھول ہی گیا سو واپس آ کر الماری کے دراز سے ایک خوب صورت سا کارڈ نکال کر سرہانے رکھے بکے کے پھولوں کے درمیان اٹکا دیا اور پھر آہستگی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔

میری ان حرکات کو دیکھ کر یقیناً آپ میرے حوالے سے اب تک مشکوک ہو چکے ہوں گے‘ ارے بابا کمرے میں بے خبر سوئی ہوئی دوشیزہ کوئی غیر نہیں بلکہ میری عزیز از جان شریک حیات ہے۔ دراصل آج کی تاریخ میں زوجہ محترمہ نے اس زمین پر قدم رنجہ فرمایا تھا۔ ارے بھئی حرف عام میں میری بیگم کی آج سالگرہ ہے اور میں اس سالگرہ کو بھرپور

انداز میں منانا چاہتا ہوں اب آپ یقیناً یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں شوہروں کی اس قسم سے تعلق رکھتا ہوں جو بیویوں کے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوب کران کے اشاروں پر تھیا تھیا کرتے ناچ رہے ہوتے ہیں ناں..... آپ کا اندازہ بالکل ہی غلط ہے' چلیں میں آپ کو خود ہی بتاتا ہوں کہ حقیقتاً میں کس قسم کا شوہر واقع ہوا ہوں۔

زرینہ سے شادی خالصتاً میرے گھر والوں کی پسند سے ہوئی تھی اور ایسا نہیں تھا کہ میں اس شادی سے خوش نہیں تھا۔ زرینہ کے میری زندگی میں آجانے سے جو مسرت مجھے حاصل ہوئی تھی وہ ناقابل بیان تھی وہ بے حد محبت کرنے والی اور خیال رکھنے والی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ وہ بہت جلد میرے مزاج کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی' مجھے کبھی اسے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ میرے بناء کہے میری ضرورت' میرے احساسات کو سمجھ لیتی تھی اور اس کی انہی باتوں نے دھیرے دھیرے مجھے اس کا اسیر بنا دیا۔ زرینہ میرا عشق تھی' اس کے بناء ایک لمحہ گزارنا بھی مجھے اب عذاب لگنے لگا تھا اس کی بے انتہا محبت پا کر میں ایک بگڑا ہوا بچہ بن گیا تھا۔ جی ہاں' ایک انتہائی بگڑا ہوا بچہ۔

ہماری خوشیوں سے بھرپور ازدواجی زندگی کے ٹھیک ایک سال بعد ہمارے آنگن میں زین نامی پھول اپنی خوشبو بکھیرتا ہوا کھلا۔ زین کے آنے سے ہم دونوں ہی بہت خوش تھے یوں لگتا جیسے زین نے ہم دونوں کے وجود کو مکمل کر دیا ہو' دن یونہی گزرتے گئے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے محسوس ہونے لگا کہ زرینہ کے اندر اب ایک ماں نے بسیرا کرلیا ہے اور میری پیاری بیوی اس کے اندر کہیں دور گہرائی میں جا سوئی ہے۔ اس دن جب میں جاگنگ سے واپس آیا تو دیکھا زرینہ زین کو سنبھالتے سنبھالتے ہلکان ہوئی جارہی تھی جبکہ وہ رو رو کر نڈھال۔

''صائم...... پتا نہیں زین کو کیا ہوگیا ہے جب سے اٹھا ہے روئے جارہا ہے پلیز اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔''

وہ روتے ہوئے بولی تو میں بھی پریشان ہوگیا۔ ہم دونوں اسی وقت اسے ڈاکٹر کے پاس لے آئے۔ ڈاکٹر کے مطابق زین کے پیٹ میں معمولی درد اٹھا تھا' فکر کی کوئی بات نہ تھی اس طرح کا درد اکثر بچوں کو ہوجاتا ہے۔ رات تک زین بالکل ٹھیک بھی ہوچکا تھا مگر زرینہ اگلے ایک ہفتے تک اس بات کو لے کر پریشان رہی' ہمارے درمیان اس دوران جو بھی بات ہوئی وہ صرف زین کو لے کر ہی ہوئی۔

رفتہ رفتہ وہ مجھ سے بے پروا ہوتی جارہی تھی' میں نے آفس میں لنچ کیا یا نہیں' میں اگر پریشان ہوں تو کیوں ہوں۔ میں اس سے ناراض ناراض سا کیوں رہتا ہوں مگر اسے فکر نہیں تھی۔ زرینہ کے اس رویے کو دیکھ کر میں اکثر سوچتا کہ اولاد ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میاں بیوی اپنا رشتہ بھول جائیں۔

میں اب چھوٹی چھوٹی بات پر جھنجھلانے لگا تھا' زین سے بے انتہا محبت کرنے کے باوجود میں اب اس سے چڑنے لگا تھا۔ زرینہ اکثر میرے اس رویے سے پریشان ہوکر میرے اس غصے اور چڑچڑے پن کی وجہ دریافت کرتی اور میں بظاہر چپ سادھے دل ہی دل میں اس سے مزید شاکی ہونے لگتا کہ وہ جو میرے بناء کہے میری ہر بات کو سمجھ لیتی تھی اب کیوں اتنی انجان بنی ہوئی ہے' آپ بھی سوچیں گے کہ میں کیسا خود غرض باپ ہوں جو ایسی سوچ رکھتا ہوں اس صورت حال پر تو مجھے اپنی بیوی کا ساتھ دینا چاہیے اور میں الٹا شکایتیں کرتا پھر رہا ہوں تو جناب میں نے عرض کیا تھا ناں کہ زرینہ کی محبت مجھے بے حد بگاڑ چکی تھی اور اب محبت کا یہ بٹوارہ مجھے بالکل برداشت نہیں ہورہا تھا۔

محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو ساتھ ہو تو آپ کو مضبوط و توانا رکھتا ہے پر اگر ذرا سا ہی دور ہوجائے تو احساس ہوتا ہے کہ آپ اندر سے بالکل خالی ہوچکے ہیں' میرے ساتھ بھی بالکل ایسا ہی ہورہا تھا اور اس خالی پن کو دور کرنے کے لیے میں نے چور راستے دریافت کرنا شروع کر دیے اور یہ راستے مجھے گھر بیٹھے بے حد آسانی سے مل گئے۔ سوشل نیٹ ورکس ایک ایسی دنیا جہاں رابطے اور تعلقات بنانا قطعی مشکل نہ تھا' زرینہ نے خود کو مجھ سے چھین لیا تھا اور میں اسے احساس دلانے کے لیے خود اس سے دور ہونے لگا تھا۔ میں نے فیس

بک کی جادوئی ومقناطیسی دنیا میں قدم رکھا اور انجان لڑکیوں سے دوستیاں بڑھانا شروع کردیں' مجھے احساس ہے کہ یہ کافی غیر اخلاقی وغلط حرکت ہے مگر میں تو اپنی بیوی کو احساس دلانے کے لیے کرر ہا تھا ناں..... مگر نا جی...... ان سرگرمیوں کو اختیار کرنے کے بعد بھی اسے کچھ فرق نہ پڑا' اس کی وہی مصروفیات' زین اور اس کا گھر' میرا دل اب زرینہ سے اچاٹ ہونے لگا۔ میں نے بھی اسے یکسر نظر انداز کرنا شروع کردیا جس محبت اور توجہ کی طلب مجھے زرینہ سے تھی وہ اب میں غیر عورتوں میں ڈھونڈنے لگا' ہاں زرینہ کی بے توجہی نے مجھے اس حد تک گرا ڈالا تھا مگر میں اب جن ہواؤں میں اڑ رہا تھا' وہاں زرینہ کے ساتھ کی خواہش پنپنا ختم ہو چکی تھی۔

میرے گھر سے باہر کی دلچسپیاں میرے بڑے بھائی کی نظر میں بھی آچکی تھیں' ہوایوں کہ انہوں نے مجھے ایک دو بار غیر لڑکیوں سے باہر ملتے دیکھ لیا تھا لیکن مجھے ذرا بھی پروا نہ تھی۔ زمانے کی پروا کرنے والا میں تھا ہی کب' میری سرشت میں سرکشی کا عنصر شامل تھا جو مجھے کسی کی پروا کرنے کی اجازت دیتا بھی نہ تھا۔ بھائی جان اس سنگین و رنگین نظارے کو ملاحظہ کرنے کے بعد اگلے ہی دن میرے گھر آن وارد ہوئے اور میرے ہاتھوں میں بھوں بھوں لرزتے موبائل کو دیکھ کر چیل کی طرح جھپٹے اور موبائل زرینہ کے حوالے کر کے گرجے۔

''جاؤ اس موبائل کو کمرے میں رکھو' ہمیں کچھ اہم گفتگو کرنی ہے' ڈسٹرب نہ کرنا۔'' زرینہ بھائی جان کے تیور دیکھ کر بوکھلاتے ہوئے باہر نکل گئی۔ میرا موبائل اس کے پاس تھا اور موبائل میں بڑے اہم راز چھپے تھے مگر میں مطمئن تھا کیونکہ اگر دس سیکنڈ کے اندر اندر اسکرین کو چھوا نہ جائے تو موبائل لاکٹ ہوجاتا تھا تو مجھے یقین تھا کہ زرینہ کے کمرے سے نکلنے سے پہلے ہی موبائل لاکڈ ہو چکا ہوگا اور اس کا پاس ورڈ صرف میرے پاس تھا۔ میں مطمئن سا اگلے ڈیڑھ گھنٹے تک بھائی جان کی لعنت و ملامت سے لبالب تقریر چکنا گھڑا بنے سنتا رہا۔ جانتے تو وہ بھی تھے کہ جھ پر چنداں اثر نہیں ہونے والا مگر پھر بھی جانے کس امید پر مجھے سمجھانے بجھانے چلے آئے' ان کے جانے کے بعد زرینہ بار بار مجھ سے اصل معاملہ پوچھتی رہی اور میں نے آفس کا معاملہ کہہ کر اسے بہلا دیا۔

فیس بک پر میری آوارہ گردیاں اپنی عروج پر تھیں کہ ایک دن مجھے سمعیہ نامی لڑکی کی طرف سے دوستی کا پیغام موصول ہوا۔ تعارفی بات چیت سے ہی مجھے وہ لڑکی اچھی لگنے لگی میں اس سے روز باتیں کرنے لگا' اس سے بات کر کے میرے دل کو سکون ملا۔ وہ ان تمام لڑکیوں میں واحد لڑکی تھی جس سے میں اپنے دل کی ہر بات کہنے لگا حتیٰ کہ اپنی ازدواجی الجھنیں بھی سمعیہ سے دوستی ہونے کے بعد میری تمام لڑکیوں سے دوستی ختم ہو کر صرف سمعیہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ صرف سمعیہ ہی ہے جو مجھے میرے دل کو سمجھ سکتی ہے' گھر میں میرا دھیان اب نہ ہونے کے برابر تھا میں فقط ہر ماہ پیسے لا کر زرینہ کے ہاتھ میں رکھ دیتا تھا باقی گھر کو کیسے چلانا ہے یہ ذمہ داری اب زرینہ کی تھی۔

میں سمعیہ سے کال پر بھی بات کر چکا تھا اور اس کی تصویر بھی دیکھ چکا تھا اس کی من موہنی صورت بھی اس کی باتوں کی طرح میرے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔ میں سمعیہ کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا' مجھے اللہ کی طرف سے بھی اجازت حاصل تھی اور مالی طور پر بھی مستحکم تھا۔ میری فیملی مکمل تھی پر میں مکمل نہ تھا لہٰذا اب میں سمعیہ سے شادی کر کے مکمل ہونا چاہتا تھا' اپنے اس فیصلے سے میں نے صرف بھائی جان کو مطلع کیا انہوں نے لاکھ سمجھایا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ میں فیصلہ کر چکا تھا جو اب تبدیل نہیں ہو سکتا تھا' میں نے زرینہ کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کرنے سے گریز کیا' وہ اس شادی کے آڑے آسکتی تھی اس سے میری اولاد تھی جسے وہ جذباتی حربے کے طور پر آزما کر مجھے میرے ارادوں سے ہٹا بھی سکتی تھی اس لیے میں نے فیصلہ کیا تھا شادی کے بعد ہی اسے آگاہ کروں گا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے میں کتنا خودغرض انسان ہوں' ہاں میں ایسا ہی تھا آج

سے نہیں ہمیشہ سے' محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرنے والا' میرے لیے نظر انداز ہونا ناقابل برداشت تھا اور کچھ ملے نہ ملے مکمل محبت اور بھرپور توجہ مجھے ہر حال میں چاہیے تھی اس معاملے میں میں بے انتہا خودغرض تھا۔

میں اب سمعیہ کو کال کرکے باقاعدہ طور پر پرپوز کرنا چاہتا تھا مگر یہ کال میرے دل پر تازیانہ بن کر گری سمعیہ نے میرا پرپوزل ٹھکرا دیا۔ میں اس کی نظروں میں ایک بے انتہا خودغرض انسان تھا جو صرف اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے زندہ تھا وہ مجھے اپنے قابل ہی نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے مجھے احساس دلایا کہ میں جو محبت کا اتنا بڑا طلب گار ہوں خود اپنے وجود سے کتنی محبتیں بیوی بچوں پر لٹا رہا ہوں' اس دن سمعیہ نے میرے خودغرضی و بھیانک چہرے سے مجھے ہی روشناس کردیا۔ میں نے ہمیشہ اپنے حقوق کے بارے میں سوچا کبھی اپنے فرائض پر نگاہ ڈالنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ سمعیہ نے اس بات کے بعد مجھ سے ہر طرح کی دوستی ختم کردی تھی' یہ کال ہماری دوستی کی آخری کال ثابت ہوئی تھی۔ بہت دیر تک اپنے ٹھکرائے جانے کا غم مناکر تھکا ہارا' پشیمان و شرمندہ سا دل لیے میں اپنے ہی گھر لوٹا تھا ایک نادان پرندے کے مانند۔

زرینہ ان تمام تلخ حقائق سے بے خبر اپنی بے لوث محبتوں کے ہمراہ بانہیں پھیلائے کھڑی تھی شاید اس کی محبت ہمیشہ سے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ میں ہی بدگمانی کی پٹی آنکھوں پہ باندھے اس سے دور ہوتا چلا گیا تھا' سمعیہ کے یوں زندگی سے چلے جانے پر میں اندر ہی اندر بڑی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا تھا مگر زرینہ اور زین کی محبتوں نے چند ہفتوں میں ہی میرے اس درد کو میرے وجود سے باہر نکال پھینکا۔ مجھے شدت سے احساس ہو رہا تھا' زرینہ اور زین بھی تو مجھ سے یہ سب چاہتے ہوں گے ناں...... کتنا نادان تھا میں' خود بھی پیاسا رہا اور اپنوں کو بھی سیراب نہ کرسکا۔ زرینہ لاعلم تھی میری اس غلطی سے جو میں نادانی میں کرنے چلا تھا اور لاعلمی اکثر بڑے بڑے طوفانوں سے بچا لیتی ہے بلاشبہ لاعلمی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہی تو ہے۔

سمعیہ میری زندگی میں بہار بن کر داخل ہوئی اور سبق سکھا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری زندگی سے چلی گئی۔ زندگی کا یہ باب میرے دل کے نہاں خانوں میں کسی راز کی طرح دفن تھا جسے کسی بھی صورت میں منکشف نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ زرینہ کے ساتھ ہوئی ہر زیادتی کا مداوا اب میں بھرپور انداز میں کرنا چاہتا ہوں' اسے سارے جہاں کی خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔ دل سے اس کی قدر کرنا چاہتا ہوں' وہ میرے گھر کی ہی نہیں میرے دل کی بھی ملکہ ہے' یہ بات میں اب اچھی طرح سمجھ چکا ہوں اور اب اچھی طرح جان تو آپ بھی گئے ہوں گے کہ میں کس طرح کا شوہر واقع ہوا ہوں۔

❀......❀......❀

وہ فجر کے وقت بیدار ہوئی تو آنکھ کھلتے ہی اسے اپنے اردگرد پھول ہی پھول بکھرے نظر آئے یوں جیسے وہ پھولوں کی سیج پر سوئی ہو' اس نے سرہانے رکھے خوب صورت پھولوں سے سجے بکے کو دیکھا جس کے درمیان ایک خوب صورت سا کارڈ تھا' وہ مسکراتے ہوئے اس کارڈ کو کھول کر پڑھنے لگی۔

''اپنی شریک حیات کے لیے جس کا ساتھ میرے لیے بے حد انمول ہے' ایک ماں کی اولاد کے لیے محبت کو اس لیے بے مثال کہا جاتا ہے کہ اس کی اولاد اس کے وجود کا حصہ ہوتی ہے اور میں یہ سوچتا ہوں کہ لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان کی بیوی بھی تو ان کے وجود کا حصہ ہوتی ہے اور کتنی سحر انگیز لگتی ہے یہ بات کہ ان کی بائیں پسلی سے بنی شریک حیات دنیا کے میلے میں ان سے کھو جاتی ہے اور پھر اللہ کتنے وسیلوں' بہانوں سے ہمیں اس سے ملواتا ہے تو میں یہ کیوں نہ کہوں کہ تم میرے وجود کا حصہ ہو' میری بائیں پسلی سے بنی ہو تبھی تو میرے دل کی ملکہ ہو۔''

اس کی نگاہیں اس خوب صورت اظہار پر بے ساختہ چھلک اٹھی تھیں' یہ آنسو تشکر کے آنسو تھے اس ذات پاک کے لیے جس نے اسے اتنا نوازا تھا۔ کارڈ پڑھ کر اس نے پھولوں سے سجے اور شمعوں سے روشن ہوتے کارنر ٹیبل پر کارڈ رکھا اور دھیرے سے پھونک مار کر شمعیں گل کردیں' مڑ

کر برابر کی خالی جگہ کو دیکھا وہ بستر پر موجود نہ تھا یقیناً فجر کی نماز ادا کر رہا ہوگا وہ بھی اپنے ریشمی دراز بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئی۔ سب سے پہلے زین کے کمرے میں جا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور پھر نماز کی ادائیگی کے لیے چل دی۔

نماز سے فارغ ہو کر وہ دونوں زین کو اماں نوراں کے حوالے کر کے گھر سے کچھ ہی مسافت پر واقع خوب صورت سے پارک میں جاگنگ کی غرض سے آ پہنچے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا' صائم اپنی صحت کا خاص خیال رکھتا تھا' وہ شروع سے بلاناغہ جاگنگ پر جاتا تھا پر اب کچھ مہینوں سے وہ اسے بھی لازمی طور پر اپنے ساتھ لانے لگا تھا۔ وہ پارک کے دو چکر لگا کر ہی تھک کر بیٹھ گئی جبکہ صائم ابھی بھی پارک میں بنے جاگنگ ٹریک پر چکر لگا رہا تھا۔ قریبی بنچ پر بیٹھ کر اپنی سانسیں ہموار کرتے ہوئے اسے صائم کو سامنے سے مسکراتے ہوئے گزرتے دیکھ کر جواباً وہ بھی کھل کر مسکرادی۔

❀......❀......❀

آج میری سالگرہ ہے اور صائم کی خواہش ہے وہ آج میرے لیے وہ سب کریں جو میں روز ان کے لیے کرتی ہوں۔ یہاں تک کہ کچن بھی آج وہ ہی سنبھالنا چاہتے ہیں' اب آپ رشک کر رہے ہوں گے ناں ہم دونوں میاں بیوی کی محبت پر تو میں آپ کو بتاؤں یہ اتنا آسان نہیں تھا' قطعی نہیں۔ ایک گھر کو جنت بنانے کے لیے عورت کو محبت' خلوص کے ساتھ ساتھ بہت ہی سمجھداری سے چلنا پڑتا ہے۔

اللہ نے نہ جانے عورت کو کس خمیر سے بنایا ہے کہ وہ گھر کو جنت بنانے کا فن قدرتی طور پر ہی جانتی ہے' اس کے لیے اسے کسی سے بھی ٹریننگ لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ضرورت ہوتی ہے تو بس عقل و دانشمندی سے کیے گئے بروقت فیصلوں کی اور میں نے بھی بروقت صحیح فیصلہ کر کے اپنے ٹوٹتے گھر کو بچایا' ارے آپ لوگ الجھیں نہیں' میں شروع سے بتاتی ہوں۔

میں زرمینہ ملک' محبت اور اس کا خیال رکھنے والی حساس دل کی مالک لڑکی جس کا ہر لڑکی کی طرح خواب تھا کہ اس کی زندگی کا ساتھی اس سے بے حد محبت کرنے والا اور وفادار ہو اور زندگی کا وہ موڑ آ ہی گیا جب ماسٹرز مکمل ہوتے ہی میرے والدین نے میری شادی طے کردی اور یوں میں بابل کا گھر چھوڑ کر صائم کے گھر کے آنگن میں آ گئی۔ صائم ناصرف ایک خوب صورت شخصیت کا حامل انسان بلکہ ایک بے حد محبت کرنے والے شوہر بھی تھے' شادی کے اوائل دنوں میں ہی میں ان کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی پر آہستہ آہستہ مجھے اس خوب صورت شخصیت کے مالک انسان کے اندر چھپا ہوا ایک الجھا الجھا سا شخص دکھائی دیا جو محبتوں اور چاہتوں کے معاملے میں شدید انتہا پسندی کا شکار ہے۔ وہ جس سے محبت کرتا ہے اس کی پوری توجہ صرف خود پر مرکوز چاہتا ہے اس معاملے میں اکثر وہ کافی خود غرضی بھی دکھا جاتا ہے سو میں ان کا بے حد خیال رکھنے لگی۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے بھی میری جانب دیکھتا وہ لبوں سے کبھی کچھ نہ کہتا' بس اس کی آنکھیں کہتیں اور میں سمجھ جاتی۔ صائم آہستہ آہستہ میری محبتوں' میری توجہ اور میرے خیال کا ناصرف عادی ہوتا جا رہا تھا بلکہ مجھ سے بے تحاشا عشق بھی کرنے لگا تھا میں مطمئن تھی کہ جب شوہر بیوی کی محبت میں گرفتار ہو کر صرف اسی کی محبتوں کا اسیر ہو جائے تو پھر وہ کہیں نہیں بھٹکتا۔

وقت گزرتا رہا اور ہمارے آنگن میں زین پھول کی صورت آ کھلا' میں بیوی سے ماں کے رتبے پر فائز ہو چکی تھی۔ ماں وہ جس کی محبت کی مثال دے کر اللہ نے بشر سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ ماں وہ جس کے قدموں تلے جنت تھی' میں بہت خوش تھی اور اس خوشی میں' یہ بھی بھول گئی کہ ماں ہونے کے ساتھ ساتھ میں ایک بیوی بھی ہوں' ماں بن کر میں صائم سے یہ توقع کرنے لگی تھی کہ وہ میری ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے میرے اندر آنے والی تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ میں ماں بن کر اپنے شوہر کے اندر موجود اس ضدی' توجہ طلب' سرکش انسان کو یکسر بھلا چکی تھی۔ میں صائم سے جو بھی بات کرتی وہ زین سے ہی متعلق ہوتی' میری ہر سوچ' ہر فکر زین پر ہی جا کر ختم ہوتی ہم دونوں

میاں بیوی کم' ماں باپ زیادہ بن کر رہ گئے تھے اور ایسا کرنے میں سراسر میرا ہی ہاتھ تھا اور اپنی اس کوتاہی کا احساس مجھے تب ہوا جب صائم کی غیر موجودگی میں میرے جیٹھ نے آ کر صائم کی غیر لڑکیوں میں دلچسپی کے بارے میں بتایا۔ میری بے خبری پر خوب غصہ کرتے ہوئے صائم کی نفسیات کے بارے میں سمجھایا۔ اب میں انہیں کیا بتاتی کہ میں خود صائم کی فطرت سے آگاہ ہوں بس ماں بننے کے زعم میں اپنا اور صائم کا رشتہ کوتاہیوں کے نذر کر گئی۔ بھائی جان صاف لفظوں میں کہہ گئے کہ صائم کو بھٹکنے سے صرف میں ہی بچا سکتی ہوں بقول ان کے مرد خواہ کتنا ہی سرکش ہو' قابو ہمیشہ ایک عورت سے ہی آتا ہے۔

دل تو بہت چاہ رہا تھا اپنی کم عقلی اور صائم کی بے وفائی پر جی بھر کر آنسو بہاؤں مگر بھائی جان کے مطابق یہ وقت رونے دھونے کا نہیں سوچنے کا ہے اور بہت غور وفکر کے بعد ہم نے وہ راہ کھوج ہی لی جس کے ذریعے ہم صائم کو بربادی کے راستے سے بچا کر واپس بھلائی کے راستے پر لا سکتے تھے۔ اگلے دن بھائی جان صائم کی موجودگی میں غضب ناک تیور کے ساتھ آئے اور ان سے موبائل چھین کر میرے حوالے کرتے ہوئے کمرے میں رکھ آنے کو کہا۔ درپردہ وہ کہہ رہے تھے کمرے میں جا کر موبائل چیک کرو اور میں نے ایسا ہی کیا' صائم اپنا موبائل لاک کر کے رکھتے تھے اس سے پہلے کہ موبائل لاک ہوتا' میں نے نامحسوس انداز میں اسکرین کو چھوا اور ڈرائنگ روم سے نکلتے ہی موبائل کے ایک ایک ایپلی کیشن اور فولڈرز کو چھان مارا جوں جوں سارے راز میرے سامنے منکشف ہوتے جاتے میری آنکھوں سے روانی سے بہتے اشکوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا مگر میں رونا نہیں چاہتی تھی کیونکہ مرد کو روتی ہوئی دوسری عورتیں تو اچھی لگتی ہیں مگر وہ عورت جس سے وہ بے وفائی کا ارادہ کر چکا ہو اس کے آنسو اسے اپنے پیروں کی زنجیر لگتے ہیں اور پیروں کی زنجیر مرد کو زیادہ دیر تک توڑنے سے روک نہیں سکتی۔ میں اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کیے بغیر صائم کی ایک ایک حرکات وسکنات پر نظر رکھنے لگی۔ میں اپنے شوہر کو واپس لانا چاہتی تھی' صرف اس لیے نہیں کہ وہ میرے بیٹے کا باپ ہے بلکہ اس لیے بھی کہ میں ان سے بے انتہا محبت کرتی ہوں اور آپ تو جانتے ہیں ناں کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔

میں سمعیہ کے نام سے فیس بک کی دنیا میں آن وارد ہوئی اور سب سے پہلے میں نے یہاں اپنے شوہر کو دوستی کا پیغام بھیجا جو کہ فوراً ہی قبول کر لیا گیا۔ میں اس کے لیے ایک انجان عورت تھی مگر وہ میرے لیے انجان نہیں بلکہ وہ انسان تھا جس کی رگ رگ سے میں واقف تھی۔ میری ذرا سی توجہ نے اسے میرا اسیر کر ڈالا' میں اس کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتی' من چاہا جواب دیتی اور وہ مجھ سے قریب ہوتے چلے گئے۔ انہیں شیشے میں اتارنے کے بعد میں نے سب سے پہلے ان کی دیوار پر منڈلاتی تتلیوں کی چھٹی کروائی' انہیں کوئی مسئلہ نہ ہوا وہ اب فیس بک کا استعمال کرتے ہی سمعیہ کے لیے تھے' دوستی مزید گہری ہوئی تو موصوف کال پر بات کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ میں نے انہیں بامشکل بہانہ بنا کر ٹالا اور جھٹ سے بھائی جان کو کال کھڑکا کر مسئلہ بتایا۔ وہ دوسرے دن ہی ایک سستا سا موبائل اور نئی نویلی سم کے ساتھ صائم کی غیر موجودگی میں لیے گھر آ گئے' یہ مسئلہ بھی حل ہوا اور پھر سمعیہ کی صائم سے اکثر کال پر بات ہونے لگی' اب آپ کہیں گے کہ ایسا کیسے ممکن کہ گھنٹہ بھر بات ہونے کے بعد بھی شوہر بیوی کو نہ پہچان سکے تو جناب مجھے آواز اور لہجہ بدل کر بات کرنے کی صلاحیت شاید اللہ تعالیٰ نے اسی دن کے لیے عطا کی تھی۔ صائم کو ذرا بھی شک نہ ہوا کہ وہ میری شکایت مجھ سے ہی کر رہے ہیں اور میں اندر ہی اندر کلستے ہوئے لہجے میں شیرینی بکھیرے ان کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔

جوں جوں سمعیہ کے عشق کا بھوت صائم کے سر چڑھ کر بولتا رہا وہ مجھ سے' زین سے اور گھر سے مزید بے گانے ہوتے چلے گئے۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا کہ میں ان کا گریبان پکڑ کر چیخوں' چلاؤں' جھنجھوڑ ڈالوں کہ مجھ سے اتنی محبت اور توجہ کے طلب گار ہو کر اپنی محبت اور توجہ کیوں غیر عورتوں پر لٹا رہے ہیں' کیا میرا حق نہیں اس محبت پر

موصوف میرا ہی تو حق ہے...... لیکن نہیں یہ وقت نہیں تھا‘ جذباتی ہونے کا‘ مجھے ہوش میں رہ کر اپنا گھر بچانا تھا سو سمعیہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے صائم کو مکمل طور پر شیشے میں اتارتی رہی اور پھر وہ دن بھی آ گیا جس کا مجھے اور بھائی جان کو انتظار تھا۔

صائم ایک دن بھائی جان کے گھر گئے بتانے کے لیے کہ وہ سمعیہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں‘ بھائی جان نے رسمی طور پر مخالفت کی اور ان کے جاتے ہی مجھے کال کر کے ان کے ارادے سے باخبر کردیا۔ اور اس تمام ڈرامے کا ڈراپ سین کرنے کا وقت آن کھڑا تھا‘ کچھ ہی دیر بعد میرے پاس صائم کی کال آ گئی۔

''ہیلو سمعیہ‘ آج میں تم سے بہت اہم سوال کرنے والا ہوں‘ تم جانتی ہوناں شاید ہمارا ملنا یونہی ٹھہرا تھا۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں سمعیہ...... جب تم کہو آج‘ ابھی یا کل......'' وہ بڑی محبت سے اپنے دل کا حال میرے سامنے گوش گزار کررہا تھا اور میں ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتی رہی‘ آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہتے آنسوؤں کو آزردگی سے پونچھتے ہوئے میں اب جواب دینے ہی والی تھی کہ وہ بے تابی سے بول پڑا۔

''تمہاری من موہنی صورت میرے دل میں اتر چکی ہے‘ تم چپ کیوں ہو سمعیہ...... جواب دوناں‘ بتاؤ کب کرنی ہے ہمیں شادی۔'' نیٹ سے ڈھونڈی گئی ایک جھوٹی تصویر پر میرے میاں جی کا دل آ گیا تھا اور وہ جو گھر میں موجود بیوی ان کی خدمتیں کر کر کے آدھی ہوئی جارہی تھی اس کا تو نام ہی بدنام تھا۔

''شادی......'' میں خود پر قابو پا کر چلائی۔ ''مسٹر صائم یہ آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں‘ آپ بیوی بچے والے شخص ہیں‘ میں کیوں آپ کا بنا بنایا گھر توڑ دوں۔''

''جس گھر میں محبت ہی نہ رہے وہ گھر گھر نہیں فقط اینٹ پتھروں سے بنا مکان ہوتا ہے۔ سمعیہ تم یہ نہ سوچو کہ اس شادی سے میرا گھر ٹوٹے گا۔'' وہ مجھے دلائل دے کر منا رہے تھے اور میں ان کی لاعلمی پر بے دردی سے مسکرا کر بولی۔

''آپ کے گھر میں اگر محبت نہیں تو ذمہ دار آپ ہیں صائم صاحب‘ آپ کی بیوی آپ کا خیال رکھتی ہے‘ آپ کے بیٹے کی پرورش کرتی ہے‘ آپ گھر کو بنانے کے لیے دن رات ایک کرتی اور آپ کتنی آسانی سے گھر توڑنے کی بات کررہے ہیں۔'' میں نے سمعیہ کے روپ میں اپنے مجازی خدا کو لتاڑا۔

''صرف گھر اور بچے کا خیال رکھتی ہے‘ میرے احساسات کی اسے ذرا بھی پروا نہیں۔ وہ ماں بن کر بھول چکی ہے کہ میری بیوی بھی ہے‘ میرا دن کیسا گزرا‘ میرا آفس کیسا رہا‘ میرا مزاج خراب کیوں رہتا ہے‘ کس وقت میرا دل کیا چاہ رہا ہے اسے اب ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اسے فکر ہے تو صرف زین کی‘ اس کی صحت کی‘ اس کے مستقبل کی۔ کیا اولاد ہونے کے بعد بیوی اپنے شوہر کو بھول جاتی ہے‘ کیا شوہر کے فرائض ختم ہو جاتے ہیں۔'' آج صائم اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال دی اور میں کچھ بھی نہ بول سکی‘ میں واقعی ماں بن کر بیوی کے بہت سے فرائض بھلا بیٹھی تھی۔ صرف ضرورتوں کا خیال ہی نہیں رکھنا ہوتا‘ میاں بیوی ایک دوسرے کے غم گسار ہوتے ہیں‘ ایک دوسرے سے محبت کی مضبوط ڈور سے بندھے ہوتے ہیں۔ بیوی کو شوہر کی آنکھ کا نور ہونا چاہیے کہ شوہر جب اسے دیکھے خوش ہو جائے اور اس کا شوہر تو اس کے ساتھ کا متمنی تھا مگر وہ گھر داری میں الجھ کر دور کرتی چلی گئی‘ اسے چپ دیکھ کر صائم نے نہ جانے کیا سمجھا کہ ایک سرد آہ بھر کر پھر سے کہنے لگے۔

''تم اپنے دل پر کوئی بوجھ نہ لو میں زرینہ کو چھوڑ نہیں رہا میں اس کی ہر ضروریات کا خیال رکھوں گا‘ کوئی ناانصافی نہیں کروں گا مگر میں تم سے کسی بھی صورت دستبردار نہیں ہوسکتا۔'' وہ تو سارے فیصلے کیے بیٹھے تھے‘ میں تو لرز کر رہ گئی۔ مجھے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو چکا تھا‘ اب مزید چپ نہیں رہ سکتی تھی‘ اتنا تو میں جانتی تھی کہ صائم کے دل میں ابھی بھی کہیں نہ کہیں میری محبت چھپی بیٹھی ہے مجھے بس اب اسی

محبت کو باہر لاتا تھا۔
"نہیں صائم‘ میں ایک بٹے ہوئے انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔" میں نے قطعیت سے انکار کردیا۔
"اگر کر بھی لوں تو کل کو ہماری بھی اولاد ہوگی اور فطری طور پر میری توجہ بھی تقسیم ہوگی تب تم کیا کرو گے کسی تیسری عورت کی تلاش میں نکلو گے یا پھر زرینہ کے پاس واپس لوٹ جاؤ گے پھر میں یا کروں گی کیونکہ میں تمہیں اتنا تو جان گئی ہوں تم خود آگے بڑھ کر رشتوں کو متوازن رکھنے کے گر سے واقف نہیں اگر ہوتے تو آج زرینہ اور تمہارے تعلقات اس نہج پر نہ آتے جو باتیں تم مجھ سے کہہ رہے ہو وہ اگر اپنی بیوی سے کہتے تو اب تک ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہے ہوتے۔ تمہاری بیوی بے وفا نہیں تم سے محبت کرتی ہے یہ جانتے ہوئے بھی تم نے اسے کوئی موقع نہ دیا۔ کیا میں تمہیں بیوی کی مصروفیات کا بہانہ بنا کر دوسری عورتوں میں پناہ ڈھونڈنے والا مرد سمجھوں۔" میں سمعیہ بنی اپنی تمام شکایتیں اس کے دل میں اتار چکی تھی‘ جواب میں ان کے پاس صرف اور صرف خاموشی تھی مجھے اب حتمی بات کرکے سمعیہ کا چیپٹر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کلوز کردینا تھا۔
"میں تم سے شادی نہیں کرسکتی صائم‘ جس طرح کی محبت تم سے زرینہ نے کی میں نہیں کرسکتی۔ تم صرف زرینہ کے ساتھ ہی خوش رہ سکتے ہو‘ وہ تمہارے وجود کا حصہ ہے۔ میں نے صرف تمہیں اپنا دوست سمجھا اور کچھ نہیں‘ جیون ساتھی کے لیے جو میرا معیار ہے تم اس پر پورا نہیں اترتے۔ تمہاری ہمدرد صرف تمہاری بیوی بن سکتی ہے‘ لوٹ جاؤ اس کے پاس‘ وہی تمہاری منزل اور خوشی ہے میں نہیں۔" اپنی بات مکمل کرکے میں نے کال منقطع کردی فیس بک کا اکاؤنٹ ہمیشہ کے لیے بند کردیا اور سم موبائل سے نکال کر توڑ کر پھینک دی‘ اسی وقت بھائی جان کو کال کرکے ساری تفصیل بتائی وہ میری ہمت پر داد دیتے ہوئے شاباشی دینے لگی۔ میں جانتی تھی اس وقت صائم سمعیہ کے زندگی سے چلے جانے کا غم منا رہے ہوں گے۔
آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا‘ ایسا کرنا بے حد ضروری تھا مرد جب اپنا درد وغم کسی غیر عورت کے ساتھ رکھتا ہے تو بس چند لمحے درکار ہوتے ہیں اس عورت کا دل پسیجنے کے لیے اور مجھے ایسی کسی عورت کے آنے سے پہلے سمعیہ کے روپ میں صائم کی زندگی میں داخل ہوکر اسے اپنا اتنا دیوانہ بنالینا تھا کہ وہ کسی اور کی جانب دیکھنے کا سوچے ہی نہیں اور پھر لوہا گرم دیکھ کر اسے گہری چوٹ لگا کر چھوڑ جانا تھا زرینہ کے لیے اگر میں یہ نہ کرتی تو یقیناً کسی نہ کسی عورت کو صائم میری سوکن بنا کر لا کھڑا کردیتے۔
بھولا بھٹکا پرندہ جب راستہ پہچان کر گھر لوٹنے لگتا ہے تو پھر ادھر اُدھر نظریں نہیں دوڑاتا اور میں اپنا گھر واپس جنت بنانے کے لیے بے صبری سے اپنے ابن آدم کا اظہار کررہی تھی۔ یقین جانئے میرے دل میں صائم کی محبت پہلے سے بھی زیادہ گہری ہوچکی تھی وہ میری بے توجہی پہ اتنا خوار ہوئے تھے۔ ہم عورتیں اولاد کو پاکر اکثر یہ غلطیاں کرجاتی ہیں‘ مانا کہ ماں کا رتبہ بڑا‘ مقام بڑا‘ فرائض وذمہ داری بڑے مگر یہ بھی یاد رکھیں عورت نے اس زمین پر جس روپ میں پہلا قدم رکھا تھا وہ ایک بیوی کا ہی روپ تھا اور یہ کوئی عام بات نہیں۔
صائم جاگنگ ٹریک سے واپس آتے ہوئے مجھے ہاتھ ہلا کر گھر چلنے کا اشارہ کررہے تھے‘ میں ان کے اشارے کو سمجھتے ہوئے مسکرادی۔

وہ کہیں بھی گیا‘ لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

"تھک گئے ہوں گے اب گھر چلیں۔" ان کے قریب آنے پر میں نے شیریں لہجے میں کہا۔
"گھر نہیں...... ہماری جنت کہیں زرینہ۔" وہ پیار سے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولے تو میں بھی مسکراتے ہوئے ان کے قدم سے قدم ملا کر اپنی جنت کی جانب چل دی۔

چاہت کے اس مزاج پہ آنا تو چاہیے
رسماً وفا کا دیپ جلانا تو چاہیے
شاید مری صدا کا ابھی تک ہو منتظر
اک بار پھر سے اس کو بلانا تو چاہیے

آج صبح سے ہی فضا میں گھٹن اور حبس کا راج تھا۔ ایسا موسم کبھی بھی اس کا پسندیدہ نہ رہا تھا۔ اس کا دل بند ہونے لگتا تھا۔ سبز موسم اور کھلتے پھولوں کی دیوانی جب گھر کے اندر کی حبس سے گھبرانے لگی تو بک ریک سے سعداللہ شاہ کی کتاب ''یہ دیارِ غیر کی شام ہے'' ہاتھ میں اٹھائی بیرونی حصے میں واقع اس خوب صورت لان میں چلی آئی تھی جس کی ساری خوب صورتی اس کی وجہ سے ہی قائم تھی۔ وہ چھوٹی سی حسین لڑکی اپنی زندگی کے ہر حصے میں بہار دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا بس چلتا تو ساری دنیا پھولوں سے بھر دیتی۔ جھولے پر بیٹھتے ہوئے اس نے اس کتاب کا آخری حصہ ''میں محبت کو زندگی سمجھا'' کھول لیا تھا۔ سعداللہ کے چند صفحات پر مشتمل لفظوں سے اس کو بہت عقیدت تھی وہ نجانے کتنی بار اسے پڑھ چکی تھی پھر بھی ہر بار پڑھنے پر اسے پہلی بار پڑھنے جیسی کیفیت ہی محسوس ہوتی۔ وہ پڑھ رہی تھی۔

''میرے اندر سے کوئی کہتا ہے تُو ایک حقیقت ہے''

اس کے ساتھ ہی مٹی کی گہری سوندھی خوشبو میری سانسوں میں پھیل جاتی ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اب جیسے مٹی کی خوشبو کو سانسوں میں اتارا تھا۔

جیسے بارش کی بوندوں کے باعث اڑتی ہوئی خاک دوبارہ زمین پر بیٹھ گئی ہو اور اردگرد کے پیڑ خوشی سے نہال ہوگئے ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسم کیسے بدل جاتا ہے۔ اس نے الفاظ روح میں اتار کر آس پاس دیکھا تھا' موسم واقعی بدل گیا تھا سورج کی کرنیں بادلوں کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ تمازت اور حدت کی جگہ ہلکی ٹھنڈی ہوا نے لے لی تھی اور جھولے پر بیٹھی سیاہ گھنگھور آنکھوں' چھوٹی سی خوب صورت ناک اور دلکش کٹاؤ دار ہونٹوں والی گلابی رنگت کی حامل یہ لڑکی گلابی ہی ڈھیلے کرتے' سفید چکن کے ٹراؤزر اور سفید اور گلابی امتزاج کے دوپٹے میں ملبوس اس موسم سے کہیں زیادہ کھِلی کھِلی لگ رہی تھی۔ سیاہ لمبے اور ریشمی بال اندھیری رات کی طرح اس کی پشت کو گھیرے ہوئے تھے ہوا دھیرے سے اس کے بالوں سے شرارت کر جاتی اور وہ اس کی پروا کیے بغیر آنکھوں کے پردے گرائے ہوئے ایک شان سے ہاتھ بالوں کی طرف لے جاتی اور مخروطی انگلیوں سے بال کانوں کے پیچھے اڑس دیتی۔ کلائی میں پہنی سوٹ سے ہم رنگ چوڑیاں اس دوران کھنکتی تو ان کی جلترنگ سے گھنٹیاں سی بج اٹھتیں۔

"لمحوں کے درمیاں وہ مطلوبہ لمحہ ہوتا ہے جہاں آپ دل تھام لیتے ہیں۔ یہ لمحہ سب سے الگ نظر آتا ہے۔ یہ منفرد لمحہ آپ کے رگ و پے میں اتر جاتا ہے اور آپ کے اندر خون کی گردش سے ہیجان پیدا کردیتا ہے۔ وہ اپنے ہونے کا احساس پوری قوت سے کرواتا ہے۔ یہ سارا کھیل سوچوں کا ہے اس لمحے کو آپ محسوس کرتے ہیں چھو نہیں سکتے۔"

پڑھتے ہوئے اس نے اب اچانک کتاب بند کرکے سائڈ پر رکھی اور آنکھیں بند کرکے ایک گہری سانس بھری وہ جانے کیا محسوس کرنے لگی تھی' شاید کوئی نیا خواب بننے لگی تھی۔ یاقوتی لب ہولے سے مسکرا رہے تھے جھولا ہولے ہولے ہل رہا تھا اور بند آنکھوں کی چلمن کے پیچھے ایک نیا خواب بنا جارہا تھا۔

وہ بہت خوب صورت جگہ تھی۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول اپنی جھلک دکھا رہے تھے۔ سرخ رنگ کی گھیر دار پیروں کو چھوتی فراک' سیاہ آبشار بالوں کو کھلا چھوڑے پیروں میں گولڈن جالی دار جوتا وہ اس وادی کی دلکشی پر حیران آگے ہی آگے بڑھتی جارہی تھی۔ کچھ دور سے بہتے جھرنے کی آتی آواز پر اس نے اپنا رخ اس سمت کرلیا تھا۔ پہاڑوں کے درمیان سے شفاف بہتا جھرنا کتنا خوب صورت لگ رہا تھا وہ چمکتے پھسلتے پتھروں پر سنبھل کر قدم اٹھاتے اس سمت بڑھنے لگی۔ شام کا ملگجی سا اندھیرا اس ماحول کو اور خوب صورت بنا رہا تھا پنچھی قطار بنائے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ آسمان پر بادل ٹکڑیوں کی صورت میں موجود تھے۔ لمبے سایہ دار گھنے درخت دور دور تک نظر آرہے تھے۔ اس نے جھرنے کے قریب پہنچ کر سنبھلتے ہوئے اپنے پیر پانی میں اتارے اور پھر ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھتے ہوئے پانی کی خوب صورتی اور ٹھنڈک کو خود میں سمونے لگی۔ ہوا کی اٹھکیلیوں سے اس کے آبشار سے بال مسلسل اسے تنگ کررہے تھے۔ تنگ آکر اس نے بالوں کو پیچھے کرنے کے لیے ہاتھ اوپر کیا لیکن یہ کیا اس کے بال کسی نے پیچھے کی جانب سے ہاتھ بڑھا کر پیچھے کرلیے تھے' اس نے رخ موڑ کر دیکھا' وہ جو بھی تھا ساحر تھا' سفید پوشاک پہنے وہ جادوگر اس کو مسمرائز کرگیا تھا۔ گھنی سیاہ مونچھوں تلے شرارت بھری مسکراہٹ لیے وہ اس کی ہی طرف متوجہ تھا' اس کی آنکھوں میں طلسماتی کشش تھی وہ چاہنے کے باوجود نظریں ہٹا نہیں سکی۔ وہ اجنبی تھا لیکن ایسا کیوں لگ رہا تھا جیسے وہ شناسا ہو۔

"کون ہو تم؟" پہچان کی کوشش میں ناکامی کے بعد اس نے پوچھا۔

"خواب زادہ......" جواب آیا۔

خواب زادی حیران رہ گئی۔ "خواب زادے اتنے خوب صورت ہوتے ہیں؟" اس نے دل میں سوچا۔ خواب زادے نے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھایا اس نے

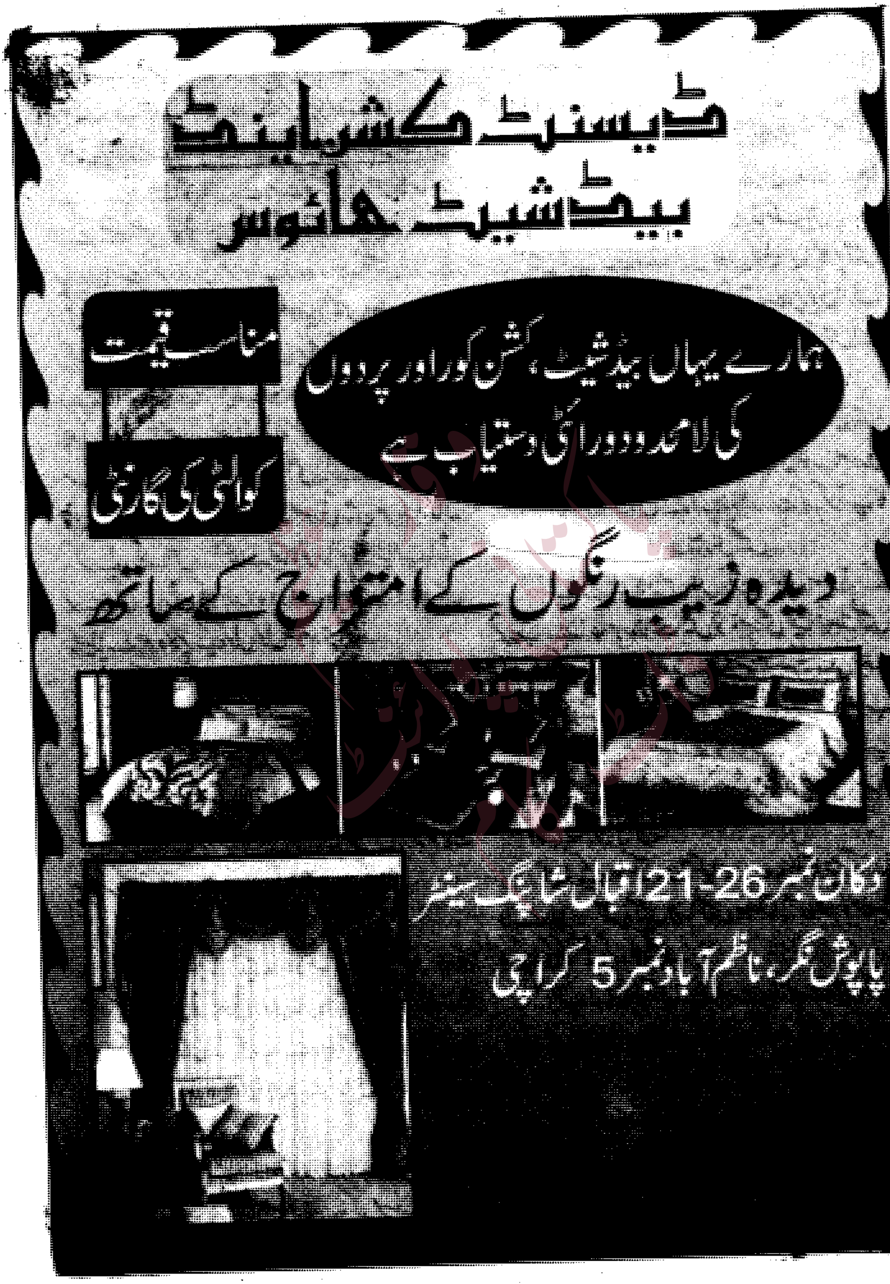
ڈیسنٹ کشن اینڈ
بیڈ شیٹ ہاؤس
مناسب قیمت
کوالٹی کی گارنٹی
ہمارے یہاں بیڈ شیٹ، کشن کور اور پردوں
کی لامحدود ورائٹی دستیاب ہے
دیدہ زیب رنگوں کے امتزاج کے ساتھ
دکان نمبر 26-21 اقبال شاپنگ سینٹر
پاپوش نگر، ناظم آباد نمبر 5 کراچی

ایک پل کو سوچا اور پھر اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ اب وہ جھرنے سے باہر نکل کر اس کے قدم سے قدم ملا کر اس دھنک رنگ خواب گزیدہ علاقے کی سیر کرنے لگی۔ یہ کیا؟ خواب زادے نے اچانک اس کا ہاتھ چھوڑا اور تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔ اس نے بہت کوشش کی اس کا ساتھ دے سکے لیکن وہ تو کہیں گم ہوگیا تھا۔ وہ پریشان ہوئی چاروں سمت نظر دوڑائی مگر خواب زادہ ندارد۔ پلکیں لرزنے لگی تھیں۔ کیا اس نے اپنا شہزادہ کھو دیا؟ لیکن وہ اسے ملا ہی کب تھا؟ وہ سوچ رہی تھی پلکوں پر نمی جھلملانے لگی۔ کھو دینے کا احساس بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس کے سامنے پھول تھا سرخ پھول۔ نظر اٹھائی تو خواب زادہ پھول اس کی سمت بڑھائے کھڑا تھا۔ وہ مسکرا اٹھی۔ لب کھلے تو موتیوں جیسے حسین دانت اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کرنے لگے۔ اس نے گلاب تھاما تو ساتھ ہی ٹپاٹپ بارش برسنے لگی۔ بارش کی دلدادہ وہ اب دونوں بازو ہوا میں پھیلائے چہرہ اوپر کیے گول گول گھوم رہی تھی۔

رقص کرتے کرتے اس نے اپنی آنکھیں کھولیں وہ بارش کی شدت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹی تھی۔ مسلسل ہوتی بارش نے اسے پورا بھگو دیا تھا اور وہ خواب بننے میں اتنی مگن تھی کہ اسے اپنے اردگرد کا ہوش ہی نا رہا تھا۔ اس درجہ محویت پر وہ سر جھٹکتی کتاب اٹھا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆☆......☆

''ماما...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے' ابھی میری شادی...... میں تو چھوٹی ہوں ناں ابھی اس حوالے سے سوچا بھی کچھ نہیں۔'' عجیب بے ربط جملوں میں وہ اپنے احساسات کو الفاظ کا پیرہن دے کر اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مجھے پڑھنا ہے ابھی ماما...... میرے خواب؟'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ان کو بتائے کہ یوسف لغاری کا چالیس سالہ بیٹا اس کے خوابوں کا شہزادہ کسی صورت نہیں ہوسکتا۔ شہزادہ تو دور وہ تو کوئی ایک ایسی خوبی بھی نہیں رکھتا جو اس کے آئیڈیل سے ملتی ہو۔

''سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی حورعین یہ ضروری ہے۔''

''لیکن ماما...... کیوں ضروری ہے؟'' پھر ان کی خاموشی کو اپنی مرضی کا مطلب پہناتے ہوئے بولی۔ اسے لگا تھا وہ اس کی حد درجہ بڑھی خوب صورتی سے خائف ہیں۔

''میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جس سے آپ کی اور بابا کی تربیت پر کوئی حرف آئے۔'' ناں کا ہاتھ تھام کر بات کرتے ہوئے آخر میں اس کا لہجہ التجائیہ ہوگیا تھا۔

''ایان لغاری نے آپ کو پچھلے ماہ آپ کے کالج میں ہونے والے فیشن شو میں دیکھا تھا وہ آپ کی خوب صورتی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے والد سے کہہ کر آپ کا رشتہ مانگ لیا۔'' ماما اب اسے بتا رہی تھیں۔

''آپ کے بابا کا بزنس اس وقت دیوالیہ ہونے کے قریب ہے۔ عام حالات میں تو ہم کبھی ایسا فیصلہ نہیں کرتے لیکن اس وقت یوسف لغاری بزنس سرکل میں صف اول کا بزنس مین ہیں۔ اس کے بیٹے سے شادی کا مطلب ہے گرتے بزنس کو سنبھالنے کا راستہ۔'' حورعین اب ششدر تھی۔ پھٹی ہوئی نگاہوں سے وہ ماما کو دیکھ رہی تھی۔

وہ بے یقین سی تھی۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا میرے بابا اتنا پیار کرنے والے بابا...... نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔'' وہ خود کو حوصلہ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپ کے بابا آپ سے بہت پیار کرتے ہیں آپ جانتی ہیں ناں؟'' وہ خاموش تھی شاید کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

''اس مشکل وقت میں صرف آپ کی ہاں ان کی مشکل آسان کرسکتی ہے۔'' وہ کچھ اور بھی بول رہی تھیں لیکن اسے اب کچھ سننا ہی کب تھا۔

''ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔ اگر مجھ سے کیے گئے محبت اور پیار کا بدلہ ایان لغاری سے شادی ہے...... تو میں

تیار ہوں۔" بے یقینی کی جگہ اب صدمے نے لے لی تھی۔ اپنی ساری ہمت جمع کرتے ہوئے وہ ماما کا ہاتھ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جھیل سی آنکھوں میں دکھ ہلکورے بھرنے لگا تھا۔ آنسوؤں کو بہنے سے روکنے کی کوشش کرتی وہ ماما کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆......☆☆......☆

وہ ایک وادی تھی۔ جہاں پھول پودے بادل سب کچھ تھا مگر پھر بھی ویرانی ہی ویرانی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہاں سے کبھی خوشی کا گزر ہی نا ہوا ہو۔ کچھ تو انوکھا تھا اس وادی میں مگر کیا؟ وہ سوچتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر ایک خوب صورت پھول کو توڑ کر اس نے اسے سونگھا وہ حیران ہوئی پھول بنا خوشبو کے تھا۔ اس نے ایک اور پھول توڑا وہ بھی خوشبو سے خالی تھا وہ اب شدت سے خوشبو والے پھول کی متمنی ہوئی۔ اس نے اپنے پسندیدہ سرخ رنگ کے پھول کی تلاش میں چاروں سمت نظر دوڑائی تو بدن میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وادی میں ہر طرف سیاہ رنگ کا راج تھا۔ پھول پتے درخت سب سیاہ لبادے میں ملبوس تھے۔ اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی آسمان بھی سیاہ تھا مگر آسمان کی سیاہی پھولوں کے مقابلے میں کچھ کم تھی۔ یہ کیسی وادی تھی جہاں سیاہی کی دہشت کا راج تھا۔ وہ کسی شناسا کی تلاش میں نظر اِدھر سے اُدھر دوڑا رہی تھی۔ نظریں ناکام لوٹ آئی تھیں۔ وہ اب تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی اس کا دل گھبرا رہا تھا ایسا کیوں لگ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ وہ جتنا آگے بڑھتی سیاہی اتنی ہی گہری ہوتی جارہی تھی۔ اب وہ دوڑنے لگی...... وہ خوف زدہ تھی۔ دور سامنے کچھ چمکتا ہوا نظر آرہا تھا وہ اس سمت بڑھی۔ قریب پہنچی تو وہ ایک چشمہ تھا جس کا پانی بہنے کے بجائے رکا ہوا تھا۔ مسلسل چلنے اور بھاگنے کی وجہ سے وہ پیاس سے بے حال تھی سو کنارے پر بیٹھ کر پانی پینے لگی۔ وہ جتنا پانی پیتی پیاس اتنی بڑھتی۔ پیاس بجھانے کے لیے وہ اب دونوں ہاتھوں سے لبالب دیوانہ وار مسلسل پانی پی رہی تھی۔ شدت مزید بڑھ رہی تھی اب تو اور پانی بھی نہیں پیا جارہا تھا۔

پیاس، تھکان، ویرانی، اکیلا پن اور سیاہ وادی سب نے مل کر اسے گھیر لیا تھا۔ اب اس نے دونوں ہاتھوں کے کٹوروں میں پانی بھر کر خود پر اچھالنا شروع کردیا۔ وہ بلبلا اٹھی تھی اس کے وجود کا ہر حصہ پانی سے تر تھا۔ پانی یہ کیسا پانی تھا؟ اس کے وجود سے اتنی تپش نکلنے لگی تھی گویا آگ کی لپٹے اسے گھیرے ہوئے ہوں۔ اس سیاہی پوش علاقے کے عجیب وغریب پانی نے رنگوں کی تلاش میں نکلی خواب زادی کو کیسے عذاب میں مبتلا کردیا تھا۔ چشمے سے دور ہوتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر ڈگمگاتے قدم رکھتے بھاگنے لگی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ تپش زدہ ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھے اور ہاتھ کی پشت دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ اس سیاہ وادی میں ہر چیز سیاہ تھی لیکن اس کے آنسوؤں کا رنگ سرخ تھا گہرا سرخ جیسے تازہ بہتا ہوا خون۔ ڈر کی شدت سے اس نے بلند آواز میں اپنے سب سے پیارے رشتے کو آواز دی۔

"بابا......" ایک دم سے اس کی آنکھ کھلی۔ بدن پسینے سے شرابور تھا، پیاس سے حلق خشک تھا۔ ہاتھ چہرے پر گیا تو آنسوؤں کی نمی نے سارے چہرے پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر سائڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور ایک ہی سانس میں پی لیا۔ پانی پیتے وقت خواب میں پیاس کی شدت یاد آئی تو بدن میں خوف کی ایک لہر سرایت کرگئی۔

"کیسا خواب تھا یہ؟ میں نے آج تک کبھی ایسا خواب نہیں دیکھا۔ مجھے تو خوب صورت حسین خواب دیکھنا اچھا لگتا ہے تو یہ کیا تھا اور وہ سیاہ وادی؟ کیا کچھ غلط ہونے والا ہے۔" وہ سوچنے لگی تھی۔

☆......☆☆......☆

ایان لغاری کی فیملی سے چند ایک رسمی سی ملاقات کے بعد آج شادی کی تاریخ طے کردی گئی تھی۔ ان کو حورعین کے آگے پڑھنے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ سو حورعین کا "آگے پڑھنا ہے" والا بہانہ بھی شادی کو نہ رکوا سکا۔ مہمانوں کے درمیان اس کی سرد مہری کو سب شرم پر محمول کرتے رہے

لیکن ان کے جاتے ہی برف پگھل گئی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند کرکے وہ اسی کے سہارے پھسلتی ہوئی قالین پر بیٹھ گئی اور اب دونوں گھٹنوں کے گرد ہاتھ لپیٹے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ اتنی گم کے کوئی اسے دیکھ لیتا تو شاید نہیں یقیناً کسی بت کا گماں کرتا اور ایک بار چھو کر یقین کرلیتا کہ واقعی بت ہے۔ لیکن آنکھوں سے بہتی ندیا جو بنا رکے مسلسل بہہ رہی تھی بتاتی تھی کہ جسم میں زندگی کی رمق ابھی باقی ہے۔

اس کا دل چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالے ایک ایک شخص کو پکڑ کر اپنے خوابوں کی کرچیاں دکھائے ارمانوں کی قبر پر بین کرے لوگوں کو بتائے کہ جب سب سے قریبی اور عزیز رشتہ ہمارا مان توڑ دے تو تکلیف کیسے رگ رگ میں سرایت کرجاتی ہے۔ بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ان چند دنوں نے اس حسین پری پیکر وجود کو کس قدر تھکا دیا تھا۔ وجود کے اندر کی تھکن بتاتی تھی کہ وہ صدیوں کی بیمار ہے۔ کسی اپنے پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرنا اور یہ سوچنا کہ جب تک وہ ہے کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جس کے دم سے ساری خوشیاں، ساری ہنسی ہو اور پھر وہی اپنا ایک ہی جھٹکے میں آپ سے آپ کا سب کچھ چھین لے۔ اس کرب کو الفاظ میں بیان کوئی کیسے کرسکتا ہے۔

وہ اس رات روئی بہت روئی ایسے جیسے آخری بار رو رہی ہو جب رو رو کر تھک گئی تو اپنی ہتھیلی کھول کر بے سبب ہی اسے دیکھنا شروع کردیا تھا، ویران آنکھیں اب جامد تھیں۔ رات کا گھپ اندھیرا اب دھیرے سے روشنی میں بدلنے لگا تھا وہ سونا چاہتی تھی۔ اس نے آنکھیں موند لیں شاید وہ سو گئی تھی لیکن نہیں اس نے کچھ دیر بعد پھر آنکھیں کھول لیں۔ جب درد حد سے سوا ہو تو پھر نیند کہاں کی، خوابوں کی رسیا خواب بنے بنا کیسے سو سکتی تھی؟ لیکن وہ خواب بنتی بھی تو کیسے؟ کیا بنے اب وہ؟ ذہن و دل کے صفحۂ قرطاس پر تو سناٹا طاری تھا۔ اس کا دل ہول گیا تھا۔ کیا اب اسے باقی ساری عمر خوابوں کے بنا گزارنی ہوگی۔ اس سوچ کے آتے ہی اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ اب وہ سیدھی لیٹی مسلسل چھت کو گھور رہی تھی۔ کیا وہ کچھ سوچ رہی تھی؟ نہیں وہ کیسے کچھ سوچ سکتی تھی اس کے پاس سوچنے کو بچا ہی کیا تھا۔ اس کی سوچ خلا میں معلق تھی۔ اس نے آنکھیں ایک بار پھر بند کرلیں۔ وہ محسوس کررہی تھی کہ وہ خلا میں زمین اور آسماں کے درمیان بغیر کسی سہارے کے لٹکی ہوئی ہو وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں نیچے نا گر جائے کافی دیر ایسا ہی ہوا پھر کسی نے اسے نیچے کی طرف دھکا دے دیا تھا۔ وہ ہوا میں ہاتھ پیر چلاتی پاتال میں گرتی چلی گئی۔ سب کچھ اندھیرے میں بدل گیا تھا ہر طرف سیاہی ہی سیاہی تھی جیسے وہ کسی اور ہی دیس میں ہو شاید یہی ہے وہ سیاہ وادی۔ یہ پہلی اور آخری سوچ اس کے ذہن کے گوشے میں ابھری اور معدوم ہوگئی۔ وہ سو چکی تھی۔ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے اور وہ سانس لینے کے لیے ہی سہی زندہ تو بہرحال تھی ہی ناں۔

ایک عرصہ خواب میں جینے والے
آنکھ کھلتی ہے تو مر جاتے ہیں۔

☆......☆☆......☆

ڈیپ ریڈ سلور کامدار لہنگے، سلور خوب صورت جڑاؤ نگینوں سے مرصع جیولری اور شہر کے مشہور بیوٹی پارلر سے کروائے گئے میک اپ میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

ہال میں دلہن کے ساتھ بیٹھتے وقت ایان نے ایک نظر اس پر ڈالی اور چمکتے دمکتے روپ کو دیکھ کر اندر تک سرشار ہوگیا۔ آخر اس نے اپنی پہلی اور آخری محبت کو پالیا تھا۔ وہ نہال تھا۔ یہ وہ پہلی لڑکی تھی جس پر نظر پڑتے ہی نظر نے واپس لوٹنے سے انکار کردیا تھا اور پھر اس نے دل کی بات اپنے والدین تک پہنچانے میں دیر نا کی تھی، اور وہ تو سن کر ایسے خوش ہوئے گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ پچھلے کئی سالوں سے ایان مسلسل اصرار کے باوجود شادی سے انکاری تھا اور وجہ بس ایک شادی اس سے کروں گا جو دل کو نہیں روح کو اچھی لگے گی۔

ایان لغاری کی شخصیت اتنی باوقار اور خوب صورت تھی جس محفل میں بھی شامل ہوتا سب سے نمایاں ہوتا۔ گوری

رنگت' کھڑی ناک' شفاف براؤن آنکھیں اور ان سے جھلکتی ذہانت' ماتھے پر بکھرے سیاہ چمکتے بال' دراز قامت کسرتی بدن اور رہی سہی کسر اس کی ڈریسنگ پوری کردیتی تھی۔ ہمہ وقت نک سک سے تیار رہنے والے ایان لغاری کو عمر جیسے چھو کر ہی نا گزری تھی' چالیس سال کی عمر میں بھی وہ اٹھائیس انتیس سے زیادہ کا نا لگتا تھا۔ اتنی پُرکشش شخصیت تھی کہ دیکھتے ہی ہم کلام ہونے کو جی چاہتا اور اتنا خوب صورت لب ولہجہ کہ اس کی سنگت میں سننے والا کبھی بور نا ہوتا۔ شاعری اور کتابوں سے شغف رکھنے کی وجہ سے اس کی باتوں میں خوشبو بولتی تھی۔

حورعین کے سنگ بیٹھے ایان لغاری کی خوشی اس کی ایک ایک حرکت سے عیاں تھی۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔ تقریب میں آئے ہر شخص نے دونوں کی جوڑی کو خوب سراہا تھا۔ اس پوری تقریب میں اگر کسی کو یہ جوڑی ناپسند تھی تو وہ حورعین تھی۔ جو ساری تقریب کے دوران ہونٹوں پر جامد خاموشی جمائے ٹھس بیٹھی رہی تھی۔

☆......☆☆......☆

لغاری پیلس اتنا خوب صورت تھا کہ پہلی بار دیکھنے والا اسے مبہوت ہو کر دیکھتا رہ جاتا۔ اس خوب صورت بنگلے کے ایک ایک کونے کو ایان لغاری کی مرضی سے سجایا گیا تھا۔ ایان نے اس کے ہر گوشے کی خوب صورتی پر لاکھوں روپے صرف کیے تھے۔ اس بنگلے کا سب سے خوب صورت حصہ بنگلے کے بیرونی حصے کے بعد ایان لغاری کا کمرہ تھا۔ اسکائی بلیو امتزاج کے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی ایسا لگتا جیسے انسان کسی اور ہی دنیا میں داخل ہو گیا ہو۔ پیر اندر رکھتے ہی دبیز قالین کی نرمی میں کہیں گم ہو جاتے۔ کمرے کا فرنیچر' ڈیکوریشن پیسز' بیچوں بیچ لٹکتا جھومر' وال پر لگی پینٹنگز' سائڈ ٹیبل پر رکھا اسکائی بلیو امتزاج کا لیمپ' سب اتنے نفیس اور دیدہ زیب تھے کہ ہر دیکھنے والا اس کمرے کے مکین کے ذوق کو بے اختیار سراہنے پر مجبور ہو جاتا۔ کمرے کی سامنے والی دیوار پر زمین سے کچھ فٹ اوپر کر کے شیلف بنائے گئے تھے۔ جہاں کرسٹل کے چھوٹے لیکن انتہائی خوب صورت ڈیکوریشن پیسز رکھے ہوئے تھے۔

وہ شاندار استقبال کے بعد اس عالیشان کمرے تک پہنچی تھی' رسموں سے فارغ ہونے کے بعد سب ایک ایک کر کے کمرے سے چلے گئے اور اب آنکھوں میں پسند کی سند لیے کمرے کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ سرخ گلاب اور موتیے کے پھولوں سے سجی مسہری کے درمیان بیٹھی وہ خود بھی پھولوں کا ایک حصہ لگ رہی تھی۔

''سب کتنا خوب صورت ہے۔'' اس نے سوچا۔

''میرے خوابوں جیسا......'' وہ خیالوں میں مگن تھی۔

''لیکن میرے خوابوں کا شہزادہ؟'' وہ خیالوں سے باہر نکلی۔

درد ایک بار پھر آنسو بن کر نکلا تھا۔ اس نے خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے گلاب کی ایک لڑی کو کھینچا۔ لڑی ٹوٹ کر بکھرتی چلی گئی۔ اب وہ ایک ایک کر کے ساری لڑیاں توڑ رہی تھی۔ جب یہ شوق پورا ہو گیا اور کرنے کو کچھ نا رہا تو وہ بے دردی سے اپنی چوڑیاں' جیولری' میک اپ اتارنے لگی پھر وارڈ روب سے سادہ سا سوٹ منتخب کرتی واش روم میں گھس گئی۔

آنے والے خوش کن لمحات کے خیالوں میں گم ایان لغاری زیر لب مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ مسکراتے لب اب ایک دوسرے میں بھنچ گئے تھے۔ چہرے پر حیرانی' تفکر اور پریشانی کی لکیریں صاف پڑھی جا سکتی تھیں۔ کمرے کی حالت دیکھ کر چند لمحے ساکت رہنے کے بعد وہ جیسے ہوش میں آ کر پلٹا اور دروازہ بند کیا کہ کہیں کسی اور کی نظر نہ پڑ جائے۔ واش روم سے گرتے پانی کی آواز بتاتی تھی کہ حورعین واش روم میں ہے۔ وہ سنبھلتا ہوا اب اس کے انتظار میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتی وہ مصروف انداز میں باہر نکلی تھی۔ میک اپ کے مٹے مٹے سے نقش ابھی بھی اس کے چہرے پر نظر آ رہے تھے۔ خوب صورت سراپے پر نظر پڑتے ہی ایان کے دل

میں ہلچل پیدا ہوئی لیکن پھر دھیان کمرے کی طرف گیا تو جذبوں پر فکر غالب آگئی۔ ذہن میں ہزاروں قسم کے ابہام پیدا ہو رہے تھے۔

ایان کو صوفے پر بیٹھا دیکھ کر وہ ایک لمحے کو چونکی اور پھر دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے پُرسکون انداز میں بیڈ پر آگئی۔

"یہ سب کیا ہے؟" ایان نے پُرسکون انداز میں بیٹھی حورعین سے استفسار کیا۔ حورعین نے ذرا سی نظر اٹھا کر ایان کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں اس نے ایسا کرنے کا کب سوچا تھا۔ جذبات میں آکر وہ سجے سنورے کمرے کا منظر بگاڑ چکی تھی لیکن اب اس کی کیا توجیہہ پیش کرے یہ سمجھ سے باہر تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟" حورعین کی سمت دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ اب وہ صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر آگیا تھا۔ حورعین اب بھی خاموش بیٹھی رہی۔

"اس شادی میں آپ کی مرضی شامل تھی؟" خدشے زبان پر آئے۔ سوال تو کرلیا تھا مگر دل میں شدت سے خواہش اٹھی تھی کہ جواب نا میں ہی ہو۔ اب کے حورعین کے سر میں جنبش ہوئی تھی۔ انکار میں ہلتا سر دیکھ کر ایان حیران ہوا۔

"تو کیا کوئی اور؟" اس نے ایک اور سوال پوچھا امید تھی کہ اس کا جواب بھی ہاں میں ہوگا۔ لیکن اس بار جواب توقع کے برعکس ملا تھا۔ سر نفی میں ہلا۔ مگر جانے کیوں اس کی پلکوں کی گھنی باڑ کے پیچھے سے نمی جھانکنے لگی تھی۔ اس کی طرف بغور دیکھتے ایان لغاری کے چہرے پر الجھن کے سائے لہرانے لگے تھے۔

"آپ ایزی ہو کر سوئیں آپ کی مرضی کے خلاف یہاں کچھ نہیں ہوگا۔" اتنا کہہ کر ایان کمرے سے بالکونی میں آگیا تھا۔ حورعین ایک گہری سانس بھر کر لیٹ گئی۔ تھکاوٹ سے بے حال وجود کو جلد ہی نیند نے آغوش میں لے لیا تھا۔

وہ ساری رات ایان نے بالکونی میں ٹہلتے گزاری تھی۔ رات کی سیاہی اب مشرق سے پھوٹتی سپیدی میں دھیرے دھیرے بدلنے لگی تھی۔ مؤذن کی آواز پر وہ خیالوں سے نکل کر کمرے میں آیا۔ نہا کر نماز کے لیے جانے سے پہلے اس نے بے خبر سوئی حورعین کو دیکھا گالوں کے نیچے ہاتھ رکھے وہ کتنی معصوم لگ رہی تھی' اس کے دل میں شدت سے اس کے چہرے کو محسوس کرنے کی خواہش ابھری' جسے دباتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆☆......☆

آنکھ کھلتے ہی اس نے کمرے کا نقشہ دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ رات وہ کیا کارنامہ سرانجام دے چکی ہے۔ بیڈ سے اتر کر اس نے قالین پر جا بجا بکھرے پھول اکھٹے کر کے ایک جگہ جمع کیے اور فریش ہونے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ خود کو نارمل ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ رات کو ایان کے رویئے سے وہ خاصی مرعوب ہوئی تھی اور اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ایان کسی سے کچھ نہیں کہے گا۔ اب اسے خود کو بھی خوش ظاہر کرنا تھا۔ نہا کر اس نے بالوں کو ہیئر ڈرائیر سے خشک کیے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ میک اپ کی ضرورت تو اسے کبھی بھی نہیں رہی تھی لیکن اس نے پھر بھی گلابی ہونٹوں پر لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل لگالیا تھا۔ آبشار سے بال سر کے اوپری حصے سے اٹھا کر درمیان میں لے جا کر کیچر میں جکڑ لیے اور باقی بال پشت کو گھیرے ہوئے تھے۔ اتنی سی تیاری سے وہ دمکنے لگی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجائیں......" دروازہ کھلا اور آنے والا ایان تھا۔ اس نے اس کی سمت دیکھا ہی نہیں سائیڈ دراز کھول کر اس نے ایک مخملیں کیس نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ آپ کی رونمائی کا تحفہ۔" ایان نے سرخ کیس اس کی طرف بڑھایا۔

"پہن لیجیے گا میں نہیں چاہتا اس کمرے کی کسی بھی بات کا کسی تیسرے کو اندازہ ہو۔ ویسے کے بعد سوچیں گے کیا کرنا ہے۔" گہرا جامنی شیفون کا سوٹ پہنے جس پر بلیک اور گولڈن نفیس کام تھا' وہ اتنی دمک رہی تھی کہ ایان

کے لیے نظریں چرانا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ تو اچھا تھا اس نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں اٹھا لیتی تو اس کی آنکھوں کے سارے راز پالیتی۔

اسے تحفہ تھما کر وہ کمرے سے چلا گیا تھا۔ حورعین نے اس کے جانے کے بعد سرخ کیس کھولا۔ آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں۔ انتہائی خوب صورت ڈائمنڈ کا لاکٹ جس کی تین چھوٹی چھوٹی لڑیاں تھیں ہر لڑی کے درمیان میں ڈائمنڈ سے جڑا ہوا دل اٹکا تھا۔ دل کی ہی شکل کے خوب صورت چھوٹے چھوٹے ٹاپس۔

"کاش کوئی پہنانے والا بھی ہوتا۔" خواہش ابھری تو اس نے بے دلی سے کیس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔ آنکھوں میں چبھن سی ہونے لگی تھی۔ دل رہ رہ کر تڑپ رہا تھا۔ نمی سے آنکھیں جلنے لگیں تو وہ آئینے کے سامنے سے اٹھ گئی تھی۔

☆......☆☆......☆

اگلے دن ولیمہ تھا ولیمے سے فرصت ملنے کے بعد معمولات زندگی ایک ہی ڈگر پر چلنے لگے تھے۔ ایان اور حورعین ایک ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ ایان نے کہا تھا کہ ولیمے کے بعد اس موضوع پر بات کریں گے لیکن اب تک اس نے اس بارے میں کوئی بات نا کی تھی۔ حورعین نے اس بات پر دل ہی دل میں شکر ادا کیا اسے اس بات کی بہت تشویش تھی کہ کہیں اسے واپس جانے کا مژدہ نا سنا دیا جائے۔ کچھ بھی تھا وہ ماں باپ کی عزت نہیں اچھالنا چاہتی تھی۔

کتنی عظیم ہوتی ہیں بیٹیاں۔ صرف ماں باپ کا شملہ اونچا رکھنے کے لیے اپنی ساری زندگی ایک ایسے فیصلے کی سپرد کر دیتی ہیں جس کے لیے ان کا دل آمادہ ہی نہیں ہوتا۔ لمحہ بہ لمحہ ٹوٹتی ہیں، بکھرتی ہیں، سب کے سامنے ہنسنے کا ناٹک کر کے تنہائی میں پہروں روتی ہیں۔

☆......☆☆......☆

"ہاں بھئی ینگ مین ہنی مون کے بارے میں کیا سوچا؟" ناشتے کی ٹیبل پر یوسف لغاری نے وہ موضوع چھیڑا جس سے دونوں ہی بچنا چاہتے تھے۔

ایان نے نظر اس کی سمت اٹھائی وہ بھی اسی سمت دیکھ رہی تھی نگاہیں ملیں تو حورعین نے سر جھکا کر پلیٹ کی سمت توجہ کر کے خود کو یوں مصروف ظاہر کیا گویا اس سے اہم کوئی کام نا ہو۔

"ڈیڈ آفس کے کچھ امپورٹنٹ کام ہیں ان سے فرصت ملے تو پھر جلد ہی پروگرام بناتے ہیں۔" سنبھلتے ہوئے نارمل اور مصروف لہجے میں ایان نے جواب دیا۔

"یہ سب تو ساری عمر ہی چلتا رہےگا۔ آپ جانے کی تیاری کریں میں آپ دونوں کے وزٹ ویزا اور ٹکٹس کنفرم کرواتا ہوں۔"

"نہیں پاپا پلیز......" ایان کے قطعی لہجے میں کچھ تو عجیب تھا۔ اب کے بیگم یوسف لغاری نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اتنے سال انتظار کے بعد تلاش مکمل ہوئی لیکن وہ خوشی چہرے سے مفقود تھی جو ہونی چاہیے تھی۔

"اس ماہ فارن سے دو امپورٹنٹ ڈیلی گیشنز آنے والے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں یہ دونوں ڈیلی گیشنز ہمارے لیے کس قدر اہم ہیں۔ میں چاہتا ہوں میں اپنی موجودگی میں سب ہینڈل کروں۔ ان سے فارغ ہوتے ہی ہم ڈیسائیڈ کر لیتے ہیں کہ کہاں جانا ہے۔ کیوں حورعین تم کیا کہتی ہو؟" ایان نے ماں کی جانچتی نظریں چہرے پر محسوس کر لی تھیں جب ہی وضاحت دیتے ہوئے بات کے آخر میں حورعین کو تم کہہ کر مخاطب کیا۔

"جیسا آپ کہیں۔" مختصر لفظوں میں بات سمیٹ لی گئی تھی۔

"ہنہہ میں بھی کیا سوچنے لگ جاتی ہوں۔" بیگم یوسف نے دل ہی دل میں خود کو جھڑکا اور کھانے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

یوسف لغاری نے بھی مزید بحث کرنا مناسب نا سمجھا تھا۔ شادی کو ایک ہفتہ ہو چکا تھا ماما بابا کے فون اکثر آتے رہتے تھے۔ وہ رسمی بات چیت کے بعد فون رکھ دیتی تھی۔ اس کا بات کرنے کا انداز ہی روکھا ہوتا تھا کہ ان کے پاس

کہنے کو پھر کچھ بچتا ہی ناتھا۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ بیٹی کے اس رویئے پر ضیاء صاحب کی آنکھیں نم ہوگئی تھی۔

"سعدیہ تم بھی ایسا سمجھتی ہو کہ میں نے حور کے ساتھ کچھ غلط کیا؟" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اگر عام حالات میں بھی ایان لغاری کا رشتہ آتا تو میرا فیصلہ یہی ہوتا۔ میرا یقین کرو۔" ایک باپ آنسوؤں سے رو رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ حور کے لیے غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ وہ نادان بچی ہے۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ اسے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اسے کچھ وقت دیں سنبھلنے کا۔" سعدیہ بیگم رسان سے گویا ہوئیں لیکن اندر سے ان کی حالت بھی ضیاء صاحب سے کم خراب ناتھی۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں ایک بار ایان سے بات کرلینی چاہیے کہیں حور عین جذباتیت میں اس سے کوئی بدتمیزی نہ کرجائے....." سعدیہ بیگم کے لہجے میں ہزاروں خدشات بول رہے تھے۔

ماں تھیں ناں اور ماں تو اولاد کی رگ رگ سے واقف ہوتی ہے۔ آنکھوں میں پریشانی کے سائے ہلکورے لے رہے تھے تو دل بیٹی کی خودساختہ تکلیف پر پریشان تھا۔ اولاد تکلیف میں ہو تو ماں باپ بھلا کب سکون سے رہ سکتے ہیں۔

ضیاء صاحب نے ایان کو اسی وقت فون کرکے اس کے آفس آنے کا کہا تو اس نے شائستگی اور ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو وہاں آنے سے منع کردیا اور شام میں خود ان کے گھر آنے کا کہہ دیا تھا۔ وہ ایک بار پھر سے اتنا بہترین داماد ملنے پر دل ہی دل میں اللہ کے شکر گزار ہوئے تھے۔

☆......☆☆......☆

گلاس ونڈو کے پردے ہٹاتے ہی سامنے والا منظر شام کے ملگجے سے اندھیرے میں اس قدر خوب صورت لگ رہا تھا کہ وہ مبہوت سی ہوگئی تھی۔ وسیع لان کے بیچوں بیچ نیلے حوض کے اطراف چھوٹے چھوٹے رنگین فوارے جن سے نکلتا ہر رنگ کا پانی ایسا لگتا تھا ہر رنگ کی روشنی خود سے باہر نکال کر پھینک رہے ہوں۔ اندھیرے میں پھول پودے اور درخت واضح تو نظر نہیں آرہے تھے مگر وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ اس لان کا ایک ایک گوشہ مہارت اور نفاست سے سنوارا گیا ہے۔ کئی دنوں سے یہاں ہونے کے باوجود وہ خود میں اتنا گم تھی کہ اسے اپنا سوا کسی بات کا ہوش ہی ناتھا۔ صبح لان کی سیر کرنے کا سوچ کر وہ پیچھے ہٹنے لگی کہ اسے لگا لان میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نصب خوب صورت بینچوں میں سے ایک پر کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے غور سے دیکھا واقعی وہاں کوئی بیٹھا ہوا تھا۔

"میں کب سے پریشان ہوں کہ اتنا لیٹ ہوگئے اور یہ صاحب یہاں بیٹھے ہیں حد ہوتی ہے بے پروائی کی۔" اس نے لب بھینچے تھے۔ لان میں بیٹھے شخص نے دونوں ہاتھوں سے سر تھاما ہوا تھا۔ "کیا یہ پریشان ہیں؟"

حیرت کی بات تھی ناجس شخص کے زندگی میں آجانے سے اس کی دنیا خاموش اور خالی ہوگئی آج اسے اسی کی فکر ہورہی تھی۔

"مگر کیوں کیا میری وجہ سے؟" وہ خود سے ہی سوال جواب کررہی تھی۔

"کیا ان کی پریشان ہونے سے مجھے فرق پڑتا ہے؟ ہنہہ میری زندگی عذاب بن گئی میری طرف سے کسی کو کچھ بھی ہو مجھے کیا؟" لایعنی سوچوں کو جھٹکتی خود سے ہمکلام ہوتی دل کو بہلاتے اس نے اب پردہ ونڈو کے آگے کھینچ دیا تھا۔

لان میں بیٹھے ایان لغاری کی نظر گلاس ونڈو سے جھانکتے آنچل پر پڑی وہ یقیناً اسے دیکھ چکی تھی جب ہی تو اتنی تیزی سے پردہ برابر ہوا ہے۔ اپنی سوچ پر وہ خود ہی ہولے سے مسکرادیا۔ سنگی بینچ سے اٹھ کر اس نے قدم گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھائے۔ کمرے میں آیا تو اس کی توقع کے عین مطابق وہ اپنی سوچوں میں گم ٹیک لگائے گردوپیش سے بیگانہ تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں یا پھر اسے ہی ایسا لگا تھا۔

''آہم۔'' وہ کھنکھارا تو وہ جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

''آپ آگئے۔'' گویا ظاہر کیا جارہا تھا کہ اسے علم ہی نہیں کہ وہ گھر میں تھا۔

''ہمم...... پلیز ایک کپ چائے پلادو گی۔ سر میں شدید درد ہے۔'' دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو دباتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے بیڈ سے اتری تھی۔ کچھ دیر بعد ہی چائے کے ساتھ وہ واپس آئی تھی سائیڈ ٹیبل پر چائے رکھ کر اس نے دراز سے سر درد کی گولی نکال کر چائے کے قریب رکھ دی تھی۔

سر پر بازو رکھ کر لیٹے ایان نے آہٹ کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں اور اس کی طرف بغور دیکھا۔ اس کی طرف پشت کیے وہ دراز سے گولی نکال کر سائڈ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ کمر پر جھولتی لمبی چٹیا۔ ایان کا دل کیا کہ اس کے بالوں کا ایک ایک بل کھول دے اور ہر بل کے ساتھ اسے بتائے کہ وہ کہاں کہاں کس کس موڑ پر اسے اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے۔ اپنی محبت کا یقین دلائے۔ اسے بتائے کہ وہ کتنی اہم ہے اس کے لیے۔ گولی نکال کر وہ اس کی طرف مڑی اور اتنی محویت سے اپنی طرف دیکھتے پاکر وہ پزل ہوگئی تھی۔

''میں سوچ رہا تھا آپ کے بال بہت خوب صورت ہیں لیکن نہیں اب مجھے لگ رہا ہے آپ کی یہ جھیل سی آنکھیں زیادہ پیاری ہیں۔'' یہ ان کو کیا ہوگیا گھبراہٹ کو حیرت میں بدلتے اس نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی اور صوفے کی طرف بڑھ گئی ہاتھوں میں ارتعاش پیدا ہوگیا تھا۔ ایان نے لبوں پر مچلتی شرارتی مسکراہٹ کو کنٹرول کیا تھا۔

''آج واپسی پر آپ کے بابا کے گھر کے قریب سے گزر رہا تھا تو کچھ دیر کے لیے وہاں بھی گیا تھا۔'' اتنا کہہ کر وہ پھر سے چائے پینے لگا وہ منتظر تھی کہ ماما بابا کی خیریت کے متعلق کوئی بات ہو لیکن وہ تو خاموش تھا۔ ''آپ کی کچھ کتابیں لے آیا ہوں ویسے تو میرے پاس بھی بڑی تعداد میں کتابیں ہیں لیکن شاعری سے زیادہ شغف نہیں۔ آپ کی کتابوں میں شاعری کے حوالے سے کتابوں کی تعداد دیکھ کر اندازہ ہوا کہ آپ شاعری سے کافی لگاؤ رکھتی ہیں سو میں نے سوچا لیتا جاؤں۔ گاڑی میں رکھی ہیں عظمیٰ سے کہہ کر صبح نکلوا لیجیے گا۔'' اس کی تمہید پر حور عین نے صرف ہاں میں گردن ہلائی تھی۔ حالانکہ پوچھنا تو وہ بہت کچھ چاہتی تھی۔ اسے حیرانی ہوئی اگر وہ اس کے گھر گیا بھی تھا تو میرے کمرے میں کیوں گیا۔ ماما بابا کیسے تھے ان سے کیا بات ہوئی؟ مگر کچھ بھی نا پوچھ پائی۔

''گھنا...... میسنا۔'' دل ہی دل میں اس کو القابات سے نوازتے وہ دانت کچکچاتی رہ گئی تھی۔

☆......☆☆......☆

صبح نماز کے فوراً بعد وہ لان میں چلی آئی۔ وسیع لان میں قیمتی و نایاب پھول و پودے اپنی جھلک دکھا رہے تھے۔ بیرونی دیوار کے ساتھ پھلوں کے گھنے اور سایہ دار درخت اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑے تھے۔ گہری اور ٹھنڈی سانس لے کر اس نے تازہ ہوا کو جیسے خود میں اتارا۔ لیمن کلر کے شیفون کے سوٹ میں وہ خود بھی اس سرسبز نظارے کا حصہ لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کی خوب صورتی اور چمک میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ سرخ گلاب کا پھول دیکھ کر ہمیشہ وہ بے اختیار ہوجاتی تھی اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تازہ سرخ کھلتے گلابوں کی مہک نے اسے جیسے اپنی طرف کھینچا تھا وہ آنکھیں بند کیے پھول پر جھک کر اس کی دلفریب خوشبو سونگھنے لگی۔ اچانک کسی کی نظروں کے حصار کو محسوس کرکے اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ایان لغاری وائٹ ٹراؤزر پر وائٹ ہی سلیولیس شرٹ پہنے اسے بغور دیکھ رہا تھا وہ کچھ خجل ہوئی۔

''وہ میں واک کرنے......''

''آپ کو سرخ گلاب پسند ہیں؟'' ایان نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ ٹہنی سے پھول توڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے پھول اس کی طرف بڑھایا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ آنکھوں کے پردے پر کچھ ماہ پہلے دیکھے جانے

والے خواب کا عکس لہرایا تھا۔ "تو کیا خواب میں وہ ایان ہی تھے۔" اس نے بے اختیار سوچا پھر اسے یاد آیا اس شہزادے نے بھی تو سفید ہی لباس پہنا ہوا تھا۔ اس عجیب اتفاق پر وہ واقعی شدید حیران ہوئی تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے پھول تھام لیا تھا۔ اُفف دھڑکنوں کا شور ایسا تھا جیسے دل سینے سے نکل کر باہر آجائے گا۔ اپنی حالت کو چہرے پر عیاں نا کرتے ہوئے وہ واپسی کے لیے مڑی اور جاتے وقت پورچ میں کھڑی گاڑی سے کتابیں اٹھانا نہیں بھولی تھی۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے کتابیں سائڈ پر رکھ کر آنکھیں بند کرکے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کی اتھل پتھل اسے حیران کر رہی تھی۔

"یہ ان کو کیا ہوگیا آج......اور مجھے کیا ہوجاتا ہے؟" ذہن و دل میں سوالات اٹھ رہے تھے۔ "کیا مجھے ایان سے محبت ہوگئی ہے؟ نہیں......نہیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" خود سے سوال جواب کرتی وہ خود کو یقین دلا رہی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ دھڑکنوں کے شور سے احتجاج کی لہریں ایک ہی نام کی پکار کررہی تھیں۔

☆......☆☆☆......☆

پہاڑ کی اونچی سفید پوش چوٹیاں آسمان کو چھونے کی کوشش کررہی تھی۔ اِدھر اُدھر لہراتے روئی کے سفید گالے جیسے بادل ان آس پاس فضا میں ڈول رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی جادوئی دیس میں آگئی ہو۔ سیاہ کرتا شلوار پہنے کسی کہانی کے ہیرو سے کہیں زیادہ حسین شخص نے ہاتھ بڑھا کر ایک بادل کو چھوا تو بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں آگیا باقی کا بادل ان دونوں کے سر پر ایسے برسنے لگا تھا گویا اسے اس شخص کے چھو لینے کا ہی انتظار ہو۔ بادل کا وہ پانی میں بدلتا ٹکڑا اس نے اس شہزادیوں سی حسین لڑکی کے ہاتھ پر رکھ دیا جو گھٹنوں کو چھوتی گرین گھیر دار فراک اور چوڑی دار پائجامہ پہنے کسی افسانوی کہانی کی ہیروئن کے دلکش سراپے اور نقوش کو مات دے رہی تھی۔ بادل کا ٹکڑا ہاتھ میں رکھتے ہی ایک ٹھنڈی میٹھی لہر نے اس کے پورے بدن کو عجیب سا سرور بخش دیا تھا۔ بادل برس کر ختم ہوچکا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں ہاتھ تھام کر پربت کے بیچوں بیچ بنی نیلگوں جھیل تک آئے تھے۔

"سنا ہے اس جھیل پر پریاں اترا کرتی تھی اس کی خوب صورتی کو دیکھ کر یقین آگیا کہ واقعی ایسا ہوتا ہوگا۔"

"تم بھی تو میری زندگی کی حسین پری ہوں اور دیکھو میرے لیے ہی یہاں اتری ہو۔ میری خوب صورت زندگی میرا انعام۔" اس کا ہاتھ شدت سے تھامتے ہوئے وہ اسے لیے کر جھیل کے ٹھنڈے پانی میں اترا۔ پانی یخ بستہ تھا اس نے پیر ایک جھٹکے سے باہر نکالا۔ پیر کھینچتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی یہ کیا؟ اس کا ہاتھ ایان کے ہاتھ میں تھا اسے فوراً خواب یاد آیا۔ میرے خواب واپس لوٹ آئے وہ بے حد خوش ہوئی۔ ایان کے ہاتھ سے احتیاط سے ہاتھ نکالتے ہوئے وہ بیڈ سے اتر کر خوشی کے مارے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس کا دل کررہا تھا خوشی سے چیخیں مارے۔ آنکھوں میں خوشی سے آنسو چھلک رہے تھے۔

کتنے دن اس نے اذیت میں کاٹے تھے۔ کتنے دن خوابوں کا انتظار کیا تھا کتنی ادھوری تھی وہ حسین خوش کن خوابوں کے بنا۔ وہ اب بیڈ پر بیٹھ گئی وہ خوشی سے رو رہی تھی۔ روتے روتے ایک گہری سانس اس کے منہ سے خارج ہوئی تو ایان کی آنکھ کھل گئی۔ نیم اندھیرے میں اسے روتا دیکھا تو پریشان ہوکر فوراً لائٹ آن کی۔

"کیا ہوا؟" آواز سے فکرمندی واضح تھی۔

"کچھ نہیں وہ......" حورعین کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

"اچھا چلو ریلیکس کرو پہلے۔" سائڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی نکال کر اسے تھمایا اور اسے اپنے گھیرے میں لے کر اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا۔

"چلو اب بتاؤ کیا ہوا؟ ماما بابا کی یاد آرہی ہے؟" پیار بھرے انداز میں پوچھتا وہ اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

"آپ میری بات پر ہنسیں گے؟" نظریں ٹکرائیں تو

وہ گھبرا کر نظریں جھکا گئی ان آنکھوں کی حدت اس سے برداشت نہیں ہورہی تھی۔

"نہیں ہنستا پرامس۔" ایان نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جو حورعین نے کچھ پس وپیش کے بعد تھام لیا تھا۔

"میں نے آج بہت دن بعد کوئی اچھا خواب دیکھا۔ اتنے دن سے مجھے کوئی خواب نہیں آیا تھا میں روز اس آس پر سوتی تھی صبح اٹھوں گی تو کوئی نیا خواب دیکھا ہوگا مگر ایسا نہیں ہوتا تھا۔" وہ اب اس کے سینے پر سر رکھے روتی ہچکیاں لیتی ایک ایک کر کے سارے خواب ساری آرزوئیں ساری تمنائیں اس کے سپرد کررہی تھی۔ ایسے ہی سناتے سناتے وہ سوگئی تھی۔ ایان نے اسے ایسے ہی اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیے ہوئے اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی پہلی مہر ثبت کی۔

"پاگل لڑکی۔" وہ مسکرایا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ زندگی بہت جلد خوب صورت ہوگی مگر وہ جلدی اتنی جلدی ہوگی اس بات کا اسے یقین نہیں تھا۔

☆......☆☆......☆

اگلی صبح سب کے لیے ہی بہت حسین تھی۔ آنکھ کھلی تو کولون کی مدہوش کردینے والی مسحور کن خوشبو نے اسے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی تو مضبوط بازوؤں کے حصار نے اسے اٹھنے نا دیا۔ حواس بیدار ہوئے تو رات کی کیفیت اسے پوری طرح یاد آگئی۔ دھیرے سے ایان کا بازو ایک طرف کرتے ہوئے وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ انسان دل' کردار اور شخصیت کے لحاظ سے کتنا مکمل ہے۔" پچھلے پورے ماہ کے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے وہ محبت بھری نظروں سے اس کا خوب صورت چہرہ آج پہلی بار اتنی غور سے دیکھ رہی تھی۔

"بس بھی کرو اتنے پیار سے دیکھو گی تو نظر لگ جائے گی۔" براؤن خوب صورت آنکھیں نیم وا ہوئی تھیں۔ گھنی مونچھوں تلے ہلتے لب شرارت سے مسکرا رہے تھے۔ حورعین نے اٹھنا چاہا تھا لیکن ایان نے اس کا ہاتھ تھام کر

آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ

حجاب کراچی

شائع ہوگیا ہے

ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف **"حجاب"** آج ہی ہاکر سے کہہ کر اپنی کاپی بک کرالیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com

info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

روک لیا اور خود بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"ہم آج شام ہی نادرن ایریاز کے لیے نکل رہے ہیں۔ تیاری کرلو۔"
"آنکھ کھلتے ہی ایسی بات کی...... کیا انہوں نے بھی کوئی خواب دیکھ لیا۔"
"بھئی پہلے ہی تمہارے خوابوں کے چکر میں بہت دیر ہوچکی اب میں اتنا خوب صورت وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔" اس کی سوچوں کو جیسے پڑھتے ہوئے وہ بولا۔
"میں وعدہ کرتا ہوں۔" ایان نے اس کی پلکوں کو ہولے سے چھوا۔ "ان حسین آنکھوں کا ہر خواب ہر تمنا پوری کروں گا۔" اس کی سیاہ گھنگھور پلکوں کی گھنی باڑ اب لرزنے لگی تھی۔ "ان حسین ہاتھوں کو ہمیشہ تھامے رہوں گا۔" اس کے دونوں ہاتھ اب ایان کے خوب صورت مردانہ ہاتھوں میں قید تھے۔
"دنیا کی سب سے خوب صورت خواب دیکھنے والی لڑکی کو کبھی کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے بازو پھیلا کر حور کو خود سے قریب کیا اور حورعین نے اس کے چوڑے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موندلیں۔
"چلو فریش ہوجاؤ پھر ناشتے پر یہ نیوز ماما بابا کو بھی دے دیں اور ہاں جانے سے پہلے تمہیں انکل آنٹی سے ملنے بھی تو جانا ہوگا ناں؟" وہ ہولے سے سرہلاتی مسکراتی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔
ماں باپ کبھی اولاد کے لیے غلط فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہونی کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اتنا اچھا ہمسفر چننے پر ماما بابا کو تھینکس تو کہنا ہی تھا اور ساتھ ساتھ ان سے ساری غلطیوں کی معافی بھی مانگنی تھی جو اس سے ہوئی تھی۔
ایان سوچ رہا تھا کہ زندگی بھر اسے یہ بات کبھی نہیں بتائے گا کہ اس دن حورعین کے گھر کتابوں کے بیچ رکھی وہ ڈائری اس نے پوری تفصیل سے پڑھ لی تھی جس کے پہلے صفحے پر جلی حروف میں لکھا تھا "خواب زادی" اس کے بعد ہی تو اس نے حورعین کی نظر سے خود کو دیکھنا شروع کیا اور اپنے رویے میں بدلاؤ پیدا کیا تھا ورنہ شاید بہتری کی امید میں کئی ماہ و سال خاموشی سے ہی گزر جاتے۔ زندگی خواب نہیں نا خوابوں جیسی حسین ہے لیکن یہ بات حورعین کو سمجھانے کے لیے تو ساری عمر پڑی تھی۔

پاس محبت دور محبت
نازاسے ہر ایک ادا پر
کتنی ہے مغرور محبت
کس نے رکھا بھرم وفا کا
صرف ہوئی مشہور محبت
بیت چلی ہیں کتنی صدیاں
کب سے ہے مجبور محبت
ورد وظیفہ شام سویرے
دفع محبت، دور محبت
کب ممکن تھا ایسے بچھڑنا
ہو ہی گئی مجبور محبت

لڑکیاں جوں جوں شعور کی منزلیں عبور کرتی ہیں خوابوں میں جینے لگتی ہیں تتلیاں ان کے آس پاس رقص کرنے لگتی ہیں۔ پیا گھر کو ایک نیا دیس سمجھ کر خیالوں میں ہم سفر کی سنگت کو خوب صورت حسین جزیرہ بنا بیٹھتی ہیں اور جب یہ خواب زادیاں نئی دنیا میں قدم رکھتی ہیں ان کے خوابوں کو مسل دیا جاتا ہے۔ سب کچھ خوب صورت ہونے کی چاہ رکھنے والی معصوم کلیاں کتنی جلدی مرجھا جاتی ہیں۔ کتنا اچھا ہو ہر ہمسفر اپنا سب کچھ چھوڑ کر چلی آنے والی خواب زادی کو اپنے ساتھ اور پیار کا یقین دلائے۔ چاہت کا انمول احساس دلائے۔ ایسا ہو جائے تو ہر لڑکی پیا گھر کی خوشی تو خوشی، غم بھی اپنا سمجھ کر خوشی خوشی سہہ لے۔ زندگی میں سب سے اہم ہوتا ہے سکون۔ اور سچا سکون صرف خلوص اور پیار سے گندھے رشتے میں ملتا ہے۔

ہومیو کارنر

ہومیو ڈاکٹر طلعت نظامی

بانجھ پن (Sterility)

دنیا میں پیدائش اور آبادی کا ذریعہ صرف عورتیں ہیں لیکن ہماری بود و باش لاپروائی اور عیش پسندی بانجھ پن کا موجب بھی بن جاتی ہے۔

عام جسمانی صحت کی موجودگی اور جسمانی نظام کی درستگی کے باوجود حمل کا قرار نہ پانا بانجھ پن کہلاتا ہے۔

بانجھ پن کی دو اقسام ہیں

ابتدائی بانجھ پن

ثانوی بانجھ پن۔

ابتدائی بانجھ پن:۔ اس میں عورت کو جنسی زندگی کے شروع سے اخیر تک حمل قرار نہیں پاتا۔

ثانوی بانجھ پن:۔ اس میں عورت شروع میں اولاد پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہے لیکن ایک یا دو بچے کے بعد یا اسقاط حمل کے بعد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتی اس قسم کی شکایت اگرچہ بعض اوقات مردوں کو خرابی کے نتیجے میں بھی رونما ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ سلسلہ زیادہ تر صنف نازک ہی کی ناسازی طبع سے وابستگی رکھتا ہے اس لیے صرف ان ہی نقائص کو پیش کیا جارہا ہے جو عورتوں کے ساتھ وابستہ ہو کر انہیں اولاد کی دولت سے محروم کردیتے ہیں۔

وجوہات:۔

منشیات کا استعمال:۔

منشیات کا بے جا استعمال نظام عصبی کے اندر اکساہٹ اور تحریک پیدا کرتا ہے اور کچھ مدت کے بعد نظام عصبی کو کمزور اور ڈھیلا کردیتا ہے اس لیے اولاد کی خواہشمند عورتوں کو شراب قہوہ، چائے اور دیگر ہر قسم کی تحریک پیدا کرنے والی منشیات کا استعمال ترک کردینا چاہیے۔

لیوکوریا:۔

لیوکوریا یا سیلان الرحم ایک دوسری اہم خرابی ہے سیلان الرحم تیز سوزش پیدا کرنے والی قسم کا ہو یا مقدار میں اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ بیضہ کے رحم میں پہنچتے ہی لیوکوریا کے ساتھ بہہ جاتے ہیں۔

درد والے حیض: درد والے حیض بھی حمل قرار پانے میں بہت مخل ہوتے ہیں حمل قرار پانے کے بعد جب حیض کا وقت آتا ہے تو عادتاً حیض کے درد شروع ہوجاتے ہیں ان دردوں کے ساتھ چونکہ سکڑن ہوتی ہے اسی واسطے رحم کی سکڑن اور تشنجی کیفیت سے نطفہ نکل جاتا ہے۔

جسمانی محنت: مریضہ کی اپنی طبعی کیفیتیں بھی حمل میں خلل انداز ہونے کے لیے کم نہیں حادیا پرانی بیماری سے پیدا شدہ کمزوری، اپنے آپ کو دماغی کام میں حد سے زیادہ لگائے رکھنا یکدم غم یا خوشی کے صدمے حد

سے زیادہ محنت جسمانی ایسی کیفیتیں ہیں جن سے نظام عصبی پر بہت زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے اعصاب میں کمزوری آجاتی ہے اور اس کمزوری کی وجہ سے آلات تناسل کے افعال اقائدہ نہیں دیتے اس لیے اول تو حمل قرار ہی نہیں پاتا اور پاتا بھی ہے تو ساقط ہوجاتا ہے۔

موٹاپے کی زیادتی: چربی کی زیادتی کا نتیجہ بھی بانجھ پن کا موجب بن جاتی ہے اس سلسلے میں مریضہ کے مزاج پر سردی وبلغمیت حاوی ہوجاتی ہے جس کے سبب جگر ومعدہ کے افعال میں نقص واقع ہوجاتا ہے۔ ہضم ضعیف ہوجاتا ہے بھوک کم لگتی ہے زیادہ فربہی کے نتیجے میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رحم اور اس کے منہ پر چربی جمع ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے مادہ تولید اندر پہنچنے سے رہ جاتا ہے۔

امراض رحم: اعضائے تناسل کی عارضی خرابی خلقی و پیدائشی خرابی بھی بانجھ پن کا باعث ہوتی ہیں۔ خصیۃ الرحم کا نہ ہونا سرطان رحم، رحم میں گومڑ، کینسر اس کی مثالیں ہیں۔

آب و ہوا: بعض حالات میں آب و ہوا کی ناموافقت اور رنج وملال کی کثرت غم وغصہ کی عادت بھی اس قسم کی شکایت کا موجب بن جاتی ہے۔

عیش وآرام طلبی: آرام وسکون کی زندگی بسر کرنا معمولی سے معمولی کام کاج وحرکت سے گریز کرنا بعض اوقات جسم میں غیر معمولی فضلات بڑھانے کا موجب ہوتے ہیں جسم میں بادی وبلغمی اثرات جسم کو بوجھل اور اعضا کو کمزور بنادیتے ہیں چربی کی زیادتی سے غیر معمولی فربہی بڑھ جاتی ہے اور فضلات کے تحلیل نہ ہونے کے سبب اعضاء اپنے اپنے فرائض کو چستی سے انجام دینے کے قابل نہیں ہوتے۔

علاج: قدرتی بانجھ پن کا علاج ناممکن ہے لیکن جو عورتیں طبعی کیفیتوں میں یا آلات تناسل یا نظام عصبی کی تکلیفات میں مبتلا ہیں ان کا علاج موقع ومحل کے مطابق کرکے ان کی تکلیفات کو دفع کیا جاسکتا ہے اس سلسلے میں مفصلہ ذیل ادویہ کارآمد ہوتی ہیں۔

بیلا ڈونا، بورکس، کملکریا کارب کنابس سٹائیوالیلم تگ، مرکیورکس، نیزم کارب، فاسفورس، پلٹائیلا، امونیم کارب، کسٹیکم، کونیم، گوسی پیم، گریفائٹس، لائیکو پوڈیم، نیٹرم میور، پلاٹینا، سیپیا، سلفر، سلفورک اسیڈ، اگنس کاسٹس، کروکس، ڈلکامارا، پوڈو فائلم وغیرہ مددگار ادویات ہیں۔

بیاض دل

میمونہ رومان

ارم صابرہ...... تلہ گنگ
میرے دل میں تم، اور کوئی اور تمہارے دل میں
مسکان یہ محبتیں اتنی بے اصول کیوں ہیں؟

عائشہ حسن ہنی...... دریالی، مری
تو کانچ سی نازک ہے سنبھال کے رکھوں گا تجھے ہنی
یہ کہہ کر ہر بار کی طرح پھر مکر گیا وہ شخص

ثمرین مہتاب...... ڈگری، سندھ
وہ دے رہا ہے دلاسے تو عمر بھر کے مجھے
بچھڑ نہ جائے کہیں پھر اداس کر کے مجھے
کچھ اس لیے بھی میں اس سے بچھڑ گیا محسن
وہ دور، دور سے دیکھے ٹھہر ٹھہر کر مجھے

نادیہ شعیب...... کلر سیداں
کچھ میں بھی تھک گئی ہوں اسے ڈھونڈتے ہوئے
کچھ زندگی کے پاس بھی مہلت نہیں رہی
اس کی اک اک ادا سے جھلکنے لگا خلوص
جب مجھ کو اعتبار کی عادت نہیں رہی

عشرت جہاں...... کراچی
اے گزرے برس بتا تجھے بھولوں کیسے؟
تیرے لمحوں نے میرے برسوں کی رفاقت چھینی

نرمین نعیم سرھیو...... حیدر آباد
آؤ جشن عید منائیں
سب کو ساتھ ملائیں
دوریاں دلوں سے مٹائیں
سب جشن عید منائیں

ریما نور...... رضوان
عید کی خوشیاں چاروں طرف خوشیوں کی برسات
پروردگار ہر دن ہمارا عید جیسا بنا دے

سمیرا تعبیر...... سرگودھا
کوئی گوشہ آنکھوں کے دریچوں میں نم سا ہوگا
دل کی گہرائی میں رہتا ہوا غم تھوڑا کم سا ہوگا
یاد آئیں جو کبھی تو ڈھونڈنا انہیں ویرانوں میں
ہم نہ مل پائیں گے شاید کوئی ہم سا ہوگا

محمد عثمان...... کراچی
رات باقی تھی ابھی جب سر بالیں آ کر
چاند نے مجھ سے کہا جاگ سحر آئی ہے
جاگ اس شب جو مئے خواب ترا حصہ تھی
جام کے لب سے تہ جام اتر آئی ہے

شاہین خان...... فیصل آباد
یاد آئیں گے زمانے کو مثالوں کے لیے
جیسے بوسیدہ کتابیں ہوں حوالوں کے لیے

فائقہ صدیقی...... دیول، مری
تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں

فائزہ...... خیر پور
آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے

ام سسٹر...... کوٹ مومن
ہمارے بغیر بھی آباد ہیں ان کی محفلیں وصی
اور ہم نادان سمجھتے تھے کہ محفل کی رونق ہم سے ہے

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن
جو دل میں بغض رکھ کر دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں
میں ایسے دوستوں کی بزم میں اکثر نہیں جاتا
زباں چاہے میری کاٹو یا ہاتھوں کو قلم کردو
مگر سچ ہی کہوں گا جب تلک میں مر نہیں جاتا

شازیہ اختر...... ثمن، نور پور
مسکراتے ہوئے چہروں کو غموں سے آزاد نہ سمجھو
ہزاروں غم چھپے ہوتے ہیں کسی کی ایک مسکراہٹ میں

حفصہ کنول...... ٹوبہ ٹیک سنگھ
بجھ گئی آس تو پھر کوئی اجالا نہ رہا
شام کے بعد کوئی لوٹنے والا نہ رہا

بس گیا جاکے کہیں دور وہ آوارہ مزاج
در کھلا رکھنے کا کوئی بھی حوالہ نہ رہا
ایمان بٹ......لودھراں
آج کی رات بھی قیامت کی طرح گزری
نجانے کیا بات تھی ہر بات پر تم یاد آئے
نینا خان......بھٹڑی ہری پور
دکھ اس بات کا نہیں کہ اسے مجھ سے محبت نہیں
روئے اس بات پر ہیں کہ اسے اس کی محبت مل جاتی
فضہ یونس......گنگاپور
سجدہ عشق ہو تو عبادات میں مزا آتا ہے
خالی سجدوں میں تو بس دنیا ہی بسا کرتی ہے
تیرے سجدے تجھے کہیں کافر نہ کردیں اے اقبال
تو جھکتا کہیں اور ہے اور سوچتا کہیں اور ہے
نمرہ نعیم......کراچی
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جانب میں
شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
ایس آر مسکان......جام پور
ٹوٹ رہی ہے سانسوں کی ڈور آہستہ آہستہ
وقت آخر ہے شاید تم ملنے چلے آؤ
ارم کمال......فیصل آباد
معترف ہے مگر اظہار سے گھبراتا ہے
کیا غضب ہے وہ میرے پیار سے گھبراتا ہے
حافظہ سمیرا......157 این بی
یہی دل تھا کہ ترستا تھا مراسم کے لیے
اب یہی ترک تعلق کے بہانے مانگے
فوزیہ سلیم......چیچہ وطنی
دل ڈوب سا جاتا ہے جب تم عید پر یاد نہیں کرتے
پورا سال نامکمل سا لگتا ہے جب تم عید پر نہیں آتے
ام عمارہ......چیچہ وطنی
کانچ کنواری عمروں کو جب مٹی میں رل جانا ہے
پھر کیوں یہ پل بھر کے میلے اچھے لگتے ہیں
شگفتہ نورین......کوٹ سلطان
اکثر میں فقیروں سے کرتی ہوں تجارت
جو ایک میں لاکھوں کی دعا دیتے ہیں
پلوشہ گل......کوٹ ادو
عید کے چاند کی مانند ہوا ہے اب تو
ہائے وہ شخص جو ہر روز ملا کرتا تھا
اقراء منیر احمد......ماچھیوال وہاڑی
اک پل بھی تیری یاد سے غافل نہیں رہا
میں مذہب وفا کا تہجد گزار ہوں
منیبہ نواز......صبور شریف
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازوں کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں
آمنہ غلام نبی......ہری پوری
یوں تو سورج کے بھی ہیں پجاری بہت لیکن
ڈوبتے وقت تو اسے بھی تنہا دیکھا
ہالہ سلیم......کراچی
بتادے کوئی ایسا جو میرے آنسوؤں کا بھرم رکھے یارب
مجھے تو ہر شخص نے رلانے کی قسم کھائی ہے
زہیر اختر......کراچی
ڈھلے جو شام تو بہانے تلاش کرتے ہیں
یہ اشک پھر تیرے شانے تلاش کرتے ہیں
زین الدین شانی......کراچی
تم نصیب کی بات رہنے دو
میں دعاؤں سے مانگ لوں گا تمہیں

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

استیم ہرا مصالحہ چکن

اجزاء:

چکن	ڈیڑھ کلو
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لیموں کا رس	1/4 کپ
ہرا دھنیا	ایک پیالی
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
پیاز تل کر سرخ کرلیں اور پیس لیں	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچیں	پانچ عدد
پودینے کے پتے	ایک پیالی
تیل	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:

چکن میں نمک اور لیموں کا رس ملا کر آدھا گھنٹہ کے لیے رکھ دیں۔ باقی تمام اجزا کو پیس کر باریک پیسٹ بنالیں' اس پیسٹ کو چکن پر لگا کر مزید آدھا گھنٹہ کے لیے رکھ دیں پھر بھاپ پر پکائیں جب پانی خشک ہوجائے اور چکن پک جائے تو اتارلیں (چاہیں تو اوون میں بھی بیک کرسکتے ہیں)۔

صبا ایشل...... بھاگووال

مونگ کی دال کا حلوہ

اجزاء:

مونگ کی دال	ایک کلو
کھویا	ایک پاؤ
الائچی	پانچ دانے
پانی	ایک لیٹر
بناسپتی گھی	ڈیڑھ کلو
بادام پستہ	ایک چھٹانک
شکر	600 گرام
پیلا رنگ	ایک چٹکی

ترکیب:

مونگ کی دال کا چھلکا اتار کر جوسر مشین میں پیس لیں اب ایک کڑاہی میں بناسپتی گھی اور دال ڈال کر فل آنچ پر پکائیں اور برابر چمچ ہلاتی رہیں تاکہ دال کڑاہی میں چپک نہ جائے جب دال کا براؤن رنگ ہوجائے تو اس میں کھویا شامل کرکے نیچے اتارلیں۔ اب ایک کڑاہی میں پانی ہلکا پیلا رنگ اور الائچی کوٹ کر چولہے پر رکھ کر ابال لیں۔ اب اس پانی کو دال میں ملادیں اور درمیانی آنچ پر اتنا پکائیں کہ اس کا پانی خشک ہوجائے لیکن چمچ کو برابر ہلاتی رہیں۔ جب اس کا پانی خشک ہوجائے تو اس میں شکر اور بادام پستے شامل کرکے اچھی طرح ملادیں اور چولہے سے نیچے اتارلیں۔ مونگ کی دال کا حلوہ تیار ہے۔

طلعت نظامی..... کراچی

کریلے چنے کی دال

اجزاء:

کریلے	ڈیڑھ پاؤ
چنے کی دال	ڈیڑھ کلو (بیس منٹ بھیگی ہوئی)
لال مرچ کٹی ہوئی	دو کھانے کے چمچ
ثابت گرم مصالحہ	دو کھانے کے چمچ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا (کٹا ہوا)
املی کا پیسٹ	چار کھانے کے چمچ
ہری مرچ (چھوٹی)	آٹھ سے دس عدد
پیاز (درمیانی)	چار عدد
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
لہسن	چھ جوئے
کلونجی	دو کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
کوکنگ آئل	ڈیڑھ کپ

ترکیب:

سب سے پہلے کریلوں کو چھیل کر ہلکا سا نمک لگا کر پندرہ منٹ کے لیے چھلنی میں رکھ دیں' اس کے بعد اسے نچوڑ کر درمیان سے کٹ لگا کر الگ رکھ لیں۔ ایک پتیلی میں ایک کپ آئل ڈال کر گرم کریں اس میں کٹی ہوئی پیاز ڈال کر ہلکی پنکی کرلیں' اس میں لہسن کے جوئے' ادرک' ثابت گرم مصالحہ ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں اس کے بعد ثابت ہری مرچیں اس میں

ڈال دیں اب کٹی ہوئی لال مرچ' ہلدی' نمک اور تھوڑا سا پانی ڈال کر بھونیں۔ بھنی ہوئی دال میں دو کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر گلا لیں اور پانی خشک ہونے پر املی پیسٹ بھی شامل کر دیں۔ اس پکی ہوئی دال میں سے تھوڑی دال نکال کر کریلوں میں بھریں اور دھاگا لپیٹ کر بند کر دیں۔ ایک الگ پین میں آدھا کپ آئل ڈال کر ان کریلوں کو ہلکی آنچ میں تل لیں' جب یہ ذرا سے نرم اور سنہرے ہو جائیں تو انہیں نکال کر دال میں ڈال دیں اس کا بچا ہوا آئل بھی دال میں ڈال دیں۔ کلونجی اور ہرا دھنیا ڈال کر ہلکا سا پانی کا چھینٹا دے کر پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں' کریلے چنے کی دال تیار ہے۔

نزہت جبیں ضیاء......کراچی

کرسپی بیف زنگر

اجزاء:۔

گوشت کے پارچے	ڈیڑھ کلو (انڈر کٹ)
نمک	حسب ذائقہ
چلی سوس	ایک چائے کا چمچ
انڈے (پھینٹ لیں)	دو سے تین عدد
بریڈ کرمز	آدھا کپ
کارن فلیکس	آدھا کپ
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
تیل	تلنے کے لیے
لہسن ادرک کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچ
کارن فلور	دو سے تین کھانے کے چمچ
خشک چپس سادے	آدھا کپ
سفید مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
ووسٹر شائر سوس	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

دیگچی میں پارچے' لہسن ادرک کا پیسٹ اور نمک ڈال کر ابال لیں۔ ایک باؤل میں سویا سوس' ووسٹر شائر سوس' چائنیز نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کر لیں اور اس میں پارچے ڈال کر آدھا گھنٹے تک فریج میں رکھ دیں۔ ایک پلیٹ میں چپس' کارن فلیکس اور بریڈ کرمز ڈال کر بھاری چیز سے چورا کر لیں' ایک پیالے میں انڈے پھینٹ لیں اور سفید مرچ پاؤڈر اور کارن فلور ڈال کر آمیزہ بنا لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے میرینیٹ کیے ہوئے پارچے پہلے انڈے کے امیزے میں ڈپ کر کے بریڈ کرمز' کارن فلیکس اور چپس کے چورے میں کوٹ کر کے فرائی کر لیں۔ پارچے سنہرے فرائی ہونے پر کچن پیپر پر نکال لیں' ڈش میں نکال کر سلاد' فنگر چپس' کیچپ اور چلی سوس کے ساتھ سرو کریں۔

حنا مہر......کوٹ ادو

کھوسوئے

اجزاء:۔

گائے کی بوٹی / چکن	ایک کلو (چھوٹی چھوٹی کر لیں)
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
سفید زیرہ پاؤڈر	آدھا کھانے کا چمچ
نوڈلز	ایک پیکٹ
(ابال کر چھان لیں چکنائی لگا دیں)	
لہسن کے جوئے	چھلے ہوئے بیس عدد
(باریک کاٹ کر فرائی کریں پھر اخبار پر پھیلا دیں)	
سموسوں کی پٹیاں	دو درجن (باریک کاٹ کر ڈیپ فرائی کریں)
ہری مرچ	پندرہ سے بیس عدد (باریک کٹی ہوئی)
ہری پیاز	آٹھ عدد پتے (الگ الگ باریک کاٹ لیں)
پیاز	دو ڈلی درمیانی (آملیٹ کی پیاز کی طرح)
تیل	ایک پیالی
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
اجوائن	آدھا کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کڑی پتا	چند پتے
بیسن	ایک پیالی
کوکونٹ ملک پاؤڈر	حسب ضرورت
لیموں	چھ عدد چار چار ٹکڑے کر لیں

ترکیب:۔

چکن یا بیف' ادرک لہسن' نمک' سفید زیرہ' کالی مرچ' تیل سب ملا کر ہلکی آنچ پر چڑھا دیں' بھون کر اتار لیں۔ کوکونٹ ملک پاؤڈر میں دو سے تین گلاس پانی ملا کر بلینڈ میں دودھ سا بنا لیں پھر بیسن ملا کر کری پتا ڈال کر نمک ملا دیں اور ہلکی آنچ میں کڑھی جیسا پکائیں۔ جب سرو کرنا ہو تو کڑھی ایک بڑے پیالے میں

ساتھ لیں' بھنی ہوئی چکن الگ پیالے میں رکھ دیں اور سارے لوازمات الگ الگ رکھیں' ہرا دھنیا بھی کاٹ کر رکھ لیں۔ نوڈلز ایک پھیلے ڈش میں رکھیں' کھانے کا طریقہ بالکل حلیم جیسا ہوتا ہے پہلے چکن ڈالیں پھر تھوڑے تھوڑے لوازمات نوڈلز ڈال کر کڑھی ڈالیں' اوپر سے لیموں کا رس نچوڑ لیں۔

سدرہ شاہین...... پیر ووال

مچھلی کی وائٹ کڑھائی

اجزاء:

پاپلیٹ مچھلی	12 ٹکڑے
مسٹرڈ کے دانے	آٹھ عدد
ادرک	انچ کا ٹکڑا (لمبائی میں باریک کاٹ لیں)
ہری مرچیں	چھ عدد (لمبائی میں باریک کاٹ لیں)
کڑی پتا	چوبیس عدد
ٹماٹر	تین عدد درمیانی سائز کے
کھوپرے کا دودھ	3/4 کپ (پہلے مرحلے کے لیے)
کھوپرے کا دودھ	3/4 کپ (دوسرے مرحلے کے لیے)
کھوپرے کا دودھ	آدھا کپ (تیسرے مرحلے کے لیے)
پیاز	دو عدد (لچھوں کی شکل میں کاٹ لیں)
کھوپرے کا تیل	دو کھانے کے چمچ
لہسن	آٹھ جوئے (کٹا ہوا)
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

ایک پین میں تیل لے کر اس میں مسٹرڈ کے دانے ڈال کر ہلکی آنچ پر تھوڑی دیر پکائیں۔ جب دانے اچھلنے لگیں تو اس میں ادرک لہسن شامل کر کے ایک منٹ کے لیے مزید پکائیں' اس کے بعد اس میں ہری مرچیں اور پیاز ڈال کر سوتے کر لیں۔ اب اس میں ہلدی' مچھلی اور پہلی دفعہ والا یعنی 3/4 کپ کھوپرے کا دودھ ڈال کر ابلنے دیں۔ جب دودھ ابل جائے تو چولہے کی آنچ ہلکی کر کے اسے دو سے تین منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ نمک ڈال کر اچھی طرح اور آرام سے ہلائیں پھر اس میں کڑی پتے اور کھوپرے کے دودھ کا دوسرا حصہ 3/4 کپ دودھ شامل کر کے ڈھکنا بند کر کے ہلکی آنچ پر دو سے تین منٹ پکائیں۔ اب اسے ڈھکنے کے ساتھ آخری دفعہ والا یعنی آدھا کپ کھوپرے کا دودھ ڈال کر واپس ہلکی آنچ پر ابلنے رکھ دیں۔

آخر میں اس میں لیموں کا رس چھڑک کر تھوڑا سا مکس کریں اور گرما گرم ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

سنگاپوری چکن

اجزاء:

چکن	ایک کپ
انڈے کی سفیدی	ایک عدد
تیل	ڈیڑھ کپ
چلی گارلک سوس	دو چائے کے چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کے چمچ
لہسن پیسٹ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
چکن اسٹوک	ڈڑھ کپ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچ
سفید سرکہ	دو چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
مسٹرڈ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچ
بوائل نوڈلز	آدھا کپ

ترکیب:

چکن میں سفیدی' کارن فلور' چلی گارلک سوس ایک چائے کا چمچ' نمک' کالی مرچ ملا کر آدھا گھنٹہ رکھیں۔ آدھا کپ تیل گرم کریں چکن ڈال کر فرائی کریں اور نکال لیں ایک منٹ بعد اسٹوک ڈالیں' ساتھ چکن گارلک ایک چمچ' کارن فلور کو پانی میں حل کر کے ڈالیں۔ تلی چکن ڈال کر دو منٹ پکائیں' نوڈلز بوائل کر کے اس میں ڈال کر سرو کریں۔

ہالہ سلیم...... کراچی

گرین مسالا ران

اشیاء:

بکرے کی ران	ایک عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوئے	چار سے چھ عدد
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
پودینہ (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں	چار عدد
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دہی	ڈیڑھ کپ

کچا پپیتا پیسٹ	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ران کو اچھی طرح صاف کر کے گہرے کٹ لگا لیں' اب اس پر نمک اور پپیتا پیسٹ لگا کر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ گرائنڈر میں ادرک' لہسن' ہرا دھنیا' پودینہ' ہری مرچیں' زیرہ اور نمک ملا کر گرائنڈ کر کے ہرا مسالا تیار کر لیں۔ دہی میں پسا ہوا ہرا مسالا اور گرم مسالا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور یہ آمیزہ ہاتھوں کی مدد سے پوری ران پر اچھی طرح لگائیں اور دو گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ پتیلی میں چھ کھانے کے چمچے تیل گرم کر کے مسالا لگی ران اس میں ڈال کر بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں' اس کے بعد پلٹ دیں اور بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں' سرخ ہونے پر اور گوشت گل جانے کے بعد نکال لیں۔ گرین مسالا ران تیار ہے' سلاد اور ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

نادیہ احمد.....دبئی

اسٹفڈ مٹن لیگ روسٹ

اشیاء:۔

بکرے کی ران	ایک عدد
لہسن کے جوئے (کوٹ لیں)	آٹھ عدد
اوریگینو (خشک)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تھائم (خشک)	ایک چائے کا چمچہ
پیپریکا پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
آٹا	ایک چائے کا چمچہ
پانی عیلنگ کے لیے	چار سے چھ کپ
تیل	چار سے پانچ کھانے کے چمچے
مکھن	دو چائے کے چمچے
پیاز (چوپ کر لیں)	دو عدد
پستہ	100 گرام
کشمش	50 گرام
کاجو	50 گرام
خوبانی	50 گرام
شملہ مرچیں (بیج نکال کر چوپ کر لیں)	دو عدد
چاول (ابلے ہوئے)	دو کپ
بادام (بھون کر ہوائیاں کاٹ لیں)	ایک سو گرام
سویا سوس	چار کھانے کے چمچے

ترکیب:۔

فیلنگ تیار کرنے کے لیے ایک سوس پین میں تیل اور مکھن گرم کر کے اس میں پیاز کی آدھی مقدار' کاجو' خوبانی' پستہ کشمش' شملہ مرچیں اور بادام ڈال کر تلیں' چمچہ چلاتی رہیں' جب اچھی طرح براؤن ہو جائے تو آنچ سے اتار لیں۔ اب چاول اور سویا سوس ملا کر اچھی طرح مکس کریں' ران کے گوشت کو درمیان سے اس طرح چاک کریں کہ اس میں فیلنگ بھری جا سکے' اب اس پر نمک' اوریگینو اور لہسن خوب اچھی طرح لگا کر اس میں چاول والا آمیزہ بھر دیں اور احتیاط سے باندھ دیں۔ تھائم' پیپریکا' نمک اور آٹے کے مکس کر کے ران کے اوپر اچھی طرح ملیں' روسٹنگ پین میں پانی بھر کر اس پر ایک ریک رکھ کر اس پر ران رکھیں اور سائیڈ میں باقی بچی ہوئی پیاز رکھ کر 160c پر دو گھنٹے کے لیے روسٹ کریں۔ ران سے نکلنے والے رس کو اس پر لگاتی جائیں اس کے بعد فوائل میں ہلکا سا لپیٹ لیں اور مزید ایک گھنٹے کے لیے اوون میں رکھیں اور اگر ضرورت ہو تو پانی کا استعمال کریں۔ گرم اوون میں دس منٹ کے لیے رکھ دیں' مزے دار اسٹفڈ مٹن لیگ روسٹ تیار ہے' گرم گرم سرو کریں۔

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

آرائش حسن کی ضرورت واہمیت

بننا اور سنورنا ہر عورت کا فطری حق ہے۔ آپ تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیں عورت ہر روز اپنے حسن کی جلا کے لیے نت نئے طریقے آزماتی رہی ہے۔ بدلتے وقت کے ساتھ عورت کے لیے میک اپ کرنا اتنا ہی ضروری ہوگیا ہے جتنا کھانا پینا اگرچہ کوئی چہرہ بدصورت نہیں ہوتا لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم صحیح وقت پر صحیح طریقے سے معیاری میک اپ استعمال کریں اس سے حسن دوبالا ہوتا ہے اور آج کی ہر عورت خواہ وہ مغرب کی ہو یا مشرق کی حسین نظر آنا چاہتی ہے۔

آج کی دلہن شادی کی سب سے اہم شخصیت ہوتی ہے۔ پرانے زمانے میں ہفتوں دلہن کے ابٹن لگایا جاتا تھا تاکہ اس کا رنگ نکھر جائے۔ دلہن بن کر محفل میں اس سے زیادہ حسین کوئی نظر نہ آئے۔ اب ابٹن کم اور میک اپ زیادہ کیا جاتا ہے۔ وقت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اگر لڑکی کے چہرے پر کوئی نقص ہے تو اس کا پتا شادی میں شریک مہمانوں کو کیوں ہونے دیا جائے۔

ہم گھنٹوں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ سکتے ہیں تو ہفتے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ یا روزانہ دس پندرہ منٹ نکال کر اپنے آپ پر توجہ کیوں نہیں دے سکتے۔ چہرے کو خوب صورت بنانے کے لیے اگر عورت میک اپ کرتی ہے تو یہ اچھی بات ہے۔ صرف تقریبات میں جاتے وقت نہیں روزانہ بھی ہلکا پھلکا میک اپ کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔

حسین اور پرکشش دکھائی دینا عورت کی فطری خواہش ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش انسانی فطرت کا خاصا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چاہے عورت دیہاتی ہو یا شہری دل کش نظر آنے کی تمنا اس میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔ حسن جغرافیائی حالات، مذہب، رنگ، نسل، امارت وغربت اور مشرق ومغرب کی قید سے آزاد ہے۔ خوب صورتی کسی کی میراث نہیں۔ یہ صرف خدا کی دین ہے۔ اکثر گدڑی میں لعل اور مٹی میں موتی مل جاتے ہیں۔ مشرق اور مغرب میں حسن کا اپنا انداز ہے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن جب بات خوب صورتی کی ہو تو آنکھیں مشرقیت اور مغربیت کے امتیاز سے بالاتر ہو کر صرف حسن سے مسحور ہوتی ہیں۔ شخصیت کو خوب صورت اور دل کش بنانے میں چہرہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر چہرہ بدنما اور رنگت پھیکی ہو تو کسی کا بے حد اسمارٹ ہونا بھی متاثر نہیں کرسکتا۔ چہرے کی خوب صورتی، دل کشی اور ملائمت میں جہاں خدا کا عطا کردہ فطری حسن اہمیت کا حامل ہے وہاں عورت کی کوششوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ زمانہ قدیم سے عورت اپنے حسن کو دوچند کرنے کے لیے مختلف طریقے آزماتی رہی ہے۔ اس پر ایسا وقت بھی آیا تھا جب اس نے زمین سے مٹی اٹھا کر چہرہ پر ملی اور اسے یقین کامل ہوگیا کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خوب صورت نہیں۔ دنیا کے بعض خطوں میں آج بھی ایسی عورتیں موجود ہیں جو چہرے پر بھبھوت مل کر اپنی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہیں۔ افریقہ کی عورتیں اپنے چہرے کو حسین بنانے کے لیے رنگ استعمال کرتی ہیں۔ اپنے ہونٹ موٹے کرنے کے لیے ان میں سوراخ کرکے پتھر لٹکاتی ہیں۔ ہڈیوں اور سیپ کے زیور پہنتی ہیں۔

افریقہ کے ہی ایک قبیلے میں عورتیں گردن لمبی کرنے کے لیے لوہے کے کڑے استعمال کرتی ہیں۔ مصری عورتوں کا سنگار ملکہ قلوپطرہ کے زمانے سے مشہور ہے۔ مغلیہ دور کی خواتین بھی آرائش جمال کے لیے مختلف طریقے آزماتی تھیں، ان میں ملکہ نور جہاں کا نام سرفہرست ہے، جس نے عطر گلاب دریافت کیا تھا۔ وقت نے کروٹ بدلی تو میک اپ کے انداز بھی بدل گئے۔ مشرق میں سرمہ، مسی، مہندی، کاجل، دنداسہ، ہار پھول اور گہنے سنگار کا سامان سمجھے جانے لگے جب کہ مغرب میں مختلف رنگوں کے بالوں کے ساتھ تیز رنگوں کا میک اپ مقبول ہوا لیکن زمانے کی تیز رفتاری نے آرائش حسن کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب تو لگتا

ہے ہر گزرتا دن میک اپ میں جدت پیدا کررہا ہے۔ میک اپ کی شوقین خواتین وقت کی تبدیلی کے ساتھ نت نئی چیزیں چہرے پر استعمال کرکے حسن کو آزماتی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک میک اپ کا رواج ایشیا کی نسبت یورپ میں بہت زیادہ ہوگیا تھا لیکن اب ایشیا میں بھی میک اپ کا رواج زیادہ ہوگیا ہے۔

میک اپ کرنا عورت کا حق ہے لیکن بعض مرد عورت کے میک اپ کو وقت کا ضیاع اور فضول خرچی سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عورت کو ہرگز میک اپ نہیں کرنا چاہئے۔ پرکشش چہرے بھی میک اپ سے بدصورت ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے یا نہیں اس ضمن میں عورتوں کے کیا تاثرات ہیں اور میک اپ ان کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتا ہے یہ جاننے کے لئے میں نے زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی خواتین سے بھی بات چیت کی ہے۔ ان سے میرا سوال تھا کہ عورت میک اپ کیوں کرتی ہے؟

ایک گھریلو خاتون کا کہنا ہے کہ میک اپ کرنا عورت کا حق ہے۔ اس سے یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ دورِ قدیم میں بھی خواتین اپنے آپ کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے مختلف گھریلو نسخے اور چھلکے استعمال کرتی تھیں۔ آج بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی جلد کی حفاظت کریں۔ چہرے پر داغ دھبے ہیں تو انہیں ختم کرنے کے لیے "بیوٹی ٹپس" آزمائیں۔ کیل' مہاسوں کا علاج کریں۔ رنگت کالی ہے تو نکھارنے کے طریقے آزمائیں۔ کون خاتون نہ چاہے گی کہ وہ پرکشش نظر نہ آئے۔ خوب صورت خواتین بھی میک اپ کر کے مزید حسین بنتی ہیں۔ عورت میک اپ جہاں خوب صورت نظر آنے کے لیے کرتی ہے وہاں قبل از وقت بڑھاپے کو روکنے کی تدابیر بھی اختیار کرتی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ چہرے کے حسن وزیبائش پر حد سے زیادہ نہ سہی حد کے اندر رہ کر مناسب احتیاط اور توجہ ضرور دینی چاہئے۔

ایک دوسری خاتون جو تین بچوں کی ماں ہیں۔ عمر تقریباً ساٹھ سال ہے لیکن ہر ماہ فیشل کے علاوہ بال بھی رنگواتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عورت اپنے فطری جذبے کی تسکین کے لیے میک اپ کرتی ہے۔ سنگار اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ عورت کی کمزوری ہے۔ سر جھاڑ منہ پھاڑ عورتوں کو دیکھ کر لوگ کہتے ہیں کہ اپنے آپ سے ہی غافل ہیں۔ پہلے زمانے میں خواتین سات پردوں میں رہتی تھیں۔ بیوٹی پارلرز کا تصور بھی نہیں تھا پھر بھی وہ خواتین سولہ سنگار کرتی تھیں۔ شادی سے ہفتوں نہیں مہینوں پہلے دلہن کے چہرے' ہاتھ' پیروں پر ابٹن لگایا جاتا' کھلی (جڑی بوٹی) کو پیس کر دودھ میں ملایا' پھر اس سے منہ دھویا جاتا تھا۔ یہ میک اپ کی گھریلو قسمیں تھیں۔ اس سے رنگ نکھرتا تھا۔ اگرچہ آج بھی میک اپ میں جڑی بوٹیوں کو اہمیت حاصل ہے' لیکن بازار میں دستیاب قسم قسم کے میک اپ اور بیوٹی پارلرز نے خواتین کیلئے آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ البتہ جڑی بوٹیوں سے ماسک وغیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ غرض میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میک اپ ہر دور میں کیا جاتا تھا۔ آج بھی کیا جاتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوگا۔ خواہ مہنگائی جینا دوبھر کردے لیکن خواتین میک اپ کرنا ترک نہیں کریں گی۔ میک اپ تو دراصل سونے پر سہاگہ ہوتا ہے۔ اس سے فطری حسن مزید نکھرتا ہے۔ اس لیے خواتین کے لیے میک اپ کرنا ضروری ہے۔ اگر میں اپنے آپ سے غافل ہو جاتی' یہ سوچتی کہ میرے شادی شدہ بچے ہیں۔ مجھے کون دیکھے گا تو آج میں پژمردہ اور بوڑھی عورت نظر آتی لیکن میں نے ہمیشہ اپنا خیال رکھا۔ بنی سنوری رہتی ہوں۔ گھر سے باہر جاتے وقت ہلکا میک اپ ضرور کرتی ہوں۔ یہ نہیں سوچتی کہ میری عمر ساٹھ سال ہے۔

(جاری ہے)

نیرنگ خیال

ایمان وقار

بی بی فاطمۃ الزہرہ

شبیر و شبیر دی امی ہے زہرہ
نبی دے گھر وچ جمی ہے زہرہ

کون زہرہ......؟

حیا کے ماتھے کا تاج زہرہ
وفا پرستی کی لاج زہرہ
مقام خون حسینؓ یہ ہے......
کرے گی جنت پر راج زہرہ
مقام تیرے نوں کون سمجھے؟
فرشتے ہیں تیرے کمی زہرہ
خدا توں سجدہ کرن دی خاطر
رات منگدی اے کمی زہرہ
تیرے فاقے تے بھکھ دا صدقہ میں کھائی
دوپہر شامی تے دی (صبح) زہرہ
میری عرضی وی قبول کرنا
میں ہاں تیری کمی زہرہ

مدیحہ گل...... فیصل آباد

غزل

دل کی بربادی کا قصہ مختصر کہنا اسے
اک دیوانی پھرے ہے در بدر کہنا اسے
اے حیا پہلے تو مل کر پوچھنا اس کا مزاج
پھر جو گزری ہے ہماری جان پر کہنا اسے
پوچھتی ہیں جب کبھی تنہائیاں اس کا پتا
سوچتے رہ جاتے ہیں دیوار و در کہنا اسے
یوں فری کچھ لوگ کہہ جاتے ہیں اپنے دل کی بات
اشک سے کرتی ہوں دامن تر بتر کہنا اسے

فریدہ فری...... لاہور

غزل

وہ اجنبی اجنبی سے چہرے
وہ خاک رستے رواں دواں
ہوئے ہیں ایسے بھی منظر
ابھی نظر میں دھواں دھواں
کہ اشک داغ، شکست پامال
رنگ زخم، خلوص یاراں
میں غم گساروں میں یہ سوچتا ہوں
کہ بات چھیڑوں کہاں کہاں
یہ سنگ ریز عداوتوں کے
وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کرے
جو کچھ ملا ہے جہاں جہاں
میری محبتوں کہ واہموں سے پرے تھا
تیرا وجود ورنہ
جہاں جہاں تیرا عکس ٹھہرا
میں ہو کر آیا وہاں وہاں
محبتوں کا اسم اعظم
لبوں پر رہنے دے جان محسن
ابھی ہے چاہت نئی نئی سی
ابھی ہیں جذبے جواں جواں

سائرہ، ثمینہ ملک، عائشہ رانا...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

غزل

یوں دعاؤں میں آرزو کرنا
مجھ کو پانے کی جستجو کرنا
ناز تم پر کریں گے یہ تارے
چاند کو اپنے رو برو کرنا
تیرا پر تو دکھائی دے مجھے
یوں نہ لوگوں سے گفتگو کرنا
چاند شرمائے دیکھ کے جس کو
روشنی ایسی چار سو کرنا
حسن کی جب پڑھنا نماز العصر
عشق پانی سے تم وضو کرنا

نعیم الہاشمی...... جھنگ صدر

صبح کی پرنور کرنیں
سہ پہر کا تپتا سورج
شام کی ڈھلتی کرنیں

رات کا لبادہ اوڑھے
مجھ سے محوِ گفتگو
تاروں کے اس پار
چاند کی شفاف دودھیا روشنی میں
بس اک بات پر نالاں ہیں
تم کیوں نہیں آتی ہمارے پاس
اب میں انہیں کیا بتاؤں
دنیا میں تھوڑا اور سہنا ہے
اس درد کو اس تکلیف کو جو مجھے مرنے نہیں دیتی
تم سب سے ملنے نہیں دیتی

عائشہ مسکان...... رحیم یار خان

داک تھی بیٹی

چند برس پہلے جب روشنی میری آنکھوں میں جھلکتی تھی
نہ کوئی غم تھا نہ ہی مجھے کوئی درد تھا
جب ماں میری زندہ تھی...... ماں
میں آج تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں
اپنی دل کی کہانی کو زبان پر لانا چاہتی ہوں
مجھے تم سے شکایت ہے ماں
یہ کیسی عجیب حکایت ہے ماں
مر کے تو ہو گئی ایسے جیسے ہو کوئی پرائی
مجھے نا آئے سکون میں تو ہوں تیری جائی
ذرا بتا ناں مجھے تو جو مجھے سینے سے چمٹائے رکھتی تھی
تو جسے تو ہر وقت اپنی اکلوتی بیٹی کی تکلیف ستائے رکھتی تھی
اب کتنے ہی برسوں سے تو میرے بغیر سوتی ہے
رات کو جب آنکھ کھلتی ہے تو تُو کہاں ہوتی ہے
تُو اب میری ننھی آنکھوں سے
نکلی ہوئی بوندوں کو صاف کیوں نہیں کرتی
آخر تُو میرے اتنے تڑپنے سسکنے کے بعد بھی آیا کیوں نہیں کرتی
اب تُو نا آئی تو میں بھی روٹھ جاؤں گی
تجھ سے
اور پھر زندگی بھر کبھی نہ بولوں گی
تجھ سے
روتے روتے آنکھ میری لگ گئی
خواب میں میری ماں آ گئی
وہ التجائیہ لہجے میں مجھ سے کہنے لگی
میری بیٹی ناں تُو ایسے کیا کر
میں تو مر کے بھی اٹھ کے تمہیں دلاسہ دینا چاہتی تھی
تیرے ننھے وجود کو اپنے ساتھ لگانا چاہتی تھی
لوگوں کے سامنے تو میں اک مردہ وجود تھی
جسے چیخ و پکار آتی نہیں تھی
میں جلدی میں ہوں بات میری غور سے سن
اب نہ یاد کر کے رونا میری پیاری بیٹی سن
پہلی رات قبر میں تھی
ڈھونڈ رہی تھی مردہ وجود سے تجھے
بیتے رتیا مجھے نیندیا آئے نہ
تیرے بغیر مجھے نیندیا آئے نہ
آنکھ میری جب کھلی
خواب دے کے خواب آہ و زاری کی
میں نے رو رو کے پھر اپنی ماں سے کہا
اتنی جلدی چل دی ناں میرے خواب سے
میں روٹھ گئی ہوں تجھ سے ہمیشہ کے لیے
میں بس یہ کہنا چاہتی ہوں
ماں
میں ناراض ہوں تم سے......
میں ناراض ہوں تم سے......

انیلا طالب......

غزل

ماضی کی یادوں کو بھلا آئی ہوں
میں بادلوں کی طرح ہواؤں کو پیچھے چھوڑ آئی ہوں
جو محل بناتی رہی زندگی بھر
اس محل کی ہر دیوار کو گرا آئی ہوں
اس کی یادوں کے ساتھ ساتھ اے ماروی
اپنی ہر یاد اس کے دل سے مٹا آئی ہوں
جو دیا تھا اس نے اک تاج محل
اس تاج محل کو چکنا چُور کر آئی ہوں
اے دوستوں کیا بتاؤں آپ کو پیار میں
کہاں کی واسی تھی اور کہاں آ گئی ہوں

ماروی یاسمین......440ج

رونا میری تقدیر میں ہے کیا؟
ہنسنے کے عادی تو پہلے بھی نہ تھے ہم
تجھے پانے سے پہلے بھی خاموش ہی رہتے تھے
کوئی کتنا بھی ہنساتا پر ہم خاموش ہی رہتے
پھر اچانک......
تقدیر نے مجھے تم سے ملایا
اور میں نے سوچا میں مکمل ہوگئی
مگر پھر......کیا ہوا
میں نے جو خواب دیکھے تھے
جو آرزوئیں کی تھی
کہ میں روٹھوں تو وہ مجھے منائے گا
میں رو پڑوں تو وہ مجھے ہنسائے گا
وہ مجھے ادھورا نہیں چھوڑے گا
مگر کیا......
یہ سب جھوٹ تھا
میرے سب خواب سب آرزوئیں ادھوری رہ گئیں
کیا میری تقدیر میں رونا ہی ہے
کوئی میری وحشتوں کو کم کردو
کوئی اپنی شام مجھے ادھار دو
کوئی میری تنہائی اتار دو
کیا یہ سب وہ کرسکے گا
کیا میں کسی سے اشک نہیں چھپا سکوں گی اپنے؟
کیا اب وہ میرا بن پائے گا؟
پھر کیوں......
میرا دل اسے پانے کے لیے
اس کے ساتھ کے لیے دعا گو رہتا ہے؟
ہر وقت دعا گو رہتا ہے......
ہر وقت روتا ہے

وفا آرزو......مانسہرہ

غزل

کاش ہم بھی محبت میں سکندر ہوتے
تیری نظروں میں ہر شخص سے برتر ہوتے
کوئی بچہ جیسے بضد ہو کھلونے کے لیے
کچھ اس طرح تیری خواہش کے افق پر ہوتے
بزم آدم میں تیری باتوں کا مرکز ہوتے
اور اکیلے میں تیری سوچ کا محور ہوتے
جانے کیا کیا بس یونہی سوچتی رہتی ہے انعم
کاش تیرے دل کی سلطنت پر مقرر ہوتے

انعم نصیر......ملتان

غزل

یہ دل تو تیرے نام پہ قربان کردیا
ہم نے تو اپنی جان کو بھی بے جان کردیا
رکھتے نہیں ہو شوق تم دیدار کا میرے
آنکھوں کو اپنی مجھ سے ہی انجان کردیا
ہم تو سمجھے تھے کہ نبھاؤ گے ساتھ تم
تنہا مجھے چھوڑ کر تم نے پریشان کردیا
کچھ سال سہی تم میرے دل میں تو رہتے
نیلام کرکے مجھ کو بھی لامکاں کردیا
کرنی تھی بے وفائی تو چپکے سے کی ہوتی
تم نے تو بے وفائی کا اعلان کردیا

پونا شہزاد......عبدالحکیم

غزل

کوئی اپنا بہت پیارا بچھڑ جائے تو کیسا ہو
بہت ڈھونڈو مگر پھر نہ نظر آئے تو کیسا ہو
قفل ڈالو در دل پر کئی پہرے بٹھا بھی لو
مگر پھر بھی کوئی دل میں اتر جائے تو کیسا ہو
کئی صدیاں گزاری ہوں جب اپنوں کی محفل میں
اور کترا کے وہ اپنے گزر جائیں تو کیسا ہو
چلو مانا کہ ماضی کے سبھی لمحے بھلا دو گے
مگر یادوں کے جب شعلے بھڑک جائیں تو کیسا ہو
ابھی تو تم ہنستے ہو ہر اک ٹوٹے ہوئے دل پر
کوئی شیشہ تیرے دل پر بکھر جائے تو کیسا ہو
بہت ہی مان سے کہتے ہیں جو مسکان جانے دو
اگر طوفاں کوئی ان پر اتر جائے تو کیسا ہو

نورین مسکان سرور......سیالکوٹ، ڈسکہ

غزل

پلکوں سے میری خواب جدا ہونے لگے
اک ساتھ جینے کے وعدے سزا ہونے لگے

تلخ لہجے میں بھی آتی تھی محبت نظر جسے
ہر بات پر میری اب وہ خفا ہونے لگے
ساقی سے کہو کچھ ایسا پلا دے مجھ کو
سر سے پاؤں تک میرے نشہ ہونے لگے
کہتا تھا ملتی نہیں محبت میں مثل تیری
اب نظروں میں اس کی بے وفا ہونے لگے
تقدیر الفت بھی کیا خوب رنگ بدلتی ہے
دل و جان سے وہ رقیبوں پر فدا ہونے لگے
مانگتے تھے جو اوروں کے لیے گڑگڑا کے دعائیں
آج وہ طالب دعا ہونے لگے
کر کے تنہا مجھے اس جہاں میں صائم
افسوس! وہ خود بھی تنہا ہونے لگے

ظہور احمد صائم...... مانگا منڈی لاہور

غزل

میرے دل کے آنگن میں ابھی کچھ شام باقی ہے
میرے ہونٹوں کی جنبش میں تمہارا نام باقی ہے
تجھی کو سوچتے رہنا ہے عادت بن گئی میری
نہ سوچوں تو یوں لگتا ہے ابھی کچھ کام باقی ہے
شہابی رنگ میں ڈوبا شرابی آنکھ کا جادو
تیری یادوں میں پینے کو ابھی کچھ جام باقی ہے
محبت کے لڑکپن میں یہی تو بھول بیٹھے ہم
کہ اس اندھی محبت کا کہیں انجام باقی ہے
اپنے غربت کدے کو ان کی آمد پر سجایا ہے
مگر دل کی صدا یہ ہے کہ ابھی کچھ اہتمام باقی ہے
محبت تھی مجھے اس سے یہی اک جرم تھا میرا
تو پھر بھی کیوں میرا ہونا ابھی بدنام باقی ہے؟
وہ جیسے تھے کبھی پہلے کنول نہیں ایسے رہے اب وہ
مگر دل میں میرے ان کا ابھی احترام باقی ہے
میرے دل کے آنگن میں ابھی کچھ شام باقی ہے
میرے ہونٹوں کی جنبش میں تمہارا نام باقی ہے

بشریٰ کنول...... سیالکوٹ ڈسکہ

نظم

میری
حسرت ہی رہی
کہ......
وہ کوئی جگنو کوئی ستارہ
کوئی دیپک کوئی تارا
میرے نام تو کرتا
میری اندھیر زندگی میں کوئی اجالا تو کرتا
میرے دل کی بنجر زمین پر کوئی پھول تو کھلتا
میرے اندر کی تنہائی میں
کوئی دنیا آباد تو کرتا
کہ چپکے سے کہہ دیتا
کہ نہ جاؤ تم
بن تیرے رہ نہیں سکتے ہم
خواہ جھوٹا ہی سہی مگر اقرار تو کرتا
کوئی جگنو کوئی ستارا
کوئی دیپک کوئی تارا
میرے نام تو کرتا
میں ساری عمر اسی نام پر گزار لیتی
فقط اک اپنا نام میرے نام تو کرتا

بجیرا نیلم...... گجرات

نظم

کتابیں بے چاری ہوتی ہیں
خاموش رہتی ہیں
پر دکھ سہتی ہیں
ردی میں رلتی ہیں
پر آدمی کو انساں بناتی ہیں
انسان کی بھوک مٹاتی ہیں
پر خود آگ کی تپش سہتی ہیں
کتابیں دکھ سہتی ہیں
ناراض نہیں ہوتی ہیں
شکایت بھی نہیں کرتی ہیں
انسان کی دوست ہوتی ہیں
کتابیں بے چاری ہوتی ہیں
پر وہ عظیم ہوتی ہیں
کتابیں بے مول ہوتی ہیں
لفظوں کا سفر کرواتی ہیں

دنیا جہان کی سیر کرواتی ہیں
پر پھر بھی کتابیں بے حرکت ہوتی ہیں
پر جس کے ساتھ جڑ جاتی ہیں اسے متحرک بناتی ہیں
بڑا عہدہ دلاتی ہیں
کتابیں بے چاری ہوتی ہیں
کتابیں دکھ سہتی ہیں
پر چپ چاپ وفا کرتی ہیں

ثمن عروج......

نظم

مت کرید و میرے ماضی کو
کیا ملے گا تمہیں
ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں
بکھرے ارمانوں کی راکھ
گزرے لمحوں کی باتیں
دل دکھانے والی یادیں
کہا تھا ناں
مت کرید و کیا ملے گا تمہیں

زنیرہ طاہر...... بہاولنگر

غزل

محبت کی حسیں راہیں بدلتے میں نے اکثر دیکھا ہے
جو ساتھی ساتھ چلتے تھے بچھڑتے میں نے دیکھا ہے
جو کہتے تھے کہ اک پل بن تمہارے رہ نہ پائیں گے
ہوا اب جو سامنا تو چپ چاپ گزرتے میں نے دیکھا ہے
سجائی تھی بڑے ہی شوق سے سپنوں کی بستی کو
بہت چھوٹی سی باتوں پر اجڑتے میں نے دیکھا ہے
جو کہتے تھے تیرا رشتہ زمانے بھر سے افضل ہے
انہی رشتوں کو پل بھر میں بکھرتے میں نے دیکھا ہے

تہمینہ کوثر...... للیانی

تم نے بھی تو اس چاہت کا درد سہا ہے
تم نے بھی تو اس چاہت کا درد سہا ہے
میری قربت بھی ادھوری ہے
میری فرقت بھی ادھوری ہے
محبت نام کی یہ تہمت قبول ہے مجھ کو
یہ بھی مانتی ہوں کہ غم ہجر تازہ ہے
جب زمانے کی یہ بے سمت ہوائیں
میرے خیالوں کو اک نئی جلا دیتی ہیں تو سوچا کرتی ہوں
غم ہجر کے تشنہ لب انتظار کی شدت کو بڑھا دیتے ہیں تو
سوچا کرتی ہوں
جب بھی امید بھی لڑکھڑا جائے تو سوچا کرتی ہوں
تم نے بھی تو اس چاہت کا درد سہا ہے

زینب سجل......

قاتل

وہ اک لڑکی
وہ معصوم سی لڑکی
نادان سی بھولی بھالی سی
جو پیار سے تم سے لڑتی تھی
جو پیار سے ضد بھی کرتی تھی
جو پیار سے تمہیں ستاتی تھی
اور بعد میں خود پچھتاتی تھی
چھپ چھپ کر رویا کرتی تھی
کیونکہ......
اسی پاگل لڑکی کے اندر بھی اک لڑکی تھی
پھر اس نے اپنے اندر والی لڑکی کو
خود اپنے ہاتھوں مار دیا
وہ لڑکی کتنی پاگل تھی
وہ خود ہی اپنی قاتل تھی
وہ خود ہی اپنی قاتل تھی

غزالہ جلیل راؤ...... اوکاڑہ

غزل

حسرت ہے نا تمام گلہ بھی کروں تو کیا
اب دل کی آرزو کو سزا بھی کروں تو کیا
برسوں کی چاہتوں کو بھلانا ہے جاگ کر
بچھڑے ہوئے ملیں یہ دعا بھی کروں تو کیا
جو کرچیوں میں کر گئے تقسیم ذات کو
اس بے وفا کا قرض ادا بھی کروں تو کیا
آنکھیں تو بے قرار ہیں چاہت کی دید میں
ہو دل بھی منتظر تو سدا بھی کروں تو کیا
نازش ذرا تو دیکھ لے ان کی ستم گری

زخموں کے واسطے میں دوا بھی کروں تو کیا

نبیلہ نازش راؤ......اوکاڑہ

غزل

میری ذات پر مقدر کے ستم کافی ہیں
سفینہ حیات پر ساگر کے ستم کافی ہیں
تم مجھے اندر سے ٹوٹتا دیکھنے کی ضد نہ کرو
میرے ہم دم مجھ پر باہر کے ستم کافی ہیں
میں گلہ کس سے کروں نارسائی کا کہ بے گناہی کا
میری ذات پر تو چارہ گر کے ستم کافی ہیں
اس شام کو تو روکو یہ بھی جلانے لگی ہے
اسے بتاؤ کہ سحر کے ہی ستم کافی ہیں
جو اسیر رہ گرد ہو اسے منزلوں کا کیا پتا
مسافر پر تو رہ گزر کے ستم کافی ہیں
تم نے اک اور بار گراں ڈال دیا آنکھوں پر
مجھ پر تو ابھی خواب نگر کے ستم کافی ہیں
طوفانوں کو رستہ نہ دکھاؤ خدارا اے ناخدا
میرے سمندر پر تو اس بھنور کے ستم کافی ہیں
آشیانہ دل اجڑنے کا گلہ کس سے کروں
بس اتنا معلوم ہے کہ شجر کے ستم کافی ہیں

زونیشا ملک......کلر کہار

نظم

بھلانا بھی اگر چاہیں
بھلا پھر بھی نہیں سکتے
وہ بیتے اداس لمحے
مُرش یادیں، تلخ رویے
کہ دل پر نقش ہے وہ وقت
بھلانا بھی اگر چاہیں بھلا پھر بھی نہیں سکتے
مگر اتنی گزارش ہے انہیں کہنا
وقت اور حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے
بھلانا بھی اگر چاہیں بھلا پھر بھی نہیں سکتے

فوزیہ سلطانہ......تونسہ شریف

نظم

کبھی یوں بھی ہو میرے ہم نفس
میرے روبرو تو یہ کہہ سکے
میری چاہتوں کو بیاں کرے
تیرے در پہ جو لٹا دیا
میں نے سب کچھ ہی گنوا دیا
کبھی اس کو بھی عیاں کرے
کبھی یوں بھی ہو میرے رہبرا
جن راہوں پہ ہیں میرے نقش پاء
میری چاہتوں کے نگر جہاں
تو تلاش مجھ کو وہاں کرے
میرے خواب چاہے دیکھنا
میرے ساتھ کی تجھے چاہ ہو
تو پھرا کرے یوں ہی دربدر
میں ملوں نہ تجھ کو خدا کرے
تیری لوح دل کی تختیاں
میرے نام سے اٹی رہیں
تو پھیرے ان پہ انگشت جب
تری پور پور آہ کرے
میرے عشق میں تو سلگ پڑے
پھر ہجر کا یوں دھواں اٹھے
میرا وجود ڈھل کے اشک میں
تیری چشم تر میں رہا کرے
کبھی شکوہ لمحہ زیست ہو
اک سانس بھی تجھ پہ بار ہو
کبھی مرگ کے کرے سو جتن
کبھی پھر جنم کی دعا کرے

شاعرہ، طیبہ مغل

biazdill@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

اپنوں کے نام

ڈیئر آنچل' رائٹرز' قارئین کرام' پیاری دوست فائزہ حبیب' سسٹر انیلہ طالب' پروین افضل' آنٹی کوثر خالد میرے جیون ساتھی چوہدری فرحان' امی ابو' ریحان بھائی' باجی ممتاز' باجی مسرت' گوشی اشفاق بھائی' سردار بھائی' افتخار بھائی' بے بی بھابی' جاوید بھائی' عماد' ثناء' آمنہ عبداللہ' طلحہ' عثمان' فیضان' فرخ بھائی' زوبیہ بھابی' کاشف بھائی' تنزیلہ بھابی' عروج' عمران بھائی' ایمان فاطمہ اور ضحیٰ فاطمہ آپ سب کو عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں' میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آنے والی عید آپ سب کے لیے خوشیوں کا پیغام لائے' آمین۔

ملیں نہ دکھ زندگی میں
پھول کی طرح مہکو خدا کرے

دعا گو دعاؤں کی طالب۔

حنا کنول' فرحان...... حویلی لکھا

کچھ اپنوں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں میڈم! یقیناً ٹھیک ٹھاک خوش باش ہوں گی کیوں ٹھیک کہا ناں؟ جیسا کہ ڈیئر عائشہ کنول آپ کی 26 اگست کو سالگرہ تھی تو سوچا نئے طریقے سے وش کروں' اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے' آپ کی ہر خواہش پوری کرے۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ کی ہر پریشانی دور کرے گزشتہ سال کی ہر پریشانی دکھ کا غم آپ کے دل سے نکال دے' ہر آنے والا سال آپ کے لیے خوشیوں کی نوید لے کر آئے اور ہاں یاد آیا لا حاصل کو بھی حاصل بنا دے ہاہاہا۔ سمجھ تو گئی ہوگی ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر سونیا آپی آپ تو بھول ہی گئی ہیں کہیں ٹریٹ نہ دینی پڑ جائے بھئی آپ کو جاب ملی ہے کوئی چھوٹی موٹی نہیں گورنمنٹ جاب ملی ہے پارٹی تو بنتی ہے نہ اور گھر بھی مکمل ہو گیا۔ کنجوسی نہ کریں آرام سے ٹریٹ دیں اور مبارک باد وصول کریں' آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بہت بہت مبارک ہو۔ رباب ربیعہ آنٹی کو میرا سلام اور ہاں ٹریٹ یاد رکھیے گا بہت جلد لینے آؤں چھوڑنے والی نہیں۔

انا مریم...... شادیوال' گجرات

تمام پیاروں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ ماں ایک ایسی ہستی ہے جس کے علاوہ اس دنیا میں کوئی ثانی نہیں۔ عفت سحر شازیہ مصطفیٰ' حمیرا نوشین' پروین افضل شاہین' ملالہ اسلم' آپ سب کی ماؤں کا سن کر بہت دکھ ہوا اللہ پاک آپ سب کو صبر کی توفیق دے' آمین اور ان تمام ماؤں کو اللہ پاک جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' آمین۔ سمیرا آپی اللہ پاک آپ کو صحت عطا فرمائے' میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جلدی سے ٹھیک کر دے' آپ ہستی مسکراتی رہیں' آمین۔ نازی آپی اللہ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ دے' اللہ تعالیٰ ان کو لمبی زندگی دے' آمین۔ پروین افضل صاحبہ ہمارے شہر کوٹ ادو میں مولانا محمد شفیع صاحب رہتے ہیں جن ولادنہ ہو دونوں میاں بیوی نارمل ہوں تمام ٹیسٹ وغیرہ بالکل ٹھیک ہوں تو مولانا شفیع صاحب حدیث و سنت کے مطابق ان کا علاج کرتے ہیں اور وہ کامیاب علاج ہے مولانا صاحب ہمارے جاننے والے ہیں آپی اگر آپ ہمارے شہر کوٹ ادو میں آنا چاہیے تو موسٹ ویلکم یہ ایک کامیاب علاج ہے پیاری شزا بلوچ آپ کی تعریف اچھی لگی' شکریہ۔

منزہ عطا...... کوٹ ادو

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل پڑھنے والی بہنوں کیا حال ہیں آپ کے یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ سمیرا شریف طور آپی آپ کی علالت پڑھ کر واقعی میں دکھ ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو لمبی زندگی اور تندرستی عطا کرے' آمین۔ پروین افضل شاہین آپی آپ کی والدہ کا بہت افسوس ہوا ہے اللہ

سے دعا ہے کہ اللہ ان کو جنت میں جگہ دے آپ کے اہل خانہ کو صبر عطا کرے۔ حمیرا نوشین منڈی بہاؤ الدین' فاخرہ گل اٹلی آپ کی والدہ کے بارے میں پڑھا بہت دکھ ہوا میرے آنسو کچھ لکھنے ہی نہیں دیتے ماں لفظ ہی ایسا ہے خدا سے دعا ہے کہ خدا ان کو جنت میں جگہ دے اور خدا آپ کو صبر دے' آمین۔

گئے ہو مجھ کو چھوڑ کر ایسی راہوں پر
کہ جن پر ٹھیک سے مجھے چلنا نہیں آتا

تمنا بلوچ آپ کی بیٹی کا پڑھ کر بہت روئی میں میرا بھتیجا بھی دس دن بعد فوت ہوگیا تھا اس لیے میں آپ کے غم کا اندازہ کرسکتی ہوں خدا آپ کو صبر عطا کرے اور اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر نعم البدل عطا کرے' آمین۔ حور خان چکوال دوستی قبول اینڈ سرگودھا والیوں کہاں گم ہوگئی؟

ماروی یاسمین...... سرگودھا

حور خان اور حمیرا رشید کے نام

السلام علیکم! پیاری سی آنچل کی تمام بہنوں کو سلام۔ حور خان اور حمیرا رشید کو میری طرف سے پُرخلوص سا سلام۔ قبول بھی خلوص کے ساتھ کیجیے گا' حور خان آپ کا پیغام پڑھا میرے دل نے کہا کہ دوستی کرنی چاہیے سو دل کا کہا مان لیا اور تھام لیں آپ کے اس دوستی سے بڑھے ہاتھ کو' میں بہت محبت سے تھام رہی ہوں آج سے ہم دوست ہیں' ناں۔ ویسے ایک بات تو بتائیں کیا آپ واقعی اپنے نام جیسی ہیں؟ مجھے آپ کا نام بھی اچھا لگا' خیر پتا ہے میں بھی آپ کی طرح آنچل کی خاموش قاری ہوں اصل میں وقت نہیں مل پاتا لکھنے کا زندگی مصروف ہی اتنی ہے۔ حمیرا رشید مجھے آپ کا تعارف پسند آیا اگر آپ سے میں دوستی کرنا چاہوں تو کرنا پسند کریں گی؟ جواب کی منتظر رہوں گی' اصل میں مجھے گاؤں میں رہنے والے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں' سادہ جو ہوتے ہیں۔ بہت خواہش ہے میری کوئی دوست ہو جو گاؤں میں رہتی ہو۔ مجھ سے دوستی کے بعد آپ خود کو دوستی کے معاملے میں غریب نہیں کہو گی۔ ماہم نور انصاری آپ کا وہ جملہ بہت اچھا لگا' اکیسویں صدی کے تیز رفتار اور میں ایک دائرے میں مقید ماہم نور اگر آپ کو اچھی لگی تو مسکرا دیجیے گا اور سچ میں واقعی مسکرائی اس جملے پر' خیر جواب کی منتظر رہوں گی۔

عظمیٰ جبیں...... کراچی

آنچل فرینڈز کے نام

سب سے پہلے تو سب کو سلام پھر عید الاضحیٰ مبارک جب بھی کوئی بریانی' کباب کھائے ہمیں ضرور یاد فرمائے۔ جن لوگوں کی اگست اور ستمبر میں برتھ ڈے ہے' ان کو مبارک باد۔ صائمہ مشتاق کیا حال ہے اب تمہارا' اب تو ٹھیک ہوناں۔ مدیحہ کنول تم بھولتی جارہی ہو' صائمہ مشائل تمہاری برتھ ڈے کب ہوتی ہے اگر وش نہ کرسکی تو گھر میں ضرور یاد رکھوں گی۔ سالگرہ تو میں ویسے بھی نہیں بھولتی' فوزیہ سلطانہ کہاں ہو اور دعائے سحر تم بھی کہاں ہو۔ عقل ہما ہم بڑا یاد کرتے ہیں تمہیں یہ نہ کہنا کوئی نہیں یاد رکھتا۔ بچی کرن والوں سے بھی خط لکھ کر پوچھ لیا' کوئی تو اچھی لڑکی کے بارے میں بتادے۔ میں فیصل آباد آئی نہیں' نہیں تو ہر مسجد میں اعلان کروادیتی۔ مسکان قصور' شمع مسکان کیا خود آؤں لینے' اقراء ممتاز کیا حال ہے کیا ہو رہا ہے آج کل۔ شازیہ ہاشم' نور المشال' کہاں ہو تم لوگ خوش رہو۔ شاہ زندگی تجھے یاد رکھنا مجھ پر فرض ہے' اللہ پاک تمہارے لیے اعلیٰ مقام منتخب کرے' آمین۔ نجم انجم اعوان' نادیہ کامران' تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ ہاری۔ کوثر خالد تمہارا آنا خوشی دیتا ہے' اللہ کرم فرمائے آپ پر' دعا ہے کہ اللہ تنہا نہ چھوڑے آپ کو (یہ دعا میں کسی کسی کے لیے مانگتی ہوں) سمیرا تعبیر' حافظہ سمیرا' ساریہ چوہدری' انیلا طالب' انا احب' ارم کمال' رابعہ اکرم' کرن ملک' دلکش مریم' اریبہ شاہ' مدیحہ نورین' نورین انجم' پروین افضل شاہین' فریدہ فری عید مبارک آپ سب کو۔ فضہ جٹ' مائرہ جٹ' اتنی جلدی ناراض نہیں ہوتے' اللہ پاک تم لوگوں کے نصیب اچھے کرے' آمین۔ عنزہ یونس' طیبہ نذیر' روبی علی' ایس بتول شاہ' شانزے اور وہ لوگ جن کے نام رہ گئے ہیں میرے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں' اللہ تم سب کو دونوں جہاں میں

سرخرو کرے' آمین اور ہاں ایک بات اور کرنا چاہوں گی' اگر کوئی دوستی کا پیغام بھیجے تو اگلے ماہ ہی امید مت چھوڑیں کہ اس نے جواب نہیں دیا کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگ کوشش کے باوجود بھی جواب نہیں دے پاتے۔ یہ دیکھا کریں کہ آپ کے بھیجے گئے پیغام کے بعد جب بھی ہماری طرف سے کوئی پیغام آئے' اس میں آپ کا ذکر ہے کہ نہیں اگر نہ ہو تو پھر کہیے گا اگر آپ یاد کریں گی تو ہم پر بھی لازم ہے کہ اس یاد کے بدلے یاد کریں' چاہے دل میں ہی ہو' اللہ سب پر کرم فرمائے' آمین' اللہ حافظ۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

صرف اور صرف اپنوں کے نام

ملتان کی بھانجیو سلمیٰ' سمیرا' صبا' سدرہ' مریم آپ کی دادی جان کی وفات پر بہت دکھ ہوا۔ میری امی کی وفات کے پانچ دن بعد ہی آپ کو یہ صدمہ ملا' میں ملتان نہیں جاسکتی تھی اس لیے آپ کے ماموں پرنس افضل شاہین کو ملتان بھیج دیا تھا۔ شازیہ مصطفیٰ' حمیرا نوشین' سیدہ جیا عباس کاظمی آپ کی جنت بھی آپ سے جدا ہوگئی ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جگہ دے اور آپ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے' آمین۔ روبیہ کوثر میں آپ کا دوستی کا ہاتھ تھامتی ہوں۔ نگینہ سحر میرے لیے اولاد کا تحفہ کے لیے دعا کرنے کا شکریہ۔ زہرہ فاطمہ! بہت خوشی ہوئی کہ آپ میری فین ہیں' تمنا بلوچ! اللہ تعالیٰ آپ کو اور حریم گل کو اولاد دے' آمین۔ گزشتہ دنوں میں 90 ایف ایم ریڈیو بہاولنگر کے پروگرام میں مدیحہ کنول سرور نے چشتیاں سے کال کر کے مجھے اور میرے میاں جانی کو سلام کیا' ان کا بہت شکریہ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

نازیہ جی' عابدہ مغل' لائبہ میر اور دعائے سحر کے نام

اداس صحراؤں کی اداس فاختہ نازیہ کنول نازی جی کیسی ہیں آپ' میں نے آنچل کے توسط سے آپ کو خط لکھا تھا خبر نہیں کہ آپ تک پہنچا بھی ہے یا نہیں خیر آپ کا ناول بہترین جا رہا ہے' بہت خوب حقیقی معنوں میں آپ قلم کا حق ادا کر رہی ہیں' اللہ آپ کے ہاتھوں کو سلامت رکھے جن سے صفحہ قرطاس پر اترنے والے لفظ پڑھنے والوں کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں' اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ آپ کے لیے بے تحاشہ دعائیں' اللہ آپ کو اور آپ سے جڑے ہر رشتے کو اپنے حفظ وایمان میں رکھے بالخصوص آپ کے ننھے فرشتوں کو' آمین۔ آپ کے پرستار آپ سے بے پناہ محبت کرنے والی آپ کے لفظوں کی دیوانی نمیرہ گل نازی آپ سے دوستی کی خواہش رکھتی ہے پلیز جواب ضرور دیجیے گا۔ لائبہ میر! میری شاعری کو پسند کرنے کا شکریہ' آپ نے میری پہلی نظم کو پسند کیا تھا۔ عابدہ مغل آپ نے بھی میری شاعری کو پسند کیا یار بہت مہربانی آپ دونوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں' دعائے سحر آپ کا نام مجھے بہت پسند ہے اگر آپ دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گی تو اس ناچیز کو خوشی ہوگی' تمام ریڈرز اور رائٹرز کو سلام' فی امان اللہ۔

نمیرہ گل نازی......

پیاری پیاری سہیلیوں کے نام

السلام علیکم! پیاری سہیلیو اور آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ سب' میرے خیال میں تو تگڑے ہی ہوں گے۔ میری طرف سے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مجھے کیا ہونا ہے خوش ہوں اور تھوڑی اداس بھی کیونکہ کاشف رحمان (علی بھائی) پانچ سال بعد آئے اور صرف دو مہینے لگا کر جا رہے ہیں واپس سعودیہ اور اب تو عمیر بھائی بھی وہیں ہیں جن کو میں بہت مس کرتی ہوں لیکن جانے سے پہلے علی بھائی ہمیں بہت خوشی دے کر جا رہے ہیں اور وہ ہے ان کے نکاح کی خوشی جی ہاں میرے پیارے بھائی کا نکاح میری پیاری کزن شبانہ سے ہوا ہے جو میری طرح رسالوں کی شیدائی ہے جس کے ساتھ میری کافی بنتی ہے۔ وہ کہتے ہیں نہ خوب نبھے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ میری پیاری بھانجی چاند فاطمہ مجھے بہت یاد آرہی ہے جبکہ عبدالہادی تو ابھی آیا ہوا ہے میرا اکلوتا بھانجا۔ حرا' اقرأ اور روشن بھی آئی ہوئی ہیں جنہوں نے شرارتیں کر کے ناک میں دم کر رکھا ہے شگفتہ باجی ایک آپ کی کمی محسوس ہو رہی ہے آجائیں تاکہ ہمیں بھی آپ

کی بیٹی چاند سے ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے۔ اقراء' کنول اور حنا شہ خلیل بہت یاد آ رہی ہو تم لوگوں نے تو لگتا ہے چھٹیوں میں سارے رابطے ہی توڑ دیئے ہیں بھئی بہت یاد آتی ہو چڑیلوں کبھی تو یاد کر لیا کرو' آخر کو ہوں تو دوست' میں تو کالج میں گزرے ایک ایک پل کو یاد کرتی ہوں جو ایک سال ہم نے اکٹھے گزارا لائبریری کینٹین اور پیریڈ کے دوران میم ریحانہ کی ڈانٹ جو کہ حلوہ کی دیگ میں چاولوں کی لذت محسوس کرواتی تھی (ہاہاہا) اب تک کے لیے بائے اینڈ رب راکھا۔

لیلیٰ رب نواز...... ودھیوالی بھکر

ڈیئر فرینڈز کے نام

السلام علیکم! مائے ڈیئر فرینڈز! میں خیریت سے ہوں یقیناً آپ بھی خیریت سے ہوں گی۔ میں نے ایک خواب دیکھا حسین دنیا تھی لیکن میں چور اہے پر کھڑی تھی' جب مجھے میری ماں نے جگایا تو میں روئی بہت مجھے اسی نے سینے سے لگایا۔ اس روز کے بعد دل بہت گھبرایا ''میری زندگی میں ایک معجزہ رونما ہوا' میں نے نمازیں لمبی کی' خود کو سجدے میں رات بھر جگایا۔ چاہت خدا کی تھی' دعا میری تھی' میرے آنسوؤں نے مجھے قبولیات کے درجہ تک پہنچایا' منہ مانگی دعائیں بھر آئیں جسے چاہا اسے پایا۔ میری زندگی میں ایسا معجزہ رونما آیا' دنیا بھی پالی آخرت کو بھی اپنا مقدر بنایا۔ مجھے میری زندگی عطا کر دے گی' خدا نے میرے سجدوں کو اس قدر پسند کیا کہ جو مانگا وہ مل گیا۔

فضیلت اقبال......فیصل آباد

پیاری بھابی پروین افضل اور آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم دوستو! فریدہ فری کا سلام قبول کریں' میری پیاری بھابی کی ماں کی وفات کا سن کر بے حد دکھ اور افسوس ہوا' اللہ تعالیٰ ان کی ماں کو جنت الفردوس عطا کرے اور پروین بھابی اور اہل خانہ کو صبر وجمیل عطا کرے' آمین۔ میرے بھی امی ابو نہیں ہیں ابھی تک ان کو یاد کر کے بے حد روتی ہوں' طیبہ خاور' روبی علی' فصیحہ آصف' سباس گل' عنزہ یونس' کوثر خالد' نجم انجم' عائش کشمالے' مدیحہ مہک نورین مجھے یاد رکھنے کا بے حد شکریہ۔ پروین بھابی' حریم فاطمہ کا پیغام پڑھ کر دل خون کے آنسو رویا' اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ دے' آپ کی بیٹی کی وفات پر دل بے حد اداس ہے' اللہ تعالیٰ آپ کو جلد ہی پیارے سے اور صحت مند بے بی سے نوازے' آمین۔ ناہید چوہدری کے خط نے بھی اداس کر دیا اپنوں کے رویے ہمیں کتنا دکھ دیتے ہیں' ملالہ اسلم سوری میں نے حریم فاطمہ لکھ دیا' تمنا بلوچ لکھنا تھا بس زبردست گرمی نے مت ماری ہوئی ہے۔ ارم کمال' نزہت جبیں اور سب کو سلام' دعاؤں میں یاد رکھیے گا بہت بیمار ہوں۔

فریدہ فری......لاہور

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! دوستو کیسے ہیں آپ سب؟ نازیہ آپی کو بیٹی کی پیدائش مبارک ہو' ویسے ننھی پری کا نام کیا رکھا ہے؟ عاصمہ اقبال آپ کیسی ہیں؟ ویسے آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ نازیہ آپی آپ کی بھابی ہیں۔ میں بہت پیار کرتی ہوں نازی آپی سے' اللہ پاک نازیہ آپی کو بہت سی کامیابیاں عطا فرمائے' آمین۔ نجم انجم اعوان آپ کو آپی کیا کہوں؟ آپ کیسی ہیں؟ نورین انجم گڑیا آپ کیسی ہو؟ آپ کو اللہ پاک آپ کی فیملی کے ہمراہ نئے گھر میں بے شمار خوشیاں نصیب فرمائے' آمین باقی سب فرینڈز حافظہ صائمہ کشف' لائبہ میر' اقصیٰ کشش' طیبہ خاور' سمیرا تعبیر سمیرا سواتی' مدیحہ نورین مہک' دعائے سحر' حرا قریشی' پروین افضل شاہین' ارم کمال' کوثر خالد' انا احب' عائشہ پرویز' حور خان' میزاب' سیدہ جیا عباس کاظمی ڈیئر کیسی ہیں؟ تمنا بلوچ' شزا بلوچ' ناہید چوہدری' فرحت اشرف' حنا اشرف جویریہ وسی' دلکش مریم' زندگی تنویر' روبی علی' روبینہ کوثر آپ سب اور جن کے نام رہ گئے ہیں ان کے لیے بھی بے شمار دعاؤں کا تحفہ' سدا خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھیں' آمین۔ میری پیاری سویٹ بھابیوں آپ کیسی ہیں؟ بھابی شائلہ اور بھابی شائلہ آپ دونوں کے لیے ڈھیروں دعائیں' سدا خوش رہیں' آمین۔ میری ننھی گڑیا فاطمہ آپ کیسی ہو؟ آنیوں کو تو آپ کی بہت یاد آئی ہے' فاطمہ میری

بہت پیاری اور اکلوتی بھانجی ہے۔ کچھ دن پہلے بیس دنوں کے لیے ہمارے پاس رہنے آئی تو بس سارا دن کیسے گزر جاتا ہے' پتا ہی نہ چلتا وہ ابھی صرف سات ماہ کی ہے مگر اس کی شرارتیں اور اس کی باتیں بہت پیاری ہیں اور اذان اور شعیب؟ آپ دونوں (بھانجے) بھی مجھے بہت پیارے لگتے ہو' شعیب تو چلو اپنی گڑیا فاطمہ کے پاس ہے اور اذان تو ہمارے گھر کی رونق ہے اس کی شرارتیں اس کی باتیں' اس کے سوالات (ایسے اسلامی کے عقل دنگ رہ جائے) ابھی تو صرف ساڑھے چار سال کا ہے مگر سب کے دلوں کی دھڑکن ہے ہمارے یہ بہت پیارے بھانجے اور بھانجی اللہ پاک ان کو نیک صالح' مجاہد بنائے' اپنی بے پناہ محبت عطا فرمائے' فی امان اللہ۔

عائش کشمالے......رحیم یار خان

ٹو پرسسٹر ماریہ کے نام

ماریہ منور بٹ ہماری بہن ایم اے انگلش جس نے جی سی یونیورسٹی میں ٹاپ کیا ہے ہماری اس بہن نے ہمارا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ ماریہ ہمارے گھر کا سب سے لاسٹ اینڈ قیمتی پیس ہے' ہم بہن بھائیوں میں ہمیشہ بیٹ رہتی تھی کہ ایک دوسرے کا اکیڈمک رکارڈ توڑنا ہے اور جو بہن بھائی نیکسٹ کلاس میں جاتا تھا' پچھلا ریکارڈ ٹوٹ جاتا تھا لیکن ہماری بہن ماریہ نے اتنا لمبا سکسر مارا کہ ٹاپ ہی کرلیا اور سب کے چھکے چھڑا دیئے آپ کو مزے کی بات بتاؤں۔ ماریہ ہر کلاس میں پوزیشن لیتی رہی ہے اور میں ہر پوزیشن پر اس سے پارٹی لیتی رہی ہوں ایک بار سب کے ساتھ پارٹی دی تھی بعد میں اس کو میں طعنے مارتی تھی میں نے بڑی دعائیں کی تھیں مجھے علیحدہ پارٹی دو پھر میں لے کر جان چھوڑتی تھی اب میری شادی ہوگئی ہے لیکن میں اپنی بہنوں سے پارٹی لینے کا موقع مس نہیں کرتی ماریہ ڈارلنگ تمہیں عیدی دینی تھی سوچا ایک گفٹ یہ لیٹر آنچل میں بھیج کردوں کیسا لگا؟ عید مبارک سب کو۔

سمیرا' معظمہ' عظمیٰ اینڈ مریم......سمندری

دوست کے نام

میری چاہتوں کی زبان تم ہو
میرے سب دوستوں میں الگ تم ہو
میں خود میں ڈوب کر بھی سوچتی ہوں
پر ایک تم ہو جو میرے خیالوں میں گم ہو
مجھے ڈر ہے کہ میرے خیالوں میں کھوکر تم
دنیا میں تماشا نہ بنو میرے درد کی دعا تم ہو
یہ راز کی بات تم کسی کو نہ بتانا کہ
میری ہر بیماری کی شفا تم ہو
میری چاہتوں کی زبان تم ہو
میرے سب دوستوں میں الگ تم ہو

صبا......ستیانہ

دوستوں کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل پڑھنے والوں کو میرا پیار اور محبت بھرا اسلام' ایک مہینے سے غائب تھی مگر مجال ہے کہ کسی نے کمی محسوس کی ہو مگر میں آپ کو نہیں بھولی میں پھر آ گئی ہوں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے کیسی ہو مدیحہ نورین مہک تم نے تو مجھے یاد تک نہیں کیا بے وفا چلو کوئی بات نہیں اقرا اسحاق کیسی ہو عنادل کیسی ہے۔ شادی کب کر رہی ہو؟ کیسی ہو شانزہ انور میری بھانجی کا کیا حال ہے۔ عشاء' ماریہ' آمنہ' صفق' لائبہ' عطرت' اقرا' رمشا' رمشا زمیر سعیدہ تم لوگوں کو بہت بہت مبارک ہو تم نے میٹرک کا امتحان بہت اچھے مارکس سے پاس کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنے والے وقت میں ہمیشہ آپ سب کو کامیابی' کامرانی عطا فرمائے' آمین۔ ہیلو نورین کیسی ہو؟ ہیلو ثانیہ ثمینہ کیسی ہو؟ امید ہے اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک ہوں گی' کیسے ہو مائی ڈیئر برادر (ساویہ) تمہاری نومبر کی 17 کو سالگرہ ہے تمہیں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تمہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے اور اللہ تمہیں زندگی کے ہر موڑ پر کامیابیاں اور خوشیاں دے' آمین اور تمہارا بیرون ملک جانے کا خواب جلد پورا ہو' آمین۔ ہیلو حور خان آپ نے دوستی کے لیے کہا' میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں' اللہ

آنچل کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آنچل پڑھنے والوں اور آنچل کی ساری ٹیم کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ سب اپنا اپنا خیال رکھنا اور دعاؤں میں ارم ریاض کو یاد رکھنا تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

ارم ریاض...... برنالی

پاک آرمی کے نام

السلام علیکم! میرے وطن کے ہیروز تمہیں میری طرف سے نہایت ادب سے سلام مجھے امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے اگر کوئی مشکل میں بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مشکل کو آسان بنائے آمین۔ میرے وطن اور ہم سب کے وطن پاکستان کی حفاظت اپنی جان کی بازی لگا کر کرنے والے پاک آرمی کے شہیدوں تمہاری عظمت پر سلام۔

آؤ جھک کر سلام کریں انہیں
جن کے حصے میں یہ مقام آتا ہے
بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ
جن کا لہو وطن کے کام آتا ہے

مجھے بھی آرمی میں جانے کا بہت شوق ہے دعا کرنا میرے لیے تم سب مل کرتا کہ میں بھی تم سب کی طرح آرمی میں آجاؤ اور اپنے وطن پاکستان کی خاطر کچھ کرسکوں۔ پاک آرمی جو ٹریننگ کررہے ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابیاں عطا فرمائے میری سب کے لیے دعائیں کہ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ حفاظت کریں جہاں بھی رہیں خیریت سے رہیں آمین اللہ حافظ۔

لیلیٰ رب نواز...... ودھیوالی بھکر

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب آنچل گرلز! میں نے پہلی بار آنچل میں شرکت کی ہے آنچل سے تعلق بہت پرانا ہے تقریباً 10 سال۔ 2007ء سے آنچل پڑھنا شروع کیا اور اب تک آنچل اور ہم ساتھ ہیں اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہیں گے آنچل ہم سب کزنز آنٹی وغیرہ کو بہت پسند ہے آنچل کا ہر سلسلہ قابل تعریف ہے خصوصاً نیرنگ خیال نٹ کھٹ سی دوست شاہ زندگی کی رحلت کا سن کر بہت افسوس ہوا اللہ اسے جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ نازیہ کنول نازی آپ کیسی ہیں؟ سمیرا آپی آپ کیسی ہیں اپنے بیٹے کا نام تو بتائیں۔ تمنا بلوچ آپ کی بیٹی کی رحمت کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ آپ کو صبر عطا کرے اور آپ کو اور پروین افضل شاہین کو نیک اور صالح اولاد عطا فرمائے۔ اچھا چلتی ہوں دعاؤں میں یاد رکھنا۔

بنت راجپوت...... ڈیرہ اسماعیل خان

صبا زرگر پروین افضل شاہین اور طیبہ خاور سلطان کے نام

صبا زرگر امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی مجھے آپ کی دوستی دل و جاں سے قبول ہے ویسے آپ مجھے ارم کہہ سکتی ہیں لیکن اگر آپ مجھے آپی بھی کہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں کیونکہ میری کوئی بہن نہیں ہے تین بھائی ہیں اس طرح مجھے آپ کی صورت میں ایک کیوٹ سی بہن مل جائے گی۔ پروین افضل شاہین آپ کی والدہ کا بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے آمین اور آپ کو صبر اور سکون عطا فرمائے۔ پرنس افضل کو میری طرف سے سلام۔ طیبہ خاور اور سلطان آپ کی وضاحت دل کو مطمئن کرگئی ویسے بھی آج کل دنیا میں اتنی ٹینشنز اور پریشانیاں ہیں کہ ہر شخص ہنسنے کو ترس گیا ہے تو ایسے میں میری کوئی بات کسی کے چہرے پر مسکراہٹ لے آئے تو یہ عبادت کے زمرے میں آتا ہے۔ زعیمہ روشن طاہرہ منور اور مدیحہ نورین مہک آپ مجھے وقتاً فوقتاً یاد کرتے ہیں بہت بہت جزاک اللہ۔

ارم کمال...... فیصل آباد

پیاری دوستوں کے نام

کوئی دوست کبھی پرانا نہیں ہوتا
کچھ دن بات نہ کرنے سے بیگانہ نہیں ہوتا
دوستی میں دوری تو آتی رہتی ہے
لیکن دوری کا مطلب بھول جانا نہیں ہوتا

السلام علیکم! آنچل فرینڈز ہمیشہ خوش رہو آباد رہو سوئٹ تمنا بلوچ پروین افضل شاہین ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں ہمیں بے حد افسوس ہوا۔ 21 اگست کو

موبائل پر کسی دوست نے اطلاع دی کہ دلکش مریم کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے سنا تو بہت افسوس ہوا' انسان اللہ کی امانت ہے ہم سب کو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہوجانا ہے۔ اللہ پاک آپ تینوں اور آپ کے اہل خانہ کو صبر عطا فرمائے' آمین۔ ڈیئر زعیمہ روشن آپ کے مرحوم بھائی عبدالرزاق کے لیے دعائے مغفرت۔ سویٹ اسماء گل آپ ہماری دوست ہی ہو آپ بھی ہمیں اپنی دوست بنالو' ڈیئر سمیرا سواتی سلامت رہو۔ پیاری سی ماہ رخ سیال اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا' قرض ادا ہوجائے گا اور نورین انجم بے حد پڑھائی میں مصروف رہتی ہے' چھوٹی سی گڑیا ہے ابھی بھی کہہ رہی ہے مما میرا اسلام آپی ماہ رخ سے کہہ دیں۔ آنچل میں شامل ہونے والی سب دوستیں ہمارے دل میں آباد ہیں کسی کو بھولے نہیں طیبہ خاور میرا کام ہنسنا اور ہنسانا ہے پیدائش کے وقت بھی ہنس ہنس کر اس دنیا کو رونق بخشی ہے۔ پروین افضل' ماروی یاسمین' اقصیٰ کشش' مدیحہ نورین' دلکش مریم' ایس شہزادی کمرل میری نگارشات پسند فرمانے پر شکریہ۔ رائٹر' شاعر' کالم نگار روقاص عمر صاحب جناب آپ کی نظمیں جو آنچل کی زینت بن چکی ہیں وہ ہمیں بے حد پسند آئی ہیں۔ ایوارڈ بھی آپ کو ملے ہیں اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ دن دگنی ترقی کرو' ہمیشہ چاند بن کر اپنے قلم سے روشنی پھیلاتے رہو' آمین۔

نجم انجم...... اعوان

فرینڈز کے نام

میری پیاری فرینڈز کو میری طرف سے بھرپور سلام کیسی ہیں سب؟ لاریب تم مجھے بہت یاد آتی ہو کہاں گئے وہ دن جب ہم ساتھ تھے ساتھ اسکول جانا' ساتھ کھانا وہ مستیاں وہ جھگڑے بہت مس کرتی ہوں میں۔ وہ وقت تم تو خود شادی کرکے اتنی دور چلی گئی ہو لاریب میں تو تمہیں ایسے ہی یاد کرتی رہتی ہوں بس تم اپنے گھر میں خوش رہو' یہی دعا ہے میری۔ ردا یار کتنا ٹائم ہوگیا تمہیں نہیں دیکھا کدھر چلی گئی ہو کوئی پتا ہی نہیں تمہارا جیسے غائب ہوگئی ہو آئی مس یو ڈیئر۔ سمیرا ڈیئر تم سے صرف یہ ہی کہوں گی کہ لائف میں تم نہ ہوتی تو لائف کا مزا ہی نہیں تھا تم نے مجھے مکمل کیا ہے رئیلی لائیک یو ڈیئر۔

غزالہ دلپذیر...... مری ڈنہ

اپنے پیاروں کے نام

السلام علیکم! سوری یار کافی ماہ بعد حاضر ہو نہیں رہی بلکہ غیر حاضر رکھا گیا۔ آپی پروین افضل شاہین آپ کی والدہ ماجدہ کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا اللہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اولاد نرینہ عطا فرمائے' آمین۔ آپی تمنا اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اولاد نرینہ عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ سمیرا شریف طور اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور کامیابیوں سے نوازے' آمین۔ آپی کوثر خالد آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں' میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ثانیہ ناصر والے امتحان میں کامیاب کرے' آمین۔ کوثر خالد آپی آپ کی' سباس گل' سحرش مصطفیٰ اور طیبہ نذیر کی شاعری بہت اچھی لگتی ہے۔ ذکاء عروج 23 اکتوبر' سدرہ 14 اکتوبر اور پیارے بھائی ثقلین آپ کو اپنی اپنی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو' اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے' آمین۔ دلکش مریم' حور خان اور اقرا جٹ کیا آپ سب مجھ سے دوستی کریں گی جواب کی منتظر۔ اجازت دو ایک اچھی بات کے ساتھ کہ اگر کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے تو اسے غم بھی نہ دو' اللہ حافظ۔

رقیہ ناز...... وہاڑی

یادگار لمحے

جویریہ سالک

مخاطب لوگوں کو سمجھانے کے لیے قرآن ان کی اپنی زبان عربی میں واضح طور پر وہی تعلیم لایا ہے جو اس سے پہلے کی مخاطب قوموں کی اپنی زبان میں نازل کی گئی تھی۔

(آیات ۲-۴ سورہ الزخرف)

احادیث نبوی ﷺ

قرآن سمجھ کر نہ پڑھنے والوں کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا' وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے (بخاری مسلم)۔

قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جس نے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرلیا (ترمذی)۔

قرآن محبت ہے پیروی کرنے والے کے حق میں اور پیروی نہ کرنے والے کے خلاف (مسلم)۔

جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز ہی نہیں (ابن ابی حاتم)۔

غلام سرور...... نارتھ ناظم آباد کراچی

سیرت نبوی ﷺ کے چند خوب صورت واقعات

اعلان نبوت کے چند روز بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے انہیں ایک گھر میں سے کسی کے رونے کی آواز آئی' آواز میں اتنا درد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوگئے۔ دیکھا تو ایک نوجوان جو حبشہ کا معلوم ہوتا ہے چکی پیس رہا ہے اور زارو قطار رو رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا میں ایک غلام ہوں' سارا دن اپنے مالک کی بکریاں چراتا ہوں' شام کو جب تھک کر گھر آتا ہوں تو میرا مالک مجھے گندم کی ایک بوری پیسنے کو دے دیتا ہے جس کو پیسنے میں ساری رات لگ جاتی ہے۔ میں اپنی قسمت پر رو رہا ہوں' میری بھی کیا قسمت ہے۔ میں بھی تو ایک گوشت پوست کا انسان ہوں' میرا جسم بھی آرام مانگتا ہے' مجھے بھی نیند ستاتی ہے لیکن میرے مالک کو مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آتا' کیا میرے مقدر میں ساری عمر اسی طرح رو رو کر گزارنا لکھا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں تمہارے مالک سے کہہ کر تمہاری مشقت تو کم نہیں کرواسکتا کیونکہ وہ میری بات نہیں مانے گا' ہاں میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں تم سو جاؤ میں تمہاری جگہ چکی پیستا ہوں۔" وہ غلام بہت خوش ہوا اور شکریہ ادا کر کے سو گیا جب گندم ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جگائے بغیر واپس تشرف لے آئے۔ دوسرے دن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور اسے سلا کر چکی پیستے رہے' تیسرے دن بھی یہی ماجراہ ہوا۔ چوتھی رات جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تو اس نے کہا۔

"اے اللہ کے بندے آپ کون ہو اور میرا اتنا خیال کیوں کررہے ہو؟ ہم غلاموں سے نہ کسی کو ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی فائدہ تو آپ یہ سب کچھ کس لیے کررہے ہو؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں یہ سب انسانی ہمدردی کے تحت کررہا ہوں' اس کے علاوہ مجھے تم سے کوئی غرض نہیں۔"

اس غلام نے کہا۔ "آپ کون ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کیا تمہیں علم ہے مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔"

غلام نے کہا۔ "ہاں میں نے سنا ہے اس کا نام محمد ہے اور وہ خود کو اللہ کا نبی کہتا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں وہی محمد ہوں۔"

یہ سن کر اس غلام نے کہا۔ "اگر آپ ہی نبی ہیں تو مجھے کلمہ پڑھائیے کیونکہ اتنا شفیق اور مہربان کوئی نبی ہی ہوسکتا ہے جو غلاموں کا بھی اس قدر خیال رکھے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا پھر دنیا نے دیکھا کہ اس غلام نے تکلیفیں اور مشقت برداشت کی مگر دامنِ مصطفیٰ نہ چھوڑا آج دنیا انہیں بلال حبشیؓ کے نام سے جانتی ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان مقدس سے باہر جنت البقیع میں تشریف لے گئے' ادھر گھر میں سب حضرات تلاش کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں چلے گئے آخر دو چار صحابہ جنت البقیع میں گئے دیکھا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پروردگار کے دربار میں زاروزار رورہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کررہے تھے۔

"میرے لیے میری امت کو بخش دے۔"

مریم مرتضیٰ......

میری ڈائری سے

جس کے دل میں عشق مقیم ہوجائے اس دل میں ہمیشہ درد کا دھواں بھرا رہتا ہے جو پوری جان کو سلگائے رکھتا ہے وہ بھٹی اس کو جلا کر نیست ونابود نہیں کرتی بلکہ اس کو پکا کر مضبوط کردیتی ہے پھر وہ ٹھنڈا میٹھا چشمہ بن جاتا ہے جس سے ہر پیاسا اپنی پیاس بجھاتا ہے' محبت کو تقسیم نہ کرو' ضرب دو تقسیم سے گھٹتی ہے ضرب سے بڑھ جاتی ہے۔

تمنیٰ اقبال...... منڈی فیض آباد

آج کی بات

دنیا کے سب انسان خوب صورت ہیں بدصورتی تو ہمارے رویوں میں ہے۔

سائرہ شاہین...... تلونڈی بھنڈیاں

گولڈن ورڈز

☆ پھولوں کی مہک کچھ دن بعد ختم ہوجاتی ہے مگر اچھے سلوک اور اخلاق کی مہک انسان کی موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔

☆ غلطی پر ساتھ چھوڑنے والے تو بہت ملتے ہیں مگر غلطی پر سمجھا کر ساتھ نبھانے والے بہت کم ملتے ہیں۔

☆ کسی انسان کی نرمی کو اس کی کمزوری نہ سمجھو کیونکہ پانی سے نرم کوئی چیز نہیں لیکن ان کی طاقت چٹانوں کو بھی ریزہ ریزہ کردیتی ہیں۔

☆ جہاں تمہاری اور تمہارے احساس کی قدر نہ ہو وہاں رہنا فضول ہے۔ چاہے وہ کسی کا گھر ہو یا کسی کا دل ہو

☆ ہر وہ دن تمہارے لیے عید ہے' جس دن تم سے کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔

نورین انجم اعوان...... کراچی

یہ بیٹیاں

نازک سا دل رکھتی ہیں معصوم سی ہوتی ہیں بیٹیاں
بات بات پر روتی ہیں نادان سی ہوتی ہیں بیٹیاں
رحمت سے بھرپور خدا کی نعمت ہوتی ہیں بیٹیاں
گھر مہک اٹھتا ہے جب مسکراتی ہیں بیٹیاں
عجیب سی تکلیف ہوتی ہے جب دوسرے گھر جاتی ہیں بیٹیاں
گھر لگتا ہے سونا سونا کتنا رلا کے جاتی ہیں بیٹیاں
خوشی کی جھلک بابل کی لاڈلی ہوتی ہیں بیٹیاں
یہ ہم نہیں کہتے یہ تو رب کہتا ہے کہ......
جب میں خوش ہوتا ہوں تو جنم لیتی ہیں بیٹیاں

حنا نورین...... داؤد بندین

معلومات

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "لوری" پہاڑ سے زندہ اٹھالیا گیا۔

☆ خدائی کا دعویٰ کرنے والے نمرود کا اصل نام "ہامد" تھا۔

☆ طوفان نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے جبران شہر آباد کیا۔

☆ سلطان الحدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہا جاتا ہے۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی "کوہِ رارادات" پہاڑ پر ٹھہری تھی۔

اقصیٰ آزاد...... خیرپور ٹامیوالی

پیاری بیٹی

لڑکیوں کے اسکول میں آنے والی نئی ٹیچر خوب صورت اور بااخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ علمی طور پر بھی مضبوط تھی لیکن اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی' سب لڑکیاں اس کے اردگرد جمع ہوگئیں اور مذاق کرنے لگیں۔

"میڈم! آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟"
میڈم نے ان لڑکیوں کے سوال کے جواب میں کچھ یوں داستان سنانا شروع کی۔

ایک خاتون کی پانچ بیٹیاں تھیں' شوہر نے اس کو دھمکی دی کہ اس مرتبہ بھی اگر تم نے بیٹی پیدا کی تو اس کو میں باہر کسی سڑک یا چوک پر پھینک آؤں گا۔ خدا کی حکمت خدا ہی جانے کہ چھٹی مرتبہ بھی بیٹی ہی پیدا ہوئی اور اس خاتون کے شوہر نے اپنی بیٹی کو اٹھایا اور رات کے اندھیرے میں شہر کے مرکزی چوک پر چھوڑ آیا۔

ماں پوری رات اس ننھی سی جان کے لیے دعا کرتی رہی اور اپنی بیٹی کو اللہ کے سپرد کردیا' دوسرے دن صبح باپ جب چوک سے گزرا تو دیکھا کہ کوئی بچی کو لے کر نہیں گیا' بچی ساری رات ادھر ہی پڑی رہی پھر باپ بیٹی کو واپس گھر لے آیا لیکن دوسری رات پھر بیٹی کو چوک پر چھوڑ آیا لیکن ماجرا اسی طرح برقرار رہا یہاں تک کہ سات دنوں تک باپ بیٹی کو ہر رات رکھ آتا اور جب کوئی لے کر نہ جاتا تو مجبوراً اٹھا لاتا۔

آخر باپ تھک گیا اور خدا کی رضا پر راضی ہوگیا اور پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سال بعد ماں پھر حاملہ ہوگئی اور اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیٹا عطا فرمایا لیکن کچھ ہی دن بعد بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا انتقال ہوگیا' یہاں تک کہ پانچ بار خاتون حاملہ ہوئی اور اللہ نے پانچ بیٹے عطا فرمائے لیکن ہر مرتبہ ایک بیٹی انتقال کرجاتی اب فقط ایک ہی بیٹی زندہ رہی اور وہ وہی بیٹی تھی جس سے باپ جان چھڑانے کے لیے چوک پر پھینک آتا تھا پھر ماں کا بھی انتقال ہوگیا ادھر پانچ بیٹے اور ایک بیٹی سب بڑے ہوگئے۔

میڈم نے پوچھا۔ "آپ لوگوں کو پتا ہے جو بیٹی زندہ رہی تھی وہ کون ہے؟"

"نہیں میڈم! آپ بتایئے کہ وہ کون ہے؟" لڑکیوں نے سوال کیا۔

"وہ...... وہ میں ہوں اور میں نے ابھی تک شادی اس لیے نہیں کی کہ میرا باپ اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے کھانا بھی نہیں کھا سکتا جبکہ دوسرا کوئی نہیں ہے جو اس کی خدمت کرے بس میں ہی ہوں اس کی خدمت کرتی ہوں اور کوئی کمانے والا بھی نہیں ہے اس لیے تو نوکری کرتی ہوں اور وہ جو پانچ بیٹے سب اپنے اپنے گھروں میں اپنی فیملی کے ساتھ خوش رہتے ہیں کبھی کبھار آ کر احوال پرسی کرکے اپنا فرض پورا کرجاتے ہیں جبکہ باپ ہمیشہ شرمندگی کے ساتھ رو رو کر ہاتھ جوڑ کر مجھ سے کہتا ہے کہ "میری پیاری بیٹی! جو کچھ میں نے بچپن میں تیرے ساتھ کیا اس پر مجھے معاف کردو۔"

"اللہ پاک ایسی پیاری بیٹیاں سب کو نصیب فرمائے۔"

نوٹ:۔ ماں' باپ دس اولادوں کو سنبھال لیتے ہیں مگر آج کے دور میں ایک ماں' باپ کو اولاد مل کر بھی نہیں سنبھال سکتی (افسوس صد افسوس)۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

میرے ارضِ پاک

میرے ارضِ پاک
شیر دل مجاہدوں
وطن کی عزت وعصمت کے پاسبانوں!
میرے قلم کی سیاہی سے نکلنے والے
الفاظ کے گوہر......
تیری شجاعت ودلیری کے گن گاتے رہیں گے
تیری سلامتی کے نغمے گاتے رہیں گے
اے میرے وطن عزیز کے دلیر رکھوالوں
میری پاک سرزمین کا ذرہ ذرہ
فضاؤں' ہواؤں کا ہر جھونکا
تیری عمر دراز بالخیر کے واسطے
ہر لمحے محو دعا رہتے ہیں
سراپا التجا رہتے ہیں

سامعہ ملک پرویز...... خان پور' ہزارہ

زندگی

زندگی گزر گئی سب کو خوش کرنے میں

جو خوش ہوئے وہ اپنے نہیں تھے
اور جو اپنے تھے
وہ کبھی خوش نہیں ہوئے

طیبہ خاور سلطان......عزیز چک وزیر آباد

مستنصر حسین تارڑ نے کہا

☆کسی کے آگے مجبور ہو کر جھکنا ذلت ہے اور کسی مجبور کو اپنے آگے جھکانا اس سے بڑی ذلت ہے۔
☆انسان کی اہلیت تب کھل کر سامنے آتی ہے جب وہ کسی کے بس میں ہو اور جب کوئی اور اس کے بس میں ہو۔
☆زندگی کے اخبار میں سب سے خوب صورت صفحہ بچوں کا ہوتا ہے۔
☆شرافت سے جھکا ہوا سر ندامت سے جھکے ہوئے سر سے بہتر ہے۔
☆زندگی کی گاڑی فالتو ٹائر نہیں ہوتا ایک ٹائر پنکچر ہو گیا تو سفر تمام ہو گیا۔
☆اکثر بڑے گھروں میں چھوٹے اور چھوٹے گھروں میں بڑے لوگ رہتے ہیں۔
☆عمل کے بغیر صرف علم کے ساتھ زندگی گزارنا ایسے ہے جیسے کھیت میں بیج ڈالے بغیر ہل چلانا۔
☆خیالات کی آمدنی کم ہو تو لفظوں کی فضول خرچی سے پرہیز کرو۔
☆تنہائی' اداسی' خوشی اور خوب صورتی چاروں سگی بہنیں ہیں۔
☆زندگی کی مشکلات آپ کے لان کی گھاس کی طرح ہوتی ہیں آپ توجہ کریں گے تو یہ بڑھتی جائے گی۔
☆آپ اس دنیا میں ون وے ٹکٹ لے کر نہیں آسکتے' واپسی کا ٹکٹ یہاں آنے کی شرط ہے۔

ارم کمال......فیصل آباد

کلام پاک

اے ارض وسموت کے خالق و مالک
میری حد نگاہ ہے جہاں جہاں
میں نے تجھ کو پایا وہاں وہاں
اے عرش عظیم کے مالک و مختار
ذرہ ذرا تیرا ذکر کرے
پتا پتا کرے تیری حمد وثنا
تُو ہے مالک و مولا دو جہاں
تُو ہے کبریا تُو رحیم ہے
تُو غفور ہے تُو کریم ہے
مجھے عقل و فکر کی سیاہی دے
اپنی نوری ذات سے شناسائی دے

سامعہ ملک پرویز......خان پور ہزارہ

کام کی باتیں

☆زندگی میں ایسے شخص کا ہونا بہت ضروری ہے جس کو دل کا حال سنانے کے لیے لفظوں کی ضرورت نہ پڑے۔
☆کبھی کبھی شکایت کرنے سے اچھا خاموش رہنا سہی ہوتا ہے کیونکہ......جب کسی کو فرق ہی نہیں پڑتا تو شکایت کیسی۔
☆اپنے رب سے دوستی کرلو یہ وہ ذات ہے جو کبھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گی۔
☆اللہ سے محبت کرو وہ آزمائش تو دیتا ہے مگر کبھی آزمائش میں تنہا نہیں چھوڑتا۔

ارم ریاض......برنالی

yaadgar@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے وقت تیزی سے گزر رہا ہے نہ ہی یہ کبھی ٹھہرا ہے اور نہ ہی اس نے کسی کے لیے انتظار کیا ہے اس کے ساتھ چلنے کی ہر ایک نے سعی کی ہماری بھی کوشش ہوتی ہے کہ ہم اپنا ہر کام وقت پر کریں لیکن کہیں کمی رہ جاتی ہے اور پھر ایک شکایت آپ قاری بہنوں کو ہم سے ہوجاتی ہے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوا ہماری تحریر ہماری نگارشات شامل نہیں ہوئیں وجہ تاخیر سے موصول ہونے پر ایسا ہوتا ہے کوشش کریں کہ اپنی نگارشات ہر ماہ کی دو تاریخ کو ارسال کردیں حجاب کے لیے آپ بہنوں کا اصرار تھا کہ تبصرے پر انعام دیا جائے تو آپ کی اس تجویز کو قبول کرلیا گیا ہے اور اگلے شمارے سے اس محفل میں شرکت کرنے پر انعام دیا جائے گا جس قاری بہن کا تبصرہ جامع' بھرپور' مفصل اور حجاب کے مطابق ہوگا اسے خصوصی انعام سے نوازا جائے گا لیکن خیال رہے کہ تبصرہ صرف ڈاک کی صورت موصول ہو۔ اب بڑھتے ہیں بزم آئینہ کی جانب جہاں آپ کے تبصرے ستاروں کی مانند جھلملا رہے ہیں۔

زعیمہ روشن...... آزاد کشمیر' مظفر آباد السلام علیکم شہلا آپی اینڈ آل قارئین کرام کیسے ہو آپ سب لوگ؟ امید کرتی ہوں کہ سب فٹ فاٹ ہوں گے' شہلا آپی کی عید کیسی گزری (گوشت زیادہ تو نہیں کھایا)۔ تبصرہ کی طرف بڑھتے ہیں اس دفعہ آنچل تھوڑی نہیں زیادہ دیر سے موصول ہوا' ماڈل گرل بس سوسو ہی تھی (ناراض تھی جیسے) بے چاری سے زبردستی تو نہیں کھنچوائی فوٹو۔ مدیرہ جی کی سرگوشیاں سنیں تو دل دہل گیا واقعی ہمارا ملک بہت سے مسائل کا شکار ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسا حکمران مقرر ہو ہمارے ملک پر (جو کہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے)۔ حمد و نعت سے دل کو نور سے منور کیا' در جواب آں میں سب کے جوابات پڑھے (مدیرہ جی ہمیں بھی جواب دیا کریں)۔ دانش کدہ میں مشتاق انکل ہمیشہ کی طرح چھائے رہے' تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں۔ ہمارا آنچل میں سب کے تعارف اچھے تھے اللہ شازیہ نصیر احمد کی والدہ کو شفائے کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے آمین۔ صباوز کا زرگر آپ دونوں کا اور اقصیٰ ونسیاں زرگر سب کا انٹرویو اچھا تھا ویسے وہ دونوں آپ کی کیا لگتی ہیں؟ ارم اور بسمہ آپ بھی ہمیں اچھی لگی' عید سروے میں اپنے سمیت سب کو براجمان دیکھ کر بہت اچھا لگا' انیلا طالب اور ڈاکٹر شمائلہ خرم کے جوابات پسند آئے۔ اب چلتے ہیں سلسلہ وار ناول کی طرف تو جی جناب فاخرہ گل ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' (ویسے گمشدہ مسکرائے تو بھی کیا فائدہ) آخر کار اجیہ کا راز کھل ہی گیا کہ وہ اربش کی خالہ زاد ہے اب لگتا ہے اس کی ساس اس کو واپس بلالے گی' قسط مزے دار تھی۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' (پتا نہیں میں کہاں ہوں گی) اقرا صغیر احمد انشراح کی نالی کوناں آپ نے بقرہ عید کی قربانی کے لیے رکھ دینا تھا یوں ہی بے چاری انشراح کو نوفل کی نظروں میں گرارہی ہے خود پیسے ہضم کرکے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' (کب ہوگی) نازیہ کنول نازی پلیز اینڈ اچھا کیجیے اسٹوری اختتامی مراحل میں ہے آئی تھنک۔ مکمل ناول ''رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ'' فریدہ فرید جی بات نہ ہی چھیڑتی تو اچھا تھا اسٹوری پڑھتے پڑھتے اتنا گم ہوگئی کہ میرا فیورٹ ڈرامہ (قسم) تک چھوڑنا پڑا مبارک باد وصول کیجیے اتنا اچھا ناول لکھنے کے لیے۔ ''جنون سے عشق'' آخر کار دونوں کا نکاح ہو ہی گیا ویسے آپ نے اس بار ہیروئن کچھ شرارتی اور مختلف کردار والی سلیکٹ کی ہے۔ زرش اور انا ودر شہوار سے کافی مختلف' دل کو بھاگئی سمیرا شریف طور آپ کی شہرینہ ''قسمت کے کھیل'' واقعی نرالے ہوتے ہیں' ہلکی پھلکی تحریر ٹھیک لکھا' مہدیہ شیر دل نے افسانے اسپیشل تھے سب لیکن میرے لیے سباس گل کا ''بڑی عید کی بڑی خوشیاں'' کچھ زیادہ ہی اسپیشل تھا۔ ماہی اور تابش کی نوک جھوک کو انجوائے کیا باقیوں کا نام نہ لیا تو زیادتی ہوگی تو نزہت جبیں ضیاء کا قربانی ثمرہ اور کاظم کی جوڑی اچھی لگی۔ ''جذبہ نثار'' فرح طاہر بجیلہ بیگم کی عقل ٹھکانے لگا کر ہی دم لیا بہترین افسانہ تھا۔ ''شکر خدایا ہے'' اب کہ برس کی عید' دونوں بھی فنٹاسٹک تھے تنقید کا موقع ہی نہیں ملا اور پھر تھکے ہارے سیدھے آئینہ میں گرے اپنا منہ دیکھ کر اٹھ بھی گئے اور خوشی بھی ہوئی (شکریہ آپی جی آپ کا) فائزہ بھٹی' دلکش مریم' تمنا بلوچ کے تبصر جاندار تھے (اپنے تبصرے میں جان نہیں تھی اس دفعہ ملا) آنچل لیٹ جو ملا تھا' پچھلی مرتبہ آنچل سو مختصر ہی لکھ تھا۔ دوست کے پیغام آئے میں سب کے پیغام پڑھے' تھینک گاڈ ہما جی اس دفعہ میرا پیغام بھی شائع کیا' دل خوش کردیا ہما جی نے۔ شمائلہ کاشف کے جوابات پڑھ کے لب مسکرا اٹھے لیکن کچھ کمی سی تھی ارے ارے یار اپنی پرنس افضل شاہین جو نہ تھی محفل میں۔ یادگار لمحے اسماء گل فعل' سچ میں بیٹیوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا پڑھ کر افسردہ سے ہوگئے ہم۔ خوش رہنے کا فارمولا بہترین تھا مگر جن کی قسمت میں خوشی نہ ہو تو بڑے بڑے فارمولے بھی دم توڑ جاتے ہیں۔ ویسے اس بار کول قدیر احمد کی ''عید غزل'' اچھی لگی' ڈش مقابلہ میں ہر مہینے کچن کی شامت آتی ہے ہر ڈش تقریباً ٹرائی کرتی ہوں۔ اگست کے مہینے سمیہ عثمان کی ''چنے کی دال کا حلوہ'' کی ترکیب لکھی تھی میں نے ٹرائی کی لیکن شکل اتنی اچھی نہیں تھی لیکن ذائقہ بہت مزہ کا تھا اور اس بار ماہم بتول کی لکھی ہوئی ترکیب سے بیف برگر بنانے کا ارادہ ہے دیکھ لیجیے میں کتنی

جینئس ہوں (آہم)۔ بیاض دل میں جھانکا تو اس سے پہلے ہی بات یاد آ گئی۔ نجم انجم اعوان کا شعر پسند آیا' بیاض دل میں۔ ہومیو کارنر اور بیوٹی گائیڈ میں نہیں پڑھتی وہ اس لیے کہ بیمار ہوں تو گولیاں نہیں کھاتی اور میک اپ میں زیادہ کرتی نہیں مگر ہر مہینے کا شمارہ سنبھال کے ضرور رکھتی ہوں اور ہاں حنا کے رنگ آنچل کے سنگ تو مہندی لگانا اچھا لگتا ہے۔ دوسروں کو خود نہیں لگاتی بہت کم لگاتی ہوں لیکن مہندی کے ڈیزائن سب ہی اچھے تھے' اجازت چاہتی ہوں' فی امان اللہ۔

لیلیٰ رب نواز...... گلوں دھیولی بھکر۔ السلام علیکم! میری پیاری سہیلیو اور شہلا آپا کیسی ہیں آپ؟ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی' آنچل میں تو اپنی جان قید ہے کیونکہ آنچل زندگی میں گھنا سایہ ہے' سب سے پہلے تو میں ذکر کروں گی۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' کا نازی آپی آپ نے تو کمال کر دیا میں تو اس کہانی کے ہر کردار کو پسند کرتی ہوں سب سے پہلے مجھے زاویار بہت پسند ہے جبکہ وہ عائلہ کے ساتھ کوئی اچھا رویہ اختیار نہیں کرتا اور ہے بھی کڑوا کریلا' پھر بھی کہتے ہیں ناپسند اپنی اپنی۔ اس کے بعد پریہان مجھے بہت معصوم اور سادہ لگتی ہے ساویز نے اس کا دل دکھا کر اچھا نہیں کیا جب ساویز کو پریہان سے محبت ہوگی تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا کیونکہ پریہان کے لیے ایلی ایک اچھا لڑکا ہے جو میرے خیال میں پریہان سے محبت بھی کرتا ہے لیکن بتاتا نہیں ہے۔ ادھر عبدالہادی کو تو شہرزاد سے محبت ہے لیکن شہرزاد کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ وہ عبدالہادی سے کوئی تعلق رکھ پائے گی یا نہیں۔ درمکنون اور صیام کی جوڑی لاجواب ہے اور ویسے بھی نازی آپی آئی لائک یو کہ آپ نے ہمارے لیے اتنے اچھے کردار تخلیق کیے جن کے ساتھ ہم جھگڑتے بھی ہیں اور پیار بھی کرتے ہیں' پسند بھی کرتے ہیں۔ اب آتے ہیں اقراء صغیر احمد کی ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' زید کے تو کیا کہنے اتنا روڈ بھی نہ بے چاری سودا کو پتا نہیں کب زید کی محبت اور نرم لہجہ نصیب ہوگا۔ انشراح اور نوفل ایسے ہی لڑتے رہنا ہمیشہ بڑا مزہ آتا ہے کیونکہ ایک سیر ہے تو دوسرا سوا سیر۔ فاخرہ آپی کا ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' اب کافی بور اور سلو ہوگیا ہے' پلیز جلدی جلدی اینڈ کریں باقی سب کہانیاں بیسٹ تھیں اور نیرنگ خیال بہت پسند آیا باقی سب سلسلے بھی اچھے تھے میرے خیال میں اتنا کافی ہے' فی امان اللہ۔

آنسہ شبیر...... ڈوگہ گجرات۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' کیا حال ہے تمام ریڈرز' رائٹرز اور شہلا آنی اس دفعہ کا ڈائجسٹ کچھ زیادہ ہی مشکل مراحل سے گزر کر ہاتھوں میں آیا' سرورق پر براجمان دوشیزہ سرخ کلر کے ملبوس میں آنکھوں کو بھلی لگی' حمد و نعت سے روح کو منور کیا۔ در جواب آں کچھ شکوے کچھ محبتیں پڑھ کر لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری' ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں سے ملاقات اچھی رہی۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' انشراح کا مذہب کے نزدیک ہونا اس بات کی تصدیق ہے کہ فرعون کے گھر موسیٰ کا پرورش پانا' لاریب جیسا نفس پرست انسان آج تک نہیں دیکھا مکار' فریبی۔ عاکفہ اور بابر کی شادی خوش آئند بات ہے۔ عاکفہ کے باپ کا منگنی کی بجائے نکاح کروانے والی بات دل کو چھو گئی' ویری ویل ڈن اقراء صغیر احمد۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' ملک فیاض کی موت اس بات کی علامت ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے' فرعون کو بھی موت آئی ہے جو دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بن جاتے ہیں۔ عبدالہادی اور اس کی والدہ نے شہرزاد کو بچا تو لیا لیکن فلک شیر اس کو ضرور پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ صمید نے سارا کو طلاق دے کر دل کا بوجھ کچھ تو کم کیا ہے پر گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ کہتے ہیں ناں عورت کی اصل دشمن عورت ہوتی ہے' باقی تمام تمام افسانے ابھی زیر مطالعہ ہیں' قلت وقت آڑے آ گیا۔ مستقل سلسلے یک سے بڑھ کر ایک' اجازت دیں' اللہ حافظ۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری شہلا جی! سدا ہنستی اور مسکراتی رہیں آمین۔ السلام علیکم! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ خوش باش ہوں گی آنچل بروقت ملا' ٹائٹل بہت ہی کلرنگ تھا' سب سے پہلے اپنی بے زاریوں کو قرار دینے کے لیے ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' کو پڑھا' اربش اور راجیہ کی ایک دوسرے کے لیے محبت آنکھوں کے گوشے گیلے کر گیا۔ سکندر صاحب سے اتنی گراوٹ کی امید نہیں تھی' اگلی قسط کا انتظار ابھی سے شروع کر دیا ہے' اس کے بعد فریدہ فرید کی ''رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ'' میں رموز کا حوصلہ صبر اور یقین ششدر کر گیا کسی بھی سہارے کے بغیر اکیلی عورت چھوٹے بچے کا ساتھ لیکن استقامت ایسی جیسے پہاڑ' یہ وصف زیادہ تر عورتوں میں ہی پایا جاتا ہے بلا آخر رموز کا انتظار' تڑپ اور یقین نے اس کے رنگ حنا کو انمٹ نقوش عطا کیے۔ ''جنون سے عشق تک'' بہت ہی سپر ڈوپر جا رہا ہے' شہرینہ اور افکن کا ملاپ حلق سے کونین اتارنے سے بھی زیادہ مشکل نظر آ رہا ہے' مہدیہ شیر دل نے ''قسمت کے کھیل'' میں خوب حیران کیا۔ فرح بھٹو کا شکر خدایا ہے میں نرگس کی راہ ہدایت پر آنے سے کامران نے بے اختیار کہا ہوگا کہ شکر خدایا ہے۔ سباس گل ''بڑی عید کی بڑی خوشیاں'' ایک روایتی تحریر رہی۔ عید سے متعلق سروے گو کہ مزے دار تھے لیکن اس میں سوالات تھوڑے زیادہ ہونے چاہیے تھے۔ بیاض دل میں کوثر خالد' اقراء جٹ' سنبل بلوچ کے اشعار لائق تحسین رہے۔ یادگار لمحے میں سب بہنوں کے مراسلات بہترین رہے' ہم سے پوچھئے میں شمائلہ کے جوابات مزہ دیتے ہیں گو بعد میں زیادہ مصالحہ جلن بھی پیدا کرتا ہے' حج سے متعلق معلومات گرہ میں باندھ کر رکھ لی ہیں کبھی ہمیں اللہ تعالیٰ حج کرنے کی سعادت سے نوازے گا تب گرہ کھول کر فائدہ اٹھائیں گے' مہندی کے ڈیزائن نے آنچل میں آٹھ چاند لگا دیئے چار چاند تو ہمارے آنچل میں ہمیشہ ہی لگے ہوتے ہیں۔

سحر بہار ایکس...... ایم ایس ٹنگہ پنجاب۔ السلام علیکم آل آنچل وحجاب ریڈرز رائٹرز قیصر آرا شہلا آپی اینڈ آنچل و حجاب ٹیم! امید ہے کہ سب لوگ خیریت سے ہی ہوں گے آفٹر آل میری دعائیں جو آپ کے ساتھ ہیں' میری دوست نے آنچل میں خط لکھا تو مجھے بھی شوق ہوا کہ کیوں نہ میں بھی آنچل کی محفل کو ایک عدد تبصرے سے سجاؤں تو میں بھی آ گئی آپی شہلا کی محفل میں۔ اس دفعہ آنچل 24 کو ملا ٹائٹل پیارا اور برائیڈل سے مزین تھا اس لیے پسند آیا آپی ایک عدد فرمائش ہے ضرور پوری کرنا' کسی ماہ ماورا' عروہ' عائشہ عمر یا سعدیہ کا برائیڈل ٹائٹل دیں اگر جلدی پوری کردیں تو اور اچھا ہے۔ سرگوشیوں سے ہوتے ہوئے حمد ونعت پر پہنچے پھر در جواب آں پر انٹری دی واہ آپی کتنی محبت سے آپ جواب دیتی ہیں کہ دل کرتا ہے کہ میں بھی آپ کو خط لکھوں اس کے بعد الکوثر پڑھا کافی مفید ہے اس کے بعد دوڑ لگائی اپنی فیورٹ اسٹوری "تیری زلف کے سرہونے تک" اقرا آپی پلیز اپنی اسٹوری کو مزید چلانا ہر قسط کے اینڈ پہ انتظار بڑھ جاتا ہے۔ "پہلی بارش" نازیہ آپی آپ کا ناول مجھے پسند آتا جارہا ہے۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ آپی آپ کے لیے کہوں گی کہ آپ لکھتی جائیں اور ہم پڑھتے جائیں جبکہ فریدہ فرید کا ناول بھی پسند آیا۔ "جنون سے عشق تک" سمیرا آپی آپ اپنی تحریر کے صفحات میں پلیز اضافہ کریں آپ کو زیادہ پڑھنے کا دل چاہتا ہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرح یہ ناول بھی ضرور ہمیں ہمیشہ یاد رہے گا لیکن یہ شہرینہ ہے کیا چیز؟ یہ تو لڑکوں سے بھی زیادہ سر پھری ہے' تینوں اقساط ایک ساتھ پڑھیں مزہ آ گیا۔ ناولٹ "قسمت کے کھیل" مہدیہ شیر دل آپ کا ناولٹ اور نام دونوں پیارے لگے آپی ناولٹ کی تعداد کم از کم' دو تین رکھا کریں پلیز۔ افسانوں میں "جذبہ نثار" اور "قربانی" بہت پسند آئے۔ فرح نزہت اور رابعہ آپی کے بھی افسانے اچھے تھے۔ بھی فائزہ افتخار' سندس جبیں اور راحت وفا سے بھی کچھ لکھوائیے۔ مستقل سلسلے ہم سے پوچھے میں کافی اچھے جواب دیئے شمی آپی نے۔ ڈش مقابلہ میں ساری ڈشز گوشت کی ہی تھیں آپی بغیر اوون کے کیک اور میکرونی کی ریسیپی دیں۔ نیرنگ خیال اور یادگار لمحے بھی خوب تھے سب کا انتخاب اچھا تھا۔ بیاض دل میں سب کا انتخاب اچھا لگا جبکہ دوست کے نام پیغام آئے بھی بہت اچھا سلسلہ ہے۔ حنا کے رنگ آنچل کے سنگ ہم نے تو اپنے پسندیدہ ڈیزائن پر مارک لگالیا کہ کون کون سا لگائیں گے' اچھا جی آنچل ٹیم کے لیے ڈھیر ساری دعائیں' آنچل ایسے ہی ترقی کرتا رہے اور اسے سجانے والے ایسے ہی ہر دم اسے سجاتے رہیں' آمین۔ کیسا لگا تبصرہ بتائیے گا ضرور میں جواب کی منتظر رہوں گی اللہ حافظ اپنا اور اپنوں کا ڈھیر سارا خیال رکھیں۔

تبسم بشیر عروسی...... شاہ سوار ٹنگچے۔ السلام علیکم! آل آنچل وحجاب ٹیم اس دفعہ آنچل 24 کو ملا' ٹائٹل واقعی اچھا تھا اور پیارا بھی۔ قیصر آپی کی سرگوشیاں کے بعد حمد ونعت پڑھی اور فوراً پہنچیں در جواب آں پر میرے خط کا آپی نے جواب ہی نہیں دیا خیر اس کے بعد دانش کدہ پڑھا۔ ہمارا آنچل میں اس دفعہ کسی کا تعارف اچھا نہیں تھا' مزہ نہیں آیا۔ عید سروے میں بھی جواب رو کے پھیکے لگے' اقرا آپی پلیز اسٹوری ٹھیک کردیں آپ نے تو بدگمانیاں ہی بڑھادی ہیں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازی آپی کا اس ماہ مزہ نہیں دے سکا۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ آپی صفحات کی تعداد میں اضافہ کریں یہاں شروع کیا وہاں ختم ہوگئی۔ فریدہ آپی کا ناول بس ایسے ہی لگا۔ "جنون سے عشق تک" تین اقساط ایک ساتھ پڑھیں مزہ آ گیا' آپی ذرا شہرینہ کو لائن پر لائیں۔ ناولٹ نہیں پڑھا پڑھوں بھی کیوں؟ ایک تھا جب تک ناولٹ کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوتا میں نہیں پڑھوں گی۔ افسانے سارے عید کے حوالے سے تھے' اچھے تھے خاص کر رابعہ آپی کا۔ مستقل سلسلے ہم سے پوچھیے شمائلہ آپی اس دفعہ مزہ نہیں آیا' بیاض دل سب کا نہیں کسی کسی کا انتخاب اچھا تھا۔ نیرنگ خیال میں کبھی ہمیں بھی جگہ دیں۔ ڈش مقابلہ عید کے حوالے سے ریسیپی اچھی تھی پر ان کے لیے جن کے گھر گوشت آتا ہو خیر دوست کا پیغام آئے اُف اتنے پیغامات کیا آپ لوگوں کو ہمیشہ موصول ہوتے ہیں۔ بیوٹی گائیڈ میرا فیورٹ سلسلہ ہے' میری ساری دوستیں (محلے کی) آنچل ہی پڑھتی ہیں۔ آئینہ میں سب کے تبصرے اچھے تھے' اچھا جی اللہ حافظ۔

طیبہ خاور سلطان...... عزیز چک' وزیر آباد۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں اور آنچل فرینڈز آنچل مجھے 23 کو مل گیا تھا' ٹائٹل بس سو سو تھا اور ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں کا تعارف پسند آیا۔ سلسلے وار ناول میں "شب ہجر کی پہلی بارش" بہت زبردست تھی' مزہ آ گیا۔ نازی جی کیپ اٹ اپ "قسمت کے کھیل" مہدیہ شیر دل کیا بات ہے آپ کی بہت مزہ آیا اسٹوری پڑھ کے بہت سبق آموز اسٹوری تھی۔ ایسی اسٹوریز لے کے آتی رہیے گا۔ "جذبہ نثار" فرح طاہر جی یہ ساری سمجھنے کی بات ہوتی ہیں دوسروں کے تجربات سے سیکھنا چاہیے نہیں تو پھر اپنا تجربہ صرف سکھاتا ہی نہیں رلاتا بھی ہے۔ "جنون سے عشق تک" سمیرا جی بہت اعلیٰ اسٹوری جارہی ہے۔ "شکر خدایا ہے" فرح بھٹو جی انسان کو ہر حال میں خوش رہنا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ "بڑی عید کی بڑی خوشیاں" سباس گل جی بڑی کھٹی میٹھی اسٹوری تھی آپ ہمیشہ ایسے ہی مزے کی اسٹوری لے کر آتی ہیں۔ رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ' فری بہت اعلیٰ اسٹوری تھی اموز کا صبر بہت لاجواب تھا۔ "قربانی" نزہت جبیں اگر نیت صاف ہو تو سارے کام ہی اچھے ہو جاتے ہیں' انسان کو صرف صبر اور شکر کا سہارا لینا چاہیے۔ نزہت جبیں بہت اچھی اسٹوری تھی کیپ اٹ اپ۔ "اب کے برس عید" رابعہ افتخار بہت بہت اچھی اسٹوری تھی اور ہٹ کے تھی بہت اچھا لگا پڑھ کے آنچل کے دوسرے سلسلوں کی طرف بڑھے تو "ہم سے پوچھیے" میں نبیلہ ناز' نسرین علی' جاذبہ عباسی آپ سب کے سوالات دلچسپ تھے اور جواب کی کیا ہی بات تھی۔ آئینہ میں اقصیٰ کشش' فائزہ بھٹی' دلکش

مری زیبا حسن مخدوم آپ سب کا تبصرہ بہت زبردست تھا۔یادگار لمحے میں غلام سرور نبیلہ ناز اقصیٰ کشش عنبر مجید آپ سب نے لمحوں کو یادگار بنادیا۔نیرنگ خیال میں کرن شبیر سیدہ رابعہ ودیج ترمذی آپ سب کی کاوش اعلیٰ تھی۔بیاض دل میں حنا کنول انا مریم مدیحہ نورین آپ کی پسند لاجواب تھی۔آنچل ایک دم پرفیکٹ تھا زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔

بنت راجپوت...... ڈیرہ اسماعیل خان۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف اینڈ آنچل قارئین کیسے ہیں سب یقیناً سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے آنچل اس دفعہ بہت لیٹ 27 کو ملا سرورق اچھا تھا سرگوشیاں اور در جواب آں پر ایک نظر ڈال کر ہم نے اپنے سلسلے وار ناول "شب ہجر کی پہلی بارش" کی طرف دوڑ لگائی یہ کیا اتنا تھوڑا اتنا زیبا آپی پلیز تھوڑا زیادہ لکھا کریں خیر پھر بھی پڑھ کر مزا آیا دل خوش کردیا اے سارا اور ملک فیاض کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔مریہ اور صمید حسن کے دکھ میں ہم بھی دکھی ہوئے۔

آنسو میرے تھم جائیں تو پھر شوق سے جانا
ایسے میں کیا جاؤ گے برسات بہت ہے

اقرا آپ کے تو کیا کہنے پلیز زید اور سودہ کے درمیان کوئی نہیں آنا چاہیے اور ہمیں لگتا ہے انشراح نوفل کی کزن ہے آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔سمیرا آپ کا ناول اچھا ہے مگر اسٹائل پرانا۔"ذرا مسکرا میرے گمشدہ" اچھی کہانی ہے اجیہ اور اربش کو حوصلے سے کام لینا ہوگا کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

خوشیوں کا وقت بھی کبھی آہی جائے گا ساگر
غم بھی تو مل رہے ہیں تمنا کیے بغیر

"رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ" فریدہ فرید نے بہت زیادہ اچھا لکھا یا ایک سبق آموز کہانی ہے اس کہانی کو پڑھ کر ہم ہنسے بھی اور روئے بھی خیر......

فطرت کا تقاضا ہے نہیں عشق تماشا
آدم کو رلا دیتی ہے حوا کی جدائی

آپی ابھی اتنا ہی پڑھ پائی ہوں اب اجازت دیجیے اللہ آنچل کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اللہ حافظ والسلام۔

نجم انجم اعوان...... کراچی۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور تمام دوستوں کو دعائیں۔دوستو پچھلے کئی مہینوں سے ہم چکن گونیا کا شکار ہیں اپنی دعاؤں میں ضرور یاد فرمائیں بڑی مہربانی ہوگی۔ستمبر کا آنچل میرے ہاتھوں میں مسکرا رہا ہے سرورق پر ماہی مجھے ہی غور سے دیکھ رہی ہیں۔سلسلہ وار ناولز کے علاوہ "قسمت کے کھیل" قربانی، بڑی عید کی بڑی خوشیاں، پسند آئیں۔بیاض دل میں وقاص عمر انیلا طالب طاہرہ منور اور انعم علی کے اشعار دل کو بھا گئے۔نیرنگ خیال میں کوثر خالد راشد ترین (آپ کی شاعری بہت پسند آئی) کی غزلیں اچھی لگیں۔پیغامات میں جن بہنوں نے یاد کیا شکریہ سماء گل حمیرا سواتی، ماہ رخ سیال، طیبہ خاور کے پیغامات پسند آئے۔کوثر خالد صاحبہ ہمیں بھی یاد رکھا کریں یادگار لمحے میں اقصیٰ کشش اور دلکش مریم چھا گئیں اور ہاں نجم انجم اعوان نے بھی اچھا لکھا۔آئینہ کی محفل بے حد خوب صورت تھی مگر میں حاضر نہ ہوسکی اور شمائلہ کاشف تو سالم ہی ہمیں پسند ہے اور اس کی محفل میں تو ہماری جان بستی ہے اچھا دوستوں اجازت دیں اللہ حافظ۔

ثناء قریشی...... ساہیوال۔ پیاری سی سوئٹ سی (گلاب جامن جیسی) شہلا آپی اور آنچل کی خوب صورت دوستوں ثناء قریشی (قباچہ) کی طرف سے سلام اور ڈھیر ساری عید قرباں کی مبارک۔امید ہے سب خیریت سے ہوں گے ہم نے سوچا کہ سب ہمیں مس کررہے ہوں گے ارے بھئی تین چار ماہ محفل میں شرکت جو نہیں کی (خوش فہمی مس کرنے والی) کسی نے ہمارا ذکر نہیں کیا تو ہم نے سوچا کیوں نہ خود ہی سب کو اپنی یاد دلا دوں کہ ثناء قریشی (صاحبہ) بھی اہل آنچل کا اہم فرد ہے آخر کار ہم پچھلے پانچ سالوں سے آنچل پڑھ رہے ہیں یار اس ماہ میری سالگرہ ہے 17 ستمبر کو سب آجانا (تحفے لے کر) کیک میں بنا کر کھلا دوں گی اس کو جو تحفہ لے کر آیا (ہاہاہا) چلو اب آتے ہیں اس ماہ کے آنچل کی طرف اس دفعہ بھی آنچل ہمیشہ کی طرح 26 کو ملا اور بڑی جان کھپائی کے ساتھ ہوا کچھ یوں کہ تقی شاہ (میرا چھوٹا بھائی) صبح اسکول جانے لگا تو بولا باجی آج 26 ہے پیسے دے دو ڈائجسٹ میں واپسی پر لیتا آؤں گا میں خوش ہوگئی کہ آج بغیر منت بغیر چوں چرا کیے وہ خود کہہ رہا ہے میں نے پیسے دے دیے سارا دن لمحہ لمحہ گن گن کر گزارا دو بجے وہ آیا میں نے پوچھا میرا آنچل کدھر ہے تو بڑی اداکاری کرتے ہوئے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا اوہ شٹ مجھے تو وہ یاد ہی نہیں رہا میں تو شروع ہوگئی ویسے اس کو ہر چیز یاد رہتی ہے نہیں یاد تو ایک میں اور میری چیزیں، مجھے نہیں پتا ابھی جا کر مجھے لا کر دو وغیرہ وغیرہ پھر منہ بسور کر بیٹھ گئی ابھی میں دس منٹ ہی بیٹھی تھی کہ اس نے اپنے بیگ سے ڈائجسٹ نکال کر دیا اور بولا تجھے تنگ بھی تو کرنا تھا تجھے تنگ کرکے دو باتیں سننے کا اپنا ہی مزہ ہے اور ہنسنے لگا بدتمیز پہلے ہی دے دیتے ایسے ہی میری انرجی ضائع کی، بڑا اداکار نہ ہو تو (میں بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی) پھر سرورق کو دیکھا تو ماہی آپی ہاتھوں پر پیاری سی حنا سجائے خوب صورت جیولری پہنے لاجواب سرخ لباس میں دلہن کے روپ

میں ہمیں دیکھتی ہوئی دل کو چھوگئی پھر آنچل کھولا اور سمیرا آپی کا ناول دیکھ کر دل عش عش کر اٹھا حسب عادت پہلے آنچل کا ایک ایک ورق دیکھا بقول امی کہ اب جب تک ثناء سارے ڈائجسٹ کے دیدار کا شرف حاصل نہیں کرے گی تب تک اس کا اٹھنا ناممکن ہے (اب ان کو کون سمجھائے کہ کتنی بے قراری سے ہم پورے ماہ انتظار کی سولی پر لٹکتے ہیں) ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے نیرنگ خیال، بیاض دل، ڈش مقابلہ، بیوٹی گائیڈ (نہیں یہ نہیں پڑھا کیوں کہ ہم پہلے ہی اتنے خوب صورت ہیں اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ہاہاہاہا سچ میں پیاری ہوں بالکل آپی سمیرا کی ہیروئن شہوار کی طرح آہم آہم) دوست کا پیغام، در جواب آں، سرگوشیاں (جو قیصر آرا آپی نے ہمارے کانوں میں کی) یادگار لمحے پڑھے سب سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک تھے روشی وفا، لوبا سجاد، طاہرہ منور، ماروی، انا، صبا، کرن کے شعر بہت اچھے لگے باقی بھی اپنی جگہ پراچھے تھے پھر "تیری زلف کے سر ہونے تک" پڑھا آپی اقراء جی بہت اچھا جارہا ہے پلیز سودہ کو مائدہ کی کسی نئی سازش سے بچائیں، ویسے بھی وہ تو ہے ہی زید کی مائدہ بھی اچھی ہے بس اس کو تھوڑی عقل تھمادیں اور اس کی کزنز سے دور رکھیں نوفل کی غلط فہمی بھی دور کردیں، اس کو بتادیں کہ انشراح کتنی سوئٹ ہے خدا کے لیے لاریب کو تو انشی سے 100 کلومیٹر تک دور ہی رکھیں اور اس کی نانی کی لالچی طبیعت سے بھی عاکفہ اور بابر کی جوڑی فٹ ہے بس ذرا زیادہ لکھا کریں (معصوم سی شکل بنا کر کہہ رہی ہوں ہاہاہا) اور یہ کیا رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ دو دفعہ اور وہ بھی آدھا افسانہ قربانی بھی دو دفعہ ہے لیکن مکمل ہے چلو غلطی سے لگ گئے ہوں گے شب ہجر کی پہلی بارش پہلے تو نازی آپی ہر دفعہ شروع میں نظم بہت خاص لکھتی ہیں پڑھ کر دل کے تار بج جاتے ہیں۔ مریہ کے دکھ جان کر دل خون آنسو رونے لگا سارہ پر ڈھیر سارا غصہ آیا شہزاد شکر ہے آزاد ہوگئی اس کی اور ہادی کی جوڑی اچھی رہے گی دری کا ذکر اس بار تھا ہی نہیں ملک فیاض مر گیا اچھا ہوا سمیرا آپی کا ناول جنون سے عشق تک کی تو کیا ہی بات ہے دل باغ باغ ہوگیا شہری اور افگن کے نکاح کا پڑھ کر محبت تو ہو ہی جائے گی اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے باقی ڈائجسٹ ابھی پڑھا نہیں ہے سوچا پہلے جلدی سے لکھ کر بھیج دوں بھائی کو بھی مشکل سے ہی سہی منا ہی لیا (امی کی بدولت) اس دفعہ کے لیے اتنا ہی خدا حافظ۔

مریم عنصر...... شیخو چک، ٹنگہ۔ پرخلوص دل سے سلام پیش کرتی ہوں قبول فرمایئے۔

اے خط جا کر کہنا دل شاد نہیں
لکھنا تو بہت کچھ تھا پر یاد نہیں

پہلی دفعہ لکھنے کا حوصلہ کیا اور جس کہانی نے مجبور کیا وہ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" یہ تو ہمیں پہلے سے معلوم تھا کہ اجیہ اور اربش کی مائیں بہنیں ہیں لیکن وصل کا انتظار تھا اور اب اس کہانی میں ایسا موڑ جو سوچا بھی نہ تھا یعنی سکندر صاحب یقین ہی نہیں آرہا کہ ایسے گھٹیا لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں اللہ بچائے ایسے لوگوں سے رہی بات اجیہ کی تو دکھوں کے بعد ہی سکھ بھری زندگی شروع ہوتی ہے ہاں یہ دعا ہے کہ جلد اس دورا ہے سے نکلیں "شب ہجر کی پہلی بارش" میں میرا پسندیدہ کردار شہزاد ہے مختصر یہ کہ آنچل کی تعریف کے لیے الفاظ کم ہیں پہلی دفعہ شرکت کی ہے اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو یار زندہ صحبت باقی آئندہ بھی شرکت بحکم خدا کریں گے ویسے اگر خط شائع نہ ہوا تو جی بس آئندہ کے لیے چھٹی۔

☆ ڈیئر مریم! خوش آمدید۔

یس گوہر طور...... فیصل آباد السلام علیکم! آپی شہلا کیا حال ہے میں چار ماہ غائب رہی آپ نے یاد کیا تمام ریڈرز اینڈ رائٹرز کو میرا اسلام قبول ہو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ سب کو خوش رکھے آمین، اس بار بھی آنچل اٹھائیس کو ملا دو دن لگا کے ختم کیا کیونکہ اس ماہ ہم نے آنچل میں انٹری دینی تھی سب سے پہلے دوڑ لگائی شب ہجر کی پہلی بارش کی طرف یہ کیا صیام اور درمکنون کا ذکر ہی کوئی نہیں دل تھوڑا اساد کھی ہوا سارا بیگم پہ بہت غصہ آیا اور صمید حسن بے چارے بے خیالی میں مار کھا گئے ملک فیاض جیسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا لوگ خدا کی زمین پر خود کو کیوں خدا بنا لیتے ہیں؟ تیری زلف کے سر ہونے تک نوفل اور انشراح کا آپس میں کوئی گہرا تعلق ہے اور انشراح جیسی نانی تو اللہ کسی کو نہ دے ذرا مسکرا میرے گمشدہ ہائے سکندر صاحب اپنی عمر کا ہی تھوڑا سا خیال کرلیں حنین اور غزنی کی جوڑی اچھی ہے افسانے سارے ہی اچھے تھے ناولٹ سب سے زیادہ پسند آیا مشعال جیسا کردار ہمارے معاشرے میں بہت پایا جاتا ہے میرے خیال میں تو لڑکی کو دھیما مزاج ہی ہونا چاہیے کیونکہ ہر لڑکی کو سعد تو نہیں ملتا ناں بیاض دل میں علیشہ نور، کرن شہزادی، نبیلہ ناز، ثریا رانی اور فرح انیس کے اشعار پسند آئے، نیرنگ خیال میں سب نے اچھا لکھا یادگار لمحے میں نبیلہ ناز، اقصیٰ کشش، زریں فاطمہ نے بہت اچھا لکھا بیسٹ آف لک لڑکیوں شمائلہ کاشف کی محفل میں بھی ہر بار کی طرح اس بار بھی کافی رونق میلہ تھا تمام دوستوں کو پھر سے سلام اجازت اس بات کے ساتھ خوش رہو اور ہمیشہ خوش رکھو آمین، رب راکھا۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان، کیا حال ہیں آنچل یکم کو ملا ٹائٹل عید کے حوالے سے جاندار شاندار تھا متاثر کرنے میں مکمل طور پر کامیاب صرف چوڑیوں کی کمی محسوس ہوئی، سرگوشیاں حمد و نعت کے بعد اپنے خط ڈھونڈنے کے لیے صفحہ بہ صفحہ بھٹکے، بھٹکنا کامیاب ٹھہرا، بغیر کانٹ چھانٹ کیے خط جوں کا توں شائع کردیا، (جزاک اللہ) دوست کا پیغام آئے میں شامل نہیں کرتے کیا کروں سلسلے وار ناولز پر بات

ہوجائے، ذرامسکرا میرے گمشدہ اربش اوہ عقل کے دشمن کس کے سہارے چھوڑ کر جانے کی باتیں کررہے ہو بعد میں الزام نہ دینا پھر ہم نے بھی ساتھ نہیں دینا (لو ہاتھ اٹھادیے ہم نے) اجیہ چلو بھئی حالات کے ہاتھوں دو چار گرم گرم کھا ہی لو (موبائل کیوں چھوڑا) سکندر صاحب بوڑھی گھوڑی آگے بھی بتاؤں کہ سمجھ گئے ہو؟ حنین غزنی مبارک ہو غزنی کی پہلی محبت کیا ہوئی؟ شب ہجر کی پہلی بارش شہزادا کیلی مت آنا دشمن سے کبھی غافل نہیں ہوتے ویسے دو چار واقعات تو بڑے آنا فانا رونما ہوئے ملک فیاض تم بتاؤ تمہیں روئیں یا ہنسیں عبدالہادی تیار ہو جاؤ اب تیری باری ہے (آگے بڑھو) صمید حسن ایک اور غلط فیصلے میں تو یہی کہوں گی تم جو مرضی سمجھ لو یہ زاویار ہاتھ پاؤں ہلا لو عائلہ بدقسمتی سے تمہاری کچھ لگتی ہے سدید تم کہاں غائب ہو در مکنون بھی نظر نہیں آرہی (خیر ہے) تیری زلف کے سر ہونے تک جنید میاں کے غبارے سے ہوا نکل ہی گئی ذید دل کے ہاتھوں برباد ہونے کو تیار ہو جاؤ یہ دل منہ کے بل گرانے والا ہے (لو تم تو پہلے سے ہی تیار بیٹھے ہو) نوفل تمہاری زبان کے آگے خندق ہے کیا، بندہ تھوڑا بہت ہی سوچ لیتا ہے مگر نہیں بابر مبارک ہو محبت فتح یاب ٹھہری، سودہ کتنا روئی ہو تا تم کس پر گئی (اب پینا کہنا تم پر) جنوں سے عشق تک ارے وکیل صاحب اب کیا دیکھ رہے ہو شہرینہ بری پھنسی تم تو چلو کوئی بات نہیں سن تو رکھا ہوگا تم نے خوب جمے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے (پاگل) دو عیش کر دتم دونوں ساتھ ساتھ رہے تو بجلی کے تار ٹکرانے والا معاملہ ہوگا اب دیکھتے ہیں پہلے بجلی کس پر گرتی ہے رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ، ضامن ابدی پہلے تو یہ کہ تمہارا نام بڑا پیارا تھا اور ہاں ذرا بتاؤ تو سبھی سارے کپتان تم جیسے اچھے ہی ہوتے ہیں (جھوٹ نہیں بولنا، کم تو یہ اپنی امور بی بی بھی نہ تھیں امور اچھا لگا تمہیں جان کر ضامن ابدی تمہیں مبارک ہو تم اچھی قسمت لے کر آئے امور تیرا مقدر ٹھہری امور تجھے تیرا زندہ سلامت ابدی مبارک ہو اب تم دونوں کی تخلیق کار کو بھی مبارک دے ہی دیں کیا اچھا لکھا خوش ہو گئے، جیتی رہو، اس بار مہندی کے ڈیزائن کچھ خاص نہ تھے آ نچلیہ میں کافی زیادہ نئے نام دیکھنے کو ملے اچھا لگا اقرا جٹ لو ہم دوست ہوئے نیرنگ خیال سلمٰی غزل کرن شبیر نے سب سے اچھا لکھا دوست کا پیغام آئے یاد رکھنے والوں کا شکریہ، جزاک اللہ۔ بیاض دل انا مریم محسن عزیز حلیم تحریمہ اکرمہ دوستی وفا انجم اعوان، حمیرا قریشی وقاص عمر کے اشعار اچھے رہے، ہمارا آنچل شازیہ نصیر تم نے کیا جو تم سے ملتا ہے دوبارہ ضرور ملتا ہے چلو مل کر دیکھیں گے اگر وقت نے اجازت دی صبا زرگر میتھ ہوتا ہی بور کرنے کے لیے ہے ارم صابرہ۔ بہت سے لوگوں کو اظہار کا طریقہ نہیں آتا سمہ عابد لڑکی تم کامیاب ٹھہر و شہلا جی میرے دوست کا پیغام آئے پلیز شائع کر دیا کریں سب کا ہوتا ہے میرا نہیں ہوتا کیا کروں بھلا آپ ہی بتائیں ہما احمد نے میرے پیغام کیا کرنے ہیں ہمیں تو خوش ہونے دیں، اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ آپ سب پر رحمتوں کا نزول ہو آمین۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

آج	کلی	ہے	کل	گلاب	ہوگا
ہمارا	تبصرہ	شامل	کیجیے	آپ کو	ثواب ہوگا

آداب وسلام ملکہ شہلا دلوں کی بے تاج بادشاہ آنچل کی سلطنت میں دو معصوم شہزادیوں کی تشریف آوری کیسی لگی کیا ہماری کمی محسوس ہو رہی تھی (او جی نہ کریں) شام میں آنچل کی آمد ہوئی جب درد سے ہماری روح سبک تر ہو کر ہچکولے لے رہی تھی جی مادام ہم بکرے کے آگے چارہ ڈال رہے تھے کہ پیچھے سے بکرے نے وہ سینگ مارے کہ الامان اسے دیکھتے ہی گائے نے بھی اپنا فرض پورا کیا گائے نے ایسا تھاہ کر کے بوتھا ہمارے سر پر مارا کہ ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ہم کون سا نازیہ کنول نازی کے ناول جھیل کنارا کنکر کی ہیروئن عائزہ تھے جو بھوری بکری کو گلے لگا لیتے ہم نے بھی پاس پڑا ڈنڈا اٹھا کر دے مارا دونوں کو پھر ایسے موسم میں آنچل کی آمد ہوئی جب درد ہمارے جسم پہ سایہ فگن تھا ہم درد کو بھول کر چشم نم سے آنچل تکنے لگے نظروں نے آنچل کا طواف کیا نازک اندام حسین ماڈل نے آنچل کو خوب سجایا ہوا تھا جس نے آنچل کو ایسے شاندار طریقے سے مہکایا ہے وہ قابل تحسین ہے اس سے پہلے دلہن بنی ماڈل اپنی نظروں کا جام پلا کر ہمیں بے خود کر دے اور آپ ہماری بے خودی پر انگشت بدنداں رہ جائیں ہم نے انتہائی احتیاط سے قیصر آپا کی دہلیز پر قدم رنجا فرمائے قیصر آپا کی سرگوشیوں نے مسحور کر دیا حمد و نعت نے دل و دماغ کے دیے روشن کر دیے در جواب آں میں پیار و محبت کے تخت پر براجمان نرمی کا تاج سر پر سجائے قیصر آپا نے بہت محبت و خوب صورتی سے سب کے جواب دیے اور جانے کیوں ہم بھی چپکے سے مسکرا اٹھے۔ ذرا مسکرا میرے گمشدہ فاخرہ گل یہ سکندر ممی جی سے ملنے کے بعد ایسا مطالبہ کرے گا اس سکندر صاحب کے ہوش ٹھکانے لگا دیں وقت کے ساتھ بھی اس کی سوچ نہیں بدلی آخر اربش نے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا بے چاری اجیہ اکیلے کیسے رہے گی اب تو حنین کی امی کو ٹھیک کر دیں تیری زلف کے سر ہونے تک میں مائدہ کتنی چالاک ہے آخر جنید کو پھانس لیا اپنے گھر والوں کی عزت کا بھی خیال نہ رکھا آخر حسن کی دیوی (سودہ) کو دیکھ کر محبت کی دیوی زید میاں پر مہربان ہو ہی گئی آشی کا عاکفہ کی مما سے درس لینا اچھا لگا عاکفہ اور بابر کا نکاح ویری امیزنگ اقرا آپی نوفل نے آشی بے چاری کو کیسی کھری کھری سنائیں انشراح بے قصور ہوتے بھی مجرم بن گئی باقی آئندہ ماہ دیکھ کر دل بے حد مضمحل ہو گیا قربانی نزہت جبین ضیا نے زبردست لکھا صابرہ بیگم کو اس کے غرور کا بدلا ملا ثمرہ کے فیصلے نے صابرہ بیگم کو خوب

سبق دیا رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ فریدہ فرید کی ایک متاثر کن تحریر تھی سوچ کی ایسی پختگی اور لفظوں کی ایسی عمدگی نے تحریر کو بیسٹ بنا دیا تھا بڑی عید کی بڑی خوشیاں واقعی عید خوشیوں کا گہوارہ ہے سباس آپی نے ہلکا پھلکا افسانہ لکھ کر دل خوش کر دیا شب ہجر کی پہلی بارش فیاض کی ایسی عبرتناک موت واقعی ایسے شخص کا انجام یہ ہی ہونا تھا میرب اور شیر دل کی شادی حیران کن بات یقیناً شہزادہ اور ہادی کی شادی ہوگی ہے ناں جنون سے عشق تک واقعی سمیرا آپی پہلے جنون ہوگا پھر شادی اور پھر عشق ہوگا شہری اور افگن کی شادی ہوگئی اماں بی اس تحریر کا زبردست کردار ہے لگتا ہے ہیرو صاحب کو شہری سے محبت ہوگئی تبھی تو شہری کو ایئرپورٹ پر بار بار دیکھ رہا تھا سمیرا جی آپ کے دوسرے ناول کی طرح یہ ناول بھی سپر ہوگا بیاض دل میں افراجٹ، فائزہ بھٹی، عنبر مجید، کوثر خالد انیلا طالب کی شاعری بیسٹ تھی دوست کا پیغام آئے طاہرہ منور ایسا شاہانہ انداز دوستی کروگی مجھ سے جیسے ہیرو اپنی ہیروئن سے کہتا ہے شادی کروگی مجھ سے چلیں آج سے پکی والی دوستی سمیرا سواتی، ماہ رخ سیال، کوثر خالد، نشاط ابراہیم، اقصیٰ کشش، روبینہ کوثر سب کو سلام اور دعا 16 اگست کو ہمارے ہاں قرآن خوانی تھی پروین افضل شاہین شازیہ مصطفیٰ اور ساجدہ آپی آپ سب کی والدہ کے لیے خصوصی طور پر مغفرت کی دعا کرائی اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین، اس مرتبہ لہلہاتے پیغام خوشیوں بھرے لمحے کھنکتی شاعری نیرنگ خیال کی مہکار میں مسکراتے جواب آئینہ کے دربار میں رقص کرتے شہزادیوں کے تبصرے غرض ہر ایک کو میرے دل نے خاتون اول کا لقب دیا ڈیئر شہلا خوش رہیں اللہ حافظ۔

سمعیہ رانی ...... ملتان۔ میری طرف سے اہل آنچل اینڈ ٹو آل پاکستان کو دل کی گہرائیوں سے آداب محبت، امید ہے کہ آپ سب ٹھیک ہوں گے اور آپ کی عید بڑی خوشگوار گزری ہوگی بہرحال میری دعائیں سب کے لیے ہیں، ہم اس قابل تو نہیں اور نہ ہی ہمارے قلم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم جاندار تبصرہ کر سکیں مگر پھر بھی قلم تھام کر آنچل کا قرض اتارنے کی ادنیٰ سی کوشش میں مگن ہیں پچھلے ماہ کا تبصرہ جانے ڈاک کی نذر ہوا یا پھر آپ کی ردی کی ٹوکری کو شرف قبولیت بخشا بہرحال میری محنت رائیگاں گئی خیر اب آتے ہیں اس ماہ کے تبصرے کی طرف۔ گرمی کی شدت میں کمی آئی ہے بارشوں کی جل تھل نے ہر چیز کو نکھار دیا ہے جیسے ماڈل نکھری نکھری خوب صورت سی دلہن بنی خاصی اٹریکٹیو تھی مدیرہ جی کی سرگوشیاں ہمیشہ بڑے انہماک سے پڑھتی ہوں حمد و نعت سے دل کے آئینے کو شفافیت بخشی در جواب آں میں سب بہنوں کا احوال جان کر دلی خوشی ہوئی تعارف پانچوں بہنوں کا ایک سے بڑھ کر ایک ارم صابرہ غم انسان کی زندگی میں شروع سے ہی شامل ہیں اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم ہے جو غم کا مہینہ ہے تو جناب دنیا میں غم زیادہ اور خوشیاں کم یہی زندگی ہے اس کے بعد اجیہ تک پہنچ گئے پہلے ہی کم مسائل نہ تھے اب ایک اور وجود مگر اجیہ کا حوصلہ بھی کمال ہے۔

راتیں ہیں اداس دن کڑے ہیں
اے دل تیرے حوصلے بڑے ہیں

سمیرا جی آپ نے افگن اور شہرینہ کو ایک ایسے بندھن میں باندھا ہے جو نازک بھی ہے اور مضبوط بھی اور مضبوط نہ بنے تو نازک اب تو آفت کی پرکالہ شہرینہ صاحبہ کا یہ حال ہے کہ

زباں رکھتا ہوں لیکن چپ کھڑا ہوں
میں آوازوں کے بن میں گھر گیا ہوں

افسانے سارے ہی عید اسپیشل تھے سو عید کے حوالے سے اچھے رہے اور مکمل ناول رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ، زبردست ناول آرمی والوں کی کہانیاں ویسے ہی بڑی جاندار ہوتی ہیں مجھے اپنی پاکستان آرمی بہت پسند ہے اموز کا کردار بھی کمال کا تھا مگر آخر عورت تھی جو نڈھال ہوگئی۔ چیدہ چیدہ باقی سلسلے بھی پڑھے عید جو سر پر آن ٹھہری ڈش مقابلہ میں کلیجی اپنی چوائس ٹھہری نیرنگ خیال میں 6 اور 11 ستمبر کے حوالے سے خوب خراج تحسین پیش کیا گیا دوست کا پیغام آئے پڑھتے نہیں کیونکہ آپ ہمارے دوستوں کے حوالے سے پیغام جو شائع نہیں کرتے تبصرے سارے ہی مختصر مگر اچھے رہے کوثر خالد صاحبہ آپ کہاں چلی گئیں واپس تشریف لے آئیں، باقی کچھ سلسلے زیر مطالعہ ہیں اب اجازت زندگی بخیر تو دوبارہ حاضری ممکن بنائیں گے اللہ حافظ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ کوثر خالد آئینے میں حاضر ہے اہل آنچل کو السلام علیکم کے بعد عیدالاضحیٰ مبارک ہو، حیرت و شدید خوشی ہوئی جب آنچل 21 تاریخ کو ہاتھ میں تھمایا گیا مگر آنچل کھولتے ہی ایک صفحہ نکلا پھر حیرت نے احاطہ دل کر لیا، پڑھا تو معلوم ہوا کہ بابا جی بک اسٹال والے کا تھا ان کا جوان بیٹا فوت ہوگیا۔ ایک چھوٹا بچہ اور تین بیٹیاں رہ گئے ہیں سب لوگ ان کے لیے دعا کیجیے گا اور حوض کوثر کے ناصر خالد صاحب کی والدہ بھی وفات پا گئیں اللہ تمام اہل سوگواران کو صبر عظیم عطا کرے اور ان کے مابعد انہیں سہاروں کی کمی نہ کرے آمین۔ ایک عرض ہے آئینے میں تبصرہ کے ساتھ چند ذاتی باتوں یا شاعری کی موجودگی بہت سجتی ہے ہاں مگر صرف ذاتیات نہ ہوں ہاں تو پورا رسالہ پڑھا گیا اس بار اور آج

تبصرے کے لیے بھی وقت نکل آیا ہے تو پھر سنیے۔

سرورق: ایک خوب صورت چڑیل لگتی ہے عورت جب وہ تیز ترین میک اپ کرتی ہے یا تو دلہن ہو تو معافی ملے۔

سرگوشیاں: ایک بار پھر السلام علیکم ہمہ یاراں کو اور دعائیں وطن عزیز کے ہر باسی کو اور دعائے ھدیٰ بے ہدایتوں کو حمد و نعت میری جند میری جان حسب عادت طرز سے پڑھیں، وجد چغتائی کتنا پیارا نام ہے اگر یہ حیات ہیں تو ان کا انٹرویو چاہیے بلکہ تمام نعت خواہوں کا لیا کریں۔ عبدالستار نیازی تو عشق میں بہت آگے ہیں در جواب آں قیصر جی ایک نظم عرض ہے آپ کی خوب صورت کارستانی پر

آپ نے آئینے سے چرا لیا ہم کو
در جواب میں سجا لیا ہم کو
اس ادا پہ نثار دل و جاں ہوئے
گو کب کا اپنا بنا لیا ہم کو
ہم ایک پنتھ میں دو کاج کرنے گئے
قیصر نے ایک میں لگا لیا ہم کو

الکوثر کاش آقا جی ﷺ کی تمام صفات نعتوں میں لکھ سکوں بس یہ ایک ہی خواہش بچی ہے باقی ابن صفی کے اشتہار پر مشتاق صاحب کا فوٹو لگا ہے ناں؟ اگر ہم نے یہ کتاب لینی ہو تو قیمت نہیں لکھی، پلیز بتا دیں ہم نے تو خالہ زاد کا نام عمران ''عمران سیریز'' سے متاثر ہو کر ہی رکھا ہے ہمارا آنچل شازیہ حلیمہ آپ کی نمازیں اور شاعری پسند آئی ہم وقت پر نماز نہیں پڑھتے ہمارے لیے وقت کی دعا مانگو اللہ تمہیں معلمہ بنائے آمین صبا زرگر، زکا زرگر میں تعارف پڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اقصیٰ زرگر اور اشیاں زرگر کون ہیں تم نے بتایا نہیں اور مقابلہ کیوں، وہ ہم تو سب زرگر کو بہنیں ہی سمجھتے ہیں ہمارے ماموں کی دو بیٹیاں ہیں اقصیٰ سنیاں اور ہماری بیٹی تھی صبا اور ہمیں صبا نام بہت پسند ہے اور اقصیٰ بھی (مسجد اقصیٰ) ہاں آپ کی شاعری پسند آئی مگر زمانہ والا مشورہ نہیں زمانہ اور ہم لازم و ملزوم ہیں کیونکہ آج مرے کل زمانے میں یتیم بکھرے...... ہم دشمنوں کے لیے دوستوں سے زیادہ فکر مند ہیں واہ ارم صابرہ آپ کو ٹیچر سے اتنا پیار اور اس نے بھلا دیا ناممکن جنہیں ہم یاد رکھتے ہیں وہ ہم کو بھول نہیں سکتے۔ بسمہ عابد اللہ جی تمہیں مجھے اور ہر خولہان شہادت کو شہادت ضرور دیں آمین عید الاضحیٰ سروے انیلا نمبر اول بسمہ دوم اور صائمہ نمبر سوم رہی اور ہماری بات ہم شعاع میں ایک بار حصہ لے چکے ایک ہی موضوع پر بار بار لکھنا پسند نہیں ہمارے ساتھ والے شاگرد ابو بکر کا بکرا آ گیا ہے رات میری بیٹی سہیلیوں کے ساتھ واک کر رہی تھی ہم بھی آلو گوبھی کھاتے دروازے میں کھڑے ہو گئے ہوا کھانے اور بکرا دیکھنے اسے آلو دیا تو کھا گیا۔ ذرا مسکرا فی الحال تو مسکراہٹ دور ہے اب کے برس عید اللہ سب کو گوشت سے نوازے تیری زلف کے سر ہونے تک اف اتنی تذلیل ہم تو مر ہی جائیں قربانی اللہ سب کی قبول فرمائے ''رنگ حنا کی بات'' آہا لطف آ گیا اتنی رواں تحریر فریدہ فرید لگتا ہے آپ پر بابا فرید شکر گنج کا سایہ ہے اتنی شیریں زبان قلم ایک ایک لفظ ہیرا موتی اک غمگین کہکشاں بے لوث جذبوں پر مبنی داستان عشق پر اثر تحریر کی سحر کاری نے ایک لفظ بھی قطع نہ کرنے دیا بنا کسی گنجلک کے ہر بات کی سیر حاصل وضاحت کرتی تحریر، مدتوں یاد رہنے والی کہانی بے شمار دیوانوں کو تسخیر کرے گی ان شاءاللہ فریدہ کے لیے اک شعر

تیری تحریر کی سجاوٹ بنے تیرا مقدر
سج جائے تیری زندگی تیری تحریر کی مانند

بڑی عید بڑی خوشیاں، میٹھی میٹھی ذو معنی باتیں یہ گل ہی کا کام ہے ہجر کی پہلی بارش نازیہ ہی کا کام ہے نسل در نسل پیچیدگیاں اتنی خوب صورتی سے نبھانا ہزاروں سال بعد ہجر زدوں پر نرگس کی بارش برسے گی ضرور۔ شکر خدایا صبح کا بھولا شام کو لوٹا شکر خدایا شکر خدایا جنون سے عشق تک واہ اماں بی اچھا قابو کیا ہے دیے اور لہو کو اب دیا جلا کہ جلا اچھا ہوا میرا جلد انجام کو ہو لیں زیادہ طوالت زدہ کہانیاں قاری کو بور کر دیتی ہیں۔

قسمت کے کھیل مہدیہ شیر دل (شیر دلی کا جھولا) رشتوں کی تکون مشکل لگی بہر حال سبق اچھے رہے صرف مزاج کی بات کروں تو خالد صاحب کا مزاج سعد جیسا تھا اور ہم ضد میں مشعال جیسے مگر خدانخواستہ ان کے کام نہ میرے کام ان کی طرح ہم نے کتنوں کو اپنے مطابق کر لیا اور ابھی کتنوں کو اپنے جیسا بنا کر چھوڑیں گے ارے ہم کوئی ولی اللہ نہیں بھئی صرف دوستی سادگی اور ایک دوسرے کو معاف کرنے کی عادتیں سکھاتی ہوں بس اور مل جل کر کام۔ بیاض دل پروین افضل پوری غزل حجاب میں بھیجو، شازیہ ہاشم، دل تو ابھی بھی بچہ ہے ہمارا۔ سنبل ہمیں ماں کی دعائیں تو ملی نہیں ہاں نصیحتیں کام آئیں انیلا طالب جو فقیر اللہ سے مانگے اسے سب ملتا ہے۔ غریب ہو تو غیرت مند امیر ہو تو درد مند، تحریم اکرم مقدر کا سکندر وہ ہوتا ہے جو عمل دار ہو روشنی وفا تمہارا شعر ہم پر فٹ ہو گیا سیدہ لوبا تا عمر بات کر کے بھی آخر جدائی ہے۔ فرح انیس برسات والو سیلاب لاؤ گے کتنے گھر برباد کراؤ گے ارم اسلم مطلب کے لیے ہی مل لو کافی ہے

انجم اعوان اکیلی نماز بھی کافی نہیں لوگ معاف نہیں کرتے اگر ان کے کام نہ آئیں تو۔

بیوٹی گائیڈ ہم تو گنجے ہوجائیں گے مگر بالوں کی حفاظت نہ کر پائیں گے۔ نیرنگ خیال سلمٰی جی اتنی اداسی آپ پر جچتی نہیں سپاس گل زندہ باد کرن شبیر مبارک باد قبول کی کوثر خالد عید خوب جچکی نوشین خود سے مل کے ہی بات بنتی ہے خود سے ملنے میں ساری عظمت تھی تمثیلہ غموں سے تو بھی لڑ جیسے میں غم سے لڑتی ہوں کول ارے تم سے بھی کوئی ناراض ہے ثنائیہ امیر بہت عمدہ جذبات مبارک ہوں۔

سیدہ عبادت جی زندگی کی قدر کریں، ایسے لوگوں کے لیے جئیں جنہیں آپ کی ضرورت ہے نہ کہ ان کے لیے جن کی آپ کو ضرورت ہے اللہ ہے ناں فصیحہ بازی لے گئی۔ دلوں کے سودے مہنگے ہیں پوچھ کے دیکھ دیوانوں سے راشد ترین جی کیا بات ہے آپ کے فون کی۔ ودیج ترمذی نام غلط چھپا ہے ماورا بشارت سنولڑ کی معاف کیا آئندہ غلطی نہ کرنا کنول خان دوستی زندہ باد یاسمین جی وجہ اداسی کی خود ہی تحریر کی ہے تو دور بھی کرلیں، سحرش بری بات ایسے نہیں کرتے ہم مسلمان ہیں ناں، دوست کا پیغام زعیمہ روشن بھئی تم تو پہلے ہی روشن ہو نور مزید ملے طاہرہ منور اپنا ایڈریس فون پر لکھوا دو کتاب مل جائے گی یاسمین کنول نے تو بھیجا ہی نہیں میرا نمبر 03227940087 کوثر خالد امبر خالد، کیا قافیہ بنا سامنے تو آ امبر عظمیٰ شفیق ایڈریس یہ ہے مکان نمبر 315 گلی نمبر 5 نزد چٹھہ اسپتال جڑانوالہ سیدہ لوبا نے بجا فرمایا کہ زندگی استاد بنا دیتی ہے قسمت والوں کو کم عمری میں مشکلات میں ڈال کر مدیحہ ناہید ٹوٹے دل میں خدا بھی رہا کرتا ہے اگر دشمنوں کو معاف کیا جائے تو صائمہ مشتاق، نیلم اور انیلا بے مروت نہیں مجبور ہوں گی کوئی سال بعد ملے مگر خوشی سے بنا شکوہ کے تو رشتے نہیں ٹوٹتے رشتوں کو شکوے اور توقعات توڑتی ہیں شکوہ میں کروں تو جانو میں نے توڑا تم کرو تو تم نے توڑا صبا زرگر جیتے وہی ہیں مرتے ہیں جو اوروں کے لیے۔ طیبہ خاور یہ سب رسالوں کا کمال ہے ورنہ ہم بھی ایسے نہ ہوتے میرا سوالی اہمیت دینے کا شکریہ۔ میں تو سب کو ایک سا پیار کرتی ہوں روشنی وفا بنو، رشک وفا، مبارک ہو منگنی کا حادثہ، ماہ رخ سیال تمہارا تو نام ہی مجھے بہت پسند ہے شاہ زندگی بھی نام کی وجہ سے دل کے قریب ہے حالانکہ میں اسے بالکل نہیں جانتی اللہ نے سب کو ہی مکمل اور اچھا بنایا ہے میں تو جس کو چاہوں اسے دعاؤں سے مانگتی ہوں جیسے تم نے مجھے پکارا حالانکہ یہ میرے دل کی آواز تم تک پہنچی ہے جو تم نے پیاری آنٹی لکھا چندا آج کے خط سے اندازہ کرنا (اگر شائع ہوا) کہ کتنا مشکل ہے سب کو ایک خط میں اکٹھے بات کرنا جدا جدا آئندہ اصرار نہ کرنا ورنہ ادارے والے پریشان ہوجائیں گے اتنے طویل خط سے اور میرے گھر والوں تو پہلے ہی پریشان ہیں میری دوستیوں سے۔ لو بھئی روبینہ کوثر نظر آ گئی جناب آپ پانچوں نعتیں ہمارے ایڈریس پر روانہ کردیں ہم پڑھنا چاہتے ہیں اگر لائق تصحیح ہوئی تو یہ خدمت خوشی سے کریں گے ورنہ سند دیں گے لو جی دو بج گئے بیٹی آ گئی روٹی پکانی ہے۔ اللہ حافظ، پاکستان زندہ باد۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات۔ السلام علیکم آپی جان کیسی ہیں عیدی نہیں بھیجی چلو کوئی بات نہیں اگلی عید پہ بھیج دینا اس دفعہ آنچل لیٹ ملا پر جب ملا تو دل گارڈن گارڈن ہوگیا واہ واہ کتنا خوب صورت ٹائٹل تھا خوب صورت ماڈل تھی مہندی تو تھی ہی پیاری اچھا جی کہانیوں کی بات بعد میں کرتے ہیں پہلے دوسرے سلسلوں پر بات ہوجائے الٹے کام کرنے میں ماہر ہوں ناں تو تبصرہ بھی الٹا ہی کرتے ہیں چلو ہم سے پوچھیے سے شروع کرتے ہیں انیلا طالب، صائمہ سکندر سومرو، ارم کمال کے سوالات ایسے کرارے تھے جیسے چٹ پٹی چنا چاٹ ہو آئینہ میں تو سب کے تبصرے جاندار تھے پروین افضل، دلکش مریم، اقصیٰ کشش، ایس شہزادی زیبا حسن مخدوم میرے پیغامات پسند کرنے کا بے حد شکریہ، یادگار لمحے میں عنبر مجید، نجم انجم، نبیلہ ناز، اقرا وکیل اور مدیحہ نورین مہک (آہم آہم) کے انتخاب ایسے پیارے اور دلکش تھے جیسے عید کی چوڑیاں (مجھے بہت پیاری لگتی ہیں) دوست کا پیغام آئے میں سب نے چاہنے والوں کو پیغامات ارسال کیے اور جنہوں نے مجھے یاد رکھا ان کا بے حد شکریہ بالکل ایسے ہی جیسے آسان سوال پیپر میں دیکھ کر ایک دم منہ سے نکلتا ہے شکر ہے کہ ایک تو آتا ہے (ہاہا) نیرنگ خیال میں میری شاعری نہیں تھی کوئی گل نی جی آج نی تے کل سہی کنول خان، یاسمین کنول، فصیحہ آصف خان، کوثر خالد، طیبہ نذیر، نوشین اقبال اور سلمٰی غزل کی شاعری بہت ہی خوب صورت تھی بیاض دل میں پروین افضل سنبل بلوچ نئی نئی لڑکی لگ رہی ہے مجھے یہ علیشبہ نور، صبا عیشل، روشنی وفا کے اشعار دل کو یوں لگے جیسے اکثر اندھیرے میں ٹھوکر لگتی ہے ہی ہی ہی چلو جی چلتے ہیں کہانیوں کی طرف ایک منٹ چلنے کو تو سب تیار ہوگئے ہیں کرایہ ہے سب کے پاس ہاہاہا اس دفعہ تو سب بڑے بڑے رائٹرز موجود تھے واہ جی نزہت جبین ضیاء کا افسانہ قربانی اچھا تھا فرح بھٹو، فرح طاہر کمال لکھا آپ دونوں نے بھی سپاس آپی واقعی ہی بڑی عید کی بڑی خوشیاں تھیں گڈ۔

تسنیم سحر رانو...... اسلام آباد۔ السلام علیکم بعد از سلام مدیرہ اینڈ ڈیئر اسٹاف آنچل ہر ماہ کی طرح آنچل ملا گو جان میں جان آئی حمد و نعت پڑھ کر دل کو دلی سکون ملا پھر کیا تھا (ذرا مسکرا میرے گمشدہ) جلدی سے شروع کی جوں جوں پڑھا اچھا لگا جو اچھا نہیں لگا وہ اربش کا باہر جانے کا پروگرام بھئی یہ تو میری سوچ ہے فاخرہ گل صاحبہ کیا کرتی ہیں ہم تو ہر ماہ شدت سے انتظار کرتے ہیں پھر نازیہ کنول نازی کا ناول شب ہجر کی پہلی بارش، بہت اچھا بہت خوب کہتے ہیں کسی کے مرنے پر خوش نہیں ہونا چاہیے مرنا خود کو بھی ہے لیکن ملک فیاض کی موت پر خوشی محسوس

ہوئی سارا بیگم کو بھی پتا چل رہا ہے زیادتی کرنے کا انجام بیاض دل میں اچھے شعر ہیں لیکن شازیہ ہاشم قصور کا شعر بہت پسند آیا نیرنگ خیال میں جو خوب صورت نظم ہے وہ ہے رانا شبیر کراچی سے دوست کا پیغام پڑھ کر اچھا لگا آنچل میں سب کچھ اچھا تھا اینڈ آنچل کا شدت سے انتظار رہے گا۔

طیبہ حنا رتیڑہ...... تونسہ شریف۔ السلام علیکم! کافی عرصے کے بعد قلم اٹھایا ہے امید ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے سب ٹھیک ٹھاک ہوں 22 کو آنچل ملا ٹائٹل ہمیشہ کی طرح زبردست تھا دلہن بہت پیاری لگ رہی تھی سرگوشیاں حمد و نعت دانش کدہ سے فیض یاب ہونے کے بعد شب ہجر کی پہلی بارش پڑھا وہاں صمید حسن پر غصہ آیا اچھا ہوا فیاض ملک کے ساتھ آپی تھوڑا زیادہ لکھا کریں تیری زلف کے سر ہونے تک لاریب صاحب پر ہنسی آتی ہے انشی پر شروع میں غصہ آتا تھا اب ترس آتا ہے بے چاری پر کہ کیسی نانی اور کیسے نوفل ہیں۔ یمیرا بہنا واہ خوب آپ کے ناول میں ہمیشہ ضدی بندہ ضرور ہوتا ہے امید ہے آپ افکن اور شہری کو اچھا کردیں گی فاخرہ آپی دیکھتے ہیں آپ کیا کرتی ہیں کمال ہے سکندر صاحب کی توبہ فریدہ فرید یار زبردست بہت خوب صورت موضوع بہت خوب صورت فقرے جملے خوب صورت منظر نگاری ہر چیز لاجواب تھی پہلی مرتبہ آپ کو پڑھا ہے سید ھادل پہ چھا گئی ہو یار عہد وفا کا عمدہ سبق تھا آپ کے ناول میں۔ بیوٹی گائیڈ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے باقی شمارہ ابھی زیر مطالعہ ہے مدیحہ نورین مہک کیا آپ میری کلاس فیلو ہو یار میرے تو چالیس دن کے بعد فائنل پیپر ہیں اس کے بعد میں فری اور میرا آنچل آ ہا ہا اس سے پہلے میرا تبصرہ مارچ 2015ء میں شائع ہوا تھا کیونکہ پھر میرا ایڈمیشن ہوگیا تھا اور مصروفیت بڑھ گئی تھی اگست کے شمارے میں حور خان نے خاموش قارئین سے دوستی کرنا چاہی اور فرحت الیاس گھسن نے اگر آپ کو میری دوست بننا اچھا لگے تو مجھے بتانا پروین آپی اور تمنا کے دکھ میں میں برابر شریک ہوں دل آپ دونوں کے لیے جڑواں بچوں کی دعا کرتا ہے تمنا بلوچ اور ماہ رخ سیال یار آپ مجھے اپنے دل کے قریب لگتی ہو شاہ زندگی کے اللہ درجات بلند کرے آمین، اگلے دو ماہ تک اللہ حافظ پھر ان شاء اللہ ہر ماہ حاضری ہوگی مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔

محسن عزیز حلیم...... کوٹھا کلاں۔ السلام علیکم پیاری بہن شہلا آنچل اسٹاف اور قارئین کو ہماری طرف سے محبت بھرا اسلام آئی ہوپ کہ سبھی نے عید اچھے طریقے سے سلیبریٹ کی ہوگی اور خوب سارا گوشت کھایا ہوگا بھئی میں تو مٹن قورمہ نہیں کھاتا اور بیف کے تو نزدیک بھی نہیں بھٹکتا پلی کا زبیف کھانے سے ہمیں جنات آ پکڑتے ہیں آئی ایم سیریس بس چکن ہی کھاتا ہوں اور ویسے بھی میری امی کی ڈیتھ کے بعد یہ پہلی عید آئی تھی سو یہ عید بہت ایموشنل اور سیڈسی گزری اینی وے اس دفعہ آنچل جلد ہی مل گیا سرورق ماہی کے ساتھ جگمگا رہا تھا پری ڈیشنگ اینڈ چارمنگ ٹائٹل تھا سب سے پہلے مدیرہ جی کی سرگوشیاں پڑھیں پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے در جواب آں میں حاضری دی تو پھر میرے فیورٹ سلسلے وار الکوئز کی طرف بڑھے ہمارا آنچل میں شازیہ نصیر، زکا زرگر، صبا زرگر، ملازم صابرہ اور بسمہ عابد کا تعارف پڑھا بہت اچھا لگا عید سروے میں سبھی کے خیالات پسند آئے سلسلہ وار ناول کی بات ہوجائے تو تیری زلف کے سر ہونے تک اور شب ہجر کی پہلی بارش یہ دونوں ناولز بہت ہی اچھے طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں مکمل ناولز میں ذرا مسکرا میرے گمشدہ فاخرہ آپا کیا ہی بات ہے قسمت نے بہت اچھا کھیل کھیلا ہے حنین کے ساتھ جنون سے عشق تک یہ ناول تو بالکل اس پیار کو کیا نام دوں جیسا ہے افکن سیم اشلوک جیسا اور شہرینہ آستھا جیسی یمیرا آپی بہت محنت کررہی ہیں رنگ حنا کی بات نہ چھیڑ فریدہ فرید آئیں اور کمال کردیا یار ویری بیسٹ ناولٹ میں قسمت کے کھیل مہدیہ شیر دل بہت اچھا ناولٹ تحریر کیا آپ نے افسانے سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے یادگار لمحے میں نبیلہ ناز ٹھنگ موڑ، خزینہ طاہر، عروسہ شہوار، رفیع اسماء، گل مغل، اقصیٰ کشش صبا زرگر ذکا زرگر، سنبل بلوچ، طاہرہ منور، ایقہ احمد، عنبر مجید ان سب بہنوں نے بہت اچھا لکھا اور ہم آپی پروین افضل شاہین کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولاد سے نوازیں آمین' عید کی وجہ سے خط تھوڑا سا لیٹ ارسال کررہا ہوں پلیز دیکھ لیجیے گا اور آخر میں آنچل کے لیے ڈھیر ساری دعائیں زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔

☆ بھائی صاحب' انڈین فلم سے متاثر ہونا چھوڑ دیں اور حقیقت کی دنیا میں دیکھیں' ایسے بہت سے کردار نظر آئیں گے۔

اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ رب العزت ہم تمام مسلمانوں کی مشکلیں آسان فرمائے اور وطن عزیز کو تاقیامت قائم ودائم رکھے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

ارم کمال......فیصل آباد

س: شمائلہ جانو وہ کون سا جھوٹ ہے جس پر سچ کو قربان کرنے کو دل چاہتا ہے؟

ج: تم بہت خوب صورت ہو۔

س: جلدی سے بتادیں محبت سوز ہے یا ساز؟

ج: اگر آواز سریلی ہے تو سوز اور بے سری ہے تو ساز۔

س: شمائلہ جی "آ بیل مجھے مار" کیوں کہتے ہیں "آ گائے مجھے مار" کیوں نہیں کہتے؟

ج: اگر گائے سے کہا تو پھر تم سب کو مارتی پھرو گی اپنے شوہر کو اس کام کے لیے رہنے دو بس۔

س: شمائلہ جی یہ بتائیں کہ الو بنانا آسان ہے یا الو سے ملنا؟

ج: تم ویسے ہی الو بن کر الو سے ملی ہو اب کچھ نہیں ہوسکتا۔

سمیرا سواتی......بھیر کنڈ

س: مزاج گرامی کیسے ہیں شمائلہ آنٹی کے؟

ج: لگتا ہے گرمی سے نظر کمزور ہوگئی ہے دادی کی' میں ٹھیک اور بہت خوب صورت' اسمارٹ اور کیوٹ بھی ہوں۔

س: سنا ہے آپ ہمیشہ ریشمیا کی بہن ہیں جو اتنے بے سرے گانے گاتی ہیں؟

ج: میں تو کبھی بھی بے سرا گاتی ہوں تم تو بولتی ہی ناک سے ہو۔

س: میں آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہوں (صرف تنہائی اپنے چوچ پاچ کو ساتھ نہیں لانا) بتائیں پھر ڈیٹ پر کہاں آرہی ہیں؟

ج: صرف خوابوں میں' شرط ہے کہ خواب دیکھنے والا میری طرح خوب صورت ہو۔

بشریٰ کنول سرور......سیالکوٹ' ڈسکہ

س: میری طرح پیاری شمائل آپی جی کیا حال چال ہیں؟

ج: تمہاری طرح اللہ نہ کرے' تم سے کہیں زیادہ پیاری' خوب صورت اور حسین ہوں میں تم سوچ بھی نہیں سکتی۔

س: شمائل آپی' جو سمجھ سمجھ کے سمجھ کو نہ سمجھے وہ آپ کی سمجھ میں کیا ہے؟

ج: بس تم۔

س: آپی جی میری دیرینہ خواہش کیا ہے (ذرا سوچ کے......)؟

ج: تمہیں اچھی سی پیاری سی' سگھڑ سلیقہ مند نند ملے جو تمہارے اشارے پر سارے گھر کے کام کرے۔

س: آپی جی میں آپ کو خوابوں میں دیکھ کر ڈر کیوں جاتی ہوں؟ یا پھر میری نظر کا دھوکہ ہے؟

ج: تم نے کبھی خوب صورت لوگ خواب میں نہیں دیکھے اس لیے۔

س: آنی صاحبہ مجھے حسن شاہکار کہتے ہیں اور آپ کو؟

ج: دنیا کا واحد حسین شاہکار' جل گئی ناں۔

س: آپی یہ مدیحہ نورین مہک (آپی) اتنی کھنچی کھنچی کیوں رہتی ہیں؟

ج: کیونکہ تم چیونگم کی طرح جو چپک جاتی ہو اس لیے۔

انیلا طالب......گوجرانوالہ

س: میں سوچ رہی ہوں اس عید پر مرغی نہ قربان کردوں مگر وہ بھی خریدنی پڑے گی؟

ج: خوابوں میں قربان کردینا وہ بھی اگلی عید الاضحیٰ پر' بچت کی بچت اور قربانی بھی۔

س: آپی قربانی کے گوشت کو کیسے سمیٹا جائے؟

ج: صاف صاف پوچھو ناں کہ کیسے ڈیپ فریز کیا جائے۔

پرنسز اقو......تلہ گنگ

س: بزم شائلہ میں ہم پھر سے حاضر ہیں' کیسا لگا؟
ج: بالکل ایسا جیسے شدید گرمی و حبس میں بجلی چلی جائے۔
س: آپی تیسری بار آپ کی بزم میں حاضر ہوئی ہوں آپ تو خوشی سے پھولتی ہی جارہی ہیں' کیوں؟
ج: تم جو میرے لیے کلفٹس لے کر آئی ہو ان کو دیکھ کر۔
س: آپی بقر عید قریب ہے میرے لیے بکرا بھیج رہی ہیں ناں؟
ج: میں تو بکرا کب کا بھیج چکی تمہارے لیے اور سنا ہے وہ تمہاری ہونے والی نند کھا بھی گئی۔
س: آپی اگر ہونٹوں پر ایلفی لگا دیں تو......؟
ج: آئندہ ایسے سوالات کی بجائے تم یہی کرنا اچھی لگو گی۔
س: آپی سب مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم سنگدل کیوں ہو؟ میں کیا جواب دوں؟
ج: یہ ہی کہ میں ابھی سنگل ہوں اس لیے۔

پاکیزہ علی......جتوئی

س: ہم رات بھر چاند کو دیکھتے رہے اور وہ......؟
ج: بے خبر سوئے رہے تم بھی اب لمبی تان کر سو جاؤ۔
س: آپی اتنی گرمی ہے میں آپ کے لیے جوس بنا کر لائی ہوں کریلے اور سبز مرچ کا' پی کر بتائیے کیسا لگا؟
ج: تم نے اپنا پسندیدہ مشروب بنایا ہے تو شروعات بھی تم ہی کرو۔

ایس چلبلی......نور پور تھمن

س: سویٹ شائلہ' بقر عید پر گوشت ضرور بھجوانا۔
ج: بارہ من کی دھوبن اس قدر گوشت جمع کر کے کیا کرو گی۔
س: شازی' نرگس مسکراتی ہیں تو دانت کیوں نظر آتے ہیں؟
ج: ان کی بتیسی سلامت ہے تو نظر تو آئے گے ناں اب ہر کوئی تمہاری طرح پوپلے منہ کا تھوڑی ہوتا ہے میری پوپلی آنٹی۔

نورین انجم......کراچی

س: میں نے سنا ہے کہ آپ عید پر ہمارے گھر تشریف لائیں گی' واقعی؟
ج: یہ افواہ یقیناً آپ کی امی حضور نے اڑائی ہوگی اور وہ بھی آپ کے ابو کو ڈرانے کے لیے' اب میں اتنی بھی غصہ کی تیز نہیں۔
س: میں اور میری مما آپ سے بے حد پیار کرتے ہیں' کیا آپ بھی کرتی ہیں ہم سے؟
ج: ایمان سے صرف تم سے' تمہاری امی سے تو......
س: بندر کیا جانے ادراک کا مزا' یہ کہاوت سنی ہے مگر اس کا مطلب سمجھ ہی نہیں آتا کہ بندر کس کو کہا گیا ہے اور ادراک کا مزا اسے کیوں نہیں آیا؟
ج: بھائی کے ہاتھ میں ادرک پکڑا کر محاورہ سمجھ لو۔

نبیلہ ناز......ٹھینگ موڑ الٰہ آباد

س: تو آپ ہمارے اتنے برانڈڈ کپڑے دیکھ کر جل کیوں رہی ہیں؟
ج: یہ برانڈڈ کپڑے ہیں یا گائے بکرے کی کھال؟
س: آپ ہر سوال سسرال سے کیوں ریلیٹ کرتی ہیں؟ اس کی وجہ تسمہ؟
ج: آخر تمہیں بھی سسرال جانا ہی ہے ناں۔

نجم انجم اعوان......کراچی

س: شمو رانی یہ تو بتائیے کہ کل آپ میرے ملک صاحب سے فون پر چھپ چھپ کر کیا باتیں کر رہی تھیں؟
ج: آج کل تو وہ بطور قصائی اپنے فرائض انجام دے رہے تھے تو میں نے سوچا لگے ہاتھوں ہم بھی قربانی کروالیں۔
س: آپ کو معلوم ہے عید پر پرنس افضل شاہین پروین کے ہاتھوں کے سلے ہوئے کپڑے پہن کر جوکر لگ رہے تھے ہی ہی ہی (نو مائنڈ)
ج: آپ پرنس صاحب کو چھوڑ کر ملک صاحب پر نظر ڈالیے تو تہبند اور سدری کے ہمراہ بغل میں چھری دبائے

کھڑے ہیں۔
س: اس عید پر مرغی کی قربانی کررہی ہوں سر اور پاؤں آپ کو دوں گی تاکہ سر کھا کر دماغ تیز اور پیروں سے چل کر میرے گھر آؤ۔
ج: یہ عنایات تم کسی اور پر کرو کیونکہ تمہارے گھر آنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

رقیہ ناز......میلسی

س: اچھا شالو جی یہ بتائیں یہ جو کھالیں جمع کرنے کا مدرسہ بنایا ہے اس میں کتنی کھالیں جمع ہوگئی ہیں؟ آپ کے وہ پیسوں کی آڑ میں بیٹھے ہیں۔
ج: یہ تو تم بتاؤ کہ کتنی کھالیں جمع ہوگئی ہیں اس کام پر تمہیں جو مامور کیا تھا۔
س: آپی یہ بتائیں کہ آپ ہم جیسی چھوٹی چھوٹی بچیوں کو سسرال کے نام سے کیوں ڈراتی رہتی ہیں؟
ج: دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوتے ہیں اوپر سے اداکاری تو دیکھو۔ پرانے وقتوں کی دادی' نانی کو بھی مات دے رہی ہو۔
س: پلیز اس بار ردی کی ٹوکری میں میرا لیٹر نہیں ڈالنا ورنہ ان کو شکایت لگادوں گی؟
ج: پہلے اس "ان" کی وضاحت کرو' مطلب تمہاری سسرال ہی ہوئی ناں۔

عائش کشمالے......رحیم یار خان

س: مزے دار سی اپیا جانی' ارے بیٹھ جایئے ایسے منہ کھول کر ہمیں کیا دیکھے جارہی ہیں؟ اچھا ایسی خوب صورت' من موہنی سی لڑکی پہلی دفعہ جو دیکھی ہے؟
ج: اسے کہتے ہیں خوش فہمی' اب اگر تمہارا دل رکھنے کے لیے تمہارے چند دوست تمہاری تعریف کسی غرض سے کرتی ہیں تو اس پر غور کرنا کہ شرمندگی اٹھاؤ۔
س: مجھے آپ سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی' اچھا احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں فیئر اینڈ لولی لگایا کریں۔
ج: تم تو فیئر اینڈ لولی کا چلتا پھرتا اشتہار بنی ہوئی ہو' کچھ بھی کرلو مجھ جیسی خوب صورت نہیں ہوسکتی۔
س: کیا آپ گھر میں ایسے مزے دار جواب دیتی ہیں' پلیز کبھی اپنی بہن' امی سے ملوایئے ہم ان کا حال دریافت کرلیں؟
ج: میری بہنیں تو اسی محفل میں شامل ہیں' تم اپنا حال سناؤ۔
س: اللہ پاک آپ کی ابھی اور آئندہ زندگی سدا خوشیوں کے بھری رکھے' آمین' ارے مجھے بھی کوئی اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں تاکہ پھر آسکوں؟
ج: خوش رہو گھر کے کاموں کے ساتھ۔

طیبہ خاور سلطان......عزیز چک' وزیر آباد

س: کیسی ہیں آپ جی' کیسی گزری عید؟
ج: تمہارے سوالوں کی قربانی کرکے مزے کی۔
س: جہاں دیکھو وہی لوگ جل رہے ہوتے ہیں کسی کو کوئی خوش نہیں دیکھ سکتا؟
ج: تم نے تو آتے ہی اپنی باتیں کرنی شروع کردیں۔
س: میں سب کو خوش رکھتی ہوں لیکن میرے خلوص کو کوئی سمجھتا نہیں؟
ج: کیونکہ تمہارا خلوص ملک کے وزیر جیسا ہے جو صرف اپنے مفاد کے لیے سوچتا ہے۔

آپ کی صحت

صوفیہ، خوشاب سے لکھتی ہیں کہ میری یادداشت کمزور ہے، دماغ پر کافی زور ڈالنے کے بعد کوئی بات بڑی مشکل سے یاد آتی ہے۔ اس کے لیے کوئی مناسب دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ Kali phos 6x کی 2 گولیاں دن میں تین بار کھائیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

شوکت اعوان، ہری پور سے لکھتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں میں بہت خشکی ہے جس کی وجہ سے مجھے کم سنائی دیتا ہے، برائے مہربانی کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ Mullein Drops کا ایک ایک قطرہ صبح اور رات میں دونوں کانوں میں ڈالیں، ان شاء اللہ قوت سماعت بہتر ہوجائے گی۔

شازیہ سلیم، چکوال سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 20 سال ہے، مجھے کمر کے مہروں میں درد کی شکایت ہے، کافی علاج کیا، لیکن وقتی آرام آتا ہے، کوئی دوا تجویز کردیں کہ مکمل طور پر آرام آجائے۔ میرا دوسرا مسئلہ بریسٹ پرابلم ہے 3 سال سے بریسٹ میں بہت درد رہتا ہے، کبھی گٹھلیاں بھی محسوس ہوتی ہیں، میں غیر شادی شدہ ہوں، اس مسئلے کی وجہ سے کافی پریشان ہوں۔

محترمہ آپ مہروں کے درد کے لیے Theridion 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں اور بریسٹ کی الٹراساؤنڈ رپورٹ کرواکر کلینک کے ایڈریس پر ارسال کردیں تاکہ مناسب دوا کا انتخاب ہوسکے۔

فاطمہ، ننکانہ سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھ رہا ہے وزن کم کرنے کے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں اور یہ بھی بتائیں دوا کتنے عرصے استعمال کرنی ہے اور پرہیز بھی بتادیں کہ دوبارہ ویٹ نہ بڑھے۔

محترمہ آپ Phytolacca Barry Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ 6 ماہ کے استعمال سے کافی فائدہ ہوگا۔ آلو، چاول، مٹھائی اور تلی ہوئی چیزوں سے پرہیز کریں، اس کے علاوہ روزانہ 30 منٹ واک کریں۔

عائشہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 17 سال ہے، میں جسمانی طور پر بہت کمزور ہوں۔

محترمہ آپ Alfalfa Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

فرحان، جھنگ سے لکھتے ہیں کہ اُن کی عمر 19 سال ہے ان کا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترم Alfalfa Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں کھانے سے پہلے پئیں اور Acid Phas 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں کھانے کے بعد پئیں۔ بُری صحبت سے پرہیز کریں اور نماز باقاعدگی سے پڑھیں ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

عبدالقیوم، مانسہرہ سے لکھتے ہیں کہ پروسٹیٹ گلینڈ بڑھا ہوا ہے، پیشاب کرنے کے باوجود لگتا ہے ابھی اور آئے گا کافی دیر تک قطرہ قطرہ آتا ہے۔

محترم آپ Conium-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

فرحین احمد، گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ شادی کے 8 ماہ بعد میرا ماہانہ نظام بالکل بند ہوگیا ہے اور اب تک اولاد سے محروم ہوں کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترمہ آپ Pulsatilla 1M کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ہر آٹھویں دن میں ایک بار پئیں، ماہانہ اخراج جاری ہونے پر دوا کا استعمال بند کردیں۔ اس کے بعد Ashoka Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں ان شاء اللہ صاحب اولاد ہوں گی۔

بنت معاویہ' میاں چنوں سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا بتادیں اور موٹاپے کی بھی دوائی بتادیں۔ دوسرا مسئلہ میری امی کا ہے انہیں چکر بہت آتے ہیں اور بلڈ پریشر Low رہتا ہے اور سینے میں جلن بہت ہوتی ہے' امی تین سال سے ہومیو پیتھک میڈیسن استعمال کررہی ہیں لیکن کوئی فرق نہیں ہے۔ کبھی چکر زیادہ آنا شروع ہوجاتے ہیں اور جلن رک جاتی ہے اور کبھی دوائی کی وجہ سے چکر آنا بند ہوجاتے ہیں تو جلن اسٹارٹ ہوجاتی ہے' امی کوئی بھی نمکین یا میٹھی چیز نہیں کھاسکتی' دودھ تک نہیں پیا جاتا' پلیز میری امی کے لیے بھی کوئی دوائی بتادیں آپ

کی مہربانی ہوگی۔
محترمہ آپ Phytolacaberry Q کے دس قطرے اور Pullsatilla 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں او راپنی امی کو Conium 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔
ام سارہ‘ حافظ آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ جھائیاں ہیں خصوصاً ناک‘ گال اور ہونٹوں کے اوپر۔ کریم استعمال کرنے سے وقتی طور پر مدھم ہوتی ہیں لیکن بعد میں کالی سیاہ ہوجاتی ہیں۔ میں ان سے بہت پریشان ہوں پلیز ان کا کوئی حل بتادیں‘ میری چھوٹی بہن کا چہرہ پہلے صاف تھا لیکن اب اس کے چہرے پر بھی جھائیاں بننا شروع ہوگئی ہیں۔ بہن کی ٹھوڑی پر بال بھی ہیں اس کا حل بھی بتادیں۔
محترمہ آپ Barbaris Equifalium Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں اور اپنی چھوٹی بہن کے لیے ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ ۹۰۰ روپے کا منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں‘ Aphrodite Hair Inhibitor آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔
شازیہ‘ وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ Alfalfa Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔
منال عاشر‘ سنجر پور سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال سفید ہیں جبکہ میری عمر چوبیس سال ہے‘ سر میں خارش رہتی ہے‘ جس کی وجہ سے زخم ہوجاتے ہیں۔ میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر بھورے تل ہیں پہلے کم تھے اب سارے چہرے پر بنتے جارہے ہیں۔ برائے مہربانی میرے ان مسئلوں کے لیے کوئی دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ Graphites 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں اور دوسرے مسئلے کے لیے Thuja Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔
اقصیٰ وقاص‘ اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر انیس سال ہے‘ کچھ مہینے بعد میری شادی ہے‘ میں چاہتی ہوں کہ شادی سے پہلے میرے بالوں کی حالت کچھ بہتر ہوجائے جو کہ بہت خراب ہوچکی ہے‘ بال روکھے اور بے رونق ہوگئے ہیں اور تیزی سے گر بھی رہے ہیں‘ ہیر گرور منگوانے کا طریقہ بھی بتادیں؟
محترمہ آپ کا مسئلہ ہیر گرور سے حل ہوجائے گا۔ گھر پر منگوانے کے لیے مبلغ ۷۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں۔ آپ کو ایک بوتل بھیج دی جائے گی۔
س‘ ت‘ رفیع‘ تلہ گنگ سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ Platina 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔
زینب فاطمہ‘ کوٹ اڈو سے لکھتی ہیں کہ میرا پہلا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں‘ اور دوسرا مسئلہ مجھے ہر وقت قبض رہتی ہے‘ کئی بار تین دن ہوجاتے ہیں‘ ماہانہ ایام کے دنوں میں پیاس بہت لگتی ہے‘ میرا پیٹ بھی بڑھ گیا ہے‘ ان تمام مسائل کے لیے بھی دوائی تجویز کردیں۔
محترمہ آپ پہلے مسئلے کے لیے Platina 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ دوسرے مسئلے کے لیے Nux Vomica 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔
سدرہ علی‘ سکھر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر اس وقت اٹھارہ سال ہے‘ سولہ سال کی عمر میں میرے چہرے پر ٹھوڑی کے نیچے کچھ بال نکلے تھے اور اب وہ بہت تیزی سے پھیل رہے ہیں‘ کوئی ایسا طریقہ ہے کہ بغیر کسی تکلیف کے غیر ضروری بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں۔
محترمہ اس کے لیے ہمارا تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor استعمال کرنا ہوگا۔ آپ ہمیں مبلغ ۹۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں۔ آپ کو ایک بوتل آپ کے گھر بھیج دی جائے گی۔ اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔
حریم فاطمہ‘ جام پور سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

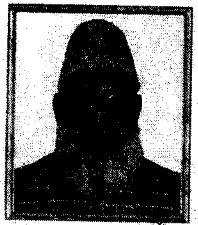

ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ ''ماہنامہ آنچل'' کے معروف سلسلے ''آپ کی صحت'' کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔

قدرتی بال، سر کی رونق بحال

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/700 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے

چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/900 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/800 روپے

ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/600 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے

ایفروڈائٹ پین کلر

ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت =/700 روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے

زیر نگرانی:
محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیٹس فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی 75850
فون نمبر: 021-36997059 صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں

منی آرڈر بذریعہ
پاکستان پوسٹ بھیجنے کا پتا:
منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر، نام، ایڈریس، مطلوبہ دوا، بھیجی گئی رقم، 0320-1299119 پر SMS کریں

بغیر میرے تمام امراض کا علاج بتایئے گا۔

محترمہ آپ Cimicifuga 30 اور Carboveg 30 کے پانچ، پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

سمعیہ، حاصل پور سے لکھتی ہیں کہ میرا پہلا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں اور دوسرا مسئلہ بھنوؤں میں سفید ہونا شروع ہوگئی ہیں جبکہ میری عمر چھبیس سال ہے۔

محترمہ آپ Theridion 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں، دوسرے مسئلے کے لیے Natrum Mure 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

ماریہ خان، کوٹلی آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر اٹھارہ سال ہے، نسوانی حسن کی کمی ہے، کچھ مہینے بعد میری شادی ہے، میرا مسئلہ بھی حل کردیں۔

محترمہ آپ Sabal Serulatta Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ اس کے علاوہ چھ سو روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کردیں، بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا، دونوں دواؤں کے استعمال سے ان شاء اللہ تعالیٰ قدرتی حسن بحال ہوجائے گا۔

مسز فرحان قریشی لکھتی ہیں کہ ہمارے گھر میں زیادہ تر بڑے کا گوشت کھایا جاتا ہے، جس کے کھانے سے میرے سر میں درد رہتا ہے۔ پیشانی دبانے سے سر درد اور تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے، کوئی دوائی بتادیں۔

محترمہ آپ Staphysagira 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

نائلہ، بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ میری عمر بیس سال ہے، میری دور کی نظر کافی کمزور ہے، رات کو بالکل نظر نہیں آتا۔ کوئی دوائی بتادیں۔

محترمہ آپ Physostigma 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

انیلا رشید، چکوال سے لکھتی ہیں کہ میری ایک سہیلی کے ساتھ ناخوشگوار حادثہ ہوگیا تھا، کچھ مہینے بعد اس کی شادی ہے اس وجہ سے وہ کافی پریشان ہے۔

محترمہ آپ اپنی سہیلی کے مسئلے کے لیے 1600 کا منی آرڈر کلینک کے پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام "خاص دوا" ضرور لکھیں، ایک ہفتے میں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی، اس کے استعمال سے ان شاء اللہ آپ کی سہیلی کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

انیلا رحمٰن، چکوال سے لکھتی ہیں کہ مجھے آدھی رات کے وقت شدید کھانسی کے دورے پڑتے ہیں، گلے سے خرخراہٹ، کوے کی سی آواز نکلتی ہے، کھانسی کی وجہ سے دم گھٹنے لگتا ہے، کوئی دوائی بتادیں۔

محترمہ آپ Sambucus 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

جمیلہ رضا، گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ مجھے اکثر پیچش کی شکایت رہتی ہے، کبھی قبض بھی ہوجاتا ہے، پیچش بدبودار ہوتی ہے۔ کوئی دوائی بتادیں کہ میرا مسئلہ حل ہوجائے۔

محترمہ آپ Lachesis 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

منی آرڈر کرنے کا پتا:

ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دکان نمبر C-5 ، کے ڈی اے فلیٹس، فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 ، سیکٹر B - 14 ، نارتھ کراچی۔ 75850 فون نمبر 021-36997059

صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے۔

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 03494900800

خط لکھنے کا پتا:

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

آج کل کا دور مشینی دور ہے ہر کام اسپیڈ سے ہوتا ہے اس کے باوجود بھی زندگی اتنی مصروف ہوتی جارہی ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کو خوش گوارترین بنانے کے لیے بھی وقت نہیں ملتا۔اس کے لیے ہم آج آپ کو ایسے طریقے بتاتے ہیں جس سے آپ محسوس کریں گی کہ آہستہ آہستہ آپ کی زندگی خوب صورت ہوتی جارہی ہے۔

کھانا پکانا

ضروری نہیں کہ آپ کھانے میں ڈھیر ساری ڈشز کے انبار لگادیں' چاہے آپ ایک ہی ڈش پکائیں مگر اپنے ہاتھوں سے پکائیں۔روزانہ ایک جیسا کھانا نہ پکائیں' موسم کے حساب سے تیار کیا گیا کھانا سب کو پسند بھی آئے گا اور آپ کو سراہا بھی جائے گا۔اس کے علاوہ چھٹی والے دن ذرا خاص اہتمام کریں تاکہ گھر والے آپ کے مداح ہوجائیں۔

کھانا کھانا

ہمیشہ اپنی یہ کوشش رکھیں کہ الگ الگ سب لوگ کھانا نہ کھائیں بلکہ جب سب لوگ واپس آجائیں تو سب مل کر کھانا کھائیں۔کھانا کھاتے وقت آپ آپس میں باتیں کریں' ڈسکشن کریں مگر ایسی باتیں نہ کریں جس سے بات بحث مباحثہ تک پہنچے اور ماحول خراب ہو' دلچسپ باتیں تاکہ ماحول ہلکا پھلکا رہے۔

گھریلو مصروفیات

آپ اگر گھر کے کاموں میں بہت مصروف ہوتی ہیں تو چند کام ایسے ہوتے ہیں جس کو کر کے بچے خوش ہوتے ہیں جیسے کہ اگر کام کاج کرنے جتنے بچے ہیں تو ان کو کام کرنے دیں جیسے کہ ان کو آٹا گوندھنا' واشنگ مشین میں کپڑے ڈالنا' کار دھونا' ویکیوم کرنا ایسے کام ہیں جسے بچے شوق سے کرتے ہیں تو ان کو اپنے ساتھ مصروف رکھیں اس سے بچے کام سیکھ بھی جائیں گے اور دلچسپی لے کر آپ کے ساتھ خوش بھی رہیں گے۔

ایکسر سائز کرنا

روزانہ کچھ دیر کے لیے ورزش ضرور کریں اور اس وقت اپنے بچوں کو بھی ساتھ رکھیں اور ہوسکے تو اپنے شوہر کو بھی ساتھ رکھیں۔اس سے پوری فیملی بھی اس اچھی عادت کو اپنائے گی اور ساتھ وقت گزارنے کا بھی اچھا موقع ہے۔

واک کرنا

صبح سویرے اٹھ کر کام شروع کرنے سے پہلے بچوں کے اسکول جانے اور شوہر کے آفس جانے سے پہلے اگر دس' پندرہ منٹ کی واک کی جائے تو بھی بہت بہترین چیز ہے۔

نماز کی عادت

اپنے گھر والوں میں نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں اور اپنے بچوں کو اپنے ساتھ نماز پڑھایئے اور لڑکوں کو گھر کے بڑوں کے ساتھ مسجد میں بھیج دیجیے۔آپ خود دیکھیں گے آپ کے گھر کا ماحول خودبخود آئیڈیل ہوجائے گا۔

باغبانی

گھر کو اگر پودوں اور پھولوں سے سجادیا جائے تو اس کی خوب صورتی اور سکون میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ہرا بھرا گھر اپنے ہاتھوں سے سجایا گیا ہو تو پھر اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے اور بچوں کو تو پودوں سے بہت پیار ہوتا ہے آپ بچوں کو پودوں کی دیکھ بھال کرنا سکھائیں' اس کو

پانی دینا' ان کی حفاظت کرنا سکھایئے۔ ان کو بتائیں کہ بیج کو کس طرح سے بویا جاتا ہے' اس سے بچے آپ کی مدد کریں گے اور ان کی محنت سے لگائے گئے پودے جب بڑے ہوں گے تو وہ اور بھی زیادہ خوش ہوں گے۔

کھیل کود

بچوں کے ساتھ صرف ایسے کام نہ کریں جس میں آپ ان کو دلچسپی دلائیں بلکہ ایسے کام بھی کریں جس سے بچوں کو پتا لگے کہ آپ بھی ان کی چیزوں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ معلومات کھیل وغیرہ بھی کھیلتے رہیں' اس سے بچوں کی اچھی تربیت بھی ہوگی اور وہ آپ کے ساتھ خوش بھی رہیں گے۔

ٹی وی دیکھنا

بچوں کو وہ ٹی وی پروگرامز دکھائیں جو اُن کے لیے اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کے لیے بہترین ہو اور پھر ان سے پوچھیں کہ آپ نے ان پروگرامز میں کیا دیکھا اور پھر ان کو سمجھایئے کہ ان ڈراموں کا مقصد کیا تھا۔ بچوں کے سو جانے کے بعد اگر آپ کے شوہر آپ کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھنا اور باتیں کرنا چاہتے ہیں تو بالکل بھی اگنور نہ کریں ورنہ وہ آپ کی طرف سے دل میں میل لے آئیں گے' ان کی پسند کے پروگرامز بھی ضرور دیکھیں۔

کمپیوٹر اور گیمز کھیلیں

آپ بچوں کے ساتھ کمپیوٹر پر بیٹھیں' انہیں اس کے متعلق باتیں بتائیں اور کوشش کریں کہ یہ کام آپ اس وقت کریں جب آپ کے شوہر بھی ساتھ ہوں یا جب وہ ایسی کوئی ایکٹوٹی کر رہے ہوں تو آپ ان کے ساتھ ضرور شریک رہیں۔ یہ کہہ کر دور نہ ہٹ جائیں کہ میں کیا جانوں اس میں کیا کیا ہو رہا ہے۔

کپڑوں کی استری اور دھلائی

جب آپ کپڑوں کی دھلائی کر رہی ہوں اور گھر کے افراد آس پاس ہوں تو مدد ضرور لیں اگر ایسا کریں گی تو ان کو گھر کا ہی حصہ محسوس ہوگا اور کبھی کبھی اپنے شوہر سے بھی استری کروالیا کیجیے۔

گھومنے جانا

ہفتے میں ایک بار آؤٹنگ کے لیے ضرور جائیں۔

شادی شدہ زندگی

ضروری نہیں کہ باہر سے کھانا وانا کھا کر آیا جائے' کسی بھی تفریح کی جگہ پر جانے سے آپ تمام گھر والے فریش بھی ہوجائیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے سے ایک دوسرے کے اور قریب ہوں گے۔ فرصت کے لمحات میں ایک دوسرے سے دل کی باتیں بھی کر سکیں گے۔

شوہر کی دلچسپیوں کا خیال رکھیں

گھر کو جنت بنانا عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے' آپ گھر کو ضرور توجہ دیں' بچوں کا پورا خیال رکھیں۔ گھر کے دوسرے افراد کی کیئر کریں پر سب سے زیادہ اہمیت اپنے شوہر کو دیں' ان کے بارے میں سب کچھ جانیے کہ ان کی پسند ناپسند کیا ہے۔